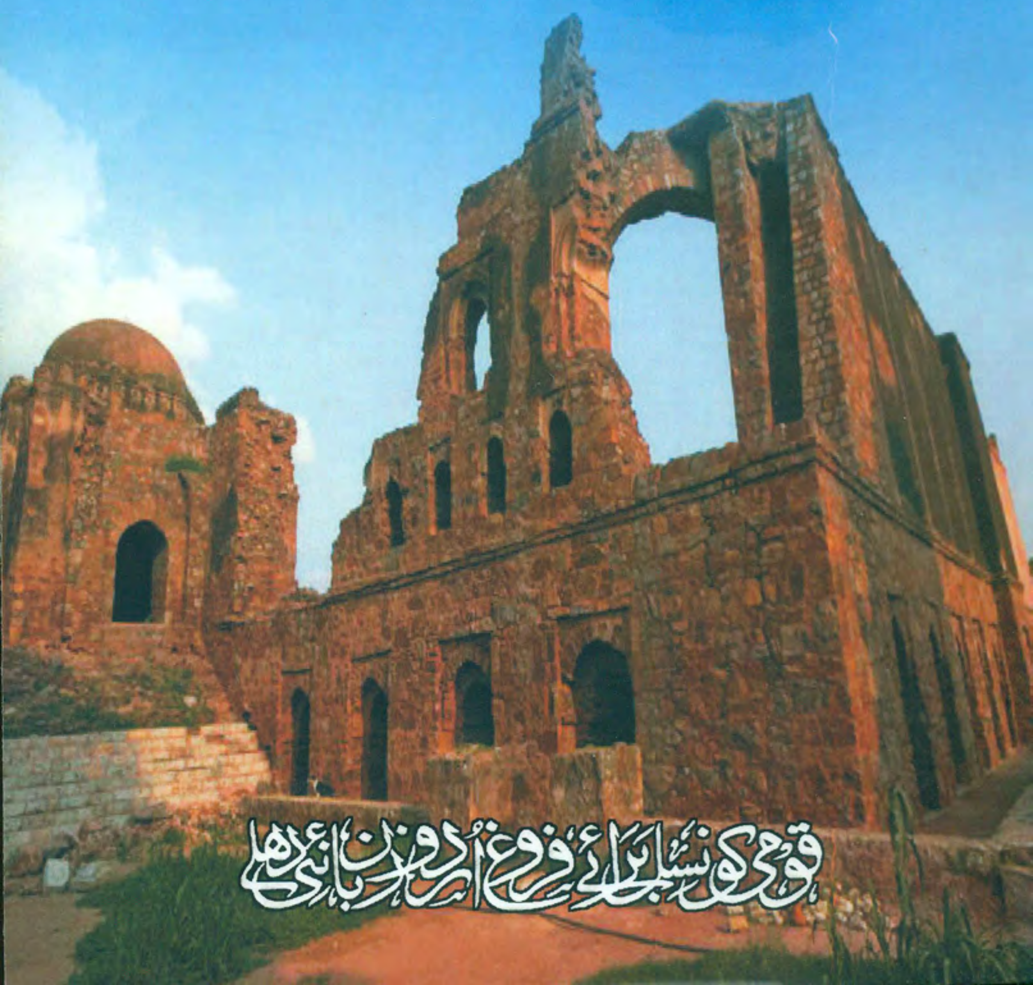
قدیم ہندوستان کی تاریخ

رما شنکر ترپاٹھی



قدیم ہندوستان کی تاریخ

رما شنکر ترپاٹھی

مترجم

سید نخی حسن نقوی



قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل

حکومت ہند

ویسٹ بلاک-I، آر-کے-پورم، نئی دہلی-110066

فون: 6179657, 6103381, 6103938

Qadeem Hindustan Ki Tareekh

By : Rama Shanker Tirpathi

سنہ اشاعت:

پہلا اڈیشن : 1981

دوسرا اڈیشن : 1998 تعداد 1100

قیمت : -/114

سلسلۂ مطبوعات : 241

ناشر : ڈائریکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک-I، آر-کے-پورم، نئی دہلی-110066

طابع : لاہوتی پرنٹ ایڈز، جامع مسجد، دہلی-110006

پیش لفظ

"ابتدا میں لفظ تھا۔ اور لفظ ہی خدا ہے"

پہلے جمادات تھے۔ ان میں نمو پیدا ہوئی تو نباتات آئے۔ نباتات میں جبلت پیدا ہوئی تو حیوانات پیدا ہوئے۔ ان میں شعور پیدا ہوا تو بنی نوع انسان کا وجود ہوا۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ کائنات میں جو سب سے اچھا ہے اس سے انسان کی تخلیق ہوئی۔

انسان اور حیوان میں صرف نطق اور شعور کا فرق ہے۔ یہ شعور ایک جگہ پر ٹھہر نہیں سکتا۔ اگر ٹھہر جائے تو پھر ذہنی ترقی، روحانی ترقی اور انسان کی ترقی رک جائے۔ تحریر کی ایجاد سے پہلے انسان کو ہر بات یاد رکھنا پڑتی تھی، علم سینہ بہ سینہ اگلی نسلوں کو پہنچتا تھا، بہت سا حصہ ضائع ہو جاتا تھا۔ تحریر سے لفظ اور علم کی عمر میں اضافہ ہوا۔ زیادہ لوگ اس میں شریک ہوئے اور انھوں نے نہ صرف علم حاصل کیا بلکہ اس کے ذخیرے میں اضافہ بھی کیا۔

لفظ حقیقت اور صداقت کے اظہار کے لیے تھا، اس لیے مقدس تھا۔ لکھے ہوئے لفظ کی، اور اس کی وجہ سے قلم اور کاغذ کی تقدیس ہوئی۔ بولا ہوا لفظ، آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ ہوا تو علم و دانش کے خزانے محفوظ ہو گئے۔ جو کچھ نہ لکھا جا سکا، وہ بالآخر ضائع ہو گیا۔

پہلے کتابیں ہاتھ سے نقل کی جاتی تھیں اور علم سے صرف کچھ لوگوں کے ذہن ہی سیراب ہوتے تھے۔ علم حاصل کرنے کے لیے دور دور کا سفر کرنا پڑتا تھا، جہاں کتب خانے ہوں اور ان کا درس دینے والے عالم ہوں۔ چھاپہ خانے کی ایجاد کے بعد علم کے پھیلاؤ میں وسعت آئی کیونکہ وہ کتابیں جو نادر تھیں اور وہ کتابیں جو مفید تھیں آسانی سے فراہم ہوئیں۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اچھی کتابیں، کم سے کم قیمت پر مہیا کرنا ہے تاکہ اردو کا دائرہ نہ صرف وسیع ہو بلکہ سارے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور پڑھی جانے والی اس زبان کی ضرورتیں پوری کی جائیں اور نصابی اور غیر نصابی کتابیں آسانی سے مناسب قیمت پر سب تک پہنچیں۔ زبان صرف ادب نہیں، سماجی اور طبعی علوم کی کتابوں کی اہمیت ادبی کتابوں سے کم نہیں، کیونکہ ادب زندگی کا آئینہ ہے، زندگی سماج سے جڑی ہوئی ہے اور سماجی ارتقاء اور ذہنِ انسانی کی نشوونما طبعی، انسانی علوم اور تکنالوجی کے بغیر ممکن نہیں۔

اب تک بیورو نے اور اب تشکیل کے بعد قومی اردو کونسل نے مختلف علوم اور فنون کی کتابیں شائع کی ہیں اور ایک مرتّب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ یہ کتاب اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ امید ہے یہ اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔ میں ماہرین سے یہ گذارش بھی کروں گا کہ اگر کوئی بات ان کو نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں نظرِ ثانی کے وقت خامی دور کر دی جائے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
ڈائریکٹر
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند، نئی دہلی

انتساب

اپنی رفیقۂ حیات

ہیم وتی دیوی

کے نام

جن پر میں نے ہمیشہ والہانہ پیار کے پھول نچھاور کیے

اور

جن کی یاد ہر دم تازہ ہے۔

آر۔ ایس۔ ترپاٹھی

فہرست مضامین

حصہ دوم

حصہ سوم

حصۂ چہارم

پیش لفظ

اس کتاب کا مقصد یہ ہے کہ قدیم ہندوستان کی تاریخ، معاشرت اور اداروں کا حال، ہندوستان کی تاریخ کے تاریک دور سے لے کر مسلمانوں کی حکومت کے قیام تک کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے یہ قارئین کے کسی خاص طبقہ کے واسطے نہیں لکھی گئی۔ بلکہ کتاب کا بنیادی نشا یہ ہے کہ یہ طلبا، ماہرین اور تمام ان لوگوں کے لئے جو قدیم ہندوستان کی تاریخ سے دلچسپی رکھتے ہیں یکساں طور پر مفید اور کارآمد ثابت ہو۔ اپنے بیان کو قارئین کے ان تمام طبقوں کی جو تاریخ کا مطالعہ مختلف زاویوں سے کرتے ہیں، ضرورت اور ذوق کے مطابق بنانے میں میں کہاں تک خوشگوار توازن پیدا کر سکا ہوں، اس کا فیصلہ اہل نظر ہی کر سکتے ہیں۔ اس مقام پر بس اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ آنے والے صفحات میں پوری کوشش کی گئی ہے کہ تاریخی حقائق کی خشک ہڈیوں کا انبار قارئین کے سامنے پیش نہ کیا جائے، نیز بیان ایک طرف تو تاریخی مسائل کے پیچیدہ مباحث سے بوجھل نہ ہو جائے اور دوسری طرف، یہ بھی نہ ہو کہ ہندوستان کے طویل اور شاندار ماضی کا جائزہ محض سرسری ہو کر رہ جائے۔ میں نے معلومات کے تمام ذرائع۔ ادبی، لوحی اور مسکوکاتی۔ کی اچھی طرح چھان بین کی ہے۔ اور انھیں بہ احسن وجوہ استعمال کیا ہے اور اسی کے ساتھ مختلف موضوعات اور مختلف ادوار پر جو جدید ترین تحقیقات ہوئی ہیں انھیں احتیاط کے ساتھ اس میں سمونے کی کوشش کی ہے۔ تمام مواد کی میں نے بڑے صبر و سکون کے ساتھ جانچ پڑتال کی ہے اور تاریخی حقائق تک پہنچنے کے لئے اس مواد کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ موجودہ دور کی کتابوں میں یہ بے محل رجحان پایا جاتا ہے کہ ہندوستان کی تاریخ کی خصوصیات بیان کرنے میں لوگ یا تو مبالغہ سے کام لیتے ہیں یا ضرورت سے زیادہ مذمت کر ڈالتے ہیں۔ اس کتاب میں اس سے قطعی طور پر پرہیز کیا گیا ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ اختلافی مسائل میں مورخ کو جانبدار نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ نہ تو وہ خیالات و نظریات کا مبلّغ ہوتا ہے اور نہ پرانے حکمراں خاندانوں کے ہوس پرستانہ کارناموں

کا قصیدہ خواں۔ اس لئے مورخ کو چاہیئے کہ جہاں تک بھی ممکن ہو غیر جانب دار رہے اور اپنے ذہن کے آئینہ کو اس طرح پاک وصاف رکھے کہ اس میں تاریخی حقائق اپنی اصلی صورت میں جھلکنے لگیں، نہ ان کی شکل بگڑے، نہ ان میں کسی قسم کی رنگ آمیزی آئے۔ اس کے علاوہ اس کے بیانات میں اعتقادی قطعیت نہیں ہونی چاہیے۔ خاص کر قدیم ہندوستان کی تاریخ میں جہاں بڑے بڑے خلا موجود ہیں اور جہاں شواہد واسناد نہ صرف مبہم، غیریقینی اور نامکمل ہیں بلکہ بعض اوقات متباین اور متضاد بھی ہیں ہماری معلومات کی جب یہ نوعیت ہے تو بلاشبہ اس قدر طویل مدت گزر جانے کے بعد بعض راجاؤں کا تاریخی وجود ہی مشتبہ ہو جاتا ہے بہرحال ہمارا تشکک بھی فطری ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے قدیم اسلاف بھی بڑی حد تک تشکک کا شکار تھے۔ اس موقع پر وشنو پران کے الفاظ یاد آجاتے ہیں کہ میں نے یہ تاریخ دی ہے۔ ان راجاؤں کا وجود مستقبل میں اسی طرح مشتبہ اور اختلافی بن جائے گا جس طرح آج رام اور دوسرے جلیل القدر راجاؤں کا بن گیا ہے۔ مرور ایام کے ساتھ راجہ مہاراجہ قصۂ پارینہ بن جاتے ہیں۔ وہ راجہ مہاراجہ جو سوچتے تھے اور سوچتے ہیں "ہندوستان میرا ہے" تف ہے ان سلطنتوں پر، تف ہے مہاراجہ راگھو کی سلطنت پر۔

اس کتاب کی تصنیف کا خیال کچھ سال پہلے دماغ میں پیدا ہوا تھا لیکن بعض ناقابل بیان کی وجوہ پر پورا نہ ہو سکا۔ اب بھی میں ایک باب "ہندوستان عظمیٰ" پر اور ایک "ہماری تاریخ کی عام خصوصیات" پر نہیں لکھ سکا ہوں۔ مجھے بہرحال امید ہے کہ اگلے ایڈیشن کی اشاعت میں ان دونوں ابواب کا اضافہ کر دیا جائے گا۔ اس اشاعت میں طباعت کی گرانی کے باعث میں نقشے اور تصاویر بھی شامل نہیں کر سکا ہوں۔

میں ان تمام حضرات کا جو مجھ سے پہلے قدیم ہندوستان کی تاریخ پر قلم اٹھا چکے ہیں تہ دل سے شکر گذار ہوں۔ میں نے ان کی تصانیف کا بڑی احتیاط سے مطالعہ کیا ہے، اور جہاں ضروری سمجھا ہے ان سے اخذ بھی کیا ہے۔ میں خصوصیت کے ساتھ اپنے محترم دوست پروفیسر بی۔ ایل۔ ساہنی صاحب کا ممنون ہوں جنھوں نے پروف دیکھنے کی زحمت گوارا کی اور بڑے خلوص کے ساتھ اپنے علم اور تجربے سے مجھے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا۔ میں اپنے فاضل رفیق کار ڈاکٹر اے۔ ایس۔ آلٹیکر کا بھی احسان مند ہوں جنھوں نے مسودہ کو پڑھا اور اپنے مفید مشوروں سے مجھے نوازا۔ آخر میں جناب رام شمیر

صاحب بھی میرے شکریہ کے مستحق ہیں جنھوں نے کتاب کا اشاریہ مرتب کرنے میں میری مدد کی۔

نقل الفاظ کا جو طریقہ اس کتاب میں اختیار کیا گیا ہے وہ وہی ہے جو اس سے پہلی کتاب "تاریخ قنوج" میں اختیار کیا گیا ہے۔

لیکن آجکل کے شہروں یا عام استعمال کے ناموں میں میں نے ان علامتوں کا استعمال نہیں کیا ہے جو تلفظ میں آسانی کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔

آخر میں میں اپنے قارئین سے اپنی فروگذاشتوں اور غلطیوں کے لئے معافی کا خواستگار ہوں اور حالانکہ میں نے اپنے بیان میں وضاحت، اختصار، صحت اور جامعیت برقرار رکھنے کے لئے پوری کوشش کی ہے پھر بھی باریک بیں نگاہیں خامیوں کی گرفت بہت جلد کر لیتی ہیں۔ اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ قارئین انھیں نظر انداز کریں گے۔ جس موضوع پر میں نے قلم اٹھایا ہے وہ بہت وسیع بھی ہے اور پیچیدہ بھی اور جب میں لکھ رہا تھا مجھے اکثر کالیداس کا یہ شعر یاد آرہا تھا۔

क्व सूर्यप्रभवो वंश : क्व चाल्पविषया मति
तिती र्षुर्दुस्तर मोहादुडुपेनास्मि सागरम ॥

ویساکھی پورنیما
۳۰، اپریل، ۱۹۴۲ء

رماشنکر ترپاٹھی

عرضِ مترجم

ترجمہ کا کام اتنا آسان نہیں ہے جتنا بعض لوگوں نے فرض کرلیا ہے۔ اپنے ہی خیالات کو اپنے ہی الفاظ کا جامہ پہنانا آسان ہے، لیکن دوسرے کے خیالات کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا نسبتاً مشکل۔ محنت، ذہانت، اور مہارت تحقیقی کام میں بھی درکار ہے اور ترجمہ میں بھی۔ لیکن ترجمہ میں اس کی نوعیت دوسری ہوتی ہے۔ مترجم کے لئے ضروری ہے کہ اس زبان میں بھی مہارت تام رکھتا ہو جس سے وہ ترجمہ کر رہا ہے اور اُس زبان پر بھی پوری پوری قدرت رکھتا ہو جس میں وہ ترجمہ کر رہا ہے۔ مترجم کو مصنف کے دماغ میں گھسنا پڑتا ہے۔ اس جہت سے مترجم کی ذمہ داری مصنف سے فزوں تر ہوتی ہے اور منفرد حیثیت رکھتی ہے۔

ڈاکٹر رما شنکر ترپاٹھی کی "قدیم ہندوستان کی تاریخ" معیاری کتاب ہے اور انگریزی زبان پر ان کی قدرت قابلِ داد ہے۔ اس لئے اس کا ترجمہ بھی دقت طلب ہونا چاہیئے۔ اس کے علاوہ کتاب کا موضوع ایسا ہے جس سے اُردو زبان اور اُردو داں طبقہ مانوس نہیں ہے۔ مجھے اپنی کتاب "ہمارا قدیم سماج" نے بڑی حد تک اس ترجمہ میں مدد دی ہے۔ اگر یہ کتاب میرے قلم سے نہ نکلی ہوتی تو یقیناً مجھے بھی اس کتاب کے ترجمہ میں کہیں زیادہ دشواری پیش آتی۔

ترجمہ میں میں نے تین باتوں کا خاص طور پر خیال رکھا ہے۔ ایک یہ کہ ترجمہ حتی الامکان لفظی ہو، لیکن لطف جب ہے عبارت پڑھنے کے بعد قاری یہ محسوس نہ کر سکے کہ وہ ترجمہ پڑھ رہا ہے۔ زبان میں روانی قائم رہے اور جو معیار مصنف کا انگریزی زبان میں ہے وہی معیار ترجمہ کا اُردو میں باقی رہے۔ یہ ایک دشوار گذار منزل تھی۔ کہاں تک میں اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوا ہوں اس کا فیصلہ قارئین خود فرمائیں۔

انگریزی زبان کی روش یہ ہے کہ اس میں مرکب اور مُلتف جملوں کی بھرمار ہوتی ہے۔

اور یہی اس میں خوبصورت معلوم ہوتی ہے اُردو کا مزاج اس کے برعکس ہے۔ اگرچہ اُردو میں طویل جملوں کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا ہے، لیکن ترجمہ میں پابندی کے ساتھ اگر اس روش کی تقلید کی جائے تو ترجمہ بوجھل ہوجاتا ہے، اور "ترجمہ" معلوم ہونے لگتا ہے۔ اس لئے دوسری بات جسے میں نے ترجمہ میں ملحوظ رکھا ہے یہ ہے کہ اُن موقعوں پر جہاں میں نے دیکھا ہے کہ ترجمہ بھدا ہوا جارہا ہے، یا اُردو کا حُسن برقرار نہیں رہتا، وہاں میں نے طویل جملوں کو توڑ کر کئی چھوٹے چھوٹے سادہ جملوں میں تبدیل کر دیا ہے۔

میرے نزدیک اس کتاب کے ترجمہ کا مقصد یہ ہے کہ اُردو داں طبقہ قدیم ہندوستان کی تاریخ، اُس عہد کے اداروں، اہم شخصیتوں اور ان کے کارناموں سے کماحقہٗ واقفیت حاصل کرلے۔ اس لئے قدیم شخصیتوں اداروں اور کتابوں کا تلفظ دُرست ہونا انتہائی ضروری ہے۔ اگر قاری ان غریب اور نامانوس ناموں کو صحیح ادا نہ کرسکا تو کتاب کا مقصد فوت ہوجائے گا۔ اس لیے تیسری بات جس پر میں نے خاص طور پر توجہ کی ہے یہ ہے کہ چینی یونانی سنسکرت، کناڑی اور جنوبی ہند کی دوسری زبانوں کے ناموں کا تلفظ قاری ٹھیک ادا کرسکے۔ اس سلسلہ میں جہاں تک ممکن ہوسکا ہے میں نے بہت احتیاط برتی ہے۔ اُردو داں طبقہ کے لئے چونکہ بیشمار الفاظ اور نام بالکل غریب ہیں اس لئے میں نے کافی دیدہ ریزی کے بعد عام رواج سے ذرا ہٹ کر رموز اوقاف کا التزام رکھا ہے اور حسب ذیل اعراب ہندی کی ماتراؤں کے لئے استعمال کئے ہیں: अ - اَ، आ - آ، इ - اِ، ई - اِی، उ - اُ، ऊ - اُو، ए - اے، ऐ - اَے، औ - اَو

یائے معروف جہاں لفظ کے بیچ میں آتی ہے وہاں اُسے اس طرح ظاہر کیا ہے، جیسے کیرتیِ وَرمَن۔ جہاں ہائے ہوز (ہ) کھلی ملی بولی جاتی ہے وہاں دوچشمی "ھ" استعمال کی ہے۔ جہاں دو حرفوں کی آواز مل کر نکلتی ہے، مثلاً क्षत्री، انھیں اس طرح ادا کیا ہے، جیسے "کشتری"۔ یا سوتر اگلے زمانہ کے اُردو شعرا اور اُدبا نے سنسکرت کے "ण" کو ترک کرکے اس کی جگہ سادہ نون استعمال کیا جو آج تک بدستور رائج ہے، مثلاً "ब्राह्मण" کو اُردو والے بے تکلفی سے برہمن بولتے ہیں۔ مرثیہ گوؤں نے سنسکرت کے "ण" کو "ن" لکھا ہے اور یہ اس قدر عام ہوگیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ عربی یا فارسی سے اُردو میں داخل ہوا ہے۔ اسی لئے میں نے بھی اسی اصول کی پابندی کی ہے۔ نون غنہ پر اس قسم کا نشان بنایا ہے، جیسے "جگت تُنگ"، اور دو دو سے زیادہ حرفوں کو ملانے کے لئے جزم کا استعمال کیا ہے، جیسے "مَنّیک کدیم" نامانوس الفاظ اور ناموں کے تلفظ میں آسانی کے لئے انھیں اکثر توڑ کر لکھا ہے، "مثلاً کن چی پو تُو"

سنگرام وِجے اُت تنگ وَرمَن"، یا "اَدِیِ یُرک گُنلُرَ" تاکہ قاری انھیں اسی طرح ادا کر سکے جیسے اصل زبان میں ادا کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ، شہروں، دریاؤں اور دیگر ناموں اور شخصیات کے ناموں میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے میں نے آخرالذکر پر وہ نشان (یعنی ــــ) بنایا ہے جو اُردو میں عام طور پر شعرا کے تخلص پر لگایا جاتا ہے نیز کلاسکل کتابوں کے نام اور مصطلحات جنھیں لکھنے میں مصنف نے ترچھے حروف استعمال کئے ہیں انھیں میں نے عربی خط میں لکھا ہے۔

ناموں کے سلسلہ میں ایک دقت یہ پیش آئی کہ انگریزی والے، مثال کے طور پر [illegible] اور [illegible] کو راما اور "کرشنا" اور اُردو والے "رام" اور "کرشن" لکھتے ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ ان دونوں ناموں میں آخری حرف ساکن نہیں ہے۔ اس لئے میں نے انگریزی روش کی تقلید نہیں کی ہے، بلکہ انگریزی اور اُردو کے بین بین راستہ اختیار کیا ہے، یعنی آخری حرف پر زبر لگا دیا ہے اور اس طرح لکھا ہے "رامَ" اور "کرشنَ"۔ اس طرح غالباً ہندی تلفظ کا تقاضہ بدرجۂ اتم پورا ہو گیا ہے۔

متن میں یا حاشیوں میں، انگریزی یا سنسکرت اور ہندی اول تو بیچ بیچ میں لکھی ہوئی خوبصورت نہیں معلوم ہوتی۔ دوسرے یہ کہ اس طرح جگہ کافی گھر جاتی ہے۔ تیسرے یہ کہ اُردو کے کاتب بہ یک وقت انگریزی، سنسکرت، اور ہندی رسم خط میں یکساں مہارت نہیں رکھتے۔ اس لئے میں نے متن میں اور حاشیوں میں تمام یونانی، سنسکرت اور کناڑی یا تامل وغیرہ کے نام اور انگریزی کی کتابوں اور ان کے مصنفوں کے نام اُردو رسم خط میں لکھے ہیں، لیکن قاری کی سہولت کے لئے اُن تمام غریب اور نامانوس ناموں کو اشاریہ میں اور کتابیات میں انگریزی میں بھی لکھ دیا ہے۔ اس کے علاوہ بعض مشکل مقامات کی تشریح و توضیح کی غرض سے قاری کی آسانی کے لئے اپنی طرف سے حاشیوں کا اضافہ کیا ہے۔

حق ناشناسی ہوگی اگر میں اس کا اعتراف نہ کروں کہ اس کتاب کے ترجمہ میں مجھے مولانا عبدالحق کی انگریزی اُردو لغت سے بڑی مدد ملی ہے جس کی تیاری میں محترم ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب کا زبردست ہاتھ ہے۔ اس لئے میں بالواسطہ ان کا مرہونِ منت ہوں۔ کتاب کے آخر میں جو فرہنگِ مصطلحات شامل کی گئی ہے وہ بڑی حد تک اسی لغت سے ماخوذ ہے۔ صرف ایک آدھ جگہ اُس سے انحراف کیا گیا ہے۔

مجھے امید ہے تاریخ کے اُردو داں طبقہ میں ترجمہ اتنا ہی مفید ثابت ہوگا جتنا انگریزی داں حلقہ میں اصل کتاب۔

امام المدارس انٹر کالج امروہہ

مورخہ ۱۱ مئی ، ۷۱ء

سید سخی حسن نقوی

حصۂ اوّل

باب اوّل

تمہیدیہ
مآخذ

تاریخ کا فقدان

قدیم ہندوستان کا ادب متنوع بھی ہے اور مالا مال بھی لیکن تاریخ میں غیر معمولی طور پر ناقص و نامکمل۔ برہمنوں، بودھوں اور جینیوں کے ادبی خزانوں میں ایک کتاب بھی ایسی نہیں جو کتاب سلاطین، تاریخ لیوی، یا ہیروڈوٹس کی تواریخ کا مقابلہ کر سکے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ہندوستان کا ماضی عظیم الشان کارناموں سے بالکل عاری ہے۔ اس کے برخلاف وہ تمام عہد جرأت آفریں کارناموں، معاشرتی انقلاب اور خاندانی تغیرات سے بھرپور ہے۔ مقام حیرت ہے کہ یہ تمام واقعات ترتیب کے ساتھ باقاعدہ تاریخ کی صورت اختیار نہ کر سکے۔ ادبی سرگرمیوں کے ایک اہم میدان سے اس بے التفاتی اور بے رُخی کا سبب یا تو یہ تھا کہ لوگوں میں تاریخی ذوق کا فقدان تھا، یا یہ کہ وہ مذہبی فرقے جو ادب پر اقتدار رکھتے تھے اور اس کی نشوونما میں سرگرم کار تھے وہ خود بے اعتنائی برت رہے تھے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قدیم ہندوستان کا مورخ تاریخی شواہد و اسناد کی کمیابی سے پیدا ہونے والی ابتدائی مشکلات میں پھنس کر رہ جاتا ہے[1]

---

[1] البیرونی: ہندو لوگ تاریخی تسلسل کی طرف زیادہ توجہ نہیں کرتے۔ وہ تاریخ وار واقعہ نگاری کی پرواہ نہیں کرتے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

قدیم ہندوستان کی تاریخ کے مآخذ کو آسانی کے لیے دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ادبی، اور اثری جو دیسی بھی ہیں اور بدیسی بھی[1]۔ آئیے پہلے اوّل الذکر کا جائزہ لیں۔

ادبی مآخذ

غیر تاریخی کتب

ہندوستان کا قدیم ادب خالص مذہبی رنگ کا ہے۔ تاریخ کے بے شمار عالموں نے صبر و سکون کے ساتھ بڑی عرق ریزی کی ہے۔ تب کار آمد تاریخی مواد برآمد کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر وید ہیں۔ خاصکر رگ وید۔ جس نے ہندوستان میں آریوں کے ارتقا، ان کی داخلی تقسیم اور" داسیوں سے ان کی لڑائیوں اور دوسرے متعلقہ موضوعات کے بارے میں اہم تاریخی معلومات فراہم کردی ہیں۔ اسی طرح براہمن (مثلاً اتیریہ ست پتھ، تیتریہ) اور اپنشد جیسے برہ دار لائیک، چاندِ یوگ، یا بودھوں کے جاتک، نکائے اور جینیوں کی مقدس کتابیں (مثلاً کلپ سوتر، اُتراج، بینا، سوتر) یہ تمام تاریخی روایات کی حامل ہیں جن سے ہم تاریخ مرتب کرنے میں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ جدید تحقیق نے یہ بھی ثابت کردیا ہے کہ اس قسم کے تمام غیر تاریخی مآخذ جیسے گارگی، سن ھتا جو ہیئت پر رسالہ ہے، یا کالیداس اور بھاس کے ڈرامے، یا پانینی نے جو تشریحی مثالیں اپنی کتاب قواعد اشٹ آدھیائیں میں یا پتنجلی نے مہابھاسیہ میں بالکل اتفاقیہ طور پر درج کر دی ہیں، وہ سب بعض اوقات تاریخ کے تاریک گوشوں کو اُجاگر کر دیتی ہیں۔ لیکن یہ تمام اتفاقیہ حوالے اور اشارے کتنے ہی کار آمد و معتبر ہوں، ہمارے ذوقِ تحقیق کی تسکین کے لیے بہت ناکافی ہیں۔

نام نہاد تاریخی ادب
اس لیے اب ہمیں ان کتابوں کی طرف متوجہ ہونا چاہیے جنھیں ہم تاریخ کی بنیاد کہہ سکتے ہیں۔ ہماری دونوں رزمیہ نظمیں،

(حاشیہ بقیہ صا ۷) اور جب ان پر زور دیا جاتا ہے اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں، تو وہ ہمیشہ داستان سرائی پر اُتر آتے ہیں۔ (زخاؤ، البیرونی کا ہندوستان، جلد ۲ صـ

[1] ملاحظہ ہو امپیریل گزیٹیر آف انڈیا، جلد ۲ (آکسفورڈ، ۱۹۰۹ء صا حاشیہ

راماٸن اور مہابھارت اس میدان میں قدیم ہندوؤں کی پہلی قابل ذکر کوششیں ہیں۔ بلاشبہ رزمیہ نظمیں اس عہد کے مذہبی اور سماجی ماحول کی بڑی دلچسپ تصویریں پیش کرتی ہیں۔ لیکن جہاں تک تاریخی واقعات کو تسلسل کے ساتھ پیش کرنے کا تعلق ہے وہ افسوناک حد تک اس سے عاری ہیں۔ اور ان میں داستان بھری ہوئی ہے۔ اس کے بعد پُران آتے ہیں، جن کی تعداد اٹھارہ ہے۔ کہتے ہیں سوت لوم ہرشن یا ان کے فرزند (سوتی) اُگرشروس ان کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ پُران عام طور پر پانچ مخصوص موضوعات پر روشنی ڈالتے ہیں جیسے (ا) سرگ (ابتدائی تخلیق) (ب) پرتی سرگ (کائنات کے وقتاً فوقتاً فنا ہونے کے بعد تخلیق ثانی)، (ج) ونش (دیوتاؤں اور رشیوں کے شجرے) (د) من ونتر (کلپ یا جگ میں مہاٹیگ "عظیم روشنی" کے حصے) جن میں سے ہر ایک میں بنی نوع انسان کے پہلے باپ منو تھے (ہ) ونشانو چرتر (قدیم راجاؤں کے خاندانوں کی تاریخ) تاریخ کے نقطۂ نظر سے آخرالذکر موضوع ہی اہم ہے لیکن آج تک باقی رہ جانے والے پُرانوں میں سے اس موضوع پر صرف متسیہ، وایو، وشنو، برہمانڈا، بھاگوت اور بھوشیہ میں تاریخ ملتی ہے۔ اس طرح پُرانی دنیا کی داستانوں کے اکثر مجموعے کوئی تاریخی اہمیت نہیں رکھتے۔ جو باقی رہے ان میں بھی جو کچھ ہے وہ بیشتر علم الاصنام سے تعلق رکھتا ہے اور تاریخی تسلسل کے نقطۂ نظر سے بالکل بے ترتیب و منتشر ہے۔[1]

بعض اوقات ان میں معاصر خاندانوں یا راجاؤں کا ذکر جانشین کی حیثیت سے یکے بعد دیگرے کیا گیا ہے یا بعضوں کا سرے سے کوئی ذکر نہیں کیا گیا ہے (مثلاً پرانوں میں کشن، ہندی یونانی اور ہندی پارتھی راجاؤں کا کوئی ذکر نہیں ہے) تاریخیں یا سنہ کہیں نہیں ہیں اور اکثر مقامات پر راجاؤں کے نام غلط ہیں۔ (جیسے آندھرا کے راجاؤں کی فہرست) ان خامیوں کے باوجود پُران یقیناً اہم تاریخی معلومات بہم پہنچاتے ہیں اور ناانصافی ہوگی اگر ہم اُن کی سند کو یکسر مسترد کردیں تاریخی مواد فراہم کرنے والی دوسری قدیم کتابوں میں بان کا ہرش چرتر، سندھیاکرنندی کا رام چرتر، پدم گپت کا نوسادہ سانک چرتر، بلہن کا وکرم دیوچرتر، اور جیرتھ کی پرتھوی راج وجے خاص طور پر

---

[1] اس مقام پر گوئیٹے کا قول یاد آتا ہے: "مورخ کا فرض ہے کہ وہ حق کو باطل سے، یقینی باتوں کو غیر یقینی باتوں سے، اور مشتبہ واقعات کو ان واقعات سے جدا کردے جو تسلیم نہیں کئے جا سکتے۔"

قابل ذکر ہیں۔ بد قسمتی سے ان تمام کتابوں میں تاریخی مواد بہت کم ہے۔ یہ سب ادبی ہیں۔ اور ان میں جزوی تفصیلات اور تشبیہات و استعارات کی بھرمار ہے۔ سنسکرت کی پہلی کتاب جسے ہم تاریخ کا نام دے سکتے ہیں کلہن کی راج ترنگینی ہے۔ کلہن نے اسے ۱۱۴۸ء میں لکھنا شروع کیا۔ اگلے مورخین کی تحریریں، شاہی فرامین اور مدح و ثنا کے کتبے اس کے بیانات کی بنیاد ہیں۔ کشمیر کی اس تاریخ میں کلہن نے اپنے وقت سے چند صدی پیشتر کے جو واقعات بیان کئے ہیں وہ بالکل قابل اعتبار ہیں، لیکن اس سے پہلے کے حالات کے حالات کے معاملہ میں اس سے بھی بڑی عجیب و غریب فروگذاشتیں ہوئی ہیں۔ ان تمام کتابوں کے علاوہ جنوبی ہندوستان خاص کر تامل زبان کی دستاویزی اسناد کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ (مثال کے طور پر نن ڈِکا لم بکم۔ اوٹمکٹ کُتن کی کلوت تنگن پلیت تامل، جے گوندر کی کلنگ تپا رانی راج راج سو بن الا، چولاونش چرتم وغیرہ)۔ لنکا کی تاریخیں۔ دیپ ونش (چوتھی صدی عیسوی) مہاونش (چھٹی صدی عیسوی) اور پراکرت کی دوسری تصانیف جیسے واک پتی کی گوڑوھو اور ہیم چندر کی کمار پال چرت، یہ سب کی سب بہت احتیاط کے ساتھ تنقیدی مطالعہ کی متقاضی ہیں۔

غیر ملکی اسناد

غیر ملکی مصنفین اور سیاحوں کے بیانات جنھوں نے ہندوستان میں کچھ عرصے قیام کرنے کے بعد رائے قائم کی یا سُنی سنائی باتوں کی بنیاد پر لکھا، مندرجہ بالا ماخذ سے کسی طرح کم اہمیت نہیں رکھتے۔ اس فہرست میں مختلف قوموں کے لوگ شامل ہیں۔ یونانی، رومی، چینی، تبتی اور مسلمان۔ سب سے پہلے جس نے ہندوستان کا ذکر کیا وہ یونانی مورخ ہیروڈوٹس تھا۔ وہ شہادت دیتا ہے کہ شمالی مغربی ہندوستان کا سیاسی تعلق پانچویں صدی قبل مسیح میں سلطنت فارس سے تھا۔ اس کے بعد پنجاب اور سندھ پر سکندر کا طوفانی حملہ ہوا۔ جس کا ذکر بہت سے یونانی اور رومی مورخین نے کیا ہے۔ مثلاً کوئنٹس، کرٹیئس۔ ڈیوڈورس، سیکولس، آیرین، پلوٹارک وغیرہ۔ ان مورخین کی شہادت کی اہمیت اس بات سے جانچنا چاہیے کہ یونانی حملہ کا ذکر صرف انھیں مورخین نے کیا ہے جبکہ ہندوستانی مصنفین اس عظیم اور دور رس آفریں واقعہ

سے روگردانی اختیار کر کے چپ سادھے ہوئے ہیں۔ موریہ دربار میں تعینات یونانی سفیر میگستھنیز کی لکھی ہوئی انڈکا بھی ہمارا ایک اہم ذریعہ معلومات ہے، جس سے ہمیں ہندوستان کے مذہبی اور سماجی اداروں، پیداواروں اور جغرافیہ کا حال معلوم ہوتا ہے۔ یہ اب بالکل ناپید ہوگئی ہے لیکن اقوال کی صورت میں اس کے اجزا باقی ہیں جنھیں مورخینِ مابعد مثلاً ایرین، ایتنیٔ، اسٹرابو اور جسٹن وغیرہ نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ اسی طرح "پیری پلس آف دی ایر تھرین سی"، یا ٹالمی کا جغرافیہ بہت دل چسپ جغرافیائی معلومات بہم پہنچاتی ہیں۔

یونان اور روم کی کلاسکی کتابوں کی طرح چینی ادب بھی قدیم ہندوستان کی تاریخ مرتب کرنے میں بڑا سہارا دیتا ہے۔ اس میں وسط ایشیا کے ایسے بے شمار وحشی قبیلوں کی نقل و حرکت کا ذکر ملتا ہے، جنہوں نے ہندوستان کے مستقبل پر گہرا اثر ڈالا۔ ان سب سے بڑھ کر ہمارے پاس تین ممتاز زائرین۔ فاہیان (۳۹۹۔۴۱۴ء) ہیون سانگ (۶۲۹۔۶۴۵ء) اور آئی سنگ (۶۷۳۔۶۹۵ء) کے گرانقدر سفرنامے موجود ہیں جنھوں نے حصولِ علم کے شوق میں ہندوستان کا دورہ کیا اور اُن مقامات کی زیارت کی جو مہاتما گوتم بدھ کی نسبت سے متبرک مانے جاتے تھے۔ مزید برآں تبت کے لاما تارانا تھ کی کتابوں ڈُلوا اور تنگ یُور وغیرہ سے بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

اس کے بعد مسلم مورخین کی باری آتی ہے جو ہمیں بتاتے ہیں کہ اسلام کی فوجوں نے رفتہ رفتہ ہندوستان کو کیوں کر فتح کیا اور کس طرح ہندوستان کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کر دیا۔ ان مورخین میں سرفہرست البیرونی ہے۔ وہ سنسکرت کا عالم تھا اور اپنی فہم و فراست اور ہمہ دانی کے لیے ممتاز مقام رکھتا تھا۔ وہ محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان آیا اور ۱۰۳۰ء میں اپنی تحقیق ہند لکھی، جو ہندوستان اور ہندوستان کے لوگوں کے بارے میں معلومات کی کان ہے۔ اس سے پہلے مسلم مصنفین میں بلاذری، سلیمان (سلسلۃ التواریخ) اور مسعودی (مروج الذہب) کے نام آتے ہیں۔ مسلمانوں کی لکھی ہوئی دوسری تاریخیں یہ ہیں۔ حسن نظامی کی تاج الماثر، میرخوند کی روضتہ الصفا، خوندمیر کی حبیب السیر، فرشتہ کی تاریخ فرشتہ، نظام الدین کی طبقاتِ اکبری منہاج الدین کی طبقاتِ ناصری، عتبی کی تاریخِ یمینی۔ ابن اثیر کی تاریخ الکامل۔

ان تمام غیرملکی مورخین کے بیانات وخیالات نہ صرف اس لیے بیش قیمت ہیں کہ ان سے قدیم ہندوستان کے سیاسی، سماجی، جغرافیائی اور مذہبی حالات پر روشنی پڑتی ہے، بلکہ اس لیے بھی کہ اُن کے ذریعے ہندوستانی سنہوں اور تاریخوں کے پردے چاک ہوجاتے ہیں اور عصر اور عہد کا یقین ممکن ہوجاتا ہے۔

اثری ماخذ

کتبے:

جہاں ہمارے ادبی ماخذ خاموش ہیں یا تاریکی میں ہیں وہاں خوش قسمتی سے کتبے ہماری مدد کرتے ہیں۔ سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں کتبے زمین سے برآمد ہوئے ہیں، ان میں قدیم ترین چوتھی یا پانچویں صدی ق۔م[1] کے ہیں۔ ابھی غالباً سینکڑوں ایسے ہیں جو کھدائی کے منتظر ہیں۔ یہ سب چٹانوں پر، ستونوں پر، پتھر یا دھات کی تختیوں پر، یا غاروں کی دیواروں پر کندہ ہیں اور ان زبانوں کی نمائندگی کرتے ہیں جو مختلف زمانوں اور علاقوں میں رائج تھیں جیسے سنسکرت، پالی، مخلوط بولیاں، یا جنوبی ہندوستان کی زبانیں، تامل، تلگو، ملایلم اور کناڑی۔ بعض کتبوں کا ادبی معیار کافی بلند ہے۔ وہ چاہے نثر میں ہیں یا نظم میں یا ملی جلی نظم ونثر دونوں میں کتبوں کی اکثریت براہمی رسم خط میں ہے جو بائیں سے دائیں کو لکھی جاتی ہے، لیکن ایک خاصی بڑی تعداد کھروشٹھی رسم خط میں بھی ہے، جو عربی اور فارسی کی طرح دائیں سے بائیں کو لکھی جاتی ہے۔ اُن کی ترجمانی ماہرین کے تبحرِ علمی کا حیرت انگیز کرشمہ ہے۔ ان سے منکشف ہوجاتا ہے کہ ان کا مقصد کسی عام یا خاص آدمی کے فیضانہ عطیہ کو ظاہر کرنا، یا کسی عظیم واقعہ کی، یا فاتح کے کارناموں کی یادگار قائم کرنا ہوتا تھا۔ اشوک کے کتبے جن میں اس کے اخلاقی پند ونصائح بھرے ہوئے ہیں منفرد مقام رکھتے ہیں۔ ان کتبوں کے موضوع بہت متنوع ہیں۔ ان میں سنسکرت

---

[1] پپراوا (ضلع بستی) کے دازا ستوپ کا کتبہ (جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۸۹۸ء صفحہ ۵۷۳ تا صفحہ ۵۸۸ نیز بڈالی (اجمیر کا کتبہ)

کے ناٹک بھی ہیں۔ (مثلاً دھار اور اجمیر) اور موسیقی کے نادرے بھی (جیسے کڈی میاملئی اور میٹھ کوٹا ریاست میں) جو پتھر پر کندہ ہیں۔ ان کتبوں کی اہمیت پر ضرورت سے زیادہ زور دینا مشکل ہے۔ بہرحال کتبے تاریخوں کا تعین کرنے میں ہمیں بے انتہا مدد دیتے ہیں اور جو کچھ ہمیں ادب یا دوسرے ذرائع سے حاصل ہوتا ہے اسے اکثر وبیشتر منضبط کر دیتے ہیں اور ہماری معلومات میں جو کمی ہوتی ہے اسے بھی پورا کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ان لوحی شہادتوں کی عدم موجودگی میں کھاروبل یا سمدر گپت[1] جیسے حکمرانوں پر بھی تاریکی کا پردہ پڑا رہتا اور قرون وسطیٰ کے ہندو خاندانوں کے بارے میں ہماری معلومات بالکل نامکمل رہ جاتی بعض اوقات غیر ملکی کتبے بھی، توقع کے خلاف ہمیں مدد بہم پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ بغاز کوئی (ایشیائے کوچک) کے کتبے جن میں ویدک دیوتاؤں کا بھی ذکر ہے، آریائی قبیلوں کے نقل وحرکت کی تصدیق کرتے ہیں۔ کسی دوسری جگہ ہم نے ہندوستان اور قدیم ایران کے روابط کی طرف اشارہ کیا تھا اس کی تائید حیرت انگیز طور پر پرسی پولس اور نقش رستم[2] میں دریافت کیے گئے کتبوں سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح، کتبے قرون اولیٰ میں ہندوستان اور مشرق بعید کے درمیان سیاسی اور سماجی تعلقات پر زبردست روشنی ڈالتے ہیں۔

سکے

اس کے بعد سکے ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ کتبوں کی طرح سکے اس معلومات کی تائید و توثیق کرتے ہیں جو ہمیں کتبوں سے حاصل ہوتی ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہم اس کی بنیاد پر اپنی رائے تبدیل کر لیتے ہیں یا ہماری معلومات میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ سکے مختلف دھاتوں سونے، چاندی، تانبے یا بھرت کے بنے ہوئے ہیں اور ان پر

---

[1] یہ معلومات ہمیں ان کتبوں سے ہوتی ہے جو علی الترتیب ہاتھی گمپھا میں اور الٰہ آباد کے ستون پر پائے جاتے ہیں۔

[2] یہ بے ستون کا کتبہ۔ بہرحال یہ ظاہر نہیں کرتا کہ ہندوستان ان صوبوں کی فہرست میں شامل تھا جو دارا کے زیرِ نگیں تھے۔

یا توکہانیاں کندہ ہیں یا سیدھے سادے نشانات بنے ہوئے ہیں۔ جن سکوں پر تاریخیں کندہ ہیں انھوں نے ہمیں ہندوستان کی مسلسل تاریخ مرتب کرنے میں بڑی مدد دی ہے۔ ایسے سکے بھی ہیں جن پر نہ تاریخ ہے نہ نام۔ لیکن جب ہم ان کی بڑی ساخت اور قبیل کو جانچتے ہیں تو ان سے بھی بڑے کار آمد نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ ہند سیتھی اور ہند باختری بادشاہوں کے بارے میں ہماری معلومات کا انحصار صرف سکوں پر ہے۔ ہندوستان کے مصنفین نے مناندر کو چھوڑ کر آخر الذکر بادشاہوں کو بالکل نظرانداز کر دیا ہے۔ سکوں نے قدیم ہندوستان میں گن (خود مختار بستیوں) کے وجود پر اور اسی طرح بعض راجاؤں (مثلاً کنشک) کے مذہبی رجحانات پر حیرت انگیز روشنی ڈالی ہے۔ دھاتوں کے خالص ہونے سے ہندوستان کے اس زمانے کے اقتصادی حالات کی نشان دہی ہوتی ہے اور ان کا مقام ساخت راجاؤں کے حدود سلطنت متعین کرنے میں مدد دیتا ہے۔ حدود سلطنت کے تعین کا مسئلہ آسان نہیں ہے۔ اس میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ کیونکہ جنوبی ہندوستان میں جو رومی سکے دریافت ہوئے ہیں وہ پتہ دیتے ہیں کہ رومی سلطنت ہندوستان تک پھیلی ہوئی تھی۔ یا ہندوستان سیاسی طور پر رومی حلقہ اثر میں شامل تھا۔ یہ دریافت پلائینی کا وہ مشہور و معروف شکوہ یاد دلا دیتی ہے کہ روم کا تمام سونا، سامان عیش مسالوں کے عوض ہندوستان کو بہا چلا جا رہا ہے۔

عمارتیں

سب سے آخر میں، عمارتیں آتی ہیں جن کی اہمیت کسی طرح کم نہیں ہے۔ عمارتوں کا تعلق براہ راست سیاسی تاریخ سے نہیں ہے، لیکن مندر، استوپ اور خانقاہیں (وہار) راعی اور رعایا دونوں کی دین داری اور فنی کارناموں کی جیتی جاگتی تصویریں پیش کرتی ہیں بیرونی ممالک میں عمارتوں کے باقیات الصالحات ہندوستان کی قدیم عظمت میں ایک نئے باب کا اضافہ کرتے ہیں۔ شیوجی سے منسوب دینگ کے پلیٹو (جاوا) کی خانقاہیں، بورو بدور اور پرم نیم (وسط جاوا) کے عالی شان مندروں کی دیواروں پر نبت کاری کا دیدہ زیب منظر، یا انگ کور واٹ اور انگ کور تھوم

(کمبوجیہ) کے قابل دید کھنڈر وہاں ہندوستانیوں کے وجود کی نشان دہی کرتے ہیں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کے لوگ ہجرت کرکے مشرق بعید میں جا کر بس گئے تھے اور انھوں نے اپنی حکومت اور اپنی تہذیب وہاں تک پھیلا رکھی تھی[1] تاریخوں اور سنہوں کے تسلسل کے نقطۂ نظر سے بھی عمارتوں کی شہادت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ ماہرین نے ثابت کر دیا ہے کہ عمارتوں کے اجزائے ترکیبی پر غور وفکر کرنے کے بعد انھوں نے کس طرح بڑے اہم نتائج برآمد کیے ہیں۔ اس کے علاوہ بے محل نہ ہوگا اگر اس مقام پر نقاشی، مجسمہ سازی اور مصوری (جیسے اجنتا کی) کا ذکر کیا جائے جنھوں نے ان راستوں میں جہاں ہم صرف لڑکھڑا کر چل سکتے تھے ہمارے لیے مشعل روشن کر دی ہے۔

نتائج یا خصوصیات

المختصر[2] یہ ہیں ہمارے مآخذ جنھوں نے ہندوستان کی تاریخ میں جان ڈال دی ہے۔ سب سے اہم خصوصیت جو ہمیں نظر آتی ہے یہ ہے کہ ہمارے پاس دورِ حاضر کی تاریخ کے مقابلے میں مواد کی نہایت درجہ کمی ہے اور جو مواد ہمارے پاس ہے وہ ایک وسیع میدان میں جگہ جگہ بکھرا ہوا ہے اس لیے مورخ کو چاہیے کہ کان کن کی طرح صبر وسکون وتنقیدی نظر کا بیلچہ وکدال لے کر حقائق کا سونا برآمد کرے اور درباری مبالغوں اور شاعرانہ موشگافیوں کے میل کو اس کے قریب نہ آنے دے۔ اکثر اوقات متضاد دعووں کی صورت میں ہمارے راستہ میں چٹانیں حائل ہو جاتی ہیں، تاریخوں

---

[1] ملاحظہ ہو ڈاکٹر آر۔ سی۔ مجمدار: اینشینٹ انڈین کالونیز ان دی فار ایسٹ، جلد اول، چمپا، سورن دیپ، نیز گزیٹر انڈیا سوسائٹی کی مطبوعات۔ ڈاکٹر بی۔ آر۔ چٹرجی: انڈین کلچرل انفلوئینس ان کمبوڈیہ (کلکتہ ۱۹۲۸ء) انڈیا اینڈ جاوا (کلکتہ ۱۹۳۳ء) ایچ۔ بی۔ کیو۔ ویلس، ٹو وررڈس انگ کور، نیز فرانسیسی اور ڈچ مصنفین کی مختلف کتابیں۔

[2] ادبی کتابوں اور کتبوں کا محض مثال کے طور پر اوپر حوالہ دے دیا گیا ہے۔ ورنہ ہم نے تمام قدیم یا جدید مآخذ کو بڑی احتیاط اور اہتمام کے ساتھ استعمال کیا ہے۔

کی نایابی سدراہ بن جاتی ہے، یا یہ رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے کہ مختلف زمانوں میں مختلف مقامات پر مختلف سنہ رائج دکھائی دیتے ہیں[1] ان دشواریوں پر قابو پانے کے بعد ہی ہم ہندوستان کی مربوط و مسلسل تاریخ مرتب کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اس مقام پر یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ہماری تاریخ میں شمالی ہند کا پلہ ہمیشہ بھاری رہا ہے کیونکہ شمالی ہند میں بڑی بڑی سلطنتیں سمندر کی لہروں کی طرح ابھر کر وجود میں آئیں اور کچھ عرصہ بعد ٹوٹ کر فنا ہو گئیں۔ اقتدار کی بھوکی نگاہوں نے وندھیاچل کے اس پار للچائی نظروں سے بہت دیکھا لیکن پورا ہندوستان کسی زمانے میں بھی کسی ایک بادشاہ کے زیر نگیں نہ آسکا اور موریہ دور میں جب سلطنت نقطۂ عروج پر پہنچ گئی تھی اس وقت بھی جنوب بعید کا کچھ حصہ سلطنت کے دائرے سے باہر تھا۔ اگرچہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہندوستان جغرافیائی اور سماجی اعتبار سے ایک اکائی کی حیثیت رکھتا ہے[2] پھر بھی قدیم ہندوستان میں سیاسی اتحاد کا نہ ہونا ہماری تاریخ کا کمزور ترین پہلو ہے اور یہی وجہ ہے کہ اقتدار کے لیے لڑائیاں اور مقامی خانہ جنگیاں ہماری دلچسپیوں کا مرکز بنی رہیں اور ہم مذہبی، فنی، اور ادبی ترقیوں کی طرف نسبتاً کم متوجہ ہو سکے۔

---

[1] ملاحظہ ہو کننگھم، بک آف انڈین ایراز۔ ہم ہندوستان میں کئی سمبتوں کو رائج دیکھتے ہیں۔

[2] ڈاکٹر آر۔ کے۔ مکرجی: دی فنڈامنٹل یونٹی آف انڈیا (لانگ مینس گرین اینڈ کو، ۱۹۱۴)

دوسرا باب

فصل (۱)

قدیم حجری عہد

ہندوستان میں ابتدائی انسان کی کہانی بڑی حد تک پردۂ خفا میں رہی ہے۔ عام عقیدہ یہ ہے کہ قدیم ترین ماضی ست یگ تھا۔ ایک ایسا عہد جس میں انسان اطمینان ومسرت کی مثالی زندگی گزارتا تھا جو تکلیف، ضرورت اور زوال سے مبرّا تھی۔ لیکن بدقسمتی سے باقاعدہ تاریخ ایسے سنہرے زمانہ کی نشان دہی نہیں کرتی۔ اس کے برخلاف تمام اشارے اس طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ قدیم انسان جہالت اور بربریت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، نیز یہ کہ انسان تہذیب کی روشنی کی طرف رفتہ رفتہ آگے بڑھتا رہا۔ جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے ہندوستان کے قدیم باشندے شاید قدیم حجری عہد کے لوگ تھے۔ وہ وحشی تھے اور درختوں کے نیچے یا قدرتی غاروں میں پناہ لیتے تھے۔[1] وہ زراعت کا کوئی تصور نہیں رکھتے تھے اور آگ روشن کرنے سے بھی غالباً پوری طرح واقف نہیں تھے۔ وہ مٹی کے برتن بنانا بھی نہیں جانتے تھے اور دھاتوں کے استعمال سے ناواقف تھے۔ وہ شکار کے ذریعہ، یا اخروٹ قدرتی جڑی بوٹیوں اور پھل پھلار کھاکر زندگی گزارتے تھے۔ اُن کے امن کے زمانے

---

[1] ضلع کرنول کے کچھ غاروں میں قدیم پتھر کے زمانے کے لوگ سکونت رکھتے تھے۔ (دی۔ رنگا چاریہ، پری مسلمان انڈیا جلد اول صفحہ ۳۸)

کے اوزار اور وحشی درندوں اور خوفناک آبی جانوروں سے جنگ کے لیے ہتھیار پتھر کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے ہوتے تھے جنھیں وہ بہت بھدے اور بھونڈے انداز میں تراشتے تھے[1] یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ان اوزاروں اور ہتھیاروں کی بڑی تعداد ایک عجیب اور خاص قسم کی چٹان سے بنائی جاتی تھی جس میں سے اکثر سونا نکلتا ہے۔ جہاں یہ چٹان دستیاب نہیں ہوتی تھی وہاں بے شک دوسرے قسم کا پتھر استعمال کیا جاتا تھا اس کے علاوہ دکن میں مدراس کے ضلع میں اور جنوبی ہندوستان میں کڈپہ اور جنگلی پُٹ سے اس قسم کے بے شمار اوزار دستیاب ہوئے ہیں[2] بعض اوقات یہ لوگ لکڑی اور ہڈی کے اوزار بھی بناتے تھے لیکن وہ چونکہ فنا پذیر تھے اس لیے مفقود ہو گئے۔ آخری بات یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے مُردوں کو دفن نہیں کرتے تھے بلکہ انہیں غالباً جانوروں اور پرندوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیتے تھے۔

فصل (۲)

نوحجری عہد

ہندوستان میں انسان کے ارتقا کی اگلی منزل وہاں ختم ہوئی[1] جہاں دوسرے ملکوں کی طرح ہندوستان میں بھی پُرانے قسم کے بھدے اور بھونڈے ہتھیاروں اور اوزاروں کو قطعی طور پر ترک نہیں کیا گیا بلکہ بہت احتیاط کے ساتھ انھیں سڈول اور چکنا بنایا جانے لگا۔ اس عہد میں چیزیں بہتر بننے لگیں جو شکل و صورت میں متنوع تھیں اور مختلف ضروریات پوری کر سکتی تھیں[3] ان نوحجری عہد

---

[1] قدیم پتھر کے زمانے کے اوزاروں کو دس حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ کلہاڑیاں۔ تبر کی چُوریاں، بھالے، زمین کو کھودنے کے اوزار، پھینک کر مارنے کے گول پتھر۔ تبر۔ چاقو چھیدنے والے اوزار، ہتھوڑے اور غالباً آگ روشن کرنے کے لیے پتھر (؟)، پری مسلمان انڈیا ص۲۱

[2] کیٹلاگ آف پری ہسٹارک انیٹی کوئیٹیز ان دی گورنمنٹ میوزیم مدراس (۱۹۰۱ء) نوٹس آن دی ایز اینڈ ڈسٹری بیوشن آف انڈین پری ہسٹارک انٹی کوئیٹیز (مدراس ۱۹۱۷ء) کرنل بروس فٹ نے ہندوستان کی قدیم اشیا کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو پنچانن متر کی پری ہسٹارک انڈیا (کلکتہ ۱۹۲۳ء)، اے۔ سی لوگن۔ اولڈ چپڈ اسٹونس آف انڈیا (کلکتہ ۱۹۰۶ء) پی۔ ٹی۔ ایس آئینگر، دا اسٹون ایج ان انڈیا، دی رنگا چاریہ، پری مسلمان انڈیا وغیرہ۔

[3] ان کی مختلف قسموں کے لیے ملاحظہ ہو پری مسلمان انڈیا، اول ص۱۲۴۔ ص۱۲۵

کے لوگوں نے تہذیب کے میدان میں کافی ترقی کرلی۔ پہاڑوں کی قدرتی پناہ گاہوں میں رہنے کے ساتھ ساتھ وہ اپنی رہائش کے لیے "بانس اور پھوس کی جھونپڑی بناتے اس پر گوبری کرتے تھے۔" وہ آگ روشن کرنا اور کھانا بنانا بھی جانتے تھے۔ وہ مچھلی پکڑتے، شکار کھیلتے اور جانوروں کو پالتے تھے۔ انھوں نے کاشت بھی شروع کردی تھی۔ لیکن ان کی غذائیت سادہ تھی جو شکار، پھل پھلار، ترکاریوں، دودھ، شہد اور خود رو اناج پر مشتمل تھی۔ درخت کی پتیوں اور چھال یا جانوروں کی کھال سے وہ اپنا جسم ڈھکتے تھے۔ مٹی کے برتن بھی بناتے تھے۔ شروع شروع میں ہاتھ سے، لیکن بعد میں چاک کا استعمال بھی کرنے لگے۔ نئے پتھر کے زمانے کے لوگ اپنے آلاتِ حرب ایک دوسرے قسم کی سیاہ رنگ کی آتش فشانی چٹان سے اور روزمرہ کے استعمال کے برتن وغیرہ مختلف رنگ کی دوسری اشیا سے بناتے تھے اور جیسا کہ ضلع مرزا پور میں دریافت کیے گئے ہڈیوں کے ڈھانچوں سے ظاہر ہوتا ہے وہ اپنے مُردوں کو باقاعدہ قبر میں دفن کرتے تھے۔ دوسری طرف، ایسے مرتبان نما خاک دان دستیاب ہوئے ہیں جن میں اس زمانے کے لوگ اپنے مُردوں کی خاک محفوظ کردیا کرتے تھے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عہد میں مُردوں کو جلانے کا دستور بھی پایا جاتا تھا۔ ایسے قرائن بھی ملتے ہیں جن سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ وہ درختوں اور پہاڑوں کی پرستش کرتے تھے اور انھیں راضی رکھنے کے لیے قربانیاں کرتے اور کھانے پینے کی چیزوں کے چڑھاوے چڑھاتے۔ وندھیا چل کی گپھاؤں میں نئے پتھر کے زمانے کے پیالوں کے نشانات ملے ہیں اور گیرو یا سُرخ مٹی سے بنی ہوئی کچھ شکلیں ملی ہیں جن سے ہم ان کی فنی کوششوں کا اندازہ کرسکتے ہیں۔ یہ تمام باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ پُرانے اور نئے پتھر کے زمانوں میں ایک طولانی فصل تھا جو ہوسکتا ہے کئی صدیوں کا ہو۔ بعض عالموں نے یہ تسلیم کرنے سے بھی انکار کردیا ہے کہ نئے پتھر کے زمانے کے لوگ پُرانے پتھر کے زمانے والوں کی اولاد تھے۔ لیکن چونکہ اس بات میں ہماری شہادت ناکافی و ناقص ہے اس لیے بہتر یہ ہے کہ ہم اس معاملہ میں قطعیت کے ساتھ کوئی رائے قائم نہ کریں۔ بہرحال ایک بات طے ہے اور وہ یہ کہ نئے پتھر کے زمانے کی یہ تہذیب دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔

کیونکہ اس زمانے کے آثار باقیہ ملک کے قریب قریب تمام گوشوں خصوصاً بلاری، سالم، کرنول اور ریاست مدراس کے دوسرے اضلاع سے دستیاب ہوئے ہیں۔

فصل (۳)

(۱) دھاتوں کا ظہور

غالباً کئی صدیاں گزر جانے کے بعد نوحجری عہد کے انسان نے دھاتوں کا استعمال سیکھا۔ شاید سونا سب سے پہلی دھات تھی جو اس نے دریافت کی، لیکن شروع شروع میں وہ سونے سے صرف زیور کا کام لیتا تھا۔ وہ اپنے اوزار اور ہتھیار دوسری سخت دھاتوں سے بناتا تھا قدیم تاریخی مقامات سے جو عجیب و غریب اشیا بہت بڑی تعداد میں دریافت ہوئی ہیں وہ ظاہر کرتی ہیں کہ جنوبی ہند میں پتھر کے زمانے کے فوراً بعد لوہے کا زمانہ آ گیا، جب کہ شمالی ہند میں کلہاڑیاں، تلواریں، برچھیاں، بھالے ہارپون[1] وغیرہ وغیرہ شروع شروع میں تانبے کے بنتے تھے اور بعد ازاں لوہے کے بننے شروع ہوئے، اس قسم کے تانبے کے اوزار "شمالی ہند میں ہگلی سے لے کر دریائے سندھ تک اور ہمالیہ کے دامن سے لے کر کان پور کے ضلع تک" سینکڑوں کی تعداد میں دریافت ہوئے ہیں۔ وہ عہد جن میں ان دھاتوں کا استعمال عام ہوا لوہے کا زمانہ اور تانبے کا زمانہ کہلاتے ہیں۔ بہرحال، یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہندوستان میں صوبہ سندھ کے علاوہ کہیں اور نئے پتھر کے زمانے اور لوہے کے زمانے کے درمیان کانسے کے زمانے کی کوئی علامات اور نشانیاں نہیں پائی جاتیں۔ کانسہ[2] تانبے اور ٹین کا مرکب ہوتا ہے جسے بھرت بھی کہتے ہیں۔ یہ خالص تانبے سے زیادہ سخت ہوتا ہے اور ہتھیار بنانے کے لیے بلاشبہ بہتر دھات ہے۔ لیکن قدیم ہندوستان

---

[1] برچھے کی شکل کا خمدار کانٹا جس میں رسی کا پھندا باندھ کر وہیل مچھلی کا شکار کرتے ہیں (مترجم)

[2] کانسہ میں نو حصے تانبے اور ایک حصہ ٹین کی ملونی ہوتی ہے۔

کے لوگ اسے نہ جانے کیوں روزمرہ کے استعمال میں نہ لائے۔ جو تھوڑے بہت ہتھیار کانسے کے بنے ہوئے جبل پور میں دستیاب ہوئے ہیں ان کے متعلق قدامت شناسوں کی رائے ہے کہ وہ یا تو تجربہ کے لیے بنائے گئے تھے یا ان کی اصل غیر ملکی ہے۔ اور پیالے اور دوسرے برتن جو جنوبی ہند کے قبرستانوں سے برآمد ہوئے ہیں وہ تعیش کے تکلفات معلوم ہوتے ہیں جو گھریلو استعمال میں آتے ہوں گے۔ وہ بہرحال کسی ایسے عہد کا وجود ظاہر نہیں کرتے جس میں عام طور پر کانسے کے اوزار استعمال ہوتے ہوں۔

(۲) دراوڑ لوگ

دراوڑ سنسکرت کا لفظ ہے۔ دراوڑ لوگ ہندوستان کی سب سے پرانی مہذب نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ بدقسمتی سے اُن کی اصل کا مسئلہ ایک معمہ بنا ہوا ہے اور اس کا کوئی قطعی حل آج تک تلاش نہیں کیا جا سکا ہے تاریخ کے متعدد عالموں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ دراوڑ لوگ ہندوستان کے قدیم ترین باشندوں کی اولاد تھے۔ جو وقت کی رفتار کے ساتھ تہذیب کی سیڑھی پر چڑھتے چلے گئے۔ اس کے برخلاف، دیگر ماہرین یہ رائے رکھتے ہیں کہ یہ لوگ تبت کے پلیٹو یا وسط ایشیا میں اپنے وطن مالوف توران سے آکر یہاں بس گئے تھے۔ بہرحال، مغربی ایشیا کو عام طور پر اُن کا مسکن خیال کیا جاتا ہے۔ دراوڑا اور سمیری لوگوں میں جو نسلی ہم آہنگی پائی جاتی ہے وہ اس خیال کو تقویت پہنچاتی ہے۔ اس سلسلہ میں ہمیں براہوی بولی کے علاقہ کو نہیں بھولنا چاہیے جو بلوچستان میں دراوڑی زبان کا ایک جزیرہ ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ جب ان کی کل جمعیت دَرّوں کے ذریعہ ہندوستان کی طرف بڑھ گئی تو جو لوگ پیچھے رہ گئے براہوی ان کی زبان ہے۔ دراوڑوں کی اصل جو کچھ بھی ہو یہ بات یقینی ہے کہ دراوڑ ہندوستان کی آبادی کا ایک اہم عنصر تھے، شمالی ہند میں بھی

---

[1] بہت سے مغربی عالم اس رائے سے متفق ہیں کہ دراوڑ بحر روم کی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ ملاحظہ ہو مسٹر جے کینڈی، جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۸۹۸ء، صلہ ۲۴۱ صلہ ۲۶۱

اور جنوبی ہند میں بھی اُن کی زبانیں جنوبی ہند پر آج بھی چھائی ہوئی ہیں لیکن دراوڑی خصوصیات کا سراغ ویدوں اور کلاسکی سنسکرت میں نیز پراکرتوں یا عوامی بولیوں اور ان سے نکلی ہوئی آجکل کی دیسی زبانوں میں یکساں طور پر ملتا ہے[1] دراوڑ دھاتوں کے استعمال سے خوب واقف تھے۔ اور ان کے مٹی کے برتن زیادہ سڈول ہوتے وہ زراعت بھی جانتے تھے۔ اور آب پاشی کے لیے دریاؤں پر سب سے پہلے بند باندھنے والے یہی لوگ تھے۔ وہ مکانات بناتے اور پشتے تعمیر کرتے تھے اور ان کی بستیوں پر چھوٹے چھوٹے سردار حکومت کرتے تھے۔ جیسا کہ ڈاکٹر ایل۔ ڈی بارونٹ نے کہا ہے دراوڑی سماج "ایک حد تک ایسا سماجی نظام تھا جس میں عورت سر قبیلہ ہوتی تھی"۔ ان کا مذہب نہایت درجہ بھیانک اور گھناؤنا تھا[2]۔ وہ ماتا دیوی اور دوسری ارواح کی پرستش کرتے تھے اور اکثر ظالمانہ انسانی قربانیوں اور علامات تناسل کے ذریعہ اظہار عقیدت کرتے تھے۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ دراوڑ وہی لوگ تھے جنھیں رگ وید میں "داس" یا "داسیو" کہا گیا ہے اس لیے اب ہم ان کا تفصیلی ذکر آریائی عہد کے ساتھ کریں گے۔

فصل (۴)

معدنیاتی عہد

نئے انکشافات کی اہمیت

اب تک ہم تاریکی میں بھٹک رہے تھے۔ تانبے کے عہد میں ہمیں ہندوستانی تہذیب کی ہلکی سی جھلک دکھائی دینے لگتی ہے۔ پنجاب کے دوسرے مقامات کے علاوہ ہڑپا (ضلع منٹگمری)، موہن جوڈارو (ضلع لڑکانہ) صوبہ سندھ (مثلاً چن ہوڈارو جھوکادار) اور بلوچستان (جیسے نال؛ اور ریاست قلات) میں جو حیرت انگیز اثری دریافتیں ہوئی

---

[1] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد اول ص۴۲

[2] اینٹی کوئیٹیز آف انڈیا ص۱۵

ہیں وہ اس بات کو مکمل طور پر واضح کر دیتی ہیں کہ رگ وید سے چند صدی پیشتر دریائے سندھ کے کنارے ایسے مرکز پائے جاتے تھے جن میں ہر وقت چہل پہل رہتی تھی ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن میں بسنے والے لوگوں کا تہذیبی معیار کافی بلند تھا۔ عراق، ایلم، اور مصر کی معاصر تہذیبوں سے مشابہ بلکہ بعض جہتوں سے ان کے مقابلہ میں زیادہ ترقی یافتہ تھا۔ اس عہد کو تانبے کے عہد سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی وہ عہد جس میں پتھر کے ہتھیاروں اور برتنوں کا استعمال بھی جاری رہا اور اس کے ساتھ ساتھ تانبے اور پیتل کی اشیا کا استعمال بھی شروع ہو گیا۔ اس بعید ماضی کی جھلک دیکھنے کے لیے ہمیں ان اشیا کا جائزہ لینا ہوگا جو موہنجوڈارو[ل] میں زمین کے اندر سے برآمد ہوئی ہیں۔ یہ اشیا دوسرے مقامات سے برآمد ہونے والی اشیا سے مماثل ہیں۔ ہو سکتا ہے تصویر دھندلی ہو لیکن اس کا خاکہ کافی ابھرا ہوا ہے۔

عمارتیں

موہنجوڈارو یا "شہر خموشاں" آج خاک وخشت کا ایک ڈھیر نظر آتا ہے۔ یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ اس کی تباہی کا باعث کیا ہوا۔ زلزلے، طغیانیاں، دریائے سندھ کا اپنے بہاؤ کے رُخ کو بدلنا، موسمی تغیرات، ان میں سے کوئی بھی سبب اس کی تباہی و بربادی کا قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن پانی کی تہ تک زمین کھودنے کے نتیجہ میں جو چیزیں برآمد ہوئی ہیں وہ ظاہر کرتی ہیں کہ یہاں صدیوں تک انسانی آبادی رہی۔ یہ ایک خوش حال شہر تھا۔ اسے ایک سوچے سمجھے نقشے کے مطابق آباد کیا گیا تھا۔ اس کی سڑکیں اور گلی کوچے چوڑے تھے اور مقررہ فاصلوں پر بنائے گئے تھے۔ عمارتیں چھوٹی بڑی سب قسم کی تھیں لیکن ان میں سادگی بھی پائی جاتی تھی

ل سر جان مارشل، موہنجوڈارو اینڈ دا انڈس سویلائزیشن (تین جلدیں)، کے ان ڈکشٹ، پری ہسٹارک سویلائزیشن آف دا انڈس ویلی (مدراس ۱۹۱۹ء) انڈین ہسٹری کوارٹرلی، مارچ ۱۹۳۲ء (جلد ہشتم نمبرا) ص ۱۲۱ تا ص ۱۴۳، ڈاکٹر میکے، دا انڈس سویلائزیشن، میمائرس ارکیالاجکل سروے آف انڈیا نمبر ۴۱ اور ۴۸ ہڑپا پر ملاحظہ ہو۔ ایم۔ ایس۔ واٹس۔ اکسکیویشنس ایٹ ہڑپا، جلد اول و دوم، (۱۹۴۰ء)

اور شان و شوکت بھی[1] پتھر چونکہ بہ آسانی دستیاب نہیں تھا اس لیے دیواریں پکی اینٹ کی بنائی جاتی تھیں اور ان پر مٹی سے یا مٹی اور کھریا دونوں کے مسالہ سے کہگل کی جاتی تھی۔ کچی یا دھوپ میں سوکھی ہوئی اینٹیں بنیادیں بھرنے یا چبوترے بنانے میں استعمال کی جاتی تھیں جہاں موسمی اثرات سے وہ با آسانی محفوظ رہ سکتی تھیں۔ بالائی منزل پر جانے کے لیے زینے ہوتے تھے۔ اور مکانوں کے روشن اور ہوادار بنانے کے لیے کھڑکیاں اور دروازے رکھے جاتے تھے۔ حمام اور اینٹ کے مدور کنویں اکثر گھروں کی اہم خصوصیت تھی۔ نالیوں کے ذریعہ پانی کی نکاسی کا انتظام، مکانات میں بھی اور سڑکوں پر بھی، حیرت انگیز تھا۔ کوڑے کرکٹ کے لیے ڈھولوں اور بدررو کے لیے چہ بچوں کا انتظام ظاہر کرتا ہے کہ لوگ سرکاری نگرانی کا شعور رکھتے تھے۔ مجموعی طور پر لوگ خوش حال تھے اور معمولی حیثیت کے گھروں میں بھی ضرورت کا کل سامان مہیا رہتا تھا، بڑی بڑی عمارتیں شاید سرکاری ملکیت میں تھیں۔ وادیٔ سندھ کی تہذیب کے درمیانی دور کی ایک طویل و عریض عمارت کے بارے میں جو بڑے بڑے ستونوں پر کھڑی کی گئی تھی، گمان ہے کہ وہ خانقاہ رہی ہوگی، حالانکہ کوئی مجسمہ اس میں سے برآمد نہیں ہوا ہے۔ ان کھنڈروں میں سب سے زیادہ نمایاں ایک وسیع پانی کے علاج کا شفاخانہ ہے۔ یہ اینٹوں کا بنا ہوا ایک ۳۹ فٹ لمبا، ۲۲ فٹ چوڑا اور ۸ فٹ گہرا تالاب ہے۔ جس کی دیواروں پر پانی اثر نہیں کر سکتا۔ اس کے چاروں طرف متعلقہ برآمدوں، غلام گردشوں اور کمروں میں آنے جانے کے لیے سیڑھیاں بنائی گئی تھیں۔ اسے قریب کے کنویں سے بھرا جاتا تھا۔ اس کی نالی اپنی ۶ فٹ سے زیادہ اونچی چھت کے ساتھ جس میں چھجا نکلا ہوا تھا خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس عظیم الشان تالاب کے ملحقات میں ایک حمام یا گرم پانی کا تالاب ہے جس میں ایک زمین دوز آتش دان ہے اس سے لوگوں کے سائنسی انداز میں

---

[1] مکانوں میں بیرونی زیبائش کا نہ ہونا لوگوں کی سادگی ظاہر کرتا ہے، یا لوگ اپنی دولت و ثروت کو چھپانے اور فالتو ٹیکسوں سے بچنے کے لیے بیرونی زیب و زینت سے بچتے تھے؟

گرمی اور حرارت حاصل کرنے کے طریقہ کی نشاندہی ہوتی ہے۔

زراعت

اہلِ سندھ کی زراعتی سرگرمیوں کے بارے میں ہم بہت کم جانتے ہیں، لیکن موہنجوڈارو اور ہڑپا جیسے بڑے بڑے شہروں کا وجود متقاضی ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں کی وہاں بہتات رہتی ہوگی۔ غالباً وہ گیہوں اور جَو کی کاشت کرتے تھے اس لیے کہ اس کے نمونے وہاں سے دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ ہَل نے کھُرپے اور پھاوڑے کی جگہ لے لی تھی، یا کھُرپا اور پھاوڑا ہی برابر استعمال میں رہا۔ ماہرین کا خیال ہے کہ پُرانے زمانے میں سندھ میں کافی بارش ہوتی تھی [1] بارش کی بہتات اور ایک بڑے دریا کے وجود[2] نے آبپاشی کے مسئلہ کو یقیناً آسان کر دیا ہوگا۔

غذا

مندرجہ بالا کھانے پینے کی چیزوں اور کھجوروں کے علاوہ (جس کی گٹھلیاں وہاں ملی ہیں) ہڈیوں سے اور چڑھاوے کی اُن چیزوں سے جو وہ مُردوں کی نذر کرتے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ سندھ سور، گائے، بکری، مُرغ، مچھلی اور دوسرے آبی جانوروں کا گوشت کھاتے تھے۔ دودھ اور ترکاریاں بھی غالباً ان کی غذا میں شامل تھیں۔

پالتو جانور

چند پالتو جانوروں سے بھی وہ لوگ واقف تھے، ان میں سے بیل، بھیڑ، بھینس، اونٹ اور ہاتھی کی ہڈیاں دستیاب ہوئی ہیں۔ البتہ کتے اور گھوڑے

---

[1] پانی کی نکاسی کا باقاعدہ انتظام اور عمارتوں کے کھلے ہوئے حصوں میں پکی اینٹ کا استعمال بارش کی نشاندہی کرتا ہے۔ [2] دریائے سندھ۔ اس کے علاوہ دریائے میران تھا جو چودھویں صدی عیسوی میں خشک ہوگیا۔

کی ہڈیاں سطح زمین سے نزدیک ملی ہیں اس لیے خیال ہے کہ یہ بعد کے زمانہ کی ہیں۔ جنگلی جانوروں میں، وہ لوگ گینڈے، ارنا بھینسے، بندر، چیتے، ریچھ، اور خرگوش وغیرہ سے واقف تھے جس کی شبیہیں مہروں اور تانبے کی تختیوں پر بنی ہوئی ہیں۔

پتھر اور دھاتوں کا استعمال

اس علاقہ میں پتھر کمیاب تھا اس لیے چکیوں اور سلوں یا مورتیوں اور پوجا پاٹ کے لوازم کے لیے پتھر باہر سے منگوایا جاتا تھا۔ جن دھاتوں سے اہل سندھ واقف تھے وہ یہ تھیں۔ سونا، چاندی، تانبا، ٹین اور سیسہ مختلف قسم کی چیزیں بنانے میں وہ ان دھاتوں کو استعمال کرتے تھے۔ موہنجوڈارو میں زمین کی تہ سے کانسہ کی دریافت ثابت ہوئی ہے کہ کانسہ اس زمانے میں ضرور استعمال ہوتا تھا۔ لوہا بہرحال وہاں نہیں پایا گیا۔

زیورات

زیورات میں خاص کر ہار، دریاں، کڑے اور تاگڑیاں ہر طبقے کے مرد اور عورتیں عام طور پر استعمال کرتے تھے۔ مال دار لوگ سونے چاندی، ہاتھی دانت، چینی اور دوسرے قیمتی پتھروں کے زیورات پہنتے تھے مثلاً لاجورد یشب عقیق، سنگ سلیماں وغیرہ۔ اسی طرح غریب لوگ تانبے، ہڈیوں، سیپوں اور پکائی ہوئی مٹی کے زیورات استعمال کرتے تھے۔

گھریلو چیزیں

گھریلو اوزار اور برتن معلوم ہوتا ہے پتھر کی بجائے تانبے اور کانسے کے بنتے تھے لیکن اکثر چیزیں مٹی کی استعمال میں آتی تھیں۔ اس قسم کے بادیوں، پیالوں، رکابیوں، طشتریوں، قابوں، تسلوں اور مختلف قسم کے پتھر کے بنے ہوئے گھڑوں کی ایک بہت بڑی تعداد برآمد ہوئی ہے۔ مٹی کے برتن چاک پر ڈھالے جاتے تھے۔ ان پر نقش و نگار بنے ہوتے تھے

اور ان میں سے بعض بہت چمک دار ہوتے تھے۔

ہتھیار

بالکل اسی طرح جنگ یا شکار کے ہتھیاروں کے معاملہ میں بھی تانبے اور کانسے نے پتھر کی جگہ لے لی۔ لوگ گرز، کلہاڑی، چھرا، بھالا، تیرکمان اور گوپھن سے واقف تھے لیکن دفاع کے ہتھیاروں مثلاً ڈھال، خود، زرہ، وغیرہ سے یہ لوگ شاید ناواقف تھے۔ تلوار کا سراغ کہیں نہیں ملتا۔

کھیل اور باٹ

پتھروں سے باٹوں اور پانسہ کا کام بھی لیا جاتا تھا اور سنگ مرمر کی جگہ بھی انھیں لگایا جاتا تھا۔ باٹ اور پانسے وہاں کی اہم ترین دریافتوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ یہ بات دلچسپ ہے کہ اہل سندھ ویدک دور کے آریوں کی طرح جوے کے شوقین تھے۔ چھوٹے باٹ جو چقماق یا سلیٹ کے بنائے جاتے تھے مکعبی اور بھاری باٹ مخروطی شکل کے ہوتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایلم اور عراق کے باٹوں کے مقابلہ میں ان میں زیادہ، صحت و یکسانی پائی جاتی تھی۔

کھلونے

کھلونے عام طور پر چڑیوں، جانوروں، مردوں اور عورتوں کے چھوٹے چھوٹے مٹی کے مجسمے ہوتے تھے۔ مٹی کے جھنجھنے اور ترٹ ترٹ گاڑیاں بھی کھلونوں میں شامل تھیں۔ بچوں کی یہ کھیل کی چیزیں بھی بعض اوقات حقیقی زندگی کی عکاسی کرنے میں کارآمد ثابت ہوتی ہیں۔

کتائی بنائی

بڑی تعداد میں چرخے کے تکلوں اور چمرخوں کی دریافت ظاہر کرتی ہے کہ موہنجوڈارو کے گھروں میں کتائی عام تھی۔ مال دار لوگ چینی کی چمرخیں وغیرہ

استعمال کرتے تھے اور غریب لوگ سستی مٹی کی یا سیپ کی۔ سردی کے لیے اونی کپڑا بنا جاتا تھا اور گرمی کے لیے ٹھنڈا سوتی کپڑا سوتی کپڑا چاندی کے ایک برتن سے چپٹا ہوا ملا ہے۔ ماہرین نے بڑی احتیاط سے جانچنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ کپڑا اپنی مخصوص بناوٹ کے اعتبار سے آجکل کے گاڑھے سے مشابہ تھا۔

لباس

جس طرح ان کی ذاتی خصوصیات مختلف تھیں اسی طرح ان کا لباس بھی متنوع تھا۔ مثال کے طور پر ایک مجسمہ ایک ایسے مرد کو پیش کرتا ہے جو ایک لمبی چوڑی شال اوڑھے ہوئے ہے۔ اس کا بایاں کندھا شال سے ڈھکا ہوا ہے اور داہنا کھلا ہوا تاکہ داہنا ہاتھ کام کاج کے لیے خالی رہے۔ برہنہ مجسموں سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ برہنگی عام تھی۔ ان مجسموں کا مقصد ہو سکتا ہے مذہبی ہو۔

مذہب

مذہب کے بارے میں ہماری جو کچھ بھی معلومات ہے اس کا ذریعہ مہریں، تانبے کی تختیاں، دھات کی مورتیاں، مٹی کے پتلے، اور پتھر ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ نمایاں ماتا دیوی یا قدرت کی دیوی[1] ہے جس کی پرستش قدیم زمانے میں فارس سے لے کر ایجئین کے ساحل تک تمام ملکوں میں عام تھی۔ اس عقیدے کو ہندوستان میں ایک زرخیز زمین مل گئی "شکتی" کا عقیدہ اپنی تمام تر رسموں کے ساتھ اسی کی شاخ ہے۔ اس کے علاوہ ایک مہر، ایک بہت ہی رسمی اور مقبول عوام تر کھے دیوتا کی تصویر پیش کرتی ہے جسے جوگی کے آسن میں بیٹھا ہوا دکھایا گیا ہے۔ اس کے جانبین میں جانور ہیں۔ اس دیوتا کو تاریخی شیو کا ابتدائی نمونہ تسلیم کیا گیا ہے۔ اگر یہ قیاس درست ہے تو شیومت کو قدیم ترین مذہب قرار دیا

---

[1] بہت قدیم زمانہ سے ہندوستان پراکرتی، بعد ازاں شکتی، اور پرتھوی دیوی اور بہت سے گرام دیوتاؤں (امبا، ماتا وغیرہ) کی پرستش کا گہوارہ رہا ہے

جا سکتا ہے سینکڑوں کی تعداد میں پتھر کی مخروطی اشیا اور انگوٹھی کے نگینوں کی دریافت سے ظاہر ہوتا ہے کہ لنگ پوجا یا مرد اور عورت کے آلاتِ تناسل کی پرستش کا رواج پایا جاتا تھا۔ نیز بعض مُہروں پر بنی ہوئی تصویریں ثابت کرتی ہیں کہ پیڑ پوجا اور حیوان پرستی کا وجود بھی تھا۔ آج کا ہندو دھرم ان میں سے بہت سے عناصر کا حامل ہے۔ یہ ہزاروں سال سے ہندوستانی کلچر کے غیر معمولی تسلسل کا حیرت انگیز ثبوت ہے۔

مُردوں کی تجہیز و تکفین

ہڑپا اور موہنجوڈارو سے جو چیزیں دریافت ہوئی ہیں انھیں جانچنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مُردوں کو دفنانے کفنانے کے تین طریقے رائج تھے (۱) باقاعدہ طور پر دفنانا (۲) چرندوں پرندوں کی نذر کرنے کے بعد دفنانا (۳) جلانا اور بعد ازاں چِتا کی راکھ کو دفن کرنا۔ راکھ، کوئلے اور ہڈیوں سے بھرے ہوئے خاک دانوں، گھڑوں، پیالوں اور دوسرے برتنوں کی دریافت، بہرحال، اس قیاس کو قوی کرتی ہے کہ وادیٔ سندھ کی تہذیب کے دورِ عروج میں آخرالذکر طریقہ زیادہ مقبول تھا۔ موہنجوڈارو سے بے شمار ڈھانچے سڑکوں پر یا کمرے کے اندر پڑے ہوئے دستیاب ہوئے ہیں لیکن وہاں کسی قبرستان کے نشانات نہیں ملے۔ اس کے برخلاف ہڑپا میں ایک قبرستان کے آثار ملے ہیں جس کے قریب ایک مسطح میدان میں جا بجا مٹی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ہڑپا میں مُردوں کے ڈھانچوں کے پاس ایک خاص قسم کے مٹی کے برتن رکھے ہوئے پائے گئے ہیں جنھیں ترکاریوں اور جانوروں کے عجیب و غریب نمونوں سے سجایا گیا ہے۔

لکھنے کا علم[1] اہلِ سندھ کے بارے میں ہمارے علم کا سب سے زیادہ

---

[1] ملاحظہ ہو ڈاکٹر جی آر ہنٹر: اسکرپٹ آف ہڑپا اینڈ موہنجوڈارو (۱۹۳۴) فادر ہیراس: دا اسٹوری آف موہنجوڈارو، سائنس، جرنل آف بنارس ہندو یونیورسٹی، جلد ۲، نمبر ۱

دلچسپ پہلو یہ ہے کہ وہ لوگ لکھنے کے فن سے تھوڑے بہت واقف تھے۔ اس میں شک نہیں کہ پتھروں یا مٹی کی تختیوں پر کندہ دستاویزی شہادتیں تو موجود نہیں ہیں لیکن کافی تعداد میں چھوٹی بڑی مہریں[1] دریافت ہوئی ہیں۔ جن پر جیالی ارنے گھوڑے (جس کے سر پر ایک کھڑا سینگ ہوتا ہے۔) بیل اور دوسری چیزوں کے بہترین نمونے بنے ہوئے ہیں ان پر کتبے ایسے رسم خط میں کندہ ہیں جو اصلی ایلمی، سامری، تریطی اور مصری رسم خط سے تعلق رکھتا ہے اس کی ترجمانی ماہرین کو اب تک عاجز کیئے ہوئے ہے۔ عام طور پر اب یہ عقیدہ قائم ہو گیا ہے کہ یہ ایک قسم کی تصویری تحریر ہے جس کی ہر تصویر[2] ایک خاص لفظ یا شئے کو ظاہر کرتی ہے۔ بعد میں اشارات و علامات کا اضافہ کیا گیا جو غالباً حروف علت معلوم ہوتے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس میں ایک سطر بائیں سے دائیں کو لکھی گئی ہے اور اگلی دائیں سے بائیں کو یعنی جیسے کسان کھیت میں ہل چلاتا ہے[3]۔ براہمی رسم خط سے اس طرز تحریر کے تعلق کے بارے میں قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اغلب یہ ہے کہ وادئ سندھ کا یہ طرز تحریر نہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں پھیلا اور نہ زیادہ عرصے زندہ رہا۔

فن

معلوم ہوتا ہے اہل سندھ نے فن خزانی میں بھی بڑی ترقی کر لی تھی۔ وہ اپنے مٹی کے برتنوں پر رنگ کرنے اور تصویریں بنانے کے بہت شوقین تھے ان کے بنائے ہوئے بعض بڑے نازک کام کے نمونے ہم تک پہنچ گئے ہیں۔ اس کے علاوہ پتھر اور کانسے کے ٹھوس مجسمے ظاہر کرتے ہیں کہ وہ تناسب

---

[1] ملاحظہ ہو ال۔ اے واڈل "انڈو سیمرین سیلس ڈی سائیفرڈ" (لندن ۱۹۲۵)

[2] تقریباً ۲۹۶ علامات کی ایک فہرست مرتب کی گئی ہے۔

[3] بعض جگہ تحریر (SOUSTROPHDON) ہے یہ یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی ہیں "ہل میں جتے ہوئے بیلوں کی چال کی مانند"

اعضاء کا شائستہ ذوق رکھتے تھے۔ ایک رقاصہ کا مجسمہ جس میں وہ ایک ٹانگ پر کھڑی ہے اور دوسری ٹانگ اوپر ہوا میں ہے، ایک خوبصورت فنی شاہکار ہے۔ اس مجسمہ میں اتنی حرکت و زندگی پائی جاتی ہے کہ تاریخی دور کے مجسموں میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

لیکن ان سب سے زیادہ حیرت انگیز مختلف چھوٹی بڑی مہروں کی نقاشی ہے۔ ان پر جانوروں کی اور خصوصیت کے ساتھ بیل کی شبیہ بہت خوبصورت اور اصل کے مطابق ہے۔ یہ شبیہیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ قدیم یونانیوں کی طرح، اہل سندھ کی فنی صلاحیتوں کا معیار کافی بلند تھا اور اُن کی شبیہوں میں زندگی اور تازگی پائی جاتی تھی۔

یہ لوگ کون تھے؟

ڈھانچوں کے باقیات نیز مجسموں کے سروں[1] سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہڑپا اور موہنجوڈارو کی آبادی ہر رنگ و نسل کے لوگوں پر مشتمل تھی جس میں چار مختلف اور واضح نسلیں پائی جاتی تھیں۔ یعنی اصلی آسٹرولائڈ، بحر روم والے، پہی اور منگول۔ ان چاروں میں سے کون سی نسل وادی سندھ کی تہذیب کی واقعی بانی تھی؟ اس سوال کے متضاد جوابات دیئے گئے ہیں۔ ایک خیال یہ ہے کہ اہل سندھ ویدک دور سے قبل کی کسی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ (غالباً دراوڑ) جن کی تہذیب کو آریوں نے تباہ کر دیا۔ بعض عالم خود آریوں کو اس تہذیب کا بانی سمجھتے ہیں اور آریوں کے ہندوستان میں اقتدار کی تاریخ کو کافی پیچھے لے جاتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ اہل سندھ سامری یا اُن سے ملتی جلتی کسی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ اہل سندھ کی انفرادیت کے باوجود بعض ایسی خصوصیات وادیٔ سندھ ایلم اور سمیری تہذیب میں مشترک ہیں جس سے بلاشبہ اس خیال کو تقویت پہنچتی ہے۔

---

[1] اس شہادت کو بہت احتیاط سے استعمال کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ کہتے ہیں کہ فنکار کبھی ماہر انسانیات نہیں ہوتا۔ نیز یہ کہ اتنی بڑی تعداد میں کھوپڑیاں دریافت نہیں ہوئیں کہ ہم مختلف نسلوں کے وجود کے بارے میں کوئی یقینی کلیہ قائم کریں۔

تمدنی شہادتیں اور دلائل جن کی نوعیت طبعی ہے وہ بہرحال بہت کمزور ہیں اس لیے تاوقتیکہ ہمیں کچھ اور محکم اشارے دستیاب نہ ہوجائیں ہم اس مسئلہ میں کوئی قطعی حکم نہیں لگا سکتے۔

حدود اور اصل

موہنجوڈارو اور ہڑپا کے علاوہ جو دیگر اثری دریافتیں ہوئی ہیں۔ وہ ظاہر کرتی ہیں کہ شمالی اور جنوبی سندھ (مثلاً جھوکر ڈارو، چھوڈارو) جنوبی پنجاب اور بلوچستان (مثلاً ریاست قلات میں نال) وغیرہ کے دوسرے مقامات اسی تانبے کے عہد سے تعلق رکھتے تھے اس کے کوئی آثار اب تک وادی گنگا میں دریافت نہیں ہوئے ہیں جس نے آگے چل کر ہندوستان کی سماجی اور سیاسی تاریخ میں اہم رول ادا کیا۔ تو پھر وادی سندھ کی تہذیب کی اصل کیا ہے؟ کیا سرزمین ہند پر یہ کوئی خودرو پیداوار تھی؟ یا ایلمی، عراقی یا دوسری قدیم مغربی تہذیبوں کے زیر اثر اس کا نشوونما ہوا؟ اس ناکافی معلومات کے پیش نظر ان سوالات کا کوئی مسکت جواب دینا آسان نہیں۔

تاریخ

ہم ٹھیک نہیں کہہ سکتے کہ یہ تہذیب وادی سندھ میں کتنے عرصے پھلی پھولی، اُن طبقات کو چھوڑ کر جو زمین کے اندر پانی کی تہ میں غرق ہوگئے موہنجوڈارو کی عمارتوں میں سات طبقے زمین کے اندر برآمد ہوئے ہیں۔ ان طبقات میں ایک طبق عہد قدیم کا ہے، تین متوسط دور کے اور تین آخر کے زمانے کے۔ ان طبقات سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ اگر ہر طبق کے لیے ۵۰۰ سال کی مدت متعین کی جائے تو اس تہذیب کی مدت ۳۲۵۰ سے لے کر ۲۷۵۰ ق۔م تک قرار دی جائے گی۔ چونکہ موہنجوڈارو کی متنوع شہری زندگی صدیوں کے ارتقائی عمل کا نتیجہ تھی اس لیے اس کی ابتدا کی تاریخ کا تعین اس سے بھی پہلے کرنا پڑے گا۔ دوسرے وادی سندھ کی دریافتوں کا ایلم و عراق کی دریافتوں سے مقابلہ

کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دونوں میں جو مماثلت پائی جاتی ہے وہ محض اتفاقی نہیں ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے جیسا کہ فرض کر لیا گیا ہے کہ ان ملکوں اور وادیٔ سندھ کے درمیان آمد و رفت اور روابط تھے تو یہ بات یقین کی حد تک طے ہو جائے گی کہ وادیٔ سندھ کی تہذیب، قدیم سمیری تہذیب اور طوفان نوح سے پہلے کی عراق ایلم کے آخری دَور کی تہذیب کی معاصر تھی۔

تیسرا باب

رگ ویدی عہد

آریوں کی اصل اور وطن[1]

تہذیب کا جھٹ پٹا آہستہ آہستہ تہذیب کی صبح میں تبدیل ہو گیا اور ویدی کلچر کا سورج پوری آب و تاب کے ساتھ تاریخ ہند کے اُفق پر چمکنے لگا۔ آریوں کے مورث کون تھے۔ ہمارے تاریخی حدود میں وہ کہاں سے اُبھر کر داخل ہوئے؟ اس قسم کے سوالات نے گمراہ کن تاریخی اختلافات پیدا کر دیے ہیں۔ بعض ہندوستانی عالموں نے پرانوں کی شہادت پر یہ رائے قائم کی ہے کہ آریہ ہندوستان کے اصلی اور سب سے قدیم باشندے ہیں لیکن اُن کے دلائل کو عالموں کی عام تائید حاصل نہیں ہو سکی۔ دیگر علما کا اتنے ہی زور کے ساتھ دعویٰ ہے کہ آریوں کا اصل وطن دائرہ قطب شمالی تھا (بی۔ جی۔ تلک)، یا باختر تھا (رھوڈ) یا پامیر تھا۔ بہر حال عام خیال یہ ہے کہ ہندی آریہ نیز اوستا کے دَور کے ایرانی، قدیم ہندی جرمنوں (ہندی یورپیوں) کی ایک شاخ ہیں یا ورد[2] ہیں۔ مشرق کی جانب انتقال آبادی سے قبل اُن کا مسکن ایک طویل عرصے تک مشترک رہا جسے میکس مولر نے وسط ایشیا کو، بنفے نے

---

[1] ملاحظہ ہو ڈاکٹر آئی زک ٹیلر، دا اوریجن آف دی ایرینس، لندن، ۱۸۸۹ء، جی۔ چائلڈ دا ایرینس، اے۔ سی۔ داس، رگ ویدک انڈیا (کلکتہ، ۱۹۲۷ء) بی تلک، آرکٹک ہوم ان دا ویداز (پونا، ۱۹۰۳ء) لچھمی دھر ہوم آف دا ایرینس (دہلی ۱۹۳۰ء) [2] گلائمس نے ورد کی اصطلاح اُن آدمیوں کے لئے استعمال کی ہے جو قدیم زبانوں میں ملتے ہیں (کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد اول ص ۳۷)

بحرِ اسود کے شمال میں روس اور سائبیریا کے شمالی میدانوں کو، گیگر نے مغربی اور وسطی جرمنی کو، یا پی گائلس نے آسٹریا، ہنگری اور بوہیمیا کو قرار دیا ہے۔ انتقالِ آبادی کا باعث یا تو یہ ہوا کہ وہ گروہوں میں بٹ گئے، یا اُن میں آپس میں پھوٹ پڑ گئی اور اختلافات شروع ہو گئے، یا اُن کے مسکن کے محدود علاقہ میں اُن کی آبادی حد سے زیادہ بڑھ گئی۔ اس عقیدہ کی بنیاد ایک تو یہ ہے کہ رگ وید اور اوستا کی زبان میں اور ہندی جرمنی بولیوں میں جو یورپ کی بیشتر قومیں[1] استعمال کرتی ہیں۔ قریبی مماثلت پائی جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ جو کچھ بھی تھوڑا بہت[2] ہمیں ان کے متعلق معلوم ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا کلچر نیز ان کا نباتات وحیوانات کا علم یکساں تھا۔ لسانی مماثلت اور زندگی کی مشترک خصوصیات بہرحال ان کی خاندانی یگانگت کا کوئی محکم ثبوت نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ باتیں ایسی ہیں جنھیں ایک قوم دوسری قوم سے بھی حاصل کر سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں علمِ بشریات[3] کی تحقیقات بھی ہمیں کوئی خاص مدد نہیں پہنچاتی۔ ان سے بس یہ بات تو ضرور معلوم ہو جاتی ہے کہ ہندوستان میں ایسے لوگ پائے جاتے تھے جو جسمانی ساخت کے اعتبار سے یورپ کی بعض نسلوں سے قرابت قریبہ رکھتے تھے، اس طرح حالانکہ ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ ہندوستان کی رگوں میں یورپ کا خون موجزن ہے، پھر بھی یہ قابلِ قیاس ہے کہ ہندی آریہ کسی نہ کسی منزل میں اہلِ مغرب کے اسلاف سے قطعی طور پر علیحدہ نہیں تھے۔

رگ وید

قدیم ترین کتاب جو آریوں نے آنے والی نسلوں کے لیے چھوڑی ہے

---

[1] مثلاً سنسکرت کی پتری، ژند کی پتیری، لاطینی کی پتیر، یونانی کی پاتر، کلٹی کے آتئر، ہیٹوٹائی کے مادر۔ ٹوکاری کے پاتر، اور انگریزی کے فادر سے مماثل ہے۔ یا سنسکرت دوا لاطینی کے دوو، آئرش کے دو، گا تھی کے توئی۔ تھونی کے دو اور انگریزی کے ٹو سے مماثل ہے یا سنسکرت کا انستی لاطینی کے ابست آئرش کے اِس، اگوتھی کے است اور تھونی کے استی سے مماثل ہے۔ [2] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد اول، باب ۳ صفحہ ۶۲ تا ۷۱۔
[3] ANTHROPOLOGY

رگ وید ہے اس میں حمد و ثنا کی ۱۰۱۷ نظمیں یا مناجاتیں ہیں۔ ان میں ۱۱ نظموں کا بعد میں اضافہ کیا گیا ہے جنھیں والِ کھبلیہ کہتے ہیں انھیں دس منڈلوں یا کتابوں میں باقاعدہ ترتیب دیا گیا ہے۔ یہ نظمیں مختلف زبانوں کی تصنیف[1] ہیں اور مختلف زمانوں کی نمائندگی کرتی ہیں۔ ان کا ادبی معیار بھی مختلف ہے۔ انھیں مختلف خاندانوں[2] کے شاعر پنڈتوں نے تصنیف کیا ہے جن میں سے اکثر مرد ہیں اور دو یا تین عورتیں۔ سوائے چند نظموں کے باقی سب دیوتاؤں کے حضور مناجاتیں ہیں۔ جن میں قدرتی طاقتوں کو دیوتاؤں کی مجازی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ تاکہ دیوتا ان سے متاثر ہو کر اپنے پجاریوں کو روحانی اور مادی برکتوں سے نوازیں۔ صرف وہ مناجاتیں جن میں دیوتا مخاطب نہیں ہیں ایسی ہیں جو راجاؤں کی فیاضی اور قبائلی خانہ جنگیوں نیز عوام کی زندگی اور عادات پر تھوڑی بہت روشنی ڈالتی ہیں۔ یہ معلومات بے شک ناکافی ہیں لیکن اس جہت سے بے حد قیمتی ہیں کہ معلومات کا کوئی اور ذریعہ ہمارے پاس موجود نہیں ہے جو ہمیں اتنے قدیم زمانے کی ہلکی سی جھلک بھی دکھا سکے[3]

رگ ویدی آریوں کا جغرافیائی پس منظر

رگ وید میں کوئی اشارہ آریوں کے ابتدائی نقل و حرکت کی طرف نہیں ہے اور نہ اُس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ ہندوستان میں کیونکر داخل ہوئے۔ البتہ بعض تلمیحات سے یہ ضرور اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا جغرافیائی حدود اربعہ اس علاقہ تک محدود تھا جو افغانستان سے لے کر وادیٔ گنگا تک پھیلا ہوا تھا۔ بعض دریاؤں کے نام اس میں آتے ہیں مثلاً کوبھا (کابل)، سواستو، (سوات) کرومُو

---

[1] رگ وید میں خود متقدمین و متاخرین رشیوں اور ان کی تصانیف کا ذکر موجود ہے۔ ونیٹرنز کا خیال ہے کہ رگ وید کی نظموں کے ادوار میں کئی کئی صوبوں کا فصل ہے۔ اس کے متن کی پاکیزگی کو برقرار رکھنے کے لئے مختلف تدبیریں جیسے پد پاٹھ، کرم پاٹھ، انوکرمانس وغیرہ اختیار کی گئیں۔ [2] قدیم روایت کے مطابق یہ نظمیں رشیوں پر نازل ہوئیں۔

ऋषयो मन्त्रद्रष्टार, اور नहि मद्वासि त्रिमन्ते निरपानि छदासि

[3] ملاحظہ ہو اے۔ سی۔ درس، رگ ویدی کلچر (کلکتہ ۱۹۲۵ء)

(کرُّم) اور گومتی (گومل)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ افغانستان اُن کے زیراثر تھا اور یہی ان کا مسکن تھا۔ سندھو کا وسیع و عریض دھارا (دریائے سندھ) اس کے پانچ معاون دریا۔ وِتستا (جہلم) اُسِکنی (چناب)، پروشنی، بعد ازاں اراوتی (راوی) وِپاشا (بیاس) اور شُتُدری (ستلج) سے ہر شخص واقف ہے۔ اسی طرح درِس وتی (چوتنگ) کا ذکر آیا ہے۔ لیکن سَرس وتی جواب خشک ہوگئی ہے، بہت سے موثر گیتوں کی محرک ہے۔ اِن حوالوں سے بڑی آسانی سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ آریہ اُن دریاؤں سے سیراب ہونے والے تمام علاقہ میں پھیلے ہوئے تھے اور اسی علاقے میں انھوں نے رگ وید کی بیشتر نظمیں تصنیف کیں[1] دریائے گنگا اور دریائے یمنا (جمنا) کا ذکر صرف دو یا تین جگہ آیا ہے۔ یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ حالانکہ آریوں کے جتھے گنگا کے دوآبے تک پہنچ گئے تھے پھر بھی یہ اُن کے لیے اب تک ایک اجنبی علاقہ تھا۔ سمندر سے وہ لوگ بالکل ناواقف تھے۔ انھوں نے سَمُدرُ کا لفظ پانی سے ڈھکے ہوئے بڑے بڑے علاقوں کے لیے استعمال کیا ہے۔ ہمالیہ یا ہماونت پہاڑ کی طرف رگ وید میں اشارہ ہے لیکن وندھیا چل یا دریائے نربدا کا کوئی ذکر اُن میں نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آریوں نے جنوب کی جانب بستیاں بسانی نہیں شروع کی تھیں۔ مندرجہ بالا خیال کی تائید میں دیگر شہادتیں بھی موجود ہیں۔ مثال کے طور پر رگ وید میں شیر کا ذکر ہے لیکن چیتے کا کوئی ذکر نہیں ہے جو بنگال کے مرطوب جنگلوں میں پایا جاتا ہے۔ رگ وید میں چاول کا بھی ذکر نہیں ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آریہ مشرقی علاقوں کی طرف ابھی نہیں بڑھے تھے۔ لیکن اس قسم کے دلائل پر غیر معمولی زور دینا احتیاط کے خلاف ہے۔ اس میں خطرہ ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ شمالی پنجاب میں نمک کی بہتات ہے اور رگ وید میں نمک کا کسی ایک جگہ بھی ذکر

---

[1] اوشا دیوی کی شان میں جو نظمیں ہیں اُن کا خزانہ پنجاب کا دافریب صبح کا سماں ہے لیکن وہ نظمیں جن میں "فنا ضرکے انتشار" اور گرج اور چمک کے فلسفہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ کیتھ کے بقول دریائے سرسوتی کے اردگرد کے علاقہ میں یعنی موجودہ امبالہ کے جنوب میں تصنیف ہوئیں۔

نہیں ہے۔

قبائلی تقسیم اور لڑائیاں

رگ ویدی آریہ سب کے سب ہم جنس و یک رنگ لوگ نہیں تھے۔ وہ قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ اُن میں سب سے اہم پانچ متحد قبیلے تھے۔ انو، دُروہیو، یادو، تُروسُ، اور پورو، ۔جو سرسوتی کے جانبین میں آباد تھے۔ اس کے علاوہ کئی اور قبیلوں کا ذکر آتا ہے۔ بھرت (جو بعد میں کُرووں میں ضم ہو گئے۔ تِرت سُو، سرِنجئی وِکی اور دوسرے چھوٹے چھوٹے قبیلے۔ اکثر وہ آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ رگ ویدی تاریخ کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ پَرُشنی کے مقام پر گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں بھرتوں کے راجہ سُوداس نے دس راجاؤں کے متحدہ قبیلوں کو وشوامتر کی رہنمائی میں زبردست شکست دی۔ اُن کے خاندانی پروہت وِشیشٹھ نے اس فتح کا جشن منایا، لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ سُوداس نے اپنی فتوحات کو متحد یا منظم کیا یا نہیں۔ ان پانچ متحدہ قبیلوں اور شمالی مغربی قبائل یعنی الین، پکتھ (موجودہ پختون یا پٹھان) سیو، بھلانسی اور وِشانِن کے حملے کے فوراً بعد، سُوداس کو اپنی سلطنت کے مشرقی گوشے سے ایک اور خطرہ کا مقابلہ کرنا پڑا۔ سُوداس بہر حال، دریائے جمنا کے کنارے اپنے ان دشمنوں کو جو بھیدا کی قیادت میں لڑ رہے تھے شکست دینے میں کامیاب ہو گیا۔ بھیدا کے ماتحت جو تین قبیلے تھے۔ آج، سِگرو، اور یاک شو، ان کے عجیب و غریب ناموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک غیر آریائی سردار تھا۔[1] اس طرح اپنی باہمی خانہ جنگیوں کے ساتھ ساتھ آریہ "داسیوں" یا "داسوں" سے بھی مصروف کارزار رہے۔ یہ لڑائیاں بڑے بھیانہ انداز میں ایک عرصہ تک جاری رہیں (۳) کی وجہ یہ تھی کہ دونوں قومیں بڑے اختلافات رکھتی تھیں جو سماجی بھی تھے اور نسلی بھی۔ آریہ لوگ لمبے اور گورے تھے، اور "داسیو" کالے اور پستہ قد۔ ان کے خدوخال بھدے سے تھے اور ناک چپٹی

---

[1] رگ وید میں دوسرے غیر آریائی نسلوں کا ذکر بھی آتا ہے مثلاً سِم یو، پِشاک وغیرہ۔ دوسرے ممتاز داس سرداروں میں سے ہم پیپرُو، دھونی، چُمرکا، شمبر کا ذکر بھی سنتے ہیں۔

(اناسنہ) تھی۔ وہ دیوی دیوتاؤں پر ایمان نہیں رکھتے تھے (اری وایو)، بلکہ ان پر سب وشتم کرتے تھے۔ (دیوپی یو)، اور نہ قربانیاں کرتے تھے۔ (آگیئہ ون) اور نہ اور رسوم (آکرمن) بجالاتے تھے۔ اس کے برخلاف وہ لنگ پوجا کرتے تھے۔ (شیش دواہ) ان کا قانون انوکھا تھا (الیہ ورت) اور ان کی بولی سمجھ میں نہ آتی تھی (مردھرواک)[1] ان تمام باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ "داسیو" غالباً دراوڑ نسل سے تعلق رکھتے تھے اور اس علاقہ میں آباد تھے جس پر آریہ اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ "داسیو" لوگوں نے اپنے مکانات اور جانوروں کی حفاظت کے لیے مردانہ وار ان کا مقابلہ کیا لیکن جب اُن کے پُور اور درگ (اُن کے شہر اور قلعے) تباہ ہو گئے اور ان کی قوتِ مقاومت نے بالکل جواب دے دیا، تو انھوں نے آریوں کے مقابلہ میں ہتھیار ڈال دیے۔ بہت سے داسیو فاتحین کے داس (غلام) بن گئے۔ جنھیں بعد میں سماج میں شودر کی حیثیت سے شامل کرلیا گیا۔ لیکن بہت سے جنگلوں اور پہاڑوں کی طرف نکل گئے جہاں ہم اُن کی اولاد کو وحشیانہ زندگی گذارتے ہوئے آج بھی دیکھ رہے ہیں۔

سیاسی تنظیم

کنبہ (گریہہ یا کل) ویدی ریاست کی اصلی بنیاد تھی۔ کئی کئی کنبوں سے جو برادری کے بندھنوں میں منسلک ہوتے تھے مل کر گرام بنتا تھا اور کئی کئی گراموں سے مل کر ایک وِش (ضلع، جرگہ) بنتا تھا اور کئی وشوں سے مل کر جن یا قبیلہ کی تشکیل ہوتی تھی۔ پورا قبیلہ ایک سردار یا راجن کے ماتحت ہوتا تھا جو اکثر موروثی ہوتا تھا جیسا کہ رگ وید کے ان اشلوکوں سے ظاہر ہوتا ہے جن میں یکے بعد دیگرے کئی وارثوں کا ذکر آیا ہے[2] کبھی کبھی وِش کے لوگ راجن کا انتخاب بھی کرتے تھے لیکن یہ واضح نہیں ہے کہ یہ انتخاب حکمراں خاندانوں تک محدود تھا یا دوسرے شریف خاندانوں میں سے بھی راجن

---

[1] اے۔ سی۔ داس، رگ ویدی کلچر، ص۱۵۰، ص۱۵۰ (کلکتہ، ۱۹۲۵)

[2] مثال کے طور پر وِدھریشو، دِوُو داش، سُداس اور سوداس۔

کو چُنا جا سکتا تھا۔ لڑائی میں فوج کی قیادت راجہ کرتا تھا وہ ان لوگوں کے جان و مال کا محافظ ہوتا تھا جس کے عوض لوگ اس کی اطاعت کرتے تھے اور تحفے تحائف اس کی نذر کرتے تھے۔ غالباً راجہ اس وقت ریاست کے اخراجات کے لیے کوئی مقررہ کر یا ٹیکس باقاعدہ وصول نہیں کرتا تھا۔ جب جنگ سے فراغت پاتا تو امن کے زمانے میں وہ انصاف کرتا اور مادی خوشحالی کے لیے قربانیاں دیتا پروہت سینانی (فوج کا سردار) اور گرامنی راجہ کے حاشیہ نشینوں میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ پروہت کو بھی تحفے ملتے تھے اور وہ تمام مہموں میں راجہ کی کامیابی کے لیے منتر پڑھکر اور افسوں پھونک کر دیوتاؤں سے دعا کرتا تھا۔ راجہ مکمل طور پر مطلق العنان نہیں ہوتا تھا۔ اس کے اختیارات کا دار و مدار رعایا کی مرضی پر تھا۔ جس کا اظہار سبھا (بزرگوں کی کونسل) سمیتی (کُل جنتا کی اسمبلی)[1] میں ہوجاتا تھا۔ ریاستیں عام طور چھوٹی چھوٹی ہوتی تھیں۔ لیکن باہمی لڑائیوں اور "داسیوں" سے خطرہ کے باعث اب رجحان بڑھتا جا رہا تھا کہ ایک بڑے سردار یا مہاراجہ کے تحت سب ریاستیں آجائیں یا ریاستوں کے علاقے کو بڑھا کر وسیع کر لیا جائے۔

خانگی زندگی

رِگ ویدی آریوں کی خانگی زندگی کافی خوشگوار تھی۔ وہ ازدواجی زندگی کے لیے بندھنوں کو مضبوط رکھتے تھے اور انھیں مقدس سمجھتے تھے۔ عام طور پر ایک شادی کے اصول کی پابندی کی جاتی تھی۔ لیکن "بالائی دس" کے درمیان کثرت ازدواج بھی کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ چند شوہری اور بچپن کی شادیوں کے کوئی آثار نہیں ملتے۔ عورتیں[2] اپنے شوہروں کے انتخاب میں کافی حد تک آزاد تھیں۔ شادی کے بعد

---

[1] ان اصطلاحوں کا مطلب واضح نہیں ہے۔ کیتھ کی رائے ہے کہ سمیتی سے "لوگوں کا اجتماع مراد ہے جس میں دو قبیلہ کے مسائل طے کرتے تھے" اور سبھا سے مراد وہ مقام ہے جہاں یہ اجتماع منعقد ہوتا تھا (اس کے علاوہ سبھا سماجی اجتماعات کے لیے ایک مرکز کا کام دیتی تھی" (کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، اول، صفحہ ۹۶)

[2] بی۔ ایس۔ اُپادھیائے، وی من ان رگ وید، دوسرا اڈیشن (بنارس ۱۹۴۱ء)، ملاحظہ ہو ڈاکٹر اے ایس آلٹیکر، پوزیشن آف وی من ان ہندو سولائزیشن (بنارس، ۱۹۳۸ء)؛ سی۔ بیڈر، وومین ان اینشینٹ انڈیا (لندن ۱۹۲۵ء) اندرا، اسٹیٹس آف وی من ان اینشینٹ انڈیا (لاہور ۱۹۴۱ء)

وہ شوہر کے زیر امن و عافیت کی زندگی گذارتی تھیں۔ ان کی عزت اور ان کے اختیارات اس زمانے میں آج کل کی عورتوں کے مقابلہ میں شاید زیادہ تھے۔ وہ گھریلو معاملات میں پورا اختیار رکھتی تھیں اور شوخ لباس اور زیورات پہن کر قربانیوں اور گھریلو رسموں میں شرکت کرتی تھیں۔ عورتوں کو علیحدہ رکھنے کا کوئی رواج اس زمانے میں نہیں تھا۔ اور نہ عورتوں کی نقل و حرکت پر کوئی پابندی تھی۔ عورتیں تعلیم یافتہ ہوتی تھیں اور بعض مثلاً اَپالا، وِشوورا، اور گھوشا، رشیوں کی طرح منتر تصنیف کرتی تھیں۔ اخلاقی معیار نسبتاً بلند تھا۔ لیکن کہیں کہیں اخلاقی پستی کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔

زن و شو کے علاوہ کنبہ میں اور افراد بھی شامل ہوتے تھے۔ والدین، بہن بھائی، اور بیٹے بیٹیاں وغیرہ۔ عام طور پر کنبہ کے باہمی تعلقات میں خلوص، یگانگت اور تعاون کا جذبہ پایا جاتا تھا۔ بعض اوقات، بہر حال، مال، خاص کر زمین، جانور اور زیورات وغیرہ سے متعلق معاملات پر آپس میں نزاعات ہوجاتے تھے جس کے نتیجہ میں رنجشیں پیدا ہوجاتی تھیں اور کنبہ ٹوٹ کر منتشر ہوجاتا تھا۔

پیشے

جیسا کہ کسی اور مقام پر ذکر کیا گیا، آریہ ہمیشہ مسلسل جنگ و جدال میں معروف رہتے تھے جنگ و جدال بھی دراصل ان کا ایک پیشہ ہی تھا۔ وہ پیدل لڑتے تھے یا رتھوں میں جنھیں گھوڑے کھینچتے تھے، لیکن گھوڑے کی سواری سے قطع نظر رگ وید میں سواروں کے رسالے کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ دھات کے بنے ہوئے خود اور زرہ بکتر (ورم) وہ میدان جنگ میں اپنی حفاظت کے لیے استعمال کرتے تھے۔ ان کے خاص ہتھیار یہ تھے۔ کمان (دھنش) اور تیر (بانٹر) بھالہ، نیزہ، کباڑی، تلوار (اَسی) اور گوپھن۔ سپاہی جنگ کے نعروں اور ڈھولوں (ڈن ڈبھی) کے تال اور سُر کے سہارے لڑتے تھے۔

رگ ویدی آریوں کی معاش کا ایک اہم ذریعہ جانور پالنا تھا وہ ایک بڑی تعداد میں گائیں پالتے تھے اور اسی پر ان کی دولت اور خوشحالی منحصر تھی اور اسی کو وہ اپنی "فلاح و بہبود کا حاصل" سمجھتے تھے۔ اس جہت سے ہم اس بات کا بڑی

آسانی سے اندازہ کرسکتے ہیں کہ وہ اپنی گایوں کی تعداد میں اضافہ کرنے کے کتنے خواہشمند رہتے تھے۔ اُن کے پالتو جانوروں میں گھوڑا، بھیڑ، بکری، کتا اور گدھا بھی شامل تھے۔

آریوں کا تیسرا پیشہ زراعت تھا۔ معلوم ہوتا ہے ہل چلانے کے وہ بہت پہلے سے عادی تھے۔ کرش کی جڑ ایک ہی معنی میں سنسکرت اور ایرانی دونوں زبانوں میں نمایاں طور پر استعمال ہوا ہے۔ ہل میں بیل جوتے جاتے تھے۔ ہل کی پھالی دھات کی بنی ہوتی تھی۔ جس سے کھیت (کشیتر) میں نلائی (سیتا) کا کام لیا جاتا تھا۔ کھیتوں میں نالیوں کے ذریعہ پانی پہنچایا جاتا تھا۔ یوا (غالباً جَو) اور دھانیہ وہ ناج تھے جن کی وہ کاشت کرتے تھے جب ناج پک جاتا تو درانتی سے کاٹا جاتا، پھر گہائی ہوتی، پھر ہوا میں بھوسا اُڑا کر غلہ کو صاف کرنے کے بعد گوداموں میں اسے محفوظ کردیا جاتا تھا۔

رِگ ویدی آریہ شکار سے بھی شغف رکھتے تھے۔ تفریح کی غرض سے بھی اور معاش کے لیے بھی پرند اور جنگلی جانوروں کو جال (پاشا) میں پھانستے تھے یا بعض اوقات تیر کمان سے ان کا شکار کرلیتے تھے۔ ہرن، شیر اور دوسرے درندوں کو پکڑنے کے لیے وہ گڑھے بھی کھودتے تھے۔

مچھلی کے شکار کا رِگ وید میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ رگ ویدی آریہ دریاؤں میں تو کشتیاں چلاتے تھے جو بہت بھدی اور بھونڈی ہوتی تھیں لیکن رِگ وید میں کہیں لنگر، بادبان یا جہازی بیڑے کا کہیں ذکر نہیں آتا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے کبھی کھلے سمندروں میں جہازرانی کی کوشش نہیں کی۔

تجارت

سکّے کے استعمال سے بھی یہ لوگ ناواقف تھے۔[۲] اس لیے تجارت مبادلہ کے ذریعہ ہوتی تھی۔ گائے کی قیمت معیار سمجھی جاتی تھی۔ ایسے اشارے بھی ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ چیزوں کا مول تول ہوتا تھا۔ لیکن سودا ایک بار طے

---

[۱] پانی؛ تو کنوؤں سے حاصل کیا جاتا تھا یا دریاؤں سے۔ کھاد اگر استعمال ہوتا ہوگا تو زمین کو زرخیز بنانے میں ضرور مدد دیتا ہوگا۔ [۲] نِشک، سکہ نہیں تھا جیسا کہ بعض عالموں نے سمجھ لیا ہے۔ یہ شاید کوئی زیور تھا جسے گلے میں پہنا جاتا تھا۔

ہو جاتا تو لوگ اس پر قایم رہتے تھے۔

زندگی چونکہ سادہ بالکل ابتدائی منزل میں تھی اس لیے لوگوں کی ضروریات بھی بہت مختصر تھیں اور بہ آسانی پوری ہو جاتی تھیں۔ لیکن یہ ثابت کرنے والی اسناد کم نہیں ہیں کہ خاص خاص پیشوں میں لوگ خصوصی مہارت حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگے تھے۔ ویدی سماج میں لکڑی کا کام کرنے والا مزدور اہم مقام رکھتا تھا اس کا سبب یہ تھا کہ اس کی خدمات جنگ یا دوڑ میں کام میں آنے والے رتھ بنانے کے سلسلہ میں زیادہ درکار ہوتی تھیں۔ ایک ہی آدمی بہ یک وقت بڑھئی بھی ہوتا تھا، متفرق چھوٹی موٹی مرمت کا کام بھی وہی کرتا تھا اور پہیے بھی وہی بناتا تھا۔ اس کی ہنرمندی کا مقابلہ ویدی شعرا کی فنکاری سے کیا جاتا تھا۔ ویدوں میں ہم دھات کا کام کرنے والوں کا ذکر سنتے ہیں جو ہتھیار، ہل کے پھال، کیتلیاں اور دوسرے گھریلو برتن بناتے تھے۔ دھات کے لیے ویدوں میں اَیَس نام آیا ہے (لاطینی میں آئیس) جس سے مطلب تانبے، کانسے، یا لوہے سے ہو سکتا ہے۔ سنار خوشحال اور امیر لوگوں کی خوشنودی کے لیے سونے کے زیورات تیار کرتے تھے۔ چمڑا کمانے کا ذکر بھی ویدوں میں آتا ہے۔ یہ لوگ چمڑا کماتے اور دوسری چیزیں مثلاً کمان کے لیے تانت اور لکڑی کے پہیے بناتے تھے۔ سینے پرونے اور گھاس پھوس اور بینڈ کی چٹائیاں اور کپڑا بننے کا کام اکثر عورتیں انجام دیتی تھیں۔ سب سے زیادہ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ رگ ویدی دور میں ان تمام کاموں میں سے کسی کو پست نہیں سمجھا جاتا تھا، جیسا کہ بعد میں ہو گیا۔ اور یہ سب کام قبیلہ کے تمام آزاد لوگ انجام دیتے تھے۔

زندگی کی دیگر خصوصیات

(۱) رگ وید میں لباس سے متعلق اتفاقیہ طور جو تلمیحات آ گئی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگ ایک اندر کا کپڑا (نی وی)، ایک دوسرا کپڑا اور لبادہ پہنتے تھے، کپڑا بننے کے لیے بھیڑ کی اون استعمال کی جاتی تھی۔ کپڑوں پر زردوزی کا کام ہوتا تھا اور امیر لوگ اسے رنگوا لیتے تھے اور دُریاں، مالائیں، پہنچیاں اور جوشن پہن کر اپنی آرائش کرتے تھے۔ بالوں میں تیل ڈالا جاتا اور کنگھی کی جاتی تھی۔ عورتیں چُٹیاں گوندھتی تھیں۔

بعض مرد بھی بالوں کی کنڈلی سروں پر رکھتے تھے۔ داڑھی مونڈنے کا رواج بھی تھا، لیکن عام طور پر لوگ داڑھیاں رکھتے تھے۔

(۲) غذا

رگ ویدی آریہ غذا میں گوشت اور ترکاریاں دونوں استعمال کرتے تھے بھیڑ اور بکرے کا گوشت بے تکلفی سے کھایا جاتا تھا اور دیوتاؤں کی نذر کیا جاتا تھا۔ تہواروں کے موقع پر یا دعوتوں میں چر بیلے بچھڑے کو بھی ذبح کیا جاتا تھا، لیکن گائے کو اس سے پہنچنے والے فوائد کے خیال سے "اگھنیا" ناقابل ذبیحہ سمجھا جاتا تھا۔ دودھ ان کی خوراک کا خاص جزو تھا دودھ سے بننے والی چیزوں میں گھی اور دہی کا استعمال عام تھا۔ اناج کو پیسا جاتا تھا اور آٹے میں دودھ اور گھی ملا کر روٹیاں بنائی جاتی تھیں۔ رگ ویدی ہندوستانیوں کے بھوجن میں ترکاریاں اور پھل بھی شامل ہوتے تھے۔

(۳) مشروبات

محض پانی اور دودھ ان کے ذوق کی تسکین کے لیے کافی نہیں ہوتے تھے وہ جوشیدہ شرابوں کے بھی عادی تھے۔ مذہبی تقریبات میں سوم ان کا بڑا مرغوب مشروب[۱] تھا۔ لیکن سورا جسے اناج سے کشید کیا جاتا تھا معمولی شراب کی حیثیت رکھتی تھی۔ پروہت اور پجاری اس کے استعمال کو نشہ آور ہونے کی وجہ سے ناپسند کرتے تھے۔ بعض اوقات شراب جرائم کا باعث ہوتی تھی جن کی اس عہد میں کوئی کمی نہیں تھی۔

(۴) تفریحات

رگ ویدی ہندوستانی بے کیف و بے رنگ زندگی نہیں گذارتے تھے

۱۔ رگ وید کے نویں منڈل میں سوم کی تعریف ہے اس کا رس فرحت بخش تھا اس بوٹی کو شناخت کرنے کی تمام کوششیں اب تک ناکام ہو چکی ہیں۔

وہ کھیل کود اور رنگ رلیوں کے شوقین تھے۔ خوشی کے موقعوں پر ناچ لے گانا ہوتا تھا۔ ناچ میں اکثر سادگی نہیں ہوتی تھی۔ ان کے آلاتِ موسیقی میں ڈھول (ڈن ڈبھی)، جھانجھ، ستار (کرکری) اور بانسری شامل تھے یہ لوگ گانے کے بھی شوقین تھے کیونکہ آگے چل کر سام گیتوں سے ہمیں اس کی آئندہ ترقی کے بارے میں کسی حد تک واقفیت حاصل ہو جاتی ہے۔ گھوڑ دوڑ اور رتھوں کو دوڑ بھی ان کی تفریحات میں شامل تھیں لیکن پانسے کے ذریعہ جوا کھیلنا مقبول عام تفریح تھی۔ باوجودیکہ جوے میں لوگ اپنا سب کچھ کھو بیٹھتے تھے اور انھیں تباہی و بربادی کا منھ دیکھنا پڑتا تھا پھر بھی جوے بازی کے اڈے پر لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ اور لوگ جوق جوق اس کی طرف کھنچکر آتے تھے۔

مذہب[2]

اگرچہ رگ وید کے مذہب میں بہت سے دیوتاؤں کا وجود پایا جاتا ہے پھر بھی وہ ایک بہت صاف اور سادہ مذہب ہے۔ یہ بات فطری ہے۔ کیونکہ رگ وید کی تمام مناجاتیں رشیوں کی طویل عرصے کی کوششوں کا نچوڑ ہیں اور مختلف قبیلوں کے دیوتاؤں کی نمائندگی کرتی ہیں۔ بیشتر چیزیں جن سے وہ عقیدت رکھتے تھے وہ ہیں جو قدرتی طاقتوں کے مادی جسم ہیں۔ حسب ذیل عنوان سے ان کے دیوتاؤں کی تقسیم کی جا سکتی ہے۔ (۱) ارضی دیوتا، جیسے پرتھوی، سوم، اگنی۔ (۲) فضائی دیوتا، جیسے اندر، وایو، تِرِت، پرجنیا، (۳) سماوی دیوتا، جیسے وُرن، دیاؤس، اشون، سوریہ، سوتری، متر، پوشن، اور وشنو۔ ان میں آخری پانچ سورج کی عظمت کے مختلف روپ ہیں۔ ان سب دیوتاؤں میں وُرن کا مقام سب سے بلند ہے اور اکثر مناجاتوں میں اس کی تعریف و توصیف کی گئی ہے۔ وہ آسمان کا دیوتا ہے اور اسی کے ساتھ رِت کا تصور وابستہ ہے، جو نظام کائنات اور ضابطۂ اخلاق کا مظہر ہے۔ اس کے بعد اندر شمار یہ آتا ہے جو گرج اور چمک کا دیوتا ہے، جس کے رعب و جلال کی توصیف شعرا کا دوسرا محبوب موضوع ہے۔ وہ بارش لاتا ہے اور زمین کی خشکی دور کرتا

---

[1] اس تفریح میں مرد عورت دونوں شریک ہوتے تھے۔ [2] رگ وید نے چھوٹے چھوٹے دیوتاؤں مثلاً ربھتی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے، اس کی اہمیت اس وقت اور زیادہ بڑھ گئی جب آریہ اُن علاقوں کی طرف بڑھ گئے جہاں بارشیں طوفانی اور موسمی ہوتی ہیں۔ یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ دیوتاؤں کی کوئی درجہ وار ترتیب وجود میں آرہی تھی۔ مختلف زمانوں میں شعرا نے مختلف دیوتاؤں کو فضیلت دی کیونکہ ان کا مقصد مختلف مالکوں کے منشا اور ضرورتوں کو پورا کرنا تھا۔ رگ وید میں مجرد دیوتاؤں کا بھی بھی ہے؛ جیسے سرادھا (عقیدہ) اور منیو (اشتعال) اور دیویوں میں اُشاس (تڑکے کی دیوی) عمدہ شاعری کی محرک ہے۔ ان دیوتاؤں کو راضی رکھنے کے لیے دعائیں پڑھی جاتیں، قربانیاں کی جاتیں، اور دودھ، گھی، ناج اور گوشت وغیرہ کے چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے۔ آخرالذکر مد پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا تھا تاکہ پجاریوں کو مسرت اور خوشحالی نصیب ہو۔ رگ وید کی بعض مناجاتوں میں ایک دیوتا کو دوسرے دیوتاؤں سے ممیز کرنے یا دو دو کے جوڑوں میں (مثلاً ریا واتر تھوی) پیش کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے اور آگے چل کر شعرا توحید کے اس عظیم الشان عقیدہ تک پہنچ جاتے ہیں کہ "دانشوروں نے دیوتاؤں کو الگ الگ پیش کیا ہے، ورنہ سب کے سب دیوتا ایک ہی ذات ہیں"[1]

تاریخ

اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ رگ وید کی مناجاتوں کی یا اس تہذیب کی جن کی وہ نمائندگی کرتی ہیں تاریخ کیا ہے۔ جیسکوبی اور تلک علم ہئیت کی مدد سے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ رگ وید کی مناجاتیں حضرت عیسیٰؑ سے چار ہزار سال پیشتر تصنیف ہوئی تھیں۔ لیکن اس رائے کو عام طور پر قبول نہیں کیا گیا۔ دوسری طرف میکس مولر نے بدھ جی کی مشہور تاریخ کی بنیاد پر حساب لگایا ہے۔ بدھ جی کا مذہب برہمن مت کا ردعمل تھا۔

(باقی حاشیہ پچھلے صفحہ کا) (ہوائی بھوت پریت) اور اپ سراؤں (آبی جانوروں جن کا جسم نصف عورت اور نصف مچھلی جیسا ہوتا ہے) کا ذکر بھی کیا ہے لیکن پیڑ پوجا اور حیوان پرستی کا اس میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

1. इन्द्रं मित्रं वरुणमग्निमाहुरथो दिव्यः स सुपर्णो गरुत्मान
एकं सद्विप्रा बहुधा वदन्त्यग्निं यमं मातरिश्वानमाहुः

اس سے ثابت ہے کہ تمام ویدی ادب پہلے سے موجود تھا۔ میکس مولر نے ویدی ادب کو چار عصروں میں تقسیم کر دیا ہے اور ہر عصر کے ارتقا کی مدت ۲۰۰ سال قرار دی ہے۔ سُوتر (۶۰۰ ۔ ۲۰۰ ق۔م۔) براہمن، آرنیک اور اُپ نشد (۸۰۰ ۔ ۶۰۰ ق۔م) منتر (۱۰۰۰ ۔ ۸۰۰ ق۔م۔) اور چھند (۱۲۰۰ ۔ ۱۰۰۰ ق۔م۔) اور اس طرح وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ۱۲۰۰ سے لے کر ۱۰۰۰ ق۔م وہ عہد ہے جس میں ویدی نظموں کی تصنیف شروع ہو گئی تھی۔ میکس مولر کی اس دلیل میں خامی یہ ہے کہ انھوں نے ہر عصر کے ارتقا کے لیے ۲۰۰ سال کی مدت قرار دی ہے۔ یہ مدت من مانی ہے۔ بغاز کوئی میں جو حالیہ دریافتیں ہوئی ہیں ان سے استدلال کی ایک نئی راہ نکل آئی ہے۔ یہاں کچھ کتبے دریافت ہوئے ہیں جن میں ہٹّیوں اور متانی کے راجاؤں کے درمیان عہد ناموں کا ذکر ہے۔ ان کتبوں سے ظاہر ہے کہ ایشیائے کوچک میں ویدی دیوتاؤں کی پرستش کم از کم ۱۴۰۰ ق۔م۔ میں جاری تھی۔[1] واقعہ یہ ہے کہ یہ ہمیں ذرا مختلف نتائج برآمد کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ بعض عالموں کا خیال ہے کہ اس سے آریوں کی مشرق کی جانب نقل مکان کی نشان دہی ہوتی ہے۔ دوسرے ماہرین ویدی دیوتاؤں کی خصوصیات کے پیش نظر اس کے قائل ہیں کہ ان کتبوں سے ہندوستانی آریوں کی مغرب کی جانب ہجرت کا سُراغ ملتا ہے۔ حقیقت کچھ بھی ہو، یہ بات طے ہے کہ تل الامرنا میں جو کتبے دریافت ہوئے ہیں وہ بغاز کوئی کے کتبوں کے ہم عصر ہیں۔ ان کتبوں میں بھی سنسکرت کے نام جیسے اُرت تاما، تس رتا، متانی کے راج کماروں کے لیے آئے ہیں۔ بعض کسّی راجہ بھی جو بابل میں ۱۷۴۶ سے ۱۱۸۰ ق۔م تک حکمراں رہے اس قسم کے نام رکھتے تھے جیسے خوریہ (سنسکرت سوریہ) اور مَبری تاس (سنسکرت مُرتس) وغیرہ۔ ان تمام شواہد کے پیش نظر امکانی سہو کی چھوٹ دیتے ہوئے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ویدی شاعری اور تہذیب کی ابتدا سولھویں صدی ق۔م میں ہو چکی تھی۔[2]

---

[1] اندر، وَرُن، ناشیاؤ اور مِتر۔ ان دیوتاؤں سے اپنے عہد ناموں کی حفاظت کے لیے دعا کی گئی ہے۔ ان کے نام اس طرح لکھے گئے ہیں سان درا، اوررونا، ناساتی یا، ن ات را۔ [2] شری بی جی تلک کی بہرحال یہ رائے ہے کہ رگ وید کی روایات ثابت کرتی ہیں کہ یہ عہد ۴۰۰۰ ق۔م سے بعد کا نہیں ہو سکتا تھا یہ وہ عہد تھا جس میں بہار کا اعتدال شب و روز منطقۃ البروج میں تھا یا دوسرے الفاظ میں جب شری اس نقطہ کے قریب تھا جہاں لیل و نہار شروع ہوتا ہے

رِگ ویدی اور وادیٔ سندھ کی تہذیبوں کا مقابلہ

اس مقام پر رِگ ویدی تہذیب اور وادیٔ سندھ کی تہذیب میں جو فرق ہے اس کی وضاحت دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔ ہندی آریہ اب تک گاؤں میں رہتے تھے اور رہائش کے لیے بانس اور پھوس کی جھونپڑیاں بناتے تھے جن میں غسل خانے اور کنویں ہوتے تھے اور پانی کی نکاسی کا باقاعدہ انتظام ہوتا تھا۔ رِگ ویدی آریوں کو سونا، تانبہ، کانسہ، اور غالباً لوہا وغیرہ دھاتیں معلوم تھیں۔ اہلِ سندھ نے لوہے کے کوئی آثار نہیں چھوڑے۔ وہ سونے سے زیادہ چاندی کا استعمال کرتے تھے اور ان کے برتن پتھر کے، جو عہد حجری کی یادگار ہے، نیز تانبے اور کانسے کے بنتے تھے۔ جنگ کے ہتھیار دونوں زمانوں میں یکساں تھے، لیکن دماغ کے لئے خود اور زرہ بکتر رِگ ویدی لوگ استعمال کرتے تھے، وادی سندھ کے لوگ اس سے ناآشنا تھے۔ بے شمار مہریں جو موہنجوڈارو سے دریافت ہوئی ہیں ظاہر کرتی ہیں کہ بیل ان کے نزدیک اہم ترین جانور تھا۔ رگ ویدی عہد میں بیل کی جگہ گائے نے لے لی۔ اہل سندھ گھوڑے سے ناواقف تھے۔ جبکہ رگ ویدی عہد میں گھوڑے کو پالتو بنا لیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ وادیٔ سندھ میں لِنگ پرستی رائج تھی۔ رِگ وید میں اس کا کوئی سُراغ نہیں ملتا۔ وادیٔ سندھ کے لوگ لکھنے سے واقف تھے اور ان کا فن کافی ترقی یافتہ تھا۔ لیکن رگ ویدی عہد اس قسم کا کوئی واضح ثبوت بہم پہنچانے سے قاصر ہے کہ آریوں نے اس میدان میں بھی کوئی ترقی کی تھی۔ یہ ما بہ الامتیاز نکات یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ ان دونوں تہذیبوں میں کس قدر وسیع خلیج حائل تھی۔ یہ بات صرف وقت کا تفاوت ہی ظاہر نہیں کرتی بلکہ دونوں مفروضے۔ کہ ایک مورث تھے یا دوسرے ان کی اولاد، ہمیں مشکل میں ڈالنے والے ہیں۔ رگ ویدی اور سندھی تہذیبوں کی الگ الگ خصوصیات کو پوری طرح سمجھنے کے لیے بس ایک ہی مفروضہ قرین قیاس ہے، اور وہ یہ کہ آریہ بعد میں آئے اور وہ اہل سندھ سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے۔ ان کی اصل جداگانہ تھی اور ان کا تہذیبی ارتقا بالکل علیحدہ اور آزادانہ طور پر ہوا۔ [1]

---

[1] ملاحظہ ہو سر جان مارشل، موہنجوڈارو جلد اول، باب ہشتم صنہ ۱۱۱ تا ۱۱۲

چوتھا باب

ویدی عہد کا آخری دور

جغرافیائی وسعت

ویدی عہد کے آخری دور کے لیے جو اندازاً ۶۰۰ ق.م. تک پھیلا ہوا ہے، ہمیں مذہبی کتب[1] یعنی مجروید، سام وید، اتھروید، براہمنوں، آرن یکوں اور اُپ نشدوں کے متن بھاؤں کا سہارا لینا ہوگا۔ اس عہد میں آریائی تہذیب رفتہ رفتہ مشرق اور جنوب کی طرف پھیل گئی۔ ہندوستان کا شمالی مغربی علاقہ، جو رگ ویدی قبیلوں کا مسکن تھا اب غیر اہم ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ وہاں بسنے والوں کے رسم و رواج بھی ناپسند کیے جانے لگتے ہیں۔ تہذیب کا مرکز اب کروکشیتر کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور مدھیہ دیش یعنی گنگا اور جمنا کا علاقہ، اہمیت حاصل کر لیتا ہے۔ کوشل (اودھ)، کاشی اور ودیہا (شمالی بہار)

---

[1] براہمن ویدوں کے ساتھ منسلک ہیں وہ نثر میں دینی رسالے ہیں اور ان میں قربانیوں کی اہمیت اور ضرورت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اہم براہمن یہ ہیں۔ ایتریہ، ست پتھ، پنچاونش اور گوپتھ۔ آرن یک براہمنوں کے تتمے ہیں انھیں یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ چونکہ ان میں تصوف کے مسائل ہیں اس لیے ان کی تعلیم جنگلوں کی تنہائیوں میں دی جاتی تھی اب تک باقی رہنے والے براہمن یہ ہیں۔ ایتریہ، کوشی تکی اور تیتریہ۔ یہ اسی نام کے براہمنوں کے ضمیمے ہیں۔ اُپ نشد قربانیوں کو مسترد کر دیتے ہیں۔ ان کا موضوع یہ ہے کہ گیان یا نجات کس طرح حاصل کی جائے یعنی فرد کو چاہیے کہ اپنی روح کو عالم کی روح میں ضم کر دے۔ چاندوگیہ اور برہ دارن یک کے علاوہ دس اور مشہور اُپ نشد ہیں۔ تیتریہ، ایتریہ، کوشیتکی، کٹھ، شوتیاش وتر، ایس، کین، پرشن، منڈک، مانڈوکیہ

بلب مشرق میں آریوں کے بڑے بڑے مرکزوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ مگدھ (جنوبی بہار) اور آنگ (جنوبی مشرقی بہار) کا ذکر بھی ان کتابوں میں آتا ہے، باوجودیکہ ان علاقوں میں ابھی تک آریائی تہذیب کے اثرات پوری طرح مرتب نہیں ہوئے تھے اور وہاں کے باشندوں کو اب تک اجنبی سمجھا جاتا تھا۔ اب ہم اہل آندھرا اور دوسرے خانہ بدوش قبیلوں مثلاً بنگال کے پنڈراؤں، اڑیسہ اور سی۔ پی کے سبروں اور جنوبی مغربی ہندوستان کے پلنڈوں کا حال پہلی بار سنتے ہیں۔ ودربھا یا برار کا ذکر ایتریہ اور جیمنیہ براہمنوں کی آخری دو عبارتوں میں آتا ہے۔ اس طرح قریب قریب تمام شمالی ہندوستان ہمالیہ پہاڑ سے لے کر وندھیاچل بلکہ اس سے بھی آگے تک آریوں کے زیر اثر آ گیا تھا۔ [1]

مسکونہ زندگی

یہ ثابت کرنے کے لیے کافی شہادتیں موجود ہیں کہ بڑے بڑے شہراب وجود میں آ گئے تھے۔ اور لوگ اب ایک جگہ رہ کر اطمینان و سکون کی زندگی گذارتے تھے۔ مثال کے طور پر ہم کام پیلیا اور آسندی ونت کا حال سنتے ہیں جو علی الترتیب پنچالوں اور کروؤں کی راجدھانیاں تھیں۔ کوشاہی اور کاشی کے بھی جا بجا حوالے آتے ہیں آخر الذکر آج بھی ایک بڑا شہر ہے۔

قبائلی جتھے

مندرجۂ بالا تبدیلیوں کے علاوہ ہم ایک قابل ذکر تبدیلی مختلف قبیلوں کی نسبتی اہمیت میں پاتے ہیں۔ رگ وید کے بھرتوں کی حیثیت ایک طاقتور سیاسی اکائی کی اب نہیں رہتی۔ اُن کی جگہ اب کُرُو اور اُن کے ہمسایہ حلیف، پنچال لے لیتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بھرت اور پُرو کرووں میں ضم ہو گئے۔ پنچال بھی ایک مخلوط قبیلہ تھا۔ جیساکہ اس کے نام پنچ بمعنی پانچ سے ظاہر ہے۔ ست پتھ براہمن کی سند سے، پنچال پہلے کری وی کہلاتے تھے جو ہو سکتا ہے ان جرگوں میں شامل ہوں جن پر پورا قبیلہ مشتمل

---

[1] ملاحظہ ہو این کے دت: دی آریانائزیشن آف انڈیا، (کلکتہ، ۱۹۲۵ء)؛ وی۔ رنگا چاریہ، پری مسلمان انڈیا حصّہ اول)، جلد دوم، باب سوم، حاشیہ۔

تھا۔ان میں شاید سب سے قدیم، انوَ، دُروہیُو اور فُروسَ تھے جواب تاریخ میں معدوم ہو گئے ہیں۔ یہ تینوں بھی اس جتھے بندی میں شامل تھے۔ کروؤں اور پنچالوں کو ان کتابوں میں شائستگی اور خوش گفتاری کے لیے مثال میں پیش کیا گیا ہے۔ ان کے راجہ مثالی حکمراں اور ان کے برہمن اپنے علم و فضل کے لیے ممتاز تھے۔ وہ (کروؤں اور پنچال مل کر) مناسب موسم میں فوجی مہمیں سر کرتے اور اپنی قربانیاں تمام جزویات کا خیال رکھتے ہوئے بڑی احتیاط سے انجام دیتے تھے۔[1] ان کے قریب ترین پڑوسی مدھیہ پردیش میں جمنا کے کنارے والے سَلوُ داش شی نر تھے۔ انھوں نے کوئی نمایاں کام انجام نہیں دیا۔ سرگیہ ایک اور قبیلہ کے لوگ تھے جو کروؤں میں شامل تھے کیونکہ ایک وقت میں ان دونوں کا پروہت ایک تھا۔ ان مذہبی کتابوں سے ہمیں متسیوں کا حال بھی معلوم ہوتا ہے جو موجودہ جے پور اور الور[2] کے آس پاس بسے ہوئے تھے۔

طاقتور ریاستوں کا عروج

قبیلوں کی آمیزش اور توسیع سلطنت کے لیے لڑائیوں کے نتیجہ میں اس زمانے میں رگ ویدی عہد کے مقابلہ میں زیادہ بڑی بڑی علاقائی اکائیوں کی تشکیل عمل میں آئی۔ "اقتدار اعلیٰ" یا عالمگیر حکومت" کا مثالی تصور سیاسی میدان میں اُبھر کر سامنے آگیا؛ اور حکمراں اپنے حوصلہ اور خواہش کے مطابق اپنی فتوحات کے مدارج متعین کرنے کے لیے "واج پیا" "راج سویا" اور آشومیدھ" جیسی قربانیاں انجام دینے لگے۔ ایتریہ اور ست پتھ براہمنوں میں ایسے راجاؤں کے نام آتے ہیں جنھوں نے "آنید بوجنا بھیشک"۔ جیسے کوشل کے پار، ستانیک، ساتر جیت، اور پرِ ترکتش ایکش ورک وغیرہ کے ساتھ "آشومیدھ" یگیہ کیا۔ جیسے جیسے حکمرانوں کے حدود سلطنت میں اضافہ ہوتا گیا، اُن کے القاب بھی بدلتے رہے اس طرح معمولی حکمراں کے لیے راجہ کا لفظ

---

[1] سورتیھ براہمن، سوم، ۲، ۳، ۱۵، ملاحظہ ہو کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد ۱، صفحہ ۱۱۷ تا صفحہ ۱۱۹

[2] ملاحظہ ہو پی۔ سی۔ لا، اینشنٹ مڈ انڈین کشاستریہ ٹرائبس۔

استعمال ہوتا تھا اور ادھی راج، اج دھیراج، سمراٹ، وراٹ، ایک راٹ اور سار دبھوم وغیرہ اصطلاحیں حکمرانوں کے مختلف مدارج ظاہر کرنے کے لیے استعمال کی جاتی تھیں۔

راجہ

جب بڑی بڑی سلطنیں وجود میں آگئیں تو شاہانہ شان وشوکت میں بھی اضافہ ہوگیا مذہبی کتابوں میں "رتنشٹھا" (نیاز نذر) کی رسم کو جو اہمیت دی گئی ہے اور اس کی جو تفصیلات بیان کی گئی ہیں اُس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے۔ اس رسم میں حکومت کے تمام بڑے بڑے عہدہ دار خصوصیت کے ساتھ شرکت کرتے تھے، جیسے پروہت، راجن (امرا) مہیشی (بڑی ملکہ)، سُوت (رتھ بان یا گویا شاعر؟)، سینا پتی سپہ سالار) گرامنی (گاؤں کا مکھیا)، بھاگ دُکھا (ٹیکس وصول کرنے والا) کشتری (حاجب) (خزانچی) اکش وپ (جوئے کا نگراں) وغیرہ وغیرہ[1]

راجہ جس کا عہدہ اب موروثی[2] ہوگیا تھا اب بھی جنگ میں فوج کی سپہ سالاری کرتا تھا لیکن چھوٹی موٹی مہموں کی نگرانی سینا پتی کے سپرد کردی جاتی تھی۔ راجہ بدمعاشوں کو سزائیں دیتا اور قانون اور دھرم کا بول بالا رکھتا۔ تمام زمین اس کی ملکیت تو نہ تھی البتہ اس کے اختیار میں ضرور تھی، اور وہ اپنے اختیار سے کسی بھی شخص کو زمین سے محروم کرسکتا تھا۔ اس اختیار کے استعمال میں ذرا سی بھی غلطی عام آدمی کو بڑی مصیبت میں ڈال سکتی تھی۔ عوامی مجلسیں جیسے سبھا اور سمتی[3] ابھی بالکل معدوم تو نہیں ہوئی

---

[1] قدیم کتابوں میں رتنوں کی تعداد اس سے کم ہے۔ [2] مثال کے طور پر سرنجیہ خاندان کی حکومت تین نسلوں تک باقی رہی [3] یہ بات اہم ہے کہ اتھروید (ہفتم، ۱۲) "سبھا" اور "سمتی" کو پرجاپتی کی توام بیٹیوں سے منسوب کرتا ہے۔ सभा च मा समितिश्चावतां प्रजापते दुहितरौ संविदाने اپنے عروج کے زمانے میں سبھا میں عوامی معاملات پر سوچ وچار ہوتا تھا اور وہ عدالت کے فرائض بھی انجام دیتی تھی اس کے علاوہ سمتی کے بھی حوالے آتے ہیں۔ کبھی یہ راجہ کو چنتی ہے، کبھی دوبارہ چنتی ہے

अथायते समिति कल्पतामिह (اتھروید، ششم، ۸۸، ۳)؛

नास्मै समिति कल्पते (ایضاً، پنجم ۱۵،۱۹)

تھیں البتہ ان کا ذکر اس عہد میں بہت کم سننے میں آتا ہے۔ حدود سلطنت میں وسعت کے باعث ان کے جلسے کم منعقد ہوتے ہوں گے اور اس لیے راجہ کی جو روک تھام یا مزاحمت وہ کرتی تھیں ان میں رفتہ رفتہ کمی آگئی ہوگی۔ بہر حال رائے عامہ کبھی کبھی غالب رہتی تھی۔ اس طرح دُشٹارِتو، نامی راجہ کو اس کی غیر مطمئن رعایا نے برطرف کر دیا لیکن بعد میں وہ استھاپتی چکر کے ذریعہ اپنی گدی پر بحال ہو گیا۔

سیاسی تقسیم اور واقعات

بدقسمتی سے براہمنوں کے دور میں آریوں کی سیاسی تقسیم اور حالات کے بارے میں ہماری معلومات بہت ناکافی ہے۔ پروہتی ادب میں جو اتفاقیہ طور پر لطیفے آگئے ہیں اور رزمیہ نظموں اور پرانوں میں جو مبہم سے اشارے اِدھر اُدھر مل گئے ہیں اُن سے ہم کچھ تاریخی معلومات اخذ کر سکتے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ کُرو اب سب سے اہم قبیلہ تھا اور پنچال اُن سے بہت قوی وابستگی رکھتے تھے۔ کروؤں کا پہلا راجہ جس کا ذکر اتھروید میں کیا گیا ہے پریکشِت نامی تھا اس کے عہد حکومت میں رعایا سکھ چین کی زندگی گذارتی تھی اور اس کی ریاست میں "دودھ اور شہد کی نہریں بہتی تھیں" اندازاً یہ ریاست جدید تھانیسر کی اور شمالی دوآبہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی راجدھانی آسندی وست تھی جو بعد میں ہستنا پور کہلائی۔ دوسرا مشہور راجہ جنَ مے جے تھا جو براہمنوں کی سند سے ایک بڑا فاتح تھا اور اس کی ریاست شمال میں ٹیکسلا تک پھیل گئی تھی۔ مہا بھارت شہادت دیتی ہے کہ وہ کبھی کبھی وہیں دربار کیا کرتا تھا اور ویشم پاین سے کُرو اور پانڈو کی باہمی رقابت کا حال سنا کرتا تھا۔ اس نے ایک سَرپ ستر (سانپ کی قربانی) اور دو گھوڑے کی قربانیاں (آشومیدھ یگیہ) انجام دیں۔ آگے چل کر ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جنَ مے جے کا برہمنوں سے کچھ منافشہ ہو گیا اور اس کے تینوں بھائیوں بھیم سین اگر سین اور سرت سین کو برہمنوں کو مار ڈالنے کے کفارہ کے طور پر آشومیدھ یگیہ کرنا پڑا۔ جنَ مے جے کے جانشینوں کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے۔ بس اتنا معلوم ہے کہ حکومت کو بعض آفات ارضی و سماوی کا مقابلہ کرنا پڑا جیسے ژالہ باری ٹڈیوں کا حملہ وغیرہ اور آخر کار بنچکَ شوَ نے گنگا میں سیلاب آنے کی وجہ سے ہستنا پور کو

چھوڑ کر کوشامبی کو راجدھانی بنالیا۔

پنچال کے بارے میں ہماری معلومات اس سے بھی کم ہے۔ اس کے بعض راجاؤں نے ضرور اہم فتوحات حاصل کیں کیونکہ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے آشومیدھ یگیہ کیا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کی سیاسی طاقت بڑھ گئی تھی۔ اُپ نشدوں میں پرواہن جے ومی کا ذکر آتا ہے جو عوام کا سرپرست تھا اور اپنے دربار میں علمی اور عقلی مقابلے کرانے کا شوقین تھا ان علمی مجلسوں (پری شدوں) میں مباحثہ اور مذاکرہ کے اصول پر عمل ہوتا تھا اور معاملہ کے ہر پہلو پر غور و فکر کے بعد حقیقت دریافت کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اس قسم کے اجتماع لوگوں کو غور و فکر پر مجبور کرتے تھے اور علم و دانش کی توسیع و ترقی میں مدد دیتے تھے۔ پنچال کی راجدھانی کام پلیہ تھی اور ان کی ریاست اندازاً موجودہ ضلع فرخ آباد اور روہیلکھنڈ کے بعض حصوں میں پھیلی ہوئی تھی۔

کروؤں کے زوال کے بعد ودیہہ کی اہمیت بڑھ گئی۔ ودیہہ موجودہ ترہُت سے مطابقت رکھتی تھی۔ اس کی راجدھانی متھیلا کا کوئی ذکر ویدی ادب میں تو بالکل نہیں ہے، البتہ بعد کے ادب میں وہ ایک مشہور و معروف شہر نظر آتا ہے اس علاقہ نے ویدی تہذیب کی روشنی کوشل کے بعد حاصل کی جیسا کہ ست پتھ براہمن میں ودیگھ ماتھو کہ کے قصہ سے ظاہر ہے۔[1] ودیہہ کا مشہور راجہ جنک[2] تھا جسے اُپ نشدوں میں عالم و فلسفی کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ اس نے کروؤں کی راجدھانی کی تباہی کے تھوڑے عرصے بعد عروج حاصل کیا۔ اکبر کی طرح وہ فلسفیانہ مباحثوں کی ہمت افزائی کرتا تھا اور یاگیہ ولکیہ[3] جیسے نامور عالم و دانشور اس کے دربار کی زینت بنے

---

[1] کہتے ہیں کہ ودیگھ ماتھو اپنے پروہت گوتم راگھوگن کے ساتھ سرسوتی کے علاقہ سے سدانیرا (گنڈک) کو پار کرنے کے بعد جو کوشل کی مشرقی سرحد تھی، ودیہہ چلا گیا۔ دریا کے اس پار اگنی دش وانر نے علاقہ کو جلایا نہیں، مطلب یہ کہ علاقہ اس وقت آریائی تہذیب کے زیر اثر نہیں آیا۔ [2] موجودہ شہر جنک پور اسی راجہ کی یادگار کے طور پر آج تک موجود ہے۔ [3] اس دور کے دوسرے عالموں میں اُدالک آرونی، شویت کیتو ارُونیہ، ستیہ کام جبال وغیرہ کے نام لیے جا سکتے ہیں)۔

ہوئے تھے۔ جنک کو سمراٹ کہا جاتا تھا اور اس کی طاقت اور شہرت کاشی کے اجات شترو کے لیے باعث حسد بن گئی تھی۔

آخرالذکر راجہ برہم دت سلسلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ برہم خاندان سے پہلے کاشی پر وہ خاندان حکومت کرتا تھا جس کا نسبی تعلق پرورو سے تھا جو بھرتوں کا مورث تھا۔

دوسری مشرقی ریاست کوشل[1] تھی جو غالباً موجودہ اودھ سے مطابقت رکھتی تھی اور آئیس واکر خاندان کے زیر نگیں تھی۔ ایک طویل عرصے تک آریائی تہذیب کی مشرقی سرحدی ریاست رہی، سدانیرا (گنڈک) کو اس کے بعد پار کیا گیا۔ اس کی قدیم راجدھانی اجودھیا تھا جو رزمیہ نظم کے ہیرو رام کا بھی صدر مقام تھا۔

دوسری ہم عصر طاقتیں جن کا ذکر براہمنوں اور اُپنشدوں میں آتا ہے۔ حسب ذیل تھیں: گندھارا، جو دریائے سندھ کے دونوں جانب پھیلی ہوئی تھی اس کے خاص خاص شہر ٹکسیلا (ضلع راولپنڈی) اور پُشکراونی (موجودہ چارسدۃ، پشاور) تھے۔ کیکیا یعنی گندھارا اور دریائے بیاس کا درمیانی علاقہ، مدرا خاندان، جن کا علاقہ وسط پنجاب میں موجودہ سیالکوٹ اور اس سے متصل علاقہ سے مطابقت رکھتا تھا۔ متسیہ، جو الور کے کچھ قصبے اور جے پور اور بھرت پور پر مشتمل تھا اُسی نرؤں کا علاقہ جو مدھیہ دیس میں واقع تھا۔ ان ریاستوں میں انتظام حکومت اچھا تھا۔ رعایا خوشحال تھی، اور آزادی کے ساتھ امن کے زمانے کے کاروبار اور فنون میں مصروف تھی اسی کے ساتھ، اس قسم کے لغو مبالغوں کو بھی اہمیت دینے کی ضرورت نہیں ہے کہ رشوپتی نے دعویٰ کیا جیسا کہ چھاندیوگ اُپ نشد میں درج ہے کہ اس نے تمام چوروں، شرابیوں، بدمعاشوں اور اَن پڑھوں کو اپنی ریاست سے نکال باہر کردیا تھا[2] مگدھ اور انگ پر اب تک حقارت کی نظر پڑتی تھی۔ اتھر وید کی ایک

---

[1] جل جانو، کرنیا کو آخری دور کی ایک عبارت میں ودیہہ، کاشی اور کوشل خاندانوں کے پروہت کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ کیا اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تینوں بادشاہتیں کبھی ایک دوسرے سے متحد تھیں؟

[2] न मे स्तेनो जनपदे न कदर्यो न मद्यपः : नानाहिताग्निर्नाविद्वान्न स्वैरी स्वैरिणी कुतः ॥

عبارت میں اس علاقہ کے لوگوں کو بخار کی بد دعا دی گئی ہے۔ اہل مگدھ کو نفرت کے ساتھ وراتیہ کہا گیا ہے یعنی وہ لوگ جو برہمنوں کے قدیم عقیدہ کے دائرہ سے باہر تھے اور عجیب اور سمجھ میں نہ آنے والی زبان بولتے تھے۔

معاشرتی تبدیلیاں

سماج اس عہد میں ہونے والی تبدیلیوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ اس میں شک نہیں کہ چار طبقوں میں تقسیم کا ذکر رگ وید کے آخری دور کی ایک نظم میں کیا گیا ہے [1] لیکن یہ ایک اخلاقی مسئلہ ہے کہ یہ اشارہ آریہ اور داسیو کے واضح فرق کے علاوہ ذات پات کی باقاعدہ گروہ بندی سے کوئی مماثلت رکھتا ہے یا نہیں۔ اب یہ گروہ بندی زیادہ واضح ہو گئی اور ذات پات کی تقسیم کا باقاعدہ تصور نکھر کر سامنے آنے لگا۔ بدقسمتی سے اس تبدیلی کے اسباب تاریکی میں ہیں۔ ان امتیازات کی ابتدا دراصل گورے آریوں اور کالے داسیوں کے "رنگ کے فرق" سے ہوئی۔ لیکن آریوں کی مسلسل لڑائیوں، سیاسی ماحول اور زندگی کی بڑھتی ہوئی پیچیدگیوں اور مختلف پیشوں میں مخصوص مہارت حاصل کرنے کے رجحان کے نتیجہ میں پیشہ ور گروہ رفتہ رفتہ موروثی ہوتے چلے گئے۔ اس طرح وہ لوگ مقدس کتابوں کا علم رکھتے، قربانیوں (یگیوں) میں پروہت کے فرائض انجام دیتے تھے اور تحفے تحائف قبول کرتے تھے، برہمن کہلانے لگے۔ جو لوگ جنگ کرتے، زمینوں پر قبضہ رکھتے اور سیاسی طاقت کا استعمال کرتے، انھیں چھتری (کشاتریہ) کہا گیا۔ عوام۔ تجارت پیشہ لوگ، زراعت کرنے والوں اور کاریگروں کو ویش کا نام دیا گیا۔ شودروں سے نیچ کام متعلق کر دیے گئے تھے مفتوح و محکوم داسیوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اس

---

[1] پرش سوکت (دہم، ۹۰، ۱۲) جس میں آیا ہے کہ برہمن، کشاتریہ، ویشیہ اور شودر علی الترتیب خالق کے منہ، بانہوں، ٹانگوں اور پیروں سے پیدا ہوئے:

ब्राह्मणोऽस्य मुखमासीद् बाहू राजन्यः
कृतः : ऊरू तदस्य यद्वैश्यः : (رگ وید، دہم، ۹۰، ۱۲
पद्भ्यां शूद्रो अजायत ॥ یجروید، ۳۱-۱۰ وغیرہ)

عہد میں ذاتوں میں غیر فطری قسم کا کٹر پن نہیں پیدا ہوا تھا جو بعد میں آنے والے دور میں پیدا ہو گیا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ چیاوَن ایک برہمن رشی نے ایک چھتری ہریات کی لڑکی سُکنیا سے شادی کی۔ چھتری حکمرانوں مثلاً ودیتہ کے جنک، کاشی کے اجات شترو اور پنچال کے پرواہین جیبُولی نے برہمنوں کے علم میں امتیاز حاصل کیا، اور راجکمار دیواپی نے اپنے بھائی سانتنو کے لیے یگیہ کی رسم ادا کی [1] جیسے جیسے برہمنوں کی مقامی تفریق پسندی اور اثرات بڑھتے گئے ذات پات میں جو لچک پائی جاتی تھی اس میں کمی آنے لگی اور پیشہ میں تبدیلی یا پیشہ کے معاملے میں تلون مزاجی کو ناپسند کیا جانے لگا۔ اس کے علاوہ مختلف ذاتوں میں ہونے والی شادیوں کی اولاد نے جسے ذلیل سمجھا جاتا تھا، علیحدہ گروہوں کی شکل اختیار کر لی [2] یہ سلسلہ برابر جاری رہا اور اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ اس طرح کہ جو لوگ اپنا آبائی پیشہ چھوڑ کر کوئی نیا ذریعہ معاش یا پیشہ اختیار کر لیتے وہ بھی ایک علیحدہ گروہ میں شمار کیے جاتے تھے۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ سماج الگ تھلگ ذاتوں کا ایک ایسا عجیب و غریب مجموعہ بن گیا جو ازروئے قانون نہ آپس میں شادیاں کر سکتی تھیں نہ ایک دستر خوان پر بیٹھ کر کھا پی سکتی تھیں۔

شودروں اور عورتوں کا درجہ

شودروں کی حیثیت آخری دَور کے ویدی ادب میں بہت واضح دکھائی دیتی ہے لیکن انھیں ناپاک سمجھا جاتا تھا اور قربانیوں میں ان کی شرکت یا مقدس کتابوں کی تلاوت ان کے لیے قطعاً ممنوع تھی۔ آریہ شودروں سے شادی یا ناجائز تعلقات کو سخت نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ شودر اپنے نام سے کسی جائداد کے

---

[1] برہمنوں اور چھتریوں کی ان مثالوں سے قطع نظر یہ بات قابل غور ہے کہ ویدی ادب میں کہیں ایسی مثال نہیں کہ کوئی ویش کسی اونچے سماجی درجہ پر پہنچ گیا ہو۔

[2] منو نے ایک ذات چھوڑ کر دوسری ذات میں شادی کرنے والوں کے لیے انوموما اور پرتی لوما کی اصطلاحیں استعمال کی ہیں۔

مالک نہیں ہو سکتے تھے۔ حقیقت یہ کہ ایتریہ براہمن میں ایک مقام پر شودروں کو اس طرح پیش کیا گیا ہے جیسے وہ کسی کا ملازم ہے جسے جب جی چاہے نکال دو اور جب جی چاہے مار ڈالو۔"

عورتوں کا درجہ بھی سماج میں ہر حیثیت سے اونچا نہیں تھا۔ گارگی واچک نوی اور میتری کی مثالیں بے شک ثابت کرتی ہیں کہ عورتوں کو تعلیم دی جاتی تھی اور اُن میں سے بعض علم و دانش کی بلند ترین منزلوں تک پہنچ گئی تھیں، لیکن عورت نہ باپ کی جائداد کی وارث ہو سکتی تھی، نہ اپنی کسی ذاتی جائداد کی مالک بن سکتی تھی۔ اگر وہ تھوڑا بہت کچھ کماتی تو وہ باپ یا شوہر کے حق میں واگذاشت ہو جاتا تھا۔ لڑکی کی "ولادت بدنصیبی کی علامت" سمجھی جاتی تھی۔ راجہ اور امرا، کئی کئی شادیاں کرتے تھے جو یقیناً کنبے کے لیے کافی تکلیف دہ ثابت ہوتی ہوں گی۔

پیشے

اس عہد میں زراعت میں بڑی ترقی ہوئی۔ ہل (سیرا) کی شکل و صورت اور جسامت میں اصلاح کی گئی[1] اور پیداوار بڑھانے کے لیے کھاد کی اہمیت کو لوگ اچھی طرح سمجھنے لگے۔ جَو (یو) کے علاوہ کئی قسم کے اور ناج مثلاً چاول (ورِہی) گیہوں (گودھوم) سیم، بانگلا، لوبیہ اور تِل (تِلا) وغیرہ کی کاشت مقررہ موسموں میں ہونے لگی۔ شمالی ہند کے زرخیز میدانوں نے آریوں کی مادی خوشحالی میں اضافہ کر دیا۔ لوگوں کی ضروریاتِ زندگی بھی بڑھ گئیں جنھیں پورا کرنے کے لیے نئے نئے پیشے وجود میں آ گئے۔ مثلاً رتھ بان، شکاری، گڈریے، مچھیرے، آتشباز، مالی، رتھ ساز، رنگریز، جولاہے، قصاب، باورچی، کمہار، سُنار، لوہار، نٹ گویّے، فیل بان وغیرہ وغیرہ۔

جوتشیوں اور حجّاموں کے پیشوں نے اہمیت حاصل کر لی۔ طبیب مریضوں کا علاج کرتے تھے لیکن اس پیشہ کو نہ جانے کیوں گھٹیا سمجھا جاتا تھا۔ عورتیں رنگائی، زردوزی اور ٹوکریاں وغیرہ بنانے کے کام میں مصروف رہتی تھیں۔

---

[1] بعض ہل اتنے بھاری بھرکم ہوتے تھے کہ انھیں ۲۴ بیل مل کر کھینچ سکتے تھے۔

دیگر خصوصیات

تہذیب کی مزید ترقی اس بات سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ کئی اور دھاتیں دریافت کرلی گئیں۔ رگ وید میں سونے اور ایس (تانبا) کی اہمیت کچھ زیادہ واضح طور پر نہیں بیان کی گئی۔ لیکن اس عہد میں لوگ سیسہ (سیسا) ٹین (ترپو) چاندی (رجت) سونا (ہرن) سرخ (لوہت) ایس (تانبا) اور کالا (سیام) ایس (لوہا) وغیرہ دھاتوں سے واقف دکھائی دیتے ہیں۔ زیورات پیالے اور ظروف زیادہ تر سونے اور چاندی کے بنتے تھے۔ سونا دریاؤں کی تہ سے یا زمین کے اندر سے یا کچی دھات کو پگھلا کر برآمد کیا جاتا تھا۔

باقاعدہ سکہ کا استعمال ابھی شروع نہیں ہوا تھا، حالانکہ شمان سے جو کرشنلا یا گنجہ (گوندنی) کی برابر تھا سکہ کی ابتدا ہو چکی تھی وہ اب گائے کی جگہ لیتا جارہا تھا جسے قیمت کی اکائی کے طور پر اب تک استعمال کیا جارہا تھا۔

لباس، تفریحات اور غذا قریب قریب وہی رہیں جو رگ وید کے زمانے میں تھیں۔ اتھروید کی ایک مناجات میں گوشت کھانے اور سورا پینے کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے اہنسا کے اصول کی وجہ سے ہو جس نے اب جنم لینا شروع کر دیا تھا۔

ویدی دور کا آخری زمانہ فنِ تحریر سے واقفیت کے لیے بھی اہم ہے۔ بیوہلر اور دوسرے عالموں کی رائے ہے کہ ہندوستان میں لکھنے کی ابتدا سامی ملکوں کے تاجروں نے نویں صدی ق۔م میں کی۔ اس کے برخلاف بعض عالم[1] سختی سے اس کے قائل ہیں کہ لکھنے کی ابتدا یہیں ہندوستان میں ہوئی جس کے لیے وہ اس سے پہلے کی تاریخ متعین کرتے ہیں۔ عالموں کے درمیان اس مسئلہ میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے اور اس کا مناسب حل ان کی ذہانت کو اس وقت تک دعوت فکر دیتا رہے گا، جب تک کہ ہم کوئی نئی دریافت نہ کریں یا موہن جوداڑو

---

[1] مثال کے طور پر ملاحظہ ہو (قلمی)، جی۔ایچ۔اوجھا۔ پراچین لپی، تمہید،

کی مہروں کا مطلب سمجھنے کے بعد اُن سے کوئی غیر متوقع روشنی نہ حاصل کریں ۔

مذہب اور فلسفہ

ویدی ادب کے آخری دَور کی دینیات قدیم مناجاتوں کی دینیات سے بنیادی طور پر مختلف نہیں ہے ۔ رگ وید کے دیوتا از سرِ نو اُبھر آتے ہیں لیکن ان کی اہمیت بدل جاتی ہے ۔ پرجاپتی "مخلوق کا مالک" جو برہمنوں کے غور و فکر کا خاص موضوع ہے ، بہر حال ، مقبول عام دیوتا کی حیثیت اختیار نہ کرسکا ۔ دو دیوتا جن کی تعظیم و تکریم عام ہو گئی وہ رُودرا اور وشنو تھے جو ہندو دھرم پر آج بھی چھائے ہوئے ہیں ۔ رگ وید نے وشنو کو سورج دیوتا ہی کے ایک روپ میں پیش کیا ہے ۔ وشنو کی پرستش کو اس دور میں بھی کوئی ترجیح نہیں دی گئی ۔ یہی کیفیت رُودر کی رہی ۔ رودر نے ویدی دیوتاؤں میں سب سے زیادہ مقام حاصل کرلیا ۔ رودر کو شیو کے لقب سے تو پہلے ہی یاد کیا جاتا تھا اور آج تک "بخت آور" سمجھا جاتا ہے ۔ اس عہد میں رُودر "عظیم دیوتا" مانے جانے لگے ۔ اس فضیلت کا سبب کیا تھا ؟ کیا تہذیبوں کی آمیزش اس کی ذمہ دار تھی ؟ بہرنہج ، موہنجوڈارو سے ایک مُہر دریافت ہوئی ہے جس پر ایک دیوتا کی تصویر بنی ہوئی ہے ۔ سرجان مارشل کی رائے ہے کہ یہ "روایتی شیو کا ابتدائی نمونہ" ہے ۔ یہ مُہر اس نظریے کے بارے میں ہمارے مفروضہ کو قوی کر دیتی ہے ۔

حالانکہ مذہب میں کثرتِ اصنام کا عقیدہ رائج رہا ، پھر بھی مذہبی مزاج میں نمایاں تبدیلی واقع ہوگئی ۔ قدیم مناجاتوں کو لوگ بھول گئے ۔ اب ان کا سمجھنے والا کوئی نہ رہا ۔ مظاہر قدرت کا احساس پجاری شاعروں میں روحانی تاثیر پیدا کرنے کے لیے ناکافی ہوگیا ۔ اس طرح مذہب ایک رسم اور ایک ضابطۂ محض بن کر رہ گیا اور برہمنوں نے ایسی بالادستی اختیار کر لی کہ انھیں "زمین پر دیوتا" سمجھا جانے لگا ۔ انھوں نے سختی کے ساتھ رسموں کی پابندی پر زور دیا اور رسمیں ادا کرنے کا ایک بہت ہی پیچیدہ طریقۂ کار وضع کیا ۔[1] قربانیوں کو باطنی اہمیت دی جانے لگی ۔ قربانی

[1] اب ستر قربانیاں وجود میں آگئیں جن کا سلسلہ کئی کئی دن سے لے کر پورے سال یا کئی سال تک جاری رہتا تھا ۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیے ۔)

سے متعلق ہر شے گویا ساحرانہ قوتوں کی حامل ہوتی تھی۔ واقعاً یہ خیال کیا جاتا تھا کہ قربانی کرنے والے کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ اُسے بہت احتیاط سے انجام دے۔ اگر قربانی کے پیچیدہ جزویات سے کوئی معمولی سا انحراف بھی کرتا تو اس کے نتائج اس کے حق میں مہلک ثابت ہو سکتے تھے۔ المختصر، براہمنوں میں قربانی نے اس قدر اہمیت حاصل کر لی کہ وہ مقصد حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں رہی۔ بلکہ بجائے خود مقصد بن گئی۔

بہر حال، یہ تصویر کا ایک رُخ ہے۔ یہ ایک ذہنی ہیجان کا دور تھا، ایک طرف پجاری اپنی قربانی کی رسموں کے ذریعہ اپنی طاقت بڑھا رہے تھے، تو دوسری طرف برہمن اور چھتری دونوں ذاتوں کے بہترین دماغ ان سے منحرف ہوتے جا رہے تھے[1] اور حقیقی علم (گیان) کے ذریعہ سکون اور نجات کی راہ تلاش کر رہے تھے۔ اُن کے بے باک فلسفیانہ نظریات اُپ نشدوں میں محفوظ ہیں، جیسے چھاندوگیہ اور برہ دارن یک، جنھوں نے آگے چل کر ہندو فلسفہ کے خاص خاص مدرسوں (درشنوں) کو جنم دیا، یعنی سانکھیہ یوگ، نیائے، وشیشکا پورمی مانسہ اور اُتری مانسہ کائنات کا معمہ حل کرنے اور "ذات" (خودی) کی ماہیئت سمجھنے کی جی توڑ کوشش میں آریائی دماغ نے ایک عظیم عقیدہ پیش کیا۔ وہ یہ کہ حقیقت اولیٰ ایک ہے یعنی برہمن (برہما) ذات کی آتمن (آتما روح) کو عالم کی آتمن میں ضم کرنے سے حقیقی آگہی نصیب ہوتی ہے۔ جس کے ذریعہ انسان لامتناہی روحانی مسرت حاصل کر سکتا ہے[2] اس عقیدہ کا بدیہی نتیجہ تناسخ کا نظریہ تھا۔ اسی کے

(بقیہ حاشیہ) رسموں میں اضافہ کے ساتھ پروہتوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہو گیا۔ ہوتری، ادگاتری، آدھر دریو اور برہمن ان میں ہر ایک اپنے کئی کئی نائب رکھتا تھا۔

[1] مثال کے طور پر منڈک اُپ نشد ان لوگوں کو جو محض رسمیں ادا کرتے تھے طنز سے بیوقوف کا لقب دیتا ہے۔ اسی طرح بردوارنیک دیوتاؤں کے حضور قربانی دینے والے کا مقابلہ اس جانور سے کرتا ہے۔ جو اپنے مالک کی تمام ضروریات پوری کرتا ہے اور اسے ہر قسم کا آرام و آسائش بہم پہنچاتا ہے۔

[2] تت توم اسیٔ "تو ہی تو ہے" کے پُر معنی الفاظ بڑی خوبصورتی سے ویدانت فلسفہ کا خلاصہ پیش کرتے ہیں کہ ذاتی روح اور عالم کی روح یکساں ہے

ساتھ یہ عقیدہ بھی راسخ ہو گیا کہ جب تک گیان کے ذریعہ نجات حاصل نہ کر لی جائے اس وقت تک روح بار بار پیدا ہونے اور مرنے کے جنجال میں پھنسی رہتی ہے۔ اس کا دارومدار انسان کے اپنے عمل پر ہے اور اُسی سے کرم کے نظریے کی ابتدا ہوئی ہے یعنی یہ کہ انسان کا کوئی عمل، نیک یا بد، کبھی رائگاں نہیں جاتا اور اس کی مناسب جزا یا سزا عالمِ وجود ہی میں مل جاتی ہے۔

علم کی ترقی

اس ذہنی جوش وخروش نے دوسرے میدانوں میں علم کی ترقی کی راہیں کھول دیں۔ ویدوں کے باقاعدہ اور گہرے مطالعے اور مذہب کی عملی ضروریات نے نئے نئے علوم کو جنم دیا جیسے ویاکرن (نحو)، شکشا (صوتیات)، کلپ (مذہبی رسوم)، نرکت (صرف)، چھند (عروض)، جیوتش (نجوم)۔ ان ویدانگوں کا مقصد یہ ہے کہ ان کی مدد سے لوگ مقدس کتابوں کا مطلب سمجھ لیں انھیں محفوظ کر لیں اور ان کی تعلیمات کے مطابق عمل کریں۔[1] ان کتابوں میں سب سے زیادہ دلچسپ وہ ہیں جو قربانیوں، صوتیات اشتقاق، اور صرف ونحو سے بحث کرتی ہیں اس مقام پر یاسک کی نرکت کا ذکر مناسب ہے جس کی اہمیت تفسیر اور صرف ونحو کے لحاظ سے تو ہے ہی لیکن اس جہت سے وہ اور بھی زیادہ اہم ہے کہ یہ کلاسکی انداز کی سنسکرت نثر کا قدیم ترین نمونہ ہے۔ اس عہد کا ایک اور اہم واقعہ یہ ہے کہ پنجاب کی قدیم ویدی زبان سے جو بولیاں پیدا ہوئیں ان میں جو مدھیہ دیش میں رائج تھی اس نے امتیاز حاصل کر لیا اور اظہارِ خیال کا معیاری ذریعہ بن گئی۔ مقامی بولیوں سے امتیاز پیدا کرنے کے لیے جنھیں پراکرت کہا جاتا تھا اسے سنسکرت کا نام دیا گیا، "یعنی صیقل کی ہوئی"۔ اس کی ظاہری صورت ماہرینِ قواعد، خاص کر پانینی[2] کی کوششوں سے

---

[1] میکڈانل، انڈیاز پاسٹ، ص۵۴

[2] پانینی کی تاریخ پر اکثر بحث ہوتی رہی ہے۔ کیتھ نے کہا ہے کہ پانینی ۳۰۰ ق۔م سے بعد کی شخصیت نہیں ہے۔ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد اول، ص۱۱۳۔ اتھریہ آرنٹریک ص۲۱۔۵ ۲ میکڈانل کا خیال ہے کہ پانینی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیے)

مرتب ہوئی، لیکن رفتہ رفتہ سنسکرت طبقۂ علما میں محدود ہوگئی۔ اس کے بعد دیوتاؤں، کنبے، سماج اور ریاست کے ساتھ فرد کے برتاؤ کے اصول مرتب کرنے کی کوششیں ہوئیں۔ اسی سے قانونِ دیوانی کی ابتدا ہوئی۔ نئے صحیفوں میں کوئی ادبی خوبی نہیں تھی انھیں نہایت عجیب انداز سے مختصر کرکے بڑے بھونڈے پن کے ساتھ اس مقصد سے تصنیف کیا گیا تھا کہ لوگوں کو انھیں حفظ کرنے میں آسانی ہو حقیقتاً سُوتروں میں اختصار پر اس قدر زور دیا گیا کہ ایک ایک رکنِ تہجی کی بچت اتنی ہی اہم سمجھی گئی جتنی فرزند کی ولادت۔

(بقیہ حاشیہ) ... ۵ ق۔م سے فوراً بعد کی شخصیت ہے (انڈیا از پاسٹ ص۱۲۶) دوسری طرف سرراما کرشنا بھنڈارکر نے استدلال کیا ہے کہ پانینی ساتویں صدی ق۔م کے اوائل میں پورے عروج پر تھا۔

پانچواں باب

سُوتروں، رزمیہ نظموں اور دھرم شاستروں سے استنباط

فصل (۱)
سُوتر

سُوتروں کی ترتیب

سوتروں کی تصنیف وقت کی اہم ضرورت پورا کرنے کے لیے عمل میں آئی تھی۔ چونکہ مقدس ادب مواد اور ضخامت دونوں میں بہت تیزی سے بڑھتا جارہا تھا اس لیے اب اس سب کو حفظ یاد کرنا نہایت درجہ دشوار ہوگیا تھا، پھر سینہ بہ سینہ ایک سے دوسرے تک زبانی منتقل کرنے میں اصل عبارتوں میں تبدیلیاں ہو جانے کا امکان تھا۔ اس تبدیلی سے بھی اسے محفوظ رکھنا ضروری تھا۔ اس لیے نثر میں ایک نیا اسلوبِ نگارش وضع کیا گیا جو خشک تو ضرور تھا البتہ حفظ یاد کرنے کے نقطۂ نظر سے بہت کارآمد تھا۔ اس لیے کچھ رسالے ایسے تصنیف کیے گئے جن میں تمام قاعدے ایک لڑی میں پرو دیے گیے تھے۔ (سُوتر بمعنی دھاگا)۔ ان میں خوبی یہ تھی کہ الفاظ کم سے کم استعمال کیے گئے تھے۔

عہد

"خیال کیا جاتا ہے کہ سوتروں کا عہد چھٹی یا ساتویں صدی ق۔م سے لے کر

دوسری صدی ق.م تک پھیلا ہوا ہے[1] آخر الذکر کے متعلق کوئی کچھ بھی کہے، قدیم ترین سُوتر، بہرحال اس وقت کی تصنیف ہیں جب بدھ مت جود میں آچکا تھا[2]

پانینی اور اس کی عظیم قواعد

ہم گذشتہ صفحات میں ایک حاشیہ میں پانینی کے عہد کے بارے میں اختلافِ رائے کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یاسکؔ اس سے پہلے کی شخصیت ہے۔ پانینیؔ شمال و مغرب میں سَلاتُر نامی مقام کا رہنے والا تھا۔ وہ اپنی قواعد اشٹ آدھیائی کے لیے مشہور ہے جو ایک یادگار تصنیف ہے۔ یہ ہر جہت سے مکمل ہے اور اس میں الجبرا جیسا اختصار پایا جاتا ہے۔ بہرحال بالکل اتفاقیہ طور پر پانینی ہمیں معلومات کے ایسے گوشے دے دیتا ہے جو تاریخی نقطۂ نظر سے بہت کار آمد ہیں[3] اس عہد میں غالباً آریہ دکھن سے ناآشنا تھے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ پانینیؔ کے یہاں مغرب میں کچّاد کچھؔ) کا، مشرق میں کلِنگ کا اور جنوب میں اَون تی کا ذکر تو آتا ہے، لیکن اس کی قواعد میں وِندھیاچل سے آگے کے کسی مقام کا نام کہیں نہیں آتا۔ جو چھوٹی چھوٹی ریاستیں (جَن پَد) اس وقت پائی جاتی تھیں پانینیؔ نے ان میں سے بائیس کا ذکر کیا ہے۔ ان کا نام ان میں بسنے والوں کے نام پر رکھا گیا تھا۔ جیسے گندھاری، مدارا، بودھیا، کوشل، ورجیؔ وغیرہ۔ اس نے کہیں کہیں علاقائی اکائیوں کے ناموں کی طرف بھی اشارے کیے ہیں۔ مثلاً وِشیہ (صوبہ یا علاقہ) نگر (شہر) گرام (گاؤں) ہر ریاست میں شخصی حکومت پائی جاتی تھی۔ لیکن کہیں کہیں گنوں اور سنگھوں کی طرف بھی اشارے ملتے ہیں۔ راجہ تمام معاملات میں با اختیار ہوتا تھا اور جیسا کہ ڈاکٹر آر۔ کے مکرجی[4] نے لکھا ہے، پاری شدیہ، یعنی پرِیشت (کونسل) کے اراکین، اَدھیکش (افسر محکمہ)، وِیادھیارک (افسر قانون) اور پاٹیک (لغوی اعتبار سے وہ

---

[1] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد اول ص۲۲ [2] انڈیاز پاسٹ، ص۵ [3] ڈاکٹر آر۔ کے مکرجی، ہندو سویلائزیشن باب ششم، ص۱۲۰، حاشیہ؛ اس کتاب سے بڑی کار آمد معلومات بہم پہنچتی ہے [4] ایضاً، ص۱۲۱ تا ص۱۲۷

شخص جو طریقے اور ذرائع سوچتا ہے کیا وہ مالیات بھی نگراں تھا؟) یُکت (عام افسر) اور حکومت کے دوسرے عہدہ دار، یہ سب راجہ کے ماتحت ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ لوگوں کی اقتصادی زندگی کے بارے میں بھی ہمیں کچھ تفصیلات بہم پہنچتی ہیں۔ پانینی سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کا ذریعۂ معاش خاص کر زراعت، نوکری (جان پدی ورتی) اور دیگر فوجی اور مزدوری کے پیشے تھے۔ تجارت اور کاروبار (کریا وِکریا) پورے عروج پر تھا اور سود پر قرضے دیے جاتے تھے۔ دست کاریوں میں پانینی نے کپڑا بننے، رنگنے، چمڑے کے کام، شکار، بڑھئی کے کام اور برتن بنانے کے کام کا ذکر کیا ہے۔ اس نے مختلف دستکاروں کی جماعتوں یا ہم پیشہ لوگوں کی برادریوں یا انجمنوں (سَنگھوں) کے وجود کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس قسم کی تنظیموں نے پیشوں میں خاص مہارت حاصل کرنے، اور نظم و ضبط کا شعور اور قانون کے احترام کا جذبہ پیدا کرنے میں ضرور مدد دی ہوگی۔

اصلی سُوتر: سَروُتا سُوتر

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، چھ ویدآنگوں میں سے ایک کَلپ ہے جو مذہب سے تعلق رکھنے والے تمام سوتروں کا مجموعہ ہے۔ اسے تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان میں سَروُتا سُوتر کوئی اہم تاریخی معلومات بہم نہیں پہنچاتے۔ اصلاً یہ ویدی قربانیوں ہوی (نیاز نذر) اور سوم اور دوسرے مذہبی مسائل سے بحث کرتے ہیں۔ براہمنوں میں مذہبی رسموں کا جو حصہ ہے یہ دراصل اس کے سلسلہ ہی کی کڑیاں ہیں۔ لیکن انھیں کسی نے الہامی یا مقدس نہیں مانا۔

گرہیہ سوتر

سَروتا سوتروں سے غالباً بعد کے گرہیہ سُوتر ہیں جن میں گھر کے اندر ادا کی جانے والی مذہبی رسموں کا بیان ہے۔ مختلف رسمیں انجام دینے کے تمام معمولی اور جزوی قاعدے بھی ان میں شامل ہیں۔ انسان کی زندگی میں عہد سے لے کر لحد تک جو اہم واقعات گذرتے ہیں انھیں بھی نظر میں رکھا گیا ہے۔ باطنی تعلیمات (سنکار) کے سب سے دلچسپ پہلو یہ تھے: پُنسُ وَنْ (استقرار حمل سے متعلق رسم)، جاتْ کرم (رسم ولادت)، نام کرترن (نام رکھنے کی رسم)، چُوڑ کرم (مونڈن کی رسم)، اُپ نین (برہمچاری کی حیثیت سے تعلیم کے آغاز کی رسم)، سَماورتن (گھر واپسی کی رسم)؛ وِ واہ (شادی کی

رسم)؛ جن کی کم سے کم آٹھ قسمیں اُس وقت رائج تھیں لہ ہر گھر والا روزانہ بلا ناغہ قربانی کی پانچ بڑی رسمیں (پنچ مہایگیہ) ادا کرتا تھا اس کے علاوہ چاند رات اور پورن ماشی کے موقعوں پر دوسری نذریں پیش کی جاتی تھیں اور آخر میں انیتشٹھی (تجہیز و تکفین) کی رسم ادا کی جاتی تھی۔ ان میں سے ایک رسالہ یعنی کوشک سُوتر میں بیماری اور بلائیں رد کرنے کے لیے دواؤں کے نسخے اور اور جادو اُتارنے کے منتر درج ہیں۔ اس طرح گریہہ سُوتر ہمیں قدیم ہندوستان کی گھریلو زندگی سے وابستہ تمام رسوم اور توہم پرستی کے بارے میں بہترین معلومات بہم پہنچاتی ہے۔

دھرم شاستر

سُوتروں کی دوسری قسم دھرم سُوتر ہیں۔ جو گھریلو زندگی سے کم اور سماج سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔ وہ روزمرہ زندگی کے سماجی دستور اور رسم و رواج سے بحث کرتے ہیں۔ ان میں قانونِ فوجداری ابتدائی منزل میں دکھائی دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ قانون کا مذہبی رُخ بڑی جامعیت کے ساتھ پیش کرتے اور دنیوی پہلو پر محض سرسری انداز سے روشنی ڈالتے ہیں۔ دھرم سوتر لکھنے والے مصنفین میں سرفہرست گوتم ہے جو کسی طرح ۵۰۰ ق۔م سے بعد کی شخصیت نہیں ہے" لہ اس کے بعد بودھاین ہے جس کے بارے میں خیال ہے کہ جنوبی ہندستان سے تعلق رکھتا تھا۔ پھر آتا ہے آپستمب جس کے عہد کی تاریخ بیوہلر نے ۴۰۰ ق۔م متعین کی ہے اور وشِشٹھ جس کے عروج کا زمانہ یقیناً گوتم کے بعد کا عہد ہے آپستمب جنوب غالباً آندھرا دیس سے تعلق رکھتا تھا لیکن وشِیشٹھ بلاشبہ شمالی ہند کی شخصیت تھا۔ آخر میں ہم مانو دھرم سوتر کا ذکر

لہ وہ یہ تھیں۔ براہما، دیوا، آرش، پراجاپتیہ، آشور، گاندھرو، راکشش، پیشاچ : ब्राह्मो दैवस्तथैवार्षः प्राजापत्यस्तथासुरः गान्धर्वो राक्षसश्चैव पैशाचश्चाष्टमोऽधम
(منوسمرتی سوم ۲۱، یاگیہ ولکیہ سمرتی اول ۵۸، ۶۱)۔ لہ ملاحظہ ہو جرنل آف بنارس ہندو یونیورسٹی جلد ششم نمبر ۱ صدا تا صد۲۲
لہ ہسٹری آف سنسکرت لٹریچر ص۲۶۰ گوتم کے کتابچہ میں کلیتاً نثر میں حکیمانہ گر بھرے ہوئے ہیں۔

کر سکتے ہیں جواب معدوم ہوگیا ہے، لیکن اس کی بنیاد پر لکھی گئی عروض کی کتاب مانو دھرم شاستر اب تک موجود ہے۔ اور اسے قانون اور زندگی میں انسان کے برتاؤ پر مستند کتاب تسلیم کیا جاتا ہے

سماجی طبقات

سوتروں کی سند سے وَرنَٗشرم دھرم ؎ سماج کی ایک مسلمہ خصوصیت تھی۔ ان میں "دویج" ذاتوں۔ برہمن، چھتری اور ویش، نیز شودروں کے فرائض اور ذمہ داریوں کا بیان ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ "دوبار پیدا ہونے والی" (دویج) ذاتوں کے لیے زندگی میں چار منزلوں (آشرموں) سے گذرنا ضروری تھا، یعنی۔ برہم چریہ (طالب علمی کا زمانہ) گراہستَ (ازدواجی یا گھریلو زندگی کا دور)، وانْ پرستھ (گوشہ نشینی کی حالت) اور سنیاس (راہبانہ زندگی) آخری دو منزلوں کی خصوصیت یہ تھی کہ ان میں انسان تارک الدنیا ہوکر دنیاوی الجھنوں سے دور عبادت و ریاضت کی زندگی گذارتا تھا۔ ان سماجی طبقات (ورنٗ) کی پاکیزگی پر اب نہایت شدت کے ساتھ زور دیا جانے لگا۔ پاکیزگی کا معیار یہ تھا کہ شادی بیاہ اور ایک دوسرے کے ساتھ کھانے پینے کے اصول کی بہت سختی اور احتیاط کے ساتھ پابندی کی جائے۔ خراب اور بگڑے ہوئے کھانے اور ہر اس چیز سے جو ناپاک اور گندی ہو پرہیز کیا جائے۔ ان معاملات میں بڑے سخت تاکیدی احکامات موجود تھے۔ گو بعض مسائل میں مصنفین کے درمیان اختلافِ رائے بھی پایا جاتا ہے۔ درحقیقت پُرانے مصنفین اپنے خیالات میں نسبتاً نرم دکھائی دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر گوتم "دویج" کے اور ضرورت میں شودر کے دیے ہوئے کھانے کی اجازت دیتے ہیں۔ شادی کے معاملہ میں بھی، ایک اچھی لڑکی کو چاہے وہ نیچ ہو، برہمن قبول کر لیتا ہے، لیکن اس صورت میں یہ بات طے تھی کہ اس کی حیثیت پست رہتی تھی اور اس کے بطن سے پیدا ہونے والی اولاد کو مخلوط سمجھا جاتا تھا۔ ایک ہی گوتر میں اور ماں کی طرف چھ پشتوں تک، شادی ممنوع تھی۔ لیکن اس کے برخلاف راشٹراتیہ یا جنوب والوں میں یہ عجیب وغریب رواج تھا کہ وہ ماموں کی لڑکی سے شادی

؎ مزید تفصیلات آگے ملاحظہ کریں۔

کر لیتے تھے۔ اس طرح دھرم سوتروں میں جو اختلاف پایا جاتا تھا اس میں مقامی حالات اور مقامی رسم و رواج کو دخل تھا۔ بہرحال، ان کے نظریات میں عام طور پر تنگ نظری پائی جاتی تھی۔ اس خیال کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بحری سفر اور "بربروں" یعنی غیر ملکیوں کی زبان سیکھنا بھی ممنوع قرار دیا گیا تھا۔

شاہی اختیارات

دھرم سوتر راجہ کے فرائض پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔ راجہ کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنی رعایا کو تمام خطرات اور ہر قسم کی ایذارسانی سے محفوظ رکھے۔ مجرموں کو سزا دے، برہمن عالموں، طالب علموں اور ناکارہ اور اپاہج لوگ جو کسی کام کے قابل نہ ہوں، ان کے لیے ذریعۂ معاش فراہم کرے، انصاف کرے؛ نیکیوں پر انعام دے، میدان جنگ میں فوج کی سپہ سالاری کرے اور یقین محکم کے ساتھ مردانہ وار دشمن کا مقابلہ کرے۔ راجہ عالیشان محل (ویشم) میں رہتا تھا جو شہر (پور) کے اندر واقع ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ مہانوں کی ضیافت کے لیے بڑے بڑے ہال ہوتے تھے جن میں سبھا کے جلسے منعقد کیے جاتے تھے۔ چوروں اور ڈاکوؤں سے لوگوں کی حفاظت کے لیے شہروں (نگر) اور گاؤں (گرام) میں ایماندار اور وفادار لوگ مقرر کیے جاتے تھے۔ اگر مجرم کا سراغ نہ ملتا اور مسروقہ مال برآمد نہ ہو سکتا تو ان محافظوں کو نقصان کی تلافی کرنی ہوتی تھی۔

محصول

ریاست کے قیام و بقا اور حکومت کے انتظام و انصرام کے مقصد سے رعایا محصول ادا کرتی تھی۔ یہ محصول جداگانہ شرح سے پیداوار کے چھٹے سے لے کر دسویں حصہ تک وصول کیا جاتا تھا۔ گوتم کی سند سے راجہ کاریگروں سے ہر مہینہ ایک دن کا کام، تاجروں سے تجارتی مال کا بیسواں حصہ، جانوروں اور سونے پر پچاسواں حصہ، جڑی بوٹی پھل پھلار، پھول، شہد، گوشت، گھاس، اور سوختہ پر چھٹا حصہ بطور محصول وصول کر سکتا تھا۔

قانون

قانون کا سرچشمہ راجہ نہیں تھا، بلکہ مقدس کتابوں۔ یعنی ویدوں، ان کی مقدس روایات، اور ویدوں سے واقف کار لوگوں کے عمل کو سند مانا جاتا تھا۔[1] مزید برآں مقدس ادب میں یہ بھی آیا ہے کہ انصاف پر عمل درآمد ویدوں، مقدس روایات، ویدانگوں، پرانوں اور ملک، ذات اور کنبے کے مخصوص قوانین کے مطابق ہونا چاہیے بشرطیکہ وہ مقدس کتابوں کے خلاف نہ ہوں۔ نیز انصاف کے معاملہ میں کاشتکاروں، تاجروں، گڈریوں، ساہوکاروں اور کاریگروں کے دستور کا بھی پورا پورا خیال رکھنا چاہیے۔ اس طرح راجہ مختلف گروہوں (وڑگوں) اور پیشہ وروں کی انجمنوں (سیرنیوں) کے رسم و رواج کا احترام کرتا تھا۔

دھرم سوتر قانونِ وراثت اور عورتوں کے درجہ پر بھی روشنی ڈالتے ہیں، جو بذاتِ خود نہ قربانیوں کی رسم ادا کر سکتی تھیں اور نہ باپ کے مال کی وارث ہو سکتی تھیں۔ ایک اور معیوب بات یہ تھی کہ سوتروں میں مساوات کا تصور پوری طرح نہیں ابھرا تھا۔ اور قانون کے نزدیک سب برابر نہیں تھے۔ سزائیں تجویز کرنے میں ذات پات اور افراد کی حیثیت اور مرتبہ کو بڑا دخل تھا، اور ایک ہی جرم پر شودر زیادہ سے زیادہ جرمانہ کا مستوجب ہوتا جبکہ برہمن کے ساتھ اسی جرم پر نرمی کا برتاؤ کیا جاتا تھا۔

فصل (۲)

رزمیہ نظمیں

رزمیہ شاعری کی ابتدا

ہندوستان میں رزمیہ شاعری کی ابتدا آکھیانوں، گاتھاؤں، ناراشنسیوں

---

[1] گوتم، دھرم سوتر۔ یازدہم، ۱۹۔ ۲۱

میں تلاش کی جاسکتی ہے جن کا ذکر براہمنوں اور دوسری ویدی کتابوں میں کیا گیا ہے[1]
پیشہ ور رجز خواں بعض رسموں کے دوران انھیں اس خیال سے پڑھا کرتے تھے کہ
دیوتا انھیں سن کر بہت خوش ہوتے ہیں۔ جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا" انسانوں کی تعریف
کے یہ گیت" طویل رزمیہ نظموں میں تبدیل ہو گئے لیکن سنسکرت زبان میں ان میں سے
صرف دو باقی رہ گئی ہیں۔ رامائن اور مہابھارت میں رواں دواں داستانوں اور شاعرانہ
مدح وثنا کا ایک طویل سلسلہ شامل ہے جس میں قدیم دیوتاروں اور دیوتاریوں کی جنگ
اور محبت میں کامیابیوں اور ناکامیوں کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

رامائن، اس کی اصل کہانی

رامائن چونکہ حکایتی نظم کی پہلی مثال ہے جسے شلوک کی بحر میں شاعری کے
اصول کے مطابق تصنیف کیا گیا ہے، اس لیے اسے آدی کاویہ کہا گیا ہے۔ اس میں
۲۴۰۰۰ شعر ہیں۔ قدیم روایت کے مطابق اسے والمیکی رشی سے منسوب کیا جاتا ہے۔
اس کی کہانی مختصراً یہ ہے۔ اجودھیا کے راجہ دس رتھ کے کوشلیہ نامی بیوی سے
ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام رام تھا۔ نوجوان راجکمار کی شادی جب ودیہہ کے راجہ
جنک کی لڑکی سیتا سے ہوگئی تو باپ نے راجکمار کو یووراج یا ولی عہد بنانے کی خواہش
ظاہر کی۔ اس اعلان پر عام مسرت کا اظہار کیا گیا، لیکن بہت جلد یہ مسرت غم میں بدل گئی۔
راجکمار کی سوتیلی ماں کیکئی نے کبھی پہلے راجہ سے دو وعدے لے رکھے تھے جنھیں اس نے
اس وقت کے لیے رکھ چھوڑا تھا۔ اس نے راجہ کو ایفائے وعدہ پر مجبور کیا اور راجہ نے
بیٹے کو چودہ سال کا بن باس دے دیا اور اس کی جگہ کیکئی کا لڑکا بھرت ولی عہد بنا دیا گیا۔
چنانچہ رام، ان کی بیوی وفادار سیتا اور ان کے تیسرے بھائی لکشمن جنگل میں جا کر رہنے
لگے۔ جلاوطنی کے زمانے میں جو واقعات پیش آئے، کس طرح سیتا کو لنکا کا خبیث
راجہ زبردستی اڑا لے گیا۔ رام نے کس طرح انھیں تلاش کیا اور سنگ ریو سے

---

[1] اتھرووید نے ان کا ذکر بھی کیا ہے اور ان کے علاوہ اتہاس (کہانی)، اور پران (داستان) کا بھی، اس
جہت سے انھیں رزمیہ نظموں کا ادبی پیش رو سمجھنا چاہیے۔

مدد لے کر راون کے خلاف جنگ کی، کس طرح وہ سیتا جی کو لے کر اجودھیا واپس آئے اور گدی نشین ہوئے ان تمام باتوں کی عکاسی بڑے پُر اثر انداز میں بڑی مہارت کے ساتھ کی گئی ہے۔ رامائن اسلوب اور مواد کے لحاظ سے بلند ترین مقام رکھتی ہے، اور اس میں ایسے مثالی کردار پیش کیے گئے ہیں جو انسانی زندگی کے ہر پہلو کی نمائندگی کرتے ہیں۔

رامائن کا عہد

دورِ حاضر کے نقادوں کی رائے ہے کہ رامائن کسی ایک آدمی کی تخلیق نہیں ہے۔ ان کی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ دوسرے حصوں میں معمولی اضافوں سے قطع نظر، پہلی اور ساتویں فصلیں یقینی طور پر بعد میں بڑھائی گئی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں ایسے بیانات آگئے ہیں جو بعد کی فصلوں کے بیانات سے متضاد ہیں۔ ان میں رامؔ عالمگیر دیوتا وشنو کے اوتار کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، جبکہ اصل نظم میں (دوم و چہارم) وہ محض ایک انسانی ہیرو کی حیثیت رکھتے ہیں دیوتا قرار دینے کے اس عمل کو ضرور کچھ وقت لگا ہوگا۔ ہوسکتا ہے اصلی اور نقلی حصوں میں صدیوں کا تفاوت ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ اصل نظم کو کس عہد سے متعلق سمجھا جائے؟ مہابھارت کی تیسری فصل راموپاکھیان کا جو اضافہ کیا گیا ہے اس سے اس میں کوئی شک باقی نہیں رہتا کہ والمیکی کی نظم، مہابھارت کے مربوط شکل اختیار کرنے سے پہلے ایک قدیم کتاب کی حیثیت سے عام طور پر معروف ہو چکی تھی اس کے علاوہ یہ بات بھی اہم ہے کہ رامائن میں پاٹلی پتر کا کوئی ذکر نہیں ہے جسے اُدائن نے بسایا تھا۔ کوشل کی راجدھانی آج بھی اجودھیا کہلاتی ہے نہ کہ ساکیت۔ بدھ مذہب کی کتابوں اور دوسری بعد کی کتابوں میں ساکیت کا نام ہے۔ بدھ جی کا نام صرف ایک جگہ آیا ہے اور وہ بھی غالباً ایک اضافی شعر میں سیاسی حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ راجہ موروثی ہوتا تھا اور چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر حکومت کرتا تھا۔ ان تمام باتوں، نیز دوسرے دلائل کے پیش نظر ڈاکٹر میکڈانل نے یہ رائے قائم کی کہ اصل رامائن ۵۰۰ ق۔م سے پہلے تصنیف ہوئی۔ اور اس کے تازہ تر اجزا کا اضافہ دوسری صدی ق۔م یا اس سے بعد تک نہیں ہوسکا۔

کیا رامائن تاریخی ہے

رامائن کے عہد کا جو تخمیناً اندازہ لگایا گیا ہے وہ بہرحال اس کے ویروں کی سلسلہ وار تاریخ کے تعین میں ہماری مشکل کو حل نہیں کرتا۔ یہ مسئلہ واقعاً عام ہندو کے لیے پریشان کن نہیں ہے۔ وہ رام کو آسمانی شخصیت سمجھتا ہے جن کا وجود کسی زمانے میں پایا جاتا تھا۔ اُن کے کارناموں کا بیان خالص تاریخی حقائق کی کان ہے، نیز روحانی فیضان کا بہترین ذریعہ۔ لیکن مورخ کے تنقیدی استدلال کو اس عقیدہ سے کوئی خاص تقویت نہیں پہنچتی۔ دراصل بعض عالموں کا خیال ہے کہ اس تمام داستان میں کوئی تاریخ سرے سے ہے ہی نہیں۔ مثال کے طور پر، لاسن اور ویبر کے نزدیک رامائن غیر آریائی جنوب کو فتح کرنے اور وہاں اپنی تہذیب پھیلانے کے لیے آریوں کی پہلی کوشش کی مجازی تمثیل پیش کرتی ہے۔ دوسری طرف میکڈانل اور جیکوبی کی رائے ہے کہ ہندوستانی دیومالا کی بنیاد پر یہ ایک بالکل تخئیلی تخلیق ہے۔ اس نظریے کے مطابق سیتا کو زراعت کی دیوی کے مجازی روپ میں پیش کیا گیا ہے۔ رام اِندر کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اور راون کے ساتھ ان کی لڑائی رِگ ویدی اِندر و ورتر کے خیالی قصہ کی ایک جھلک ہے۔ اس موضوع پر مزید بحث کے بغیر یہ بات واضح ہے کہ رامائن کی داستان قیاس آرائی کے لیے ایک زرخیز میدان فراہم کرتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس میں دیومالا کی کہانیوں کا گہرا امتزاج پایا جاتا ہے۔ لیکن رام کی تاریخی اہمیت کو کلیتاً مسترد کرنا بھی ایک بڑا کمزور مفروضہ ہے۔ بدھوں کی دشرتھ جاتک میں ان کا ذکر موجود ہے اور اس میں وہ الٰہی صفات سے معرا دکھائی دیتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کوشل، آریوں کے مشرق کی جانب پھیلنے سے پہلے، مدھیہ دیش کی ایک اہم ریاست تھی۔ بہرطور، بنیادی حقیقت یہ ہے کہ رام ایک جیتی جاگتی شخصیت تھے۔ ان کا تعلق اجودھیا کے اِکش واکو خاندان سے تھا اور رامن و جنگ میں ان کے کارناموں نے عوام کے ذہن و دماغ پر بڑا گہرا اثر چھوڑا۔ رام کے عمدہ انتظامِ حکومت کی تاریخ بھی اتنی ہی غیر یقینی ہے جتنی ہم عصر عہد میں شمالی یا جنوبی ہندوستان کی سیاسی حالت۔

مہابھارت: اس کا عہد

مہابھارت کو جو موجودہ حالت میں ایک لاکھ اشعار (शतसाहस्री संहिता) پر مشتمل ہے تاریخ ادب کی سب سے زیادہ ضخیم رزمیہ نظم ہونے کا شرف حاصل ہے جو مشتبہ ہے۔ یہ ۱۸ فصلوں (پَرْوَنوں) میں منقسم ہے جن کا حجم غیر مساوی ہے۔ ہرِوَنش اس کا ضمیمہ ہے۔ ایک قدیم روایت کے مطابق اس عظیم الشان کتاب کے مصنف دُوَیپاین ویاس تھے، لیکن اس کی زبان اسلوب اور بیان میں عدم یکسانی صاف ظاہر کرتی ہے کہ یہ کسی ایک دماغ یا کسی ایک دور کی تصنیف نہیں ہے۔ اس کی موجودہ صورت اصل نظم میں[1] وقتاً فوقتاً اضافوں کا نتیجہ ہے۔ زمانے کی رفتار کے ساتھ اس میں کافی تبدیلیاں کی گئیں، اضافے ہوتے رہے اور برہمنوں نے اسے فلسفیانہ، مذہبی ناصحانہ اور علم الاصنام کے عظیم الشان مواد سے مالا مال کر دیا۔[2] آشوالاین گرہیہ سوتر شاہد ہے کہ کسی نہ کسی صورت میں مہابھارت کا وجود عہد قدیم میں پایا جاتا تھا۔ ۵۰۰ء کے ایک عطیہ جاگیر میں وضاحت کے ساتھ اسے "سو ہزار اشعار کا مجموعہ" کہا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس تاریخ تک یا اس سے ایک صدی پہلے تک یہ اپنی حالیہ صورت میں موجود تھی، چنانچہ اس زبردست تصنیف[3] کی ابتدا، ارتقا، تصحیح، اور اضافوں کی تاریخ کا تعین اندازاً ۵۰۰ ق.م سے لے کر ۴۰۰ عیسوی کے درمیانی دور میں کیا جا سکتا ہے۔

مختصر کہانی

مہابھارت میں دھرت راشٹر کے سو بیٹوں کوروؤں، اور پانڈو کے پانچ بیٹوں، پانڈوؤں کے درمیان عظیم الشان مجادلہ کا قصہ بیان کیا گیا ہے، یہ دراصل

---

[1] میکڈانل کا خیال ہے کہ مہابھارت کی ابتدائی اصل ۲۰۰۰۰ اشلوکوں یا شعروں پر مشتمل ہے (دی ہسٹری آف سنسکرت لٹریچر، ص ۲۸۳)۔ انھوں نے اس کے ارتقا کی تین منزلیں تسلیم کی ہیں۔ [2] لمبے لمبے قصے اور پوری کتابیں جیسے بھگود گیتا اخلاقی تعلیم کے لیے اس میں شامل کی گئی ہیں۔ [3] چاند بردوئی کی پرتھوی راج راسو نے بھی بعینہٖ اسی طرح متعدد ہاتھوں میں اضافوں کی منزلوں سے گذر کر موجودہ ضخامت حاصل کی ہے۔

اُن کی طویل عرصے کی رقابت کا نتیجہ تھا جس کی ابتدا اس طرح ہوئی:۔

* کورو حکمراں، وچتر ویریا کے انتقال کے بعد ان کا چھوٹا لڑکا پانڈو گدی نشین ہوا، کیونکہ سب سے بڑا لڑکا دھرت راشٹر پیدائشی نابینا تھا۔ لیکن پانڈو کی ناگہانی موت کے باعث زمام حکومت بہت جلد دھرت راشٹر کو خود اپنے ہاتھ میں لینی پڑی۔ وہ اپنے بھتیجے یدھشٹر سے بہت مانوس تھا۔ جو بڑی خوبیوں کا انسان تھا۔ دھرت راشٹر نے اسے اپنا ولی عہد نامزد کر دیا۔ اس عمل سے اس کے بڑے لڑکے دُریودھن کے سینہ میں حسد کی آگ سلگنے لگی اور اس نے اپنی ریشہ دوانیوں سے پانڈوؤں کو راجدھانی سے جان بچا کر بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ پانڈو اپنی سیاحتوں کے دوران پنچال پہنچے جہاں ارجن نے ایک سویم ور میں راجہ کی بیٹی دروپدی کو اپنے اور اپنے بھائیوں کے لیے جیت لیا۔ اس رشتہ سے پانڈوؤں کی قسمت کا ستارہ بدل گیا۔ پانڈوؤں کو راضی رکھنے کے خیال سے دھرت راشٹر نے اپنی ریاست کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصہ یعنی ہستناپور اُس نے اپنے بیٹوں کے حق میں بحال رکھا، اور وہ علاقہ جس کی راجدھانی اِندر پرستھ تھا اپنے بھتیجوں کو دے دیا۔ پانڈوؤں کو یہاں بھی چین سے حکومت کا موقع نہ ملا۔ دُرجودھن نے یُدھشٹر کو بہلا پھسلا کر جوا کھیلنے پر مجبور کیا۔ بازی میں یُدھشٹر اپنا سب کچھ ہار گیا۔ اپنا راج، اپنی بیوی، اور اپنی عزت۔ اور بارہ سال کے لیے بن باس جانے پر مجبور ہو گیا۔ اس مدت کے اختتام پر اس نے اپنا کھویا ہوا راج واپس لینے کی کوشش کی، لیکن دریودھن نے یدھشٹر کی شرائط رد کر دیں۔ اس کے نتیجہ میں جنگ ناگزیر ہو گئی۔ اٹھارہ دن تک کُرُکشیتر کے میدان میں گھمسان کی لڑائی رہی اور بڑا کشت و خون ہوا۔ آخر کار یُدھشٹر کی فتح ہوئی جس نے کچھ دنوں شان و شوکت کے ساتھ حکومت کی اور بعد ازاں تخت و تاج پریکشت کے سپرد کر کے اپنے بھائیوں سمیت ہمالیہ کی طرف نکل گیا۔

اس کی تاریخی اہمیت

مہابھارت کی اصل کہانی تاریخی حقائق پر مبنی ہے۔ ہستناپور اور اندر پرستھ اصلی

شہر تھے اور اگرچہ دستِ بُردِ زمانہ سے وہ دونوں تباہ و برباد ہو گئے، لیکن ان کے نام آج تک باقی ہیں۔ ہستنا پور میرٹھ کے ضلع میں دریائے گنگا پر اور اِندر پرستھ نئی دلی کے قریب دریائے جمنا پر چھوٹے چھوٹے گاؤوں کی صورت میں آج تک موجود ہیں۔ ان دونوں راجاؤں کے درمیان اس معرکے کی روایتی تاریخ، یعنی ۳۱۰۲ ق۔م[1] تنقید کی کسوٹی پر مشکل سے پوری اُتر سکے گی، لیکن ایک دوسری تاریخ ۱۰۰۰ ق۔م بھی متعین کی گئی ہے۔ اور اس میں کچھ معقولیت ہے۔[2] دلیل یہ ہے کہ ست پتھ براہمن میں مہابھارت کے ویروں اور جَن مے جے کا ایک بہت قریب کے زمانے کی شخصیت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ یہ بھی طے بات ہے کہ ویدی دَور میں کورُو ایک اہم قبیلہ کی حیثیت رکھتے تھے، جبکہ پانڈُوں کا ذکر نہ کہیں براہمنوں میں آتا ہے نہ سوتروں میں پہلی بار وہ بدھ مذہب کے آخری دور کے ادب میں ایک پہاڑی قبیلہ کی حیثیت سے اُبھر کر سامنے آتے ہیں۔ کیا اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ بعض عالموں نے قیاس کیا ہے کہ وہ کہیں باہر سے آئے ہوئے لوگ تھے اور کوروؤں سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا؟ بہر نہج، ان کے غیر مہذب اور بدسلیقہ اطوار سے، ان کے رواج چند شَوہری سے اور ان کے "پانڈو" نام سے جس کے معنی "پیلا" کے ہوتے ہیں، اس نظریے کو ایک حد تک تقویت پہنچتی ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ غالباً منگول نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ اگر اس دلیل میں کوئی وزن ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مہابھارت کا موجودہ نسخہ جنگ آزما فریقین کی اصل اور ان کے باہمی تعلقات کی بالکل ایک مسخ صورت پیش کرتا ہے۔ علیٰ ہذا، حلیفوں کے بارے میں بھی اس کی شہادت کو تسلیم کرنا مشکل ہے۔ مثال کے طور پر ہم سنتے ہیں کہ کوروؤں کے لشکر میں پراگ جیوتش (آسام)، اونتی اور دکشنا پتھ، چینی، کرات، کمبوج

---

[1] شری جے۔ راؤ کا خیال ہے کہ جنگ ۳۱۳۹ ق۔م میں واقع ہوئی، کیونکہ ایک روایت کے مطابق کرشن جی کی وفات مہابھارت کی جنگ کے ۳۶ سال گذرنے کے بعد کلی یُگ کے آغاز کے وقت ہوئی (دا ایج آف دی مہابھارت ص۵ وغیرہ) [2] ملاحظہ ہو کیمرج ہسٹری آف انڈیا، جلد اول ص۲۷۶، ص۳۰۶ تا ص۳۰۷۔ ایک دوسری مجوزہ تاریخ جنگ مہابھارت کی ۱۴۰۰ ق۔م ہے۔ (ہندو سویلائزیشن، ص۱۵۱ تا ص۱۵۴، پروسیڈنگز آف دی انڈین ہسٹری کانگریس، تیسرا اجلاس کلکتہ، ۱۹۳۹ء ص۳۳ تا ص۱۷)

اس حقیقت سے قطع نظر کو وہ سب کے سب معاصر نہیں تھے، یہ بات بھی مشتبہ ہے کہ اتنی دور و دراز کی طاقتیں مدھیہ دیش کے اس ہنگامی معرکے سے جو مقامی اہمیت رکھتا تھا۔ واقعی دلچسپی لے رہی تھیں۔ یقیناً انھیں ماتحت حلیف کی حیثیت سے جنگ کی دعوت ہرگز نہیں دی جا سکتی تھی۔ کیونکہ کوروؤ اور پانڈووں کی راجدھانیاں ایک دوسرے سے بہت نزدیک تھیں۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے حدود سلطنت زیادہ وسیع نہیں تھے۔ الختصر، مہابھارت میں تاریخ سے یقیناً انحراف پایا جاتا ہے، لیکن جہاں تک مرکزی خیال کا تعلق ہے وہ ضرور معتبر و مستند ہے اور اس کے کردار جن کے کارناموں کو قصہ گوؤں اور مغنی شاعروں نے عوام میں پھیلایا، ہرگز تخیلی نہیں ہیں۔

رزمیہ نظموں سے استنباط

دونوں رزمیہ نظموں میں نہ صرف بہت سے فقرے اور محاورے مشترک ہیں بلکہ جس ماحول کی ان میں تصویر کشی کی گئی ہے وہ بھی بڑی حد تک یکساں ہے۔ اس لیے راجا اور پرجا کی زندگی کی تصویر دیکھنے کے لیے ہمیں دونوں ہی نظموں سے استفادہ کرنا ہوگا۔ بہرحال یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ تمام معلومات جو ہمیں ان سے بہم پہنچتی ہے وہ کسی مخصوص دور کی نہیں ہے کیونکہ نظمیں تدریجی ترقی کا نتیجہ ہیں اور ان میں جو واقعات بیان کیے گئے ہیں ان کے پیش آنے کے صدیوں بعد انھیں قلم بند کیا گیا ہے۔

(۱) راجا

رزمیہ نظم کا راجا کلیتاً مطلق العنان حکمراں نہیں تھا اور ہمیشہ اپنی من مانی نہیں کر سکتا تھا۔ اسے اپنے بھائیوں، درباریوں اور رعایا کو جوابدہ ہونا پڑتا تھا۔ اسے مختلف گروہوں۔ کل (کنبہ)، جاتی (ذات)، سرینی (پیشہ ور انجمنیں) اور پوگوں (فرقوں)، کے قوانین کو تسلیم کرنا اور ان کا احترام کرنا پڑتا تھا۔ ظالم اور بدکار راجا کو گدی سے اتار دیا جاتا تھا، یا "پاگل کتے کی طرح اسے مار ڈالا جاتا تھا"۔ اس کے جائز

وارث میں اگر جسمانی عیب ہوتا تو اسے بھی گدی پر بیٹھنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ راجا کی تاجپوشی کی رسم باقاعدہ ادا کی جاتی تھی۔ راجا "ملکی معاملات میں بھی اور میدان جنگ میں بھی" رعایا کی قیادت کرتا تھا۔ وزیروں کے مشورہ پر اور برد ہمت کی دعائیں لے کر اُسے مہموں پر نکلنا ہوتا تھا۔ لیکن عملاً وہ اپنے حلیفوں کی صلاح سے اس قسم کے معاملات خود طے کرتا تھا۔ سبھا کی حیثیت صرف مذہبی معاملات میں ایک مجلس مشاورت کی رہ گئی تھی۔ راجا شان و شوکت کی زندگی گذارتا تھا اور ناچنے والی لڑکیاں اور معمولی کردار کی عورتیں اس کے ملازمین اور خدمت گاروں میں شامل ہوتی تھیں۔ اس کی تفریح کا خاص ذریعہ موسیقی، جوا، شکار، جانوروں کی لڑائیاں اور پہلوانوں کی کشتیاں وغیرہ تھیں۔ اپنے محل کے قریب ہال میں اس کی کچہری لگتی تھی، جس میں وہ انصاف کرتا تھا اور جب راجا بوڑھا ہوجاتا تو اپنے بڑے بیٹے کے حق میں تخت و تاج سے دست بردار ہوجاتا تھا۔ راجدھانی کی حفاظت کے لیے دیوار ہوتی جس میں پھاٹک اور مینار ہوتے اور اس کے چاروں طرف خندق ہوتی تھی۔ اہل شہر کے لیے تمام ضروریاتِ زندگی فراہم کی جاتی تھیں۔ راجہ اور اس کے اُمرا کی تفریح کے لیے گانے بجانے کے ہال، باغ، خوبصورت چوک، عالی شان عمارتیں اور دُکانیں ہوتی تھیں۔ عام راستوں پر روشنیاں ہوتی تھیں اور گرد دبانے کے لیے راستوں پر چھڑکاؤ کیا جاتا تھا۔

(۲) انتظام

راجہ ایک منتری پریشد (مجلس وزرا) کی مدد سے انتظام سلطنت کرتا تھا۔ جس میں مہابھارت[1] کی سند کے مطابق، چار برہمن، آٹھ چھتری، اکیس ویش، تین شودر اور ایک سرت ہوتے تھے۔ وزیراعظم اور دوسرے وزرا دیانت دار، ذکی اور بلند کردار لوگ ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے افسر راجا کو انتظام میں مدد دیتے تھے۔ مثلاً، ماتحت حکمراں (سامنت) یُووراج (ولی عہد)، امرا۔

---

[1] شانتی پروں، ۸۵، ۷۔۱۱

نیز دیگر افسران جیسے پروہت (پجاری)، چمُوپتی (سپہ سالار) دوارپال (حاجب) پرَدیشٹا (چیف جسٹس) دھرمادھیکش (نگرانِ انصاف) ڈنڈپال (فوجداری اور پولیس کا افسر)، نگرادھیکش (شہر کا نگراں)، کاریہ نرمانکنٹرٹ (عمارتوں کا نگراں) کاراگار ادھیکاری (جیل کا نگراں)، دُرگ پال (قلعدار)، وغیرہ

گاؤں یا گرام، جو انتظام حکومت کی سب سے چھوٹی اکائی تھی اپنے مُکھیا (گرامنڈی) کی نگرانی میں، کافی حد تک خود مختار ہوتا تھا۔ انتظام میں اس سے اوپر کی سیڑھیوں پر دس گاؤں کا افسر (رش گرامی) بیس گاؤں کا افسر (ونش تپ)، سو گاؤں کا افسر (سَت گرامی) اور ہزار گاؤں کا افسر (ادھی پتی) ہوتے تھے۔ یہ تمام افسر مال گذاری وصول کرتے، جرائم کا انسداد کرتے، اور اپنے اپنے حلقۂ اختیار میں امن قائم رکھتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے سے اوپر والے افسر کو جوابدہ ہوتا اور سب کے سب نتیجہ میں راجہ کو جوابدہ ہوتے تھے۔

(۳) فوج

راجا کی فوج میں آریوں کے تمام خواص وعوام شامل ہوتے تھے اور مختلف فوجی خدمات انجام دیتے تھے۔ اُن میں تیرانداز، گوپیے، پتھر پھینکنے والے، سوار، رتھ بان، فیل بان، وغیرہ سب شامل تھے۔ یہ دعویٰ کہ آتشیں ہتھیار، یعنی توپ اور بارود استعمال ہوتی تھی تنقید کی کسوٹی پر مشکل ہی سے پورا اتر سکے گا۔ بس اتنی بات تسلیم کی جاسکتی ہے کہ اس زمانے میں کچھ "طلسمی چمک" والے ہتھیار مثلاً چکرا اور تیر بھی استعمال ہوتے تھے۔ سپاہی لڑتے ہوئے جان دینے کو باعثِ افتخار سمجھتا تھا۔ چھتری اپنی شہرت اور نیک نامی کے لیے یا اپنے سردار کے لیے جنگ کرتا تھا۔ راجا جنگ میں کام آنے والوں کی بیواؤں کے لیے وظیفہ مقرر کردیتا تھا۔ جنگ کے قیدیوں کو فاتح کم از کم ایک سال کے لیے غلام بنا لیتا تھا۔ بعض قیدیوں کو شرائط کے ساتھ آزاد کردیا جاتا تھا۔ یہ بات ضمناً دلچسپ ہے کہ گھاس کھانے کو اطاعت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

(۴) گَن مہابھارت کا سانتی پروَن (باب ۱۰۷، اشلوک ۶-۳۲) گَن راج

یعنی بہت سے لوگوں کی حکومت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ گن کی طاقت اور خوشحالی کا دارومدار اس پر تھا کہ اندرونی نااتفاقی کو دور کرے، مشوروں کو صیغۂ راز میں رکھے، رہنماؤں کی اطاعت کرے اور مقررہ رسم ورواج کا احترام کرے۔ بعض اوقات کئی گن ملاکر ایک قسم کے مشترکہ اتحاد (سنگھ) میں شریک ہو جاتے تھے۔ مثال کے طور پر سانتی پرون کا باب ۸۱ کرشن کو اندھک ورشنی سبھا کے پردھان (افسرِ اعلیٰ) کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔

(۵) عوام

ذات پات کی بنیادیں مضبوط ہو چکی تھیں۔ سماج میں سب سے اونچا درجہ امرا اور برہمنوں کا تھا۔ اس کے برعکس، غیر آریائی "شودر" دبے ہوئے تھے اور غلاموں کی حیثیت رکھتے تھے اور سب کی خدمت کے لیے پیدا کیے گئے تھے۔ نہ اُن کے کوئی حقوق تھے، نہ کوئی املاک۔ عورتوں کی حیثیت بھی ویدی عہد کے مقابلے میں انحطاط پذیر تھی۔ رسم ستی کا ذکر جا بجا ملتا ہے اور چند زوجیت رائج دکھائی دیتی ہے۔ نقاب ڈال کر باہر نکلنے کے بھی کہیں کہیں حوالے ملتے ہیں۔ لیکن یہ شاید درباری طریقہ تھا۔ سوئم ور یعنی دلہن کا دولھا کو خود چُننے کا ذکر بھی جا بجا ملتا ہے۔

زیادہ تر آبادی مٹی کے قلعوں (دُرگ) کے چاروں طرف گاؤوں میں رہتی تھی اور لوگ جانور پالتے اور کھیتی باڑی کرتے تھے۔ لڑائی جھگڑے، مویشیوں کی چوری یا خطرہ کے وقت لوگ ان کچے قلعوں میں پناہ لیتے تھے۔ معمولی معاملات میں گاؤں خود مختار ہوتا تھا، لیکن راجہ سردار کی حیثیت سے انصاف کرتا اور محصول وصول کرتا تھا جس کی شرح حسب ضرورت گھٹتی بڑھتی رہتی تھی اور جنس میں وصول کی جاتی تھی۔ بیوپاری اور دوسرے لوگ شہروں میں رہتے تھے۔ بیوپاری تجارت کو سامان دور دور سے لاتے تھے اور اس پر محصول دیتے تھے۔ شہر میں رہنے والے جرمانے اور محصول نقدی میں ادا کرتے تھے۔ چھوٹے باٹوں کے استعمال نے جن کی طرف کہیں کہیں اشارے ملتے ہیں، حکومت کو باقاعدہ بازار کی نگرانی پر مجبور کیا ہوگا۔ بیوپاریوں اور کاریگروں کی انجمنیں کافی بااثر تھیں اور پروہتوں کے بعد راجاؤں کے

سربراہوں (مہاجن) کا سب سے زیادہ پاس و لحاظ کرتا تھا۔

عام لوگ گوشت کھانے اور نشہ آور مشروبات استعمال کرنے کے عادی تھے لیکن عہد قدیم کے بہترین دماغ اہنسا پر زور دے رہے تھے اور سبزی خوری رفتہ رفتہ رواج پا رہی تھی۔ [1]

(۶) مذہب

مظاہر قدرت کی پرستش اب ایک فرسودہ تصور ہوگئی تھی۔ ویدی دیوتاؤں پر اب ہندو تثلیث کے دیوتاؤں، برہما، وشنو اور شیو کو ترجیح دی جانے لگی تھی۔ نئے دیوتا اور دیویاں جیسے سوریہ (سورج) گنیش اور درگا ابھر آئی تھیں اور اب یہ عقیدہ عام ہوگیا تھا کہ وشنو روئے زمین پر نیکی، پارسائی اور راست بازی کا انسانی روپ ہیں۔ اسی کے ساتھ تناسخ کا عقیدہ بھی کافی مقبول ہوگیا تھا۔ اس طرح رزمیہ نظمیں ظاہر کرتی ہیں کہ جدید عقائد کی بنیادیں دراصل اسی وقت استوار ہوگئی تھیں۔

فصل (۳)

دھرم شاستر

دھرم شاستر

دھرم شاستروں میں دھرم سے متعلق بعض برہمنی عقائد کی تعلیمات یا مذہبی اور دیوانی کا قانون شامل ہیں۔ ان میں شلوک کی بحریں استعمال کی گئی ہیں۔ ہندو قانون پر یہ ہمارا اہم ترین ماخذ ہے۔ قدیم برہمنی اداروں اور طرز معاشرت پر بھی وہ کافی کار آمد روشنی ڈالتے ہیں۔ قانون کی ان کتابوں میں سب سے اہم

---

[1] موازنہ کریں۔ چھاندوگ اُپنشد، سوم، ۱۷، ۴ سے

مانو دھرم شاستر ہے جسے "عیسوی سنہ کا یا اس سے پہلے کا، نہ کہ اس سے بعد کا مانا گیا ہے۔" [1] وشنو دھرم شاستر جو حالانکہ سوتر کی شکل میں ہے منو سے بعد کا ہے اور منو سمرتی پر مبنی ہے۔ یاگیہ ولکیہ سمرتی چوتھی صدی عیسوی میں متھلا میں تصنیف ہوئی۔ نارد سمرتی پانچویں صدی عیسوی کی تصنیف ہے۔ اس کے علاوہ معمولی سمرتیاں اور بعد کے بھنڈہ اور تفسیریں ہیں، مثلاً متاکشرا۔ رفتہ رفتہ ان سب کو بھی سند مانا جانے لگا۔

سماج: ورن

دھرم سوتروں کی طرح دھرم شاستروں میں بھی سماج ذات پات کے "چوکھٹے" میں بند دکھائی دیتا ہے۔ اس کا ہر عضو اپنے علاحدہ علاحدہ حقوق و فرائض رکھتا تھا۔ چنانچہ منو کے نزدیک برہمن کا فرض تھا کہ وہ پڑھے اور پڑھائے، یگیہ کرے اور دوسروں کو اس میں مدد دے۔ خیرات کرے اور تحفے تحائف قبول کرے۔ چھتری کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ انتظام کرے اور رعایا کے جان و مال کی حفاظت کرے، علم کی ترویج و ترقی اور حق کی اشاعت کے لیے روپیہ پیسہ خرچ کرے، یگیہ کرے، مقدس کتابوں کا مطالعہ کرے اور سب سے بڑھ کر جنگ میں شجاعت کا مظاہرہ کرے۔ ویش کو چاہیے مویشی پالے، یگیہ کرے، سود پر روپے کا لین دین کرے اور تجارت و زراعت کرے۔ شودر تمام قوم کو جسمانی آرام و آسائش پہنچانے کی کوشش کرے اور پست خدمات انجام دے۔ قانون کی کتابوں میں مخلوط ذاتوں کا بھی ذکر ہے جو مخلوط شادیوں یا ناجائز تعلقات کے نتیجہ میں وجود میں آتی تھیں۔ اس کے بعد غیر آریائی لوگ تھے۔ ملچھ، چنڈال اور سوپاک وغیرہ۔ ان کا درجہ شودروں سے بھی پست تھا اور انھیں سماج سے تقریباً باہر سمجھا جاتا تھا۔

زندگی کی منزلیں

دھرم شاستروں میں زندگی کی چار منزلوں (آشرم) کے اصول بھی مندرج

---

[1] ریپسن، کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد اول، ص ۲۷۹

ہیں جو دو یج (دوبارہ پیدا ہونے والی) ذاتوں کے لیے مرتب کیے گئے تھے
پہلی منزل برہم چریۂ یعنی طالب علمی کا زمانہ تھا جس کی ابتدا اُپ نین کی رسم
سے ہوتی تھی اس کے لیے کوئی عمر مقرر نہیں تھی اور خاص حالات، بچے کی
صلاحیتوں، اور اس کی ذات کے اعتبار سے اس میں کمی بیشی ممکن تھی۔ اپنے
استادوں اور آچاریہ کی مشفقانہ تربیت میں وہ وید دوسری مقدس کتابیں یا
ویدانگ اور دَرشن وغیرہ یاد کرتا تھا۔ برہم چاریہ کی منزل نظم وضبط اور مستقل حرکت
وعمل کی زندگی تھی۔ طالب علم کو اپنے کام میں بڑی محنت کرنی ہوتی تھی، روزانہ پوجا
پاٹ کے علاوہ وہ اگنی ہوتر کی رسم ادا کرتا تھا۔ اپنے استاد یا گرو کے لیے بھیک
مانگتا، جنگل سے لکڑیاں جمع کر کے لاتا، اور پانی بھرتا تھا وغیرہ وغیرہ۔ آجکل کے طالب علم
اپنے قدیم ہم جماعتوں سے سبق حاصل کریں۔ تعلیم کے اختتام پر برہم چاریہ گرہست
آشرم میں داخل ہو جاتا تھا یعنی اس کی شادی ہو جاتی اور وہ گھر گرہستی میں پڑ جاتا
تھا۔ گرہستی سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ فیاضی کے ساتھ خیرات دے اور دیوتاؤں،
رشیوں اور باپ دادا کے تین قرضے جو اس پر واجب تھے انھیں علی الترتیب یگیہ،
حصول علم اور پرہیزگاری کے ذریعہ ادا کرے۔ تیسری منزل یعنی وان پرستھ میں
انسان کو زندگی کی تمام اچھی چیزیں ترک کر کے بن کی تنہائیوں میں چلا جانا ہوتا تھا۔
جہاں وسادہ غذا، جڑی بوٹیاں اور پھل پھلار کھا کر سکون کے ساتھ غور وفکر میں
زندگی بسر کرتا تھا۔ آخری منزل سنیاس کی تھی جس میں انسان کو دنیا سے تمام
تعلقات منقطع کر کے اسرار زندگی اور وجود حقیقی کی تلاش کی غرض سے جسم کو سخت
سے سخت تکلیف میں مبتلا کرنا ہوتا تھا سنّیاسی کو جو کچھ بھیک سے ملتا بس اُسی
پر وہ بسر اوقات کرتا اور اپنی زندگی حق وحقانیت کی نشر و اشاعت کے لیے کلیتاً
وقف کر دیتا تھا۔ یہ تھا وہ نظامِ زندگی جو قانون بنانے والوں نے تین اونچی ذاتوں
پر عائد کیا تھا۔ یہ بات بھی مشتبہ ہے کہ قانون کے احکامات کی پابندی عملی زندگی میں
کہاں تک ہوتی تھی بہر طور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سنّیاس کی منزل عام طور پر برہمنوں
کے لیے مخصوص تھی اور صرف وہی اسے اختیار کرتے تھے۔

عورت کا درجہ

دھرم شاستروں سے سماج میں عورتوں کے درجہ کے متعلق بھی کچھ نہ کچھ واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ ایک مقام پر منو کہتے ہیں۔ جہاں عورتوں کی پرستش (عزت) کی جاتی ہے وہاں دیوتاؤں کی رحمتیں نازل ہوتی رہتی ہیں لیکن جہاں ان کی عزت نہیں کی جاتی وہاں تمام کام بے نتیجہ ہو کر رہ جاتے ہیں۱ لیکن تعجب کی بات ہے کہ ایک دوسرے شعر میں منو کہتے ہیں کہ عورتیں مردوں کو گمراہ کرنے کا ذریعہ ہیں۲ ان کا خیال یہ بھی ہے کہ عورت کبھی آزاد اور خود مختار زندگی نہیں گذار سکتی۔ اسے تو زندگی بھر کسی نہ کسی کی نگرانی اور سرپرستی میں رہنا ہوتا ہے۔ بچپن میں باپ کی، جوانی میں شوہر کی، اور بڑھاپے میں بیٹوں کی۳ اس کے علاوہ منو کے قانون کے مطابق عورتیں چونکہ تلون مزاج ہوتی ہیں اس لیے انھیں گواہ کی حیثیت سے پیش نہیں کیا جا سکتا تھا۔۴ وہ بارہ سال یا آٹھ سال کی عمر میں لڑکی کی شادی کو جائز قرار دیتے ہیں۔۵ لیکن بیٹی کے فروخت کرنے کے بارے میں انھوں نے متضاد رایوں کا اظہار کیا ہے۶ اگر عورت بانجھ ہوتی، یا صرف لڑکیاں پیدا کرتی یا شوہر کے ساتھ بے وفائی کا برتاؤ کرتی تو شوہر اُسے طلاق دے سکتا تھا۔۷ منو عقد بیوگان اور نیوگ (صلہ رحم کی شادی) کے خلاف ہیں۷ اس کے برخلاف نارد دونوں کی اجازت دیتے ہیں۔ استری دھن سے قطع نظر، منو نے صاف صاف نہیں بتایا کہ بیوہ اپنے شوہر کے مال میں سے حصہ پانے کی مستحق ہے یا نہیں۸ نارد نے عورت کو یہ حق نہیں دیا ہے۔

---

۱ اس سے موازنہ کریں ۔ यत्र नार्यस्तु पूज्यन्ते रमन्ते तत्र देवता ।
यत्रैतास्तु न पूज्यन्ते सर्वास्तत्राफलाः क्रिया ॥ (منو سمرتی، سوم، ۵۶)

۲ اس سے موازنہ کریں स्वभाव एष नारीणां नराणामिह दूषणम् (ایضاً، دوم، ۲۱۳)

पिता रक्षति कौमारे भर्ता रक्षति यौवने
۳ اس سے موازنہ کریں रक्षन्ति स्थविरे पुत्रा न स्त्री स्वातन्त्र्यमर्हति (ایضاً، نہم، ۳)

۴ ایضاً، ہشتم، ۷۷، ۵ ایضاً نہم، ۹۴ ۶ ملاحظہ ہو منو سمرتی، ہشتم، ۲۰۴، سوم، ۵۱، نہم، ۹۸ ۷ ایضاً، نہم، ۶۵۰۔

۸ وہ اپنے لاولد بیٹے کے مال کی وارث ہو سکتی تھی (ایضاً، نہم، ۲۱۷)

اس کے برخلاف یاگیہ ولکیہ شوہر کی جائداد میں وارث کی حیثیت سے بیوہ کے حق کو تسلیم کرتے ہیں۔ حالانکہ ستی کی رسم کا جواز کافی عرصے تک تسلیم نہیں کیا گیا، لیکن عورتوں کو چونکہ مقدس رسموں میں شرکت کی اجازت نہیں تھی اس لیے عورتوں کی زندگی واقعی خوشگوار نہیں رہی ہوگی۔ پردہ کا کوئی ذکر سمرتیوں میں نہیں ہے اور منو اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ زبردستی عورت کی حفاظت کرے۔[1]

ریاست

سمرتیوں نے شخصی حکومت کو معیاری طرز حکومت قرار دیا ہے۔ منو راجہ کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر راجا نہ ہو تو چاروں طرف انتشار پھیل جائے گا (ہفتم، ۳) راجا زمین پر خدا کے نائب کی حیثیت رکھتا ہے۔ منو کا مقولہ ہے:
"راجہ اگر بچہ بھی ہو تو اسے حقارت سے نہ دیکھو، محض اس لیے کہ وہ انسان ہے۔ نہیں دراصل وہ انسانی شکل میں عظیم دیوتا ہے"[2] آگے چل کر منو کہتے ہیں۔ طاقت (پربھاؤ) کے اعتبار سے وہ اگنی (آگ) ہے، وایو (ہوا) ہے، ارک (سورج) ہے، سوم (چاند) ہے، دھرم راٹ (یاما) ہے، کبیرا، ورن اور اندر ہے۔[3] لیکن اسی کے ساتھ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ راجہ کو اگرچہ صفات الٰہی کا حامل مانا گیا ہے، پھر بھی اس کی حیثیت کلیتاً مطلق العنان حکمراں کی نہیں تھی۔ وہ اپنی ذاتی عظمت کے لیے شدت اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ وہ صرف دھرم کو قائم رکھنے اور اس پر عمل درآمد کرانے کے لیے دنڈ دیتا تھا۔ وہ قانون سے بالاتر ہرگز نہیں تھا۔ کیونکہ واقعی یہ بھی تو کہا گیا ہے کہ قانون ایسے راجہ کو جو آرام طلب، شہوت پرست، ظالم، اور غیر عادل ہو اسے تباہ کر سکتا ہے[4] منو کے نزدیک دھرم کے چار ماخذ ہیں۔ (۱) وید

---

[1] ایضاً، نہم ۱۳

[2] اس سے موازنہ کریں۔
बालोऽपि नावमन्तव्यो मनुष्य इति भूमिपः।
महती देवता ह्येषा नररूपेण तिष्ठति ॥ (منوسمرتی، ہفتم، ۸)

[3] ایضاً، ہفتم، ۷ [4] ایضاً، ہفتم، ۱۷-۲۸

(۲) سمرتیاں (۳) آچار یہ یعنی رشیوں کے نیک اعمال کی مثالیں، اور (۴) اطمینان نفس۔ [1] ان میں یاگیہ ولکیہ نے کئی ثانوی ماخذ کا اضافہ کیا ہے۔ مثلاً غور و فکر، پری شَد یا برہمن عالموں کا فیصلہ، عارضی ضروریات، جو فرائض سے نہ ٹکراتی ہوں، شاہی فرامین، پیشہ ور انجمنوں کی روایات اور مقامی رسم و رواج وغیرہ۔ منو نے علاقائی قانون (دیش دھرم)، ذاتوں کے قانون (جاتی دھرم)، کنبوں کے قانون (کُل دھرم) اور لامذہب لوگوں کے قانون (پاشنڈ) اور اجتماعی جماعتوں کے قانون (گن) کے بھی حوالے دیے ہیں۔ [2]

اگرچہ دھرم شاستروں نے راجہ کا عہدہ صرف چھتری کے لیے تسلیم کیا ہے، لیکن تاریخ میں ایسے راجاؤں کی مثالیں بھی موجود ہیں جو دوسری ذاتوں سے تعلق رکھتے تھے۔ راجہ اپنی سلطنت اور اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے ایک منظم اور بے حد مصروف زندگی گذارتا تھا۔ اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے وہ ایک مجلس وزرا کے مشورے پر عمل کرتا تھا جس کے سات یا آٹھ رُکن ہوتے تھے۔ راجا جو احکامات صادر کرتا وہ لکھ لیے جاتے یا سہائے (سکریٹری) کو دے دیے جاتے تھے۔ سبھا میں بیٹھکر وہ مقدمات کی سماعت کرتا جو محل کے قریب ہال میں منعقد ہوتی تھی۔ وہ مجرموں کو سزائیں دیتا، مذہبی کفارہ ادا کرنے پر مجبور کرتا، یا جرم کی نوعیت اور متعلقہ فریقین کی حیثیت کے مطابق دوسری سزائیں تجویز کرتا تھا۔ ان وزرا (اماتیہ، یا منتری) کے علاوہ دوسرے چھوٹے بڑے افسران بھی راجا کو اس کے فرائض انجام دینے میں مدد دیتے تھے، جیسے مہاماترا اور یُکت جنھیں جاسوس اور دوسرے افسر مدد دیتے تھے۔ حکومت کے خاص خاص محکمے یہ تھے۔ (۱) جاسوسی، جو ہر جگہ ہر شخص کی بڑی سخت نگرانی رکھتا تھا۔ (۲) مال، جس کا تعلق آمد و خرچ سے تھا۔ یہ محکمہ غالباً گوداموں اور کانوں وغیرہ کی دیکھ بھال بھی کرتا تھا۔ (۳) فوج، اس کا کام یہ تھا کہ ملک میں امن و امان قائم رکھے اور بیرونی حملوں کی روک تھام کرے۔ (۴) پولس، کے ذمّہ یہ تھا کہ مجرموں

---

[1] اس سے موازنہ کریں۔ वेदोऽखिलो धर्ममूलं स्मृतिशीले च तद्विदाम् । आचारश्चैव साधूनामात्मनस्तुष्टिरेव च ॥ (ایضاً دوم/۶)

[2]

کو گرفتار کرے اور ملک میں نظم وضبط قائم کرنے کی کوشش کرے۔ (۵) عدالت، یہ محکمہ مقدمات طے کرتا اور انصاف کرتا تھا۔

آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت کی تقسیم اور مقامی انتظام حکومت کے بارے میں کچھ کہا جائے۔ سلطنت (راشٹر) دیشوں یا جن پدوں (علاقوں یا صوبوں) میں منقسم تھی۔ ہر دیش اس سے چھوٹی اکائیوں (وشیوں) میں بٹا ہوا تھا جن میں نگر اور پُور (شہر) اور گرام (گاؤں) ہوتے تھے۔ نگر یا شہر کا انتظام ایسے افسر کی سپرد کیا جاتا تھا جو رعب و دبدبہ رکھتا تھا اور عوام بھی اس پر اعتماد کرتے تھے۔ شہری زندگی سے متعلق تمام معاملات میں وہ پوری طرح با اختیار تھا۔ (سردار، گرامنیکا) گاؤں کا انتظام گرامِک کرتا تھا جسے حق الخدمت کے طور پر گاؤں کے لوگ ضرورت کا تمام کھانے پینے کا سامان اور ایندھن وغیرہ بہم پہنچاتے تھے۔ اس کے اوپر اور افسر ہوتے تھے مثلاً دس گاؤں کا افسر (دَشِی) جسے ایک کُل زمین (جسے بیلوں کی چھ جوڑ جوت سکتے تھے۔) ملتی تھی، بیس گاؤں کا افسر (وِنشن تیش یا وِنشی) ہوتا تھا، جسے پانچ کُل تفویض کیے جاتے تھے، سَو گاؤں کا افسر (سِتس یا شتا دھیکش) ہوتا تھا۔ اس کے تصرف میں اخراجات کے لیے پورا گاؤں دے دیا جاتا تھا۔ اس کے بعد ایک ہزار گاؤں کا افسر (سہسر پتی) کہلاتا تھا۔ اس کی تنخواہ شہر کے محصول سے ادا کی جاتی تھی۔ [1]

انصاف

سمرتیوں میں نزاع کے عام طور پر اٹھارہ عنوان مندرج ہیں، مثلاً قرضے، بیع بغیر حق ملکیت، حد بندی، بٹوارہ، مزدوری کی عدم ادائیگی، عہد نامہ کی خلاف ورزی، زنا، تشدد، ہتک عزت، چوری، رہزنی وغیرہ۔ چنانچہ دیوانی [2] اور فوجداری، دونوں قسم کے مقدمات ہوتے تھے۔ جن لوگوں پر چوری کا الزام یا

---

[1] ایضاً، ہفتم ۱۱۵، ۱۱۸، ۱۱۹۔ وشنو نے بیس گاؤں کے مالک کا ذکر نہیں کیا۔

[2] دیوانی کے مقدمات اکثر اوقات عدالت میں نہیں بلکہ ثالثی کے ذریعہ طے کر دیے جاتے تھے۔

شبہ ہوتا تھا انھیں قسم کھاکر یا جسمانی اذیت کے ذریعہ جھوٹ سچ کا امتحان دے کر اپنی بے گناہی ثابت کرنی ہوتی تھی۔ بعض اوقات ان پر یہ دونوں صورتیں عائد کردی جاتی تھیں۔ منو نے صرف دو قسم کی آزمائشوں کا ذکر کیا ہے۔ آگ اور پانی (ہشتم۔ ۱۱۴) لیکن یاگیہ ولکیہ اور نارد نے اس فہرست میں تین مدوں کا اور اضافہ کیا ہے۔ ناپ تول، ہل پھل اور زہر دینے کے قضیئے۔ برہسپتی سمرتی میں یہ فہرست نو اقسام تک پہنچ جاتی ہے۔ سزائیں جو تجویز کی گئی ہیں وہ بھی بہت سخت ہیں۔ مثال کے طور پر گائے چرانے والے کی سزا یہ تھی کہ اس کی ناک کاٹ دی جاتی تھی، اور جو دس "کُمبھ" سے زیادہ اناج، سونا یا چاندی چراتا تو اُسے موت کی سزا دی جاتی تھی (ہشتم ۳۲۰، ۳۲۱) باغیانہ عمل کا مجرم بھی موت کی سزا کا مستوجب قرار دیا جاتا تھا۔ اگر جرم کا مرتکب برہمن ہوتا تو اُسے ذات باہر کر دیا جاتا اور وراثت کے تمام حقوق سے وہ محروم ہو جاتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ منو نے اپنے قانون میں یہی رکھا ہے کہ برہمن سے جو بھی جرم سرزد ہو اُسے موت کی سزا ہرگز نہ دی جائے بلکہ صرف دیش نکالا دے دیا جائے (ہشتم، ۳۸۰) اسی کے ساتھ بہرحال یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اسی قسم کے جرم کے لئے منو نے عام آدمی کے لیے ایک کارشاپن اور راجہ کے لیے ایک ہزار کارشاپن کا جُرمانہ تجویز کیا ہے۔ (ہشتم ۳۳۶) یہ غالباً اس اصول کے تحت رکھا گیا ہے کہ جتنا نمایاں واقف کار اور با اثر آدمی ہو اتنی ہی زیادہ اس کی سزا ہونی چاہیے۔

جہاں تک قانونِ دیوانی کا تعلق ہے، صرف بعد کی سمرتیاں" معاہدوں اور کاروبار میں ساجھوں سے بحث کرتی ہیں۔ یہ تصور دوسری قدیم کتابوں اور سوتروں کے لئے بالکل اجنبی ہے۔ منو نے صرف مذہبی ساجھوں کا ذکر کیا ہے۔ یعنی اگر کئی برہمن کوئی رسم ادا کرنے میں ایک ساتھ شریک ہوں تو وہ نذر (دکشنا) آپس میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ لیکن یاگیہ ولکیہ نے تجارت اور زراعت میں بھی ساجھوں کا ذکر کیا ہے (دوم، ۲۶۵) اور اسی طرح نارد اور برہسپتی نے ساجھوں کا ذکر بھی کیا ہے، نیز یہ بھی لکھا ہے کہ شرکا آپس میں حصے کس طرح تقسیم کریں۔ قانون کی کتابوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ روپیہ پیسہ قرض دیا جاتا تھا اور شرح سود پندرہ سے لے کر ساٹھ فیصدی تک وصول کی جاتی تھی جو مقروض کی "ذات" کے مطابق گھٹائی بڑھائی جاتی تھی۔ حد سے زیادہ سودخوری کو معیوب سمجھا جاتا تھا برہمن سے خاص طور پر یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ حد سے زیادہ سود وصول نہ کرے۔[1] اگر

[1] نارد نے برہمنوں کو سود پر روپیہ دینے کی قطعاً ممانعت کی ہے (نارد سمرتی، اول، سوئم)

قرض ادا نہ ہو سکتا تو شودر اس کے عوض مزدوری کر کے قرضہ ادا کر دیتا تھا۔ قرضہ کی وصولی کے لیے بعض اوقات یہ تدبیر بھی اختیار کی جاتی تھی کہ قرضہ دینے والا مقروض کے گھر کے آگے دھرنا دے کر بیٹھ جاتا اور مرن برت رکھ لیتا تھا۔

محصول

محصول اصولاً نرم اور مساوی رکھے گئے تھے۔ راجا کو مشورہ دیا گیا ہے کہ رعایا پر زیادہ بوجھ نہ ڈالے اور غیر معتدل اور حریصانہ طریقے استعمال نہ کرے۔ مثال کے طور پر مہابھارت میں ہدایت کی گئی ہے کہ راجا کو چاہیے رعایا سے محصول اس طرح وصول کرے جیسے شہد کی مکھی پھولوں سے رس چوستی ہے یا بچھڑا گائے کے تھنوں سے دودھ کھینچتا ہے[1] عظیم مقنن منو نے تاجروں کو مویشیوں اور سونے کی تجارت میں منافع کا پچاسواں حصہ اور چاول وغیرہ کی پیداوار پر چھٹا حصہ، آٹھواں حصہ اور بارھواں حصہ وصول کرنے کی اجازت دی ہے (ہفتم، ۱۳۰) اسی طرح گھی، شہد، عطریات، ترکاریوں، پھلوں اور جڑی بوٹیوں وغیرہ کی تجارت میں منافع کے چھٹے حصے کی اجازت دی گئی ہے۔ کاریگر، لوہار، سنار اور مزدور مہینہ میں ایک دن بطور محصول مزدوری کرتے تھے (ہفتم، ۱۳۸) شروتریوں کے لیے بہر حال محصول معاف تھے (ہفتم ۱۳۳) اس کے علاوہ جن لوگوں پر محصول معاف تھے وہ اندھے، بہرے لنگڑے، بوڑھے اور وہ لوگ تھے جو شروتریوں کی مدد کرتے تھے (ہفتم، ۳۹۴) آخر میں یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ سرکاری آمدنی کے اور بھی ذرائع تھے مثلاً ملکی مصنوعات پر چنگی، اشیائے درآمد پر محصول اور کشتیوں پر ٹیکس وغیرہ۔

پیشے اور تجارت

سمرتیوں میں جن پیشوں کا ذکر کیا گیا ہے اُن سے عوام کی مادی ترقی کا

---

[1] سانتی پرون، باب ۸۸، ۴ ـ ۸

بھی کسی حد تک اندازہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم لوہاروں، سناروں، تیلیوں، رنگ ریزوں، درزیوں، دھوبیوں، کمہاروں، جولاہوں، چمڑے کا کام کرنے والوں، شراب سازوں، تیر کمان بنانے والوں، بڑھیوں اور دھات کا کام کرنے والوں کا ذکر سنتے ہیں۔ اس کے علاوہ مستری اور کاریگر لوگ تھے جو خصوصیت کے ساتھ سماج کے کارآمد رکن کی حیثیت رکھتے تھے۔ زراعت آبادی کی اکثریت کا سب سے بڑا سہارا تھی لیکن تجارت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاتا تھا۔ تجارت مبادلہ کے ذریعہ بھی ہوتی تھی اور سکہ کے ذریعہ بھی۔ سکے یہ تھے۔ سونے کا سُوَرنَ، چاندی کا روپیہ ماشک، دھرن اور سمان، اور تانبے کا کارشاپنَ (ہشتم، ۱۳۵ – ۱۳۷)۔ چیزوں کی قیمت سرکار مقرر کرتی تھی۔ کوئی شخص ملاوٹ کرتا یا جھوٹے پیمانوں اور باٹوں سے ناپ تول کرتا تو اسے سزا دی جاتی تھی۔ قحط سالی کے موقع پر ناج یا ان اشیا کی برآمد جو سرکاری اجارہ داری میں تھیں، ممنوع تھی۔ تجارت کا سامان لانے لے جانے کے لیے مشہور و معروف سڑکیں بھی تھیں لیکن وہ غیر محفوظ تھیں۔ دریاؤں کا سفر کشتیوں کے ذریعہ کیا جاتا تھا اور خشکی پر گاڑیوں میں یا جانوروں کی پیٹھ پر سامان لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ ”یا لے جایا جاتا تھا۔

حصہ دوم

چھٹا باب

۱۔ گوتم بدھ کا عہد

فصل (۱)

ہندستان بدھ مذہب کے عروج سے پہلے

بدھ اور جین مذہب کی مقدس کتابوں کا بنیادی مقصد مذہب کی تعلیم و اشاعت تھا، نہ کہ سیاسی حالات پر روشنی ڈالنا۔ لیکن ان کتابوں میں جو روایتیں اور حکایتیں محفوظ ہیں اُن سے ہمیں تاریخی روشنی کی جھلک کہیں کہیں دکھائی دے جاتی ہے۔ چنانچہ ہمیں سولہ بڑی حکومتوں (سولہ مہاجن پدوں) کا حال بالکل ضمنی طور پر معلوم ہوجاتا ہے یہ حکومتیں (جن پد) ساتویں صدی ق۔م یا چھٹی صدی ق۔م کے اوائل میں ضرور موجود تھیں۔ کیونکہ بدھ مذہب کی قدیم ترین تحریروں میں ان کا ذکر آیا ہے[1] اور خود بدھ (یا مروجہ تلفظ بدّھا) کے زمانے میں جو حالات تھے اُن سے یہ فہرست بالکل مطابقت نہیں کرتی۔ وہ ریاستیں حسب ذیل تھیں۔

(۱) کاشی جس کی راجدھانی کا نام بھی یہی تھا۔ اُسے وارانسی بھی کہا گیا ہے۔ برہم

---

[1] ملاحظہ ہو انگتّر نکائے (اول ۲۱۳، چہارم ۲۵۲، ۲۵۶، ۲۶۰) بدھ مذہب کی سنسکرت کتاب مہاوستو میں یہ فہرست اس سے ذرا مختلف ہے۔ جین مذہب کی کتاب بھگوتی سوتر میں بھی نام مختلف ہیں۔

دت خاندان کے دورِ حکومت میں یہ ریاست سب سے زیادہ خوش حال تھی۔ تیرتھنکر پارشوا کے باپ آشوسین کاشی کے قدیم ترین راجاؤں میں شمار کیے جاتے ہیں۔

(۲) کوشل: بدھی دور میں اس کا دارالسلطنت ضلع گونڈا میں ساوتھی (شراوستی) یا مہیٹ مہیٹھ تھا۔ اس سے پہلے ساکیت اور اجودھیا اس کے دارالسلطنت تھے۔ کاشی اور کوشل کے راجہ اکثر نبرد آزما رہتے تھے۔ کوشل کا کنس نامی راجہ جسے پالی ادب میں تواتر کے ساتھ "باران سیگ گاہو" کہا گیا ہے، آخرکار کاشی کی ریاست کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ بہر نہج اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ پسے ندی کا باپ مہا کوشل کاشی پر پورا پورا اقتدار رکھتا تھا۔

(۳) اَنگ: یہ مگدھ کے مشرق میں واقع تھی اور بھاگلپور کے قریب چمپا اس کی راجدھانی تھی۔ معلوم ہوتا ہے بعض انگ راجاؤں نے مگدھ کے معاصر راجاؤں کو شکستیں دیں، لیکن آخر میں مگدھ کو بہرحال فتح نصیب ہوئی۔

(۴) مگدھ: اس میں موجودہ پٹنہ اور گیا کے ضلع شامل تھے اور گریوراج اس کی راجدھانی تھی۔ بدھا سے پہلے مگدھ کے حکمرانوں میں برہ درتھ اور اسکا لڑکا جراسندھ قابلِ ذکر ہیں

(۵) وَجی: یہ آٹھ قبیلوں کی متحدہ ریاستوں کا ایک طاقتور جتھا تھا اور اُن میں سے ہر ایک پر اس کا نام رکھا گیا تھا دوسرے اہم قبیلے جو اس میں شامل تھے وہ یہ تھے۔ لچھوی، ودیہہ، اور گیا ترک۔ بدھی ادب میں اس کا محلِ وقوع ویشالی بتایا گیا ہے اور یہی متحدہ ریاستوں کا صدر مقام بھی تھا۔

(۶) مَلّا: ان کا علاقہ پہاڑ کے نشیب میں غالباً وجیان کی متحدہ ریاستوں کے شمال میں واقع تھا۔ ان کی دو شاخیں تھیں جن کی راجدھانیاں کُشی نارا اور پاوا تھیں۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ملاؤں کی ریاست بُدھی دور سے پہلے ایک شخصی حکومت تھی۔

(۷) چیٹی یا چیدی: چیٹیوں کا علاقہ جسے قدیم دستاویزات میں چیدی کہا گیا ہے

جمنا کے قریب تقریباً وہاں واقع تھا جہاں آج بندیلکھنڈ اور اس کے قرب وجوار کا علاقہ واقع ہے۔ اس کا سب سے بڑا شہر شکتی متی یا سوتھی نگر تھا۔

(۸) ونش یا وتس: وچھتوں کا ملک جمنا کے کنارے اونتی کے شمال ومشرق میں واقع تھا اور کوشامبی یا کوسمبی (الہ آباد سے تیس میل دور موجودہ کوسم) اس کی راجدھانی تھی جس راجا نے ہستنا پور کی تباہی کے بعد یہاں پہلی بار سکونت اختیار کی وہ نی چک شو تھا۔ بدھا کے معاصر اُدین کا باپ پرنتپ اسی بھرت خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔

(۹) کورو: کوروؤں کی مملکت دلی سے متصل تھی۔ اس کے شہروں میں اِندر پتہ (اندر پرستھ) اور ہست تھنی پور (ہستنا پور) کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ کوروؤں نے اپنی سیاسی طاقت اب کھو دی تھی۔

(۱۰) پنچال: یہ علاقہ اندازاً موجودہ روہلکھنڈ اور وسطی دوآب کے کچھ حصہ سے مطابقت رکھتا تھا اس کے دو حصے تھے۔ شمالی اور جنوبی۔ گنگا ان دونوں کی حدِفاصل تھی۔ ان دونوں کی راجدھانیاں، علی الترتیب اَہچ چھترا اور کام پلیہ تھیں۔ پنچال کا ایک قدیم راجا دُم مُکھ (دُرمکھ) ہر میدان میں کامیابی اور کامرانی کے لیے ممتاز ہے۔

(۱۱) مچھ یا متسیہ: متسیہ خاندان جمنا کے مغرب اور کوروؤں کی ریاست کے جنوب میں حکومت کرتا تھا۔ وِراٹ نگران کی راجدھانی تھی (موجودہ بیراٹ، ریاست جے پور۔)

(۱۲) شُورسین: شُورسین اس ریاست کے مالک تھے جس کی راجدھانی متھرا تھی۔ یہی وہ مقام تھا جہاں یادو گھرانے نے بڑی قابلیت سے حکومت کی۔

(۱۳) اس سَک: بدھا کے زمانے میں اُس سک خاندان کے لوگ دریائے گوداوری پر سکونت پذیر تھے۔ اور ان کا خاص شہر پوتلی یا پوتن تھا، لیکن جب فہرست مرتب کی گئی تو معلوم ہوا ان کا علاقہ اونتی اور متھرا کے درمیان میں پھیلا ہوا تھا۔

(۱۴) اونتی یا مغربی مالوہ: اس کا دارالسلطنت اجین تھا۔ اس کے جنوبی حصہ

کا بڑا شہر ماہیتی یا ماہشمتی (موجودہ مان دھاتا) تھا جہاں قدیم زمانے میں ہیہ خاندان حکومت کرتا تھا۔

(۱۵) گندھارا یعنی موجودہ مشرقی افغانستان: اس کا دارالسلطنت تکشیلا تھا (موجودہ ٹیکسیلا ضلع راولپنڈی) اس ریاست میں غالباً کشمیر بھی شامل تھا۔

(۱۶) کمبوج: یہ خاندان شمال مغرب میں بھی اقتدار رکھتا تھا۔ لوجی دستاویزات اور ادب میں انھیں گندھارا سے متعلق ظاہر کیا گیا ہے۔ اسی طرح ہم راج پور اور دوارکا کا حال بھی سنتے ہیں جو اس کے اہم شہر تھے[۱]

یہ فہرست کئی جہتوں سے بہت عجیب ہے۔ اس میں انگ اور کاشی کا ذکر خودمختار ریاستوں کی حیثیت سے کیا گیا ہے اور اڑیسہ، بنگال یا اونتی سے جنوب کے کسی ایک مقام کا اس میں ذکر تک نہیں کیا گیا ہے۔

فصل (۲)

ہندستان بدھا کے زمانے میں

(۱) جمہوری یا خودمختار قبیلے

پالی ادب سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بدھا کے زمانے میں شخصی حکومتوں کے علاوہ بہت سی جمہوری یا خودمختار ریاستیں بھی پائی جاتی تھیں جن میں سے بعض معمولی حیثیت رکھتی تھیں، لیکن بعض کافی طاقت ور تھیں۔[۲] ان قبیلوں میں سے حسب ذیل کا حال ہمیں معلوم ہے۔

(۱) کپل وستو، یا کپل وستو کے شاکیہ قبیلے کے لوگ یہ قبیلہ نیپال اور برطانوی

---

[۱] ملاحظہ ہو رائے چودھری، پولیٹکل ہسٹری آف انشینٹ انڈیا، چوتھا ایڈیشن ص۸۵ تا ص۱۲۹، کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد اول ص۱۷۲، ص۱۷۳، رھیس ڈیوڈس، بدھسٹ انڈیا، ص۲۳۔ ص۲۹

[۲] ملاحظہ ہو بی۔ سی۔ لا، کشاتریہ کلانس ان بدھسٹ انڈیا (۱۹۲۲ء)؛ بدھسٹ انڈیا ص۲۳، ص۲۹

علاقہ (اب آزاد ہندستان) کی سرحد پر آباد تھا۔ اُن کی راجدھانی کو موجودہ تلورا کوٹ کے مماثل تبایا گیا ہے۔ یہ اپنا سلسلۂ نسب سورج ونشی نسل کے اِکشِن واکو سے ملاتے تھے۔

(۲) سُن سومگری کے بھگ: یہ ایک قدیم قبیلہ تھا جو ائیتریہ براہمن کے بُھرگ قبیلہ کے مماثل تھا۔ ڈاکٹر جیسوال کی رائے ہے کہ ان کا صدر مقام مرزا پور کے ضلع میں کہیں واقع تھا۔[1]

(۳) اَلّاکپّ کے بُلی: ان کے متعلق ہمیں زیادہ معلوم نہیں۔ یہ ویتھ دیپ کی ریاست کے قرب و جوار میں، غالباً موجودہ شاہ آباد اور مظفرپور کے درمیانی علاقہ میں آباد تھے۔

(۴) کیس پُتّ کے کالم: ان کی راجدھانی کا تعین مشتبہ ہے۔ کیا ان کا تعلق کیشنوں سے ہے، جن کا ذکر ست پتھ براہمن میں پنچالوں کے ذیل میں کیا گیا ہے؟ بدھا کے عظیم استاد آ لراسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

(۵) رام گام کے کولیہ: یہ شاکیوں سے مشرق میں آباد تھے اور دریائے روہنی ان دونوں علاقوں کی حدِ فاصل تھی۔ ان کے باہمی تعلقات عام طور پر خوش گوار رہتے تھے، لیکن ایک مرتبہ روہنی کے پانی پر اُن میں آپس میں جھگڑا ہو گیا۔

(۶) پاوا کے مَلاّ: کننگھم نے انھیں گورکھپور کے ضلع میں پڈرَونا کے مماثل قرار دیا ہے۔ بعض عالموں کا خیال ہے کہ فاضل پور قدیم پاوا کی جگہ آباد ہوا ہے۔

(۷) کشی نارا کے مَلاّ: یہ موجودہ کسیا کے مماثل تھے۔ جہاں ایک چھوٹا سا مندر دریافت کیا گیا ہے، اس میں بدھا کا ایک عظیم الجثہ مجسمہ ہے جس میں انھیں پری نبان (پری نروان) آسن میں پیش کیا گیا ہے۔

(۸) پپ پھلی بَن کے موریہ: ان کی راجدھانی کا تعین مشتبہ ہے۔ انھیں شاکیوں ہی کی ایک شاخ بتایا جاتا ہے یہ نام ان کا اس لیے پڑا کہ یہ مقام ہمیشہ موروں (مور) کی آواز سے گونجتا تھا۔

---

[1] ہندو پالیٹی، ص۱۴۹۔

(۹) متھلا (نیپال کی سرحد کے اندر موجودہ جنک پور) کے ودیہہ: ودیہہ میں کبھی مشہور و معروف راجا جنک حکومت کیا کرتا تھا جس کا ذکر اپنشدوں میں آیا ہے۔ لیکن یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اب اس میں شخصی حکومت نہیں رہی تھی۔

(۱۰) ویشالی یا ضلع مظفرپور میں موجودہ بساڑ کے لچھوی: اس وقت یہ ایک اہم قبیلہ تھا۔ یہ چھتری تھے اور اسی نسبت سے انھیں بدھا کے تبرکات کا حصہ ملا۔ انھوں نے مہاویرا اور بدھا دونوں سے رابطہ قائم کیا اور اُن کے خطبوں اور تعلیمات سے کماحقہٗ فائدہ اٹھایا۔ اس کی شہادت بھی ملتی ہے کہ لچھوی ریاست کی حکمراں مجلس میں ۷،۷۰۷ راجا شامل تھے۔ لچھوی قبیلہ کی یہ خصوصیت تھی کہ اس کی اس حکمراں مجلس کی نشستیں اکثر ہوتی تھیں اور حاضری مکمل ہوتی تھی۔ ان مجلسوں میں بحث و مباحثہ ہوتا تھا، مگر ہمیشہ اتحاد و اتفاق کا ماحول طاری رہتا تھا۔

شاکیوں کی تفصیلات

چونکہ بدھا خود شاکیہ قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے بدھ مذہب کی کتابوں میں ظاہر ہے شاکیوں کی تفصیلات زیادہ ملتی ہیں۔ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ریاست کے ارباب حل و عقد میں سب سے اہم صدر ہوتا تھا، جو راجا کہلاتا تھا۔ یہ بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی کہ وہ شرفا کے کسی مخصوص خاندان سے چنا جاتا تھا یا کسی خاص مدت کے لیے اس کا انتخاب عمل میں آتا تھا۔ چنانچہ بدھا کے باپ سدودھن راجا تھے اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اُن کے چچیرے بھائی بعد یہ بھی اسی عہدہ پر فائز رہے۔ قبیلہ کا سارا کام کھلی سبھا میں ہوتا تھا جو سنتھاگار (یا ہال) میں منعقد ہوتی تھی۔ اس میں جوان بوڑھے، امیر، غریب سب شریک ہوتے تھے۔ بدھ مذہب کی کتابوں سے ہمیں یہ اندازہ بھی پوری طرح ہو جاتا ہے کہ سبھا میں جو بدھ سنگھ کے نمونے پر تشکیل کی گئی تھی معاملات پر کس طرح غور کیا جاتا تھا۔[۱] ہمیں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ

---

[۱] ملاحظہ ہو جیسوال، ہندو پالٹی، صفحہ ۱۰۱ تا ۱۱۷؛ جرنل آف یو پی ہسٹاریکل سوسائٹی، نومبر ۱۹۳۰ء
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیے)

سبھا کے جلسے پابندی سے ہوتے تھے اور ان میں نشست کا انتظام بہت باقاعدہ کیا جاتا تھا۔ یہ کام ایک خاص افسر آسن پنّاپک یا آسن پرگیاپک کے سپرد تھا۔ ہر جلسہ میں مقررہ تعداد کی حاضری ضروری تھی، لیکن سبھا کے صدر (ونے دھر) کا شمار کورم کے لیے نہیں کیا جاتا تھا۔ ایک خاص افسر (وُتھپ" یاگن پُورَک) کا فرض تھا کہ وہ کورم پورا کرنے کے لیے اراکین مجلس کی حاضری کا بندوبست کرے۔ سبھا کی کارروائی کی تجویز (نتی یا گیاپتی) کی پیشی (استھاپنا) سے شروع ہوتی تھی جس کے فوراً بعد اعلان (انستاونم) کردیا جاتا تھا۔ بحث و مباحثہ صرف زیرغور تجویز تک محدود رہتا تھا۔ بے مطلب باتوں سے پرہیز کیا جاتا تھا اور کوشش یہ کی جاتی تھی کہ کوئی جھگڑا درمیان میں نہ ہو۔ منظور شدہ تجویز (پرتگیہ) ایک بار (گیاپتی دوتیہ کمّ) اور بعض اوقات تین بار (گیاپتی چتتھ کمّ) پڑھکر سنائی جاتی تھی۔ تجویز پر اراکین کی خاموشی منظوری کے مترادف سمجھی جاتی تھی۔ لیکن جب اختلاف رائے پایا جاتا تھا تو اس کا اظہار مختلف طریقوں سے کیا جاتا تھا۔ مثلاً معاملہ غور و خوص کے لیے کسی چھوٹی سی کمیٹی کے سپرد کردیا جاتا تھا تاکہ تجویز بہ اتفاق آرا منظور ہو۔ اگر اتفاق آرا ممکن نہ ہوتا تو رائیں (چھند) کرلی جاتی تھیں۔ رائے شماری ٹکڑوں (سلاکار) کے ذریعہ ہوتی تھی۔ عام طور پر مختلف رنگ کی لکڑی کی پٹیاں مختلف رائیں ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتی تھیں۔ رائے شماری کرنے والے افسر کو سلاکا گاھاپک کہتے تھے۔ اُس سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ کسی قسم کے تعصب، عناد، یا خوف کا مظاہرہ نہ کرے۔ رائے دیتے میں ہر شخص کلیتاً آزادی رکھتا تھا اور کسی پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ اکثریت کی رائے (یبھویہ سِکم) فیصلہ کن مانی جاتی تھی کسی مسئلہ میں جب ایک بار فیصلہ ہوجاتا تو اسے دوبارہ نہیں چھیڑا جا سکتا

بقیہ حاشیہ) جلد ہفتم، حصہ دوم، ص۵۹ تا ص۹۱، بی۔ سی۔ لاکشا تریہ کلانس ان بدھسٹ انڈیا، ص۱۱۰ تا ص۱۱۹

تھا منشی یا کلرک تمام کارروائی کا ریکارڈ رکھتے تھے۔ اس طرح تمام طریقۂ کار صحیح معنوں میں جمہوری طرز کا تھا۔ کئی جہتوں سے اسے جدید پارلیمانی طریقۂ کار کا ابتدائی نمونہ کہہ سکتے ہیں۔

قبیلہ کی گذر بسر کا دار و مدار چاول کی پیداوار پر تھا۔ ان کے مویشی گاؤں کی مشترکہ زمینوں یا بنوں میں چرتے تھے۔ کئی کئی گاؤں مل کر ایک جتھا بنا لیتے تھے گاؤں میں زیادہ تر ایک ہی پیشہ کرنے والے آباد ہو جاتے تھے۔ مثال کے طور پر کمہار، لہار، سنار، بڑھئی یا پوجا پاٹ کرنے والے سب اپنی اپنی جداگانہ بستیاں بسا لیتے تھے۔ شاکیہ قبیلے کے لوگ عام طور پر پُرامن تھے اور چوری یا دیگر جرائم ان کے علاقہ میں کمیاب تھے۔ غالباً ان کے یہاں کولیوں کی طرح پولس کا باقاعدہ انتظام تھا ان کے پولس کے افسر ایک خاص قسم کی ٹوپی سے پہچانے جاتے تھے اور اپنے جبر و تشدد کے لیے بدنام تھے۔ مجرم جب گرفتار کر لیا جاتا تھا تو اسے عدالت میں پیش کیا جاتا جہاں بڑی احتیاط کے ساتھ اس پر مقدمہ چلایا جاتا تھا۔ بدھ گھوش نے مہاپری نبان سوتّ کی جو تفسیر "اٹھ کتھا" لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وجیّ قبیلہ کے لوگ عدالت کا ایک بہت پیچیدہ نظام رکھتے تھے۔ وہ سزائیں اپنی کتاب "نظائر" (پونیو پوتھک) کے مطابق دیتے تھے۔ جب کئی عدالتیں مثلاً جج (وِنچھ مہامات) وکلا (دھارک) قانون کے پنڈت (سوتر دھر)، آٹھ اراکین پر مشتمل مجلس (آٹھ کُل)، سپہ سالار (سینا پتی)، نائب کارپرداز (اُپ راجہ)، اور کارپرداز (راجہ)، سب یکے بعد دیگرے اور پے در پے کسی شخص کو مجرم قرار دیتے تب اسے سزا دی جاتی تھی۔ ان میں سے کوئی بھی عدالت اگر ملزم کو بے گناہ پاتی تو اسے بری کر سکتی تھی۔[۱]

شخصی حکومتیں

بدھا کی زندگی میں ملک کی سیاسیات میں جو اہم ترین واقعہ

---

[۱] رہین ڈیوڈس، بدھسٹ انڈیا، صنہ۲ تا ص۲۳؛ بی۔ سی۔ لا: کشاتریہ کلانس ان بدھسٹ انڈیا، ص۱۲۰ تا ۱۲۱

رونما ہوا وہ تھا کوشامبی (وتس)، اونتی، کوشل اور مگدھ[1] وغیرہ ریاستوں کا عروج۔ اُن پر اب طاقتور حکمراں حکومت کر رہے تھے۔ جنھوں نے توسیع سلطنت اور پڑوسی ریاستوں کو ضم کرنے کی پالیسی اختیار کر رکھی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن میں آپس میں اختلافات و نزاعات پیدا ہو گئے اور آخر میں وہ سب کے سب ایک زبردست سلطنت میں ضم ہو گئے۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔ (۱) وتس: اس ریاست کی راجدھانی کوشامبی یا کوسمبی الہ آباد کے جنوب میں جمنا کے کنارے واقع تھی۔ اس علاقہ کا حکمراں بھرت خاندان کے ستانیک پرنتپ کا لڑکا اُدین یا اُدین بدھا کا معاصر تھا۔ روایت میں اس کی محبت اور جنگ کے کارناموں کی بے شمار داستانیں محفوظ ہیں۔ مثال کے طور پر اُدین وتسو سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ایک دفعہ اونتی کے راجا پرجوت (پردیوت) نے اسے غالباً جنگ میں گرفتار کر لیا[2]، لیکن اس نے بڑی چالاکی سے اپنے حریف کی لڑکی واسل دتا یا واسودتا کو اغوا کر لیا اور اپنی راجدھانی میں لاکر اس کے ساتھ شادی کر لی۔ اسی طرح دوسری داستانوں میں اُدین کی رانیوں کا ذکر آتا ہے جن میں سے ایک دھڑدھ ورمن کی لڑکی تھی جسے اس نے انگ کی راج گدی دلوائی اور دوسری مگدھ کے راجا درشک کی بہن پدماوتی تھی۔ اس کے علاوہ سنسکرت کی بعد کی کتابوں کتھا سرت ساگر اور پریہ درشکا سے ہمیں اس کی دگ وجے اور دور دراز کلنگ میں فتوحات کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ روایتوں کے ان مضمرات پر اعتماد کرنا مشکل ہے، لیکن یہ ایک بنیادی حقیقت ہے کہ اُدین ایک طاقتور حکمراں تھا اور وہ اپنے معاصرین سے برسرِ پیکار رہتا تھا، نیز اس نے اونتی مگدھ اور انگ کی ریاستوں سے ازدواجی رشتے قائم کیے۔

ہم نہیں جانتے کہ اس کے بعد اس کا لڑکا بودھی کمار[3] گدی نشین ہوا

---

[1] ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر، کارمائیکل لکچرس آن دا ہسٹری آف انڈیا، ۱۹۱۹ء [2] روایت میں ہے کہ اُدین جو بانسری بجانے میں بڑا ماہر تھا ایک مرتبہ اس جال میں پھنس گیا جو پردیوت نے چالاکی سے اس کے لیے بچھایا تھا۔ ملاحظہ ہو اے۔ کے۔ دیت۔ اودین وتس راج (کلکتہ ۱۹۱۹ء [3] مجھم نکائے کا ایک سوتانت بودھی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیے)

یا نہیں، البتہ کتھا سرت ساگر ہمیں پتہ دیتی ہے کہ پَرَدیُوت کے لڑکے پالکؔ نے کوسمبی کی ریاست کو اونتی میں شامل کر لیا۔

آخر میں بدھا کے زمانے سے کوسمبی بدھوں کی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ اُدینؔ شروع شروع میں نئی تعلیمات سے متاثر نہیں ہوا، لیکن بعد میں پنڈول نامی بدھ بھکشو کی گفتگو سے وہ مطمئن ہو گیا۔

(۲) اونتی: اس عہد میں اونتی پر چنڈ پجوّت (پَرَدیُوت) حکومت کرتا تھا۔ اُجّینی اس کی راجدھانی تھی، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، اس نے کوشامبی کے راجہ اُدینؔ اور شاید متھرا کے شورسینؔ راجہ سے جو رونتی پُتو، بھی کہلاتا تھا، ازدواجی رشتے قائم کیے۔ پجوّت فطرتاً ظالم اور ہوس پرست آدمی تھا[1]۔ پُران شاہد ہیں کہ اُس نے "پڑوسی راجاؤں کو اپنا مطیع بنا لیا"۔ ہم نے مذکرہ بالا سطور میں اُدینؔ سے اُس کی جنگ کا حال بھی پڑھا۔ اس کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ اجات شترو کو اپنی راجدھانی میں پجوّت (پَرَدیوت) کے حملہ سے تحفظ کے لیے قلعے بندی کرنی پڑی۔ اس کے جانشین سب کمزور تھے۔ تاریخ میں ان کا کہیں ذکر نہیں آتا۔ البتہ ان میں سے پالکؔ نامی راجہ نے کوسمبی کو اپنی مملکت میں شامل کر لیا، لیکن گوپال کے لڑکے اَجسکؔ یا آرُیکؔ نے جو اپنے بھائی پالکؔ کے حق میں تخت و تاج سے دست بردار ہو گیا تھا اسے شکست دے دی۔ اس کے برخلاف پُرانوں میں ان دونوں کے درمیان ایک اور نام وِشاکھ یُوپ کا ملتا ہے[2] اور اس کے بعد اونتی وردھن کا نام آتا ہے۔

اونتی بدھ مت کا دوسرا اہم مرکز تھا۔ بدھا کے کئی معتقدین مثلاً مہا کچیانؔ،

(پچھلے صفحہ کا باقی حاشیہ) کمار سے منسوب ہے۔ ولی عہد کی حیثیت سے غالباً وہ سنسُو مگری کے علاقہ میں حکومت کرتا تھا جہاں اس نے اپنے لیے ایک عالیشان محل تعمیر کرایا۔

[1] پردیوت کو اس کی بڑی فوج کی نسبت سے مہاسینؔ بھی کہتے ہیں (دیکھو तस्य वलपरिमाणानिर्वृत्तनाम चच महासेन इति) (سوپن واس دتا پنجم، ۲۰)

[2] بہرحال یہ کوئی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

ستون، اجیئے کمار، وغیرہ کا یہ مسکن تھا۔ رہس ڈے وڈس کا یہ خیال واقعی درست ہے کہ بدھ مت نے مگدھ میں جنم لیا اور اونتی میں لباس پہنا، یعنی پالی کی شرع اُس زبان میں تصنیف ہوئی جو اس وقت وہاں رائج تھی۔

(۳) کوشل: شمالی ہند کے وسط میں کوشل کا عروج چھٹی صدی ق.م کے سیاسی ماحول کی اہم خصوصیت تھی۔ راجہ کنس، بدھا کے کوشلی معاصر، پسینے ندی (پرسینن جت) کے مورثوں میں سے تھا۔ اس کے زمانے میں کوشل اور کاشی کی پرانی دشمنی ختم ہو گئی تھی۔ اور کاشی کی ریاست کوشل میں ضم کر لی گئی تھی، پالی ادب میں ایسے حوالے بھی ملتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاکیوں نے کوشل کی قیادت تسلیم کر لی تھی۔ پسینے ندی کو اکثر مقامات پر" پانچ راجاؤں کے جتھے کا سردار" ظاہر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مگدھ کے راجا بمبسار سے اس کی بہن کی شادی نے اُس کی طاقت کو اور زیادہ مستحکم کر دیا۔ لیکن یہی شادی کے بعد میں اختلافات اور نتیجہ میں جنگ کا باعث ثابت ہوئی کیونکہ جیسا کہ ہم مندرجہ ذیل سطور میں دیکھیں گے جب بمبسار کو اس کے بیٹے اجات شترو نے بھوکا مار دیا تو بمبسار کی بیوی کوشل دیوی بھی اس غم میں مرگئی۔ اس کے بعد پسینے ندی نے شہر کاشی کو ضبط کر لیا جو کوشل دیوی کو" پاندان کے خرچ" (نہان چنا مول) کے بطور دیا گیا تھا۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ کوشل اور مگدھ میں جنگ چھڑ گئی جو کچھ عرصے بڑے بیمانہ انداز میں جاری رہی۔ اس میں کبھی فتح ایک کی ہوتی کبھی دوسرے کی۔ آخر کار فریقین صلح پر مجبور ہو گئے۔ صلحنامہ کی رو سے پسینے ندی نے اپنی لڑکی وجیرا کی شادی اجات شترو کے ساتھ کر دی اور کاشی کی مالگذاری جس پر نزاع تھا اس کے حق میں واگذاشت کر دی۔

پسینے ندی کی تعلیم ٹکشیلا میں ہوئی تھی۔ وہ ایک وسیع القلب حکمراں تھا۔ اس نے برہمنوں کو جاگیریں دیں اور بدھ بھکشوؤں کو باغات سے نوازا اور ان کے لیے خانقاہیں بنوائیں۔ بدھا سے اس کے تعلقات بہت خوشگوار تھے اور وہ اُن سے اکثر ملاقات کرتا اور مشکلات میں اُن سے مشورہ کیا کرتا تھا۔ پسینے ندی نے ایک دفعہ اس پر اظہار تعجب کیا کہ یہ عظیم مصلح اپنے سنگھ

(جماعت) میں اس قدر اتفاق و اتحاد کس طرح قائم رکھتا ہے جبکہ وہ خود انگلی مالا جیسے ڈاکوؤں کی لوٹ مار اور اپنے اہل خاندان اور وزرا کی ریشہ دوانیوں سے ہمیشہ پریشان رہتا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ پسے ندی کے وزیر ڈیگھ چارائن نے اس کے بیٹے وِڈوڈابھ (وِرودھک)[1] کو اکسادیا اور اس نے باپ کے خلاف بغاوت کردی۔ جس کے نتیجہ میں پسے ندی سے راج گدی چھن گئی۔ پسے ندی نے اجات شترو سے مدد مانگی، لیکن راج گرہ پہنچنے سے پہلے کوشل کے راجا نے تھکن اور فکر و پریشانی سے تنگ آکر کوشل کے شہر پناہ پر پہنچ کر دم توڑ دیا۔ اجات شترو نے اس کا جنازہ شاہانہ شان و شوکت سے نکالا اور بڑی سوجھ بوجھ سے کام لیتے ہوئے وِڈوڈابھ سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کی۔

وڈوڈابھ

وڈوڈابھ نے شاکیوں پر جو مظالم کیے ان کی وجہ سے اس کا دورِ حکومت بدنام رہا[2] بظاہر اس کا سبب یہ تھا کہ شاکیوں نے ایک غلام لڑکی واسبھ کھتیا کی شادی دھوکے سے اس کے باپ کے ساتھ کرادی تھی۔ اس دھوکے بازی کا بدلہ لینے کے لیے اس نے یہ سب کچھ کیا۔ شاکیہ ریاست پر اس کے حملہ کا اصل سبب یہ تھا کہ وہ اُن کی آزادی کو مکمل طور پر ختم کرنا چاہتا تھا۔ ہم وڈوڈابھ اور اس کے جانشینوں کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتے[3] پردہ جب پھر اُٹھتا ہے تو کوشل مگدھ کے جزو کی صورت میں دکھائی دیتا ہے۔

---

[1] وِرودھک اور کشودِرک اسی نام کی دوسری شکلیں ہیں

[2] وڈوڈابھ یا وِردھک نے شاکیوں پر حملہ کیا اور اُن میں سے سینکڑوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ واقعہ بدھا کے انتقال سے کچھ ہی پہلے پیش آیا اور اس کا انجام یہ ہوا کہ شاکیہ اپنے وطن سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ [3] ان کے نام یہ ہیں کُلکٹ، سُرتھ، اور سُمیتر۔ دیکھئے۔

शुद्धात् कुलको भावय: कुलकात सुरथ : स्मृत: ।
सुमित्र : सुरथस्यापि अन्तेन्यस्य भविता नृप: ।।

مگدھ

ویدی ادب میں مگدھ کے علاقہ سے بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس کی سیاسی اہمیت اس خاندان کے وقت سے شروع ہوئی جس کا بانی برہ درتھ تھا۔ اس کا لڑکا جراسندھ جو بہت سی مبالغہ آمیز داستانوں کا ہیرو ہے، معلوم ہوتا ہے طاقتور حکمراں تھا۔ چھٹی صدی ق۔م میں اس خاندان کا زوال ہوگیا، کیونکہ جب بدھ حیات تھے اور اپنے مذہب کی تبلیغ کر رہے تھے، اس وقت مگدھ پر بمبسار حکومت کر رہا تھا۔ اس کا تعلق ہریانک کل (ہریانک خاندان) سے تھا۔ وہ ایک معمولی سردار بھٹیہ کا لڑکا تھا۔ اسے سینیا یا سینیکا بھی کہتے تھے۔ شروع شروع میں اس کا دربار گریوراج میں لگتا تھا، لیکن بعد میں اس کی راجدھانی اس کے محل کے اردگرد ایک دوسرے مقام پر بن گئی جس کا نام بجا طور پر لوگوں نے راج گریہہ[2] رکھ دیا۔

شروع شروع میں بمبسار نے ازدواجی تعلقات کے ذریعے اپنے اثرات بڑھانے کی کوشش کی۔ اس کی خاص خاص رانیاں یہ تھیں۔ پسے ندی کی بہن کوشل دیوی، مچھوی راجکمار چیتک کی لڑکی چیلنا، اور وسطی پنجاب کی راجکماری کشیما مُدر۔ ان شادیوں سے نہ صرف بمبسار کی بزرگی و برتری معاصرین میں ظاہر ہوتی ہے، بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شادیاں ہی مگدھ کے عروج کا سبب بن گئیں۔ مثال کے طور پر تنہا کوشل دیوی اپنے ساتھ کاشی جہیز میں لائی جس کی مال گذاری ایک لاکھ تھی۔

بمبسار نے فوجی قابلیت سے بھی اپنی ریاست میں توسیع کی۔ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ برہم دت کو شکست دینے کے بعد اس نے بڑی دلیری سے انگ کو اپنی سلطنت میں شامل کرلیا جو موجودہ منگھیر اور بھاگلپور کے ضلعوں سے مطابقت رکھتی تھی۔ پالی زبان میں بدھ گھوش کی تفسیر سے مگدھ کے حدود کا کچھ نہ کچھ اندازہ ہوجاتا ہے اور یہ

---

[1] ہم نے پالی روایات کا سہارا لیا ہے۔ اس کے برعکس پُران بمبسار کو ششوناگ کا وارث ظاہر کرتے ہیں دیکھیے مندرجہ ذیل [2] یہ وہی ہے جو موجودہ راج گیر ہے۔ قدیم راجدھانی کی حفاظتی دیواریں ہندستان کی سب سے اہم اور ممتاز دریافتوں میں سے ہیں۔ راج گریہہ گریوراج کے بیرونی حدود پر واقع تھا

بات صاف ہو جاتی ہے کہ بمبسار کے عہد حکومت میں کئی دوسرے علاقے مگدھ میں ضم کر لیے گئے تھے۔ بدھ گھوش کہتا ہے کہ بدھا کے زمانے سے بمبسار کے جانشین تک کے درمیانی وقفہ میں مگدھ کے حدود سلطنت تقریباً دوگنے ہو گئے تھے۔ حکومت بہت منظم تھی اور مملکت کے بڑے بڑے عہدہ داروں کے کام کی جنھیں مہاماتّہ (مہاماترُ) کہتے تھے سختی کے ساتھ نگرانی اور جانچ کی جاتی تھی قانون فوجداری کا نفاذ بھی بہت سختی کے ساتھ کیا جاتا تھا۔

بمبسار نے دُور دراز کی ریاستوں سے بھی تعلقات قائم کیے، کیونکہ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دربار میں گندھار کے پکوساتی نامی راجا نے سفارت بھیجی۔ ضمنی طور پر اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ گندھار تقریباً ۵۱۶ ق۔م میں آکمینی فتح سے قبل ایک خودمختار ریاست کی حیثیت رکھتا تھا۔ حقیقت سے تقریباً نزدیک پہنچنے کے لیے ہم ایک اور طریقہ بھی اختیار کر سکتے ہیں۔ وہ یہ کہ لنکا کی تاریخیں شہادت دیتی ہیں کہ بمبسار کا دورِ حکومت ۵۲ سال رہا[1] اور بدھا کی وفات کے وقت اجات شترو ۸ سال حکومت کر چکا تھا۔ گیگر اور دوسرے عالموں نے بدھا کی وفات ۴۸۳ ق۔م قرار دی ہے اس میں ساٹھ سال جمع کر دیے جائیں (۵۲ + ۸) تو ہمیں بمبسار کی تخت نشینی کی تاریخ یعنی ۵۴۳ - (نفی) ۵۴۴ دستیاب ہو جائے گی[2] بمبسار بدھا کا شروع ہی سے مربی و محسن تھا اور اس نے بانسوں کے مشہور و معروف باغ (کرندویوان) بدھا کی طیب خاطر کے لیے اُن کی نذر کیا۔ وہ بھکشوؤں کو کھانا کھلایا کرتا تھا۔ اس نے بھکشوؤں کو کرائے اور کشتیوں کے محصول سے مستثنیٰ کر دیا تھا۔ لیکن بمبسار نے دوسرے فرقوں کو بھی عطیات سے نوازا اور ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اس راستہ پر کہاں تک کامیابی کے ساتھ چل سکا۔ حقیقت یہ ہے کہ اتراج ہیئن (اترادھیئن) سوترا اور دوسری جین مذہب کی کتابیں بمبسار کو مہاویر کا معتقد اور جین دھرم کا پیرو ظاہر کرتی ہیں۔

اجات شترو

بمبسار کے بعد تقریباً ۴۹۱ ق۔م میں اجات شترو کو جسے کنک بھی کہتے ہیں

---

[1] پرانوں کی سند سے بمبسار کا دورِ حکومت ۲۸ سال رہا۔

[2] ملاحظہ ہو پولٹیکل ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن، صفحہ ۱۸۱ تا صفحہ ۱۸۶

مگدھ کی راج گدی ملی۔ باپ کی زندگی میں اجات شترو انگ کی راجدھانی چمپا کا وائسرائے تھا جہاں اس نے فن حکمرانی میں مہارت حاصل کی۔ روایت میں ہے کہ اجات شترو نے بدھا کے چچازاد بھائی دیودت کے اُکسانے سے جو سنگھ کی قیادت کا امیدوار تھا اپنے باپ کو قید کر دیا اور بھوکا مار ڈالا[1] اس داستان کو حرف بہ حرف تسلیم کرنا مشکل ہے، البتہ یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ بمبسار کا انجام المناک ہوا اور اس میں مکر و فریب کو بھی شاید کافی دخل رہا۔[2] اس کے بعد سامن پھل سوتا اجات شترو کو بدھا کے سامنے اس بہیمانہ جرم پر اظہار تاسف کرتے ہوئے ظاہر کرتا ہے اور یہ عظیم مصلح اس کی توبہ قبول کر کے اسے گھر" جانے اور آئندہ پاپ نہ کرنے" کی ہدایت کر دیتا ہے بھارُوت کی سنگ تراشی کا ایک نمونہ جو دوسری صدی ق۔م کی یادگار ہے، اجات شترو کی بدھا سے ملاقات کی تصویر پیش کرتا ہے:

شوہر کی اس طرح دردناک موت سے کوشل دیوی کو صدمۂ عظیم پہنچا اور فرطِ غم سے وہ بھی مر گئی۔ پسینے ندی نے کاشی کی مالگذاری جو اس کے حق میں "پاندان کے خرچ" کے بطور واگذاشت کی گئی تھی، ضبط کر لی۔ یہ واقعہ اجات شترو اور پسینے ندی کی باہمی دشمنی کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ دونوں میں ایک طویل عرصے تک جنگ کا سلسلہ جاری رہا، جس میں پلہ کبھی ایک کا بھاری رہتا کبھی دوسرے کا۔ آخر کار دونوں میں صلح ہو گئی۔ صلحنامہ کی رو سے مگدھ کے راجا کو نہ صرف متنازعہ کاشی حاصل ہوا بلکہ پسینے ندی کی لڑکی وَجرا سے اس کی شادی بھی ہو گئی اور اس کے بعد کاشی مستقل طور سے مگدھ کی سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔

اجات شترو کے دَورِ حکومت کا اگلا اہم واقعہ یہ ہے کہ اُس کے اور مجھوی خاندان کے درمیان مجادلہ ہوا۔ اس مجادلہ کے اسباب کیا تھے، اس پر روایتوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے اس کا سبب یہ ہو کہ چیٹک نے اجات شترو

---

[1] اجات شترو پر یہ الزام ہے کہ جب بمبسار کو چھرے سے قتل کرنے کی سازش ناکام ہو گئی تو بمبسار اس کے حق میں گدی سے دست بردار ہو گیا۔

[2] جین روایت اجات شترو کو بہرحال پدرکشی کا مرتکب نہیں ٹھہراتی۔

کے سوتیلے بھائیوں کو جو اپنی بعض بیش قیمت اشیاء کے ساتھ ویشالی میں پناہ گزیں تھے، اس کے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ یا یہ ہو سکتا ہے کہ لچھویوں نے ہیرے جواہرات کی ایک کان کے سلسلہ میں اسے فریب دیا تھا۔[1] لیکن اصل سبب اس کا یہ تھا کہ وہ ہمسایہ لچھوی ریاست کو جس میں چند سردار مل کر حکومت کرتے تھے تباہ کرنا چاہتا تھا۔ اجات شترو جیسے جاہ پرست راجا کی نظروں میں ایک عرصے سے یہ ریاست کانٹے کی طرح کھٹک رہی تھی۔ اس نے یقینی طور پر فتح حاصل کرنے کے لیے تمام ضروری پیش بندیاں کرلیں۔ اس نے اپنے دو معتمد وزیروں۔ سُنیدھ اور وسّاکر کو لچھوئی سرداروں کے پاس گفت و شنید کے لیے بھیجا۔ بڑی احتیاط سے اس نے اپنی فوج کی تنظیم کی اور طاقتور اور مہلک ہتھیاروں سے اُسے آراستہ کیا۔ جنگ اگرچہ طوفانی اور خوں آشام تھی لیکن اجات شترو کے حق میں فیصلہ کن ثابت ہوئی اور لچھوی علاقہ پر اس کا قبضہ ہوگیا۔ غالباً وشالی کی فتح کے بعد وہ فتوحات کرتا ہوا شمال میں آگے بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ پہاڑ کے دامن میں تمام علاقوں نے اس کی اطاعت قبول کر لی۔ چنانچہ انگ، کاشی، ویشالی اور دیگر اِردگِرد کے علاقوں کے شامل ہو جانے سے مگدھ شمالی ہند کی سب سے طاقتور سلطنت بن گئی۔ ظاہر ہے اُس سے اونتی کی آتشِ حسد بھڑک اٹھی، اور حالانکہ پردّوتیہ کے حملہ سے تحفظ کے لیے اجات شترو نے اپنی راجدھانی میں قلع بندی کی، لیکن روایات سے یہ پتا نہیں چلتا کہ اُسے اس مہم میں کامیابی بھی نصیب ہوئی۔ پالی کتب میں اس کے عہدِ حکومت کی مدت ۳۲ سال مندرج ہے۔ لیکن پرانوں میں یہ مدت ۲۷ سال ظاہر کی گئی ہے۔ جین مذہب کی کتابوں میں اجات شترو کو جین مت کا پیرو بتایا گیا ہے، لیکن بدھ مذہب کی کتابیں ہمیں یہ رائے قائم کرنے پر مجبور کرتی ہیں کہ اجات شترو آخر عمر میں بدھا کے عظمت و جلال کا قائل ہو گیا تھا اور بدھا کی اخلاقی تعلیم ہی نے اسے دائمی سکون بخشا۔ اسی بنیاد پر اجات شترو بدھا کے تبرکات میں حصہ کا دعوے دار ہوا ایک استوپ میں ان تبرکات کو اس نے محفوظ کر دیا۔

---

[1] پولیٹکل ہسٹری آف انشینٹ انڈیا، چوتھا اڈیشن صـ۱۸۱

فصل (۳)

مذہبی تحریکیں

چھٹی صدی ق۔م بنی نوع انسان کی تاریخ میں ایک عصر آفریں دَور تھا۔ دنیا کے مختلف خطوں میں جو ایک دوسرے سے کافی دُوری پر واقع تھے اس زمانے میں غیر معمولی ذہنی اور روحانی ہیجان پایا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر فارس میں زرتشت اور چین میں کنفیوشس اسی زمانے میں اپنی تعلیمات کی اشاعت کر رہے تھے۔ جوشیلی طبیعتیں ہندستان میں بھی تلاشِ حق میں سرگرم عمل تھیں اور اس تمام جوش و خروش کا مرکز مگدھ تھا جہاں برہمنی اثرات کبھی اتنے گہرے ہوئے تھے نہ قوی۔ اُپ نشدوں نے بے تکی رسموں اور خونی قربانیوں کے خلاف پہلے ہی سے بغاوت شروع کر دی تھی۔ برہمنوں کی ریاکاری اور تفریق پسندی نے جو عام لوگوں کے لیے عذاب جان بنی ہوئی تھی نئے نئے نظریات کے لیے پہلے ہی سے میدان تیار کر رکھا تھا۔ کافی تعداد میں معلمین ملک میں گھوم رہے تھے اور آتما اور پرتما سے متعلق دقیق مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور یہ سمجھا رہے تھے کہ علم و آگہی یا نفس کُشی کے ذریعہ پیدائش اور موت کی لامتناہی تکلیف سے کس طرح چھٹکارا پایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ بے شمار اصلاحی مکاتبِ فکر[1] اُبھرے جن میں سے بعض بہت جلد معدوم ہو گئے اور بعض کچھ دنوں کے بعد اپنی افادیت کھو بیٹھے۔ بہرحال ان میں دو۔ یعنی جین مت اور بدھ مت، اتنے توانا ثابت ہوئے کہ زندہ رہ گئے اور آج بھی بنی نوع انسان کے فکر و عمل پر بڑی حد تک اثر انداز ہیں۔

مہاویر کی زندگی

جینیوں کا کہنا ہے کہ ان کا مذہب بعید ترین ماضی میں وجود میں آیا۔ اُن کا عقیدہ

---

[1] پالی روایات میں آیا ہے کہ جب بدھا نے تبلیغ شروع کی تو اس وقت ۶۲ سے زیادہ مذہبی فرقوں کا وجود پایا جاتا تھا (جینیوں کی کتابوں میں تعداد ۳۶۳ ظاہر کی گئی ہے) ان فرقوں میں حسب ذیل قابل ذکر ہیں۔ آجیوک، جٹی لک، منڈ ساوک، پریوراجک، ماگن ڈِک، گوتمک، تیدن وک وغیرہ۔ بدھا کے علاوہ اس وقت کے دیگر معلمین کے نام یہ ہیں۔ پُران کسپا، مکھلی گوشال، نگنتھ ناث پُتّ، اجیت کیش کمبل، پکدھ کچاین، سنجیہ بلٹھ پُتّ۔

ہے کہ ان کے آخری تیرتھنکر مہاویر تھے۔ لیکن ان سے پہلے ان کے ۲۳ تیرتھنکر اور گذرے ہیں۔ ان سے پہلے ان کے آخری تیرتھنکر مہاویر تھے۔ ان کے پہلے کے تیرتھنکروں میں پارشوناتھ تاریخی شخصیت معلوم ہوتے ہیں لیکن باقی سب ہستیاں دھندلی اور دیومالا کے غلاف میں لپٹی ہوئی ہیں۔ پارشوناتھ بنارس کے راجا آشوسین کے لڑکے تھے، لیکن پارشوناتھ نے راج پاٹ چھوڑ کر روحانی زندگی اختیار کرلی۔ ان کی ہدایات یہ تھیں۔ (۱) کسی کو گزند مت پہنچاؤ۔ (۲) جھوٹ مت بولو۔ (۳) چوری مت کرو (۴) کسی چیز کے مالک مت بنو۔ ہمیں نہیں معلوم وہ اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوئے۔ لیکن اگلے تیرتھنکر، مہاویر نے، جو پارشوناتھ کے ۲۵۰ سال بعد پیدا ہوئے اس مذہب کو یقیناً چار چاند لگا دیے۔ بچپن میں مہاویر کو ان کے گھر والے ورددھمان کہتے تھے۔ ویشالی کے قریب کنڈ گرام نامی گاؤں میں ان کی پیدائش ہوئی۔ ان کے باپ سدھارتھ چھتریوں کے گیا منترک نامی گروہ کے سردار تھے۔ ان کی ماں کا نام تریشالا تھا۔ وہ لچھوی سردار چیٹک کی بہن تھیں، وہی چیٹک جس کی بیٹی کی شادی بمبسار سے ہوئی تھی۔ اس طرح وردھمان ایک امیر گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی امارت نے ضرور انھیں تبلیغی کام میں سہارا دیا ہوگا۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تیس سال کی عمر تک گرہستی کی زندگی گذارنے کے بعد وہ گھر سے نکل گئے اور تارکِ الدنیا ہو گئے۔ انھوں نے بارہ سال غور و فکر میں گذارے اور سخت تپ کیا۔ آخر کار انھیں معرفت حاصل ہو گئی (کیولیہ) اور انھیں "نرگرنتھ" (آزاد)، یا "جن" (فاتح) کا لقب دیا گیا اور اسی پر ان کے پیروؤں کا نام بھی پڑا۔ اس وقت سے لے کر مرتے دم تک، جبکہ ان کی عمر بہتر ۷۲ سال تھی گویا تیس سال انھوں نے مگدھ، انگ، متھلا، اور کوشل میں اپنے مذہب کی تبلیغ کی۔ پارشو کی بتائی ہوئی چار نیکیوں میں انھوں نے ایک نیکی کا اضافہ کیا، یعنی۔ پاکبازی۔ انھوں نے لباس ترک کر دیا۔ اور برہنہ رہنے لگے۔ بعض عالموں کا خیال ہے کہ جین دھرم کی سو تام براور ڈگمبر فرقوں میں تقسیم کی ابتدا مہاویر کے اسی عمل سے ہوئی لیکن یہ رائے قرین عقل نہیں ہے کیونکہ بھدربا کے زمانے میں قحط پڑا اور جینی جنوبی ہندستان چلے گئے۔ وہاں سے واپسی پر یہ فرقہ بندی عمل میں آئی۔ مہاویر کی وفات تقریباً ۵۲۷ ق۔م[1] میں پاوا پُری

[1] مہاویر کی وفات کی دوسری تاریخ ۴۶۸ ق۔م بھی بتائی جاتی ہے۔

کے مقام پر (ضلع پٹنہ میں) ہوئی اس تاریخ سے بعض عالم بہرحال متفق نہیں ہیں۔

جین مت کے خاص عقائد

جین مذہب والے ویدوں کو الہامی نہیں مانتے [1] اور نہ قربانی کی رسموں کو کوئی اہمیت دیتے ہیں۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ کائنات کے چھوٹے چھوٹے ذرہ میں بھی روح (جیو) ہوتی ہے۔ جس میں قدرت نے شعور بھی ودیعت کیا ہے۔ اس عقیدہ کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ جینیوں نے اہنسا یا تمام جانداروں پر رحم کرنے کے اُصول کی پابندی انتہائی احتیاط سے کی۔ جب اس پر سختی سے عمل درآمد کیا گیا تو عجیب متضاد صورتیں رونما ہوئیں۔ یعنی تاریخ میں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ جین راجا نے جانوروں کے جان سے مار ڈالنے والوں کو پھانسی کی سزا دے دی۔ جینی کسی عالمگیر روح یا قدرت مطلقہ کے قائل نہیں جو دنیا کی خالق ہو جس کے وجود کے باعث نظام کائنات قائم و برقرار ہو۔ وہ اس کے قائل ہیں کہ "انسان کی روح میں جو طاقتیں مخفی ہیں پرماتما ان کا بہترین، بلند ترین، اور مکمل ترین مظہر ہے [2] جینیوں کے نزدیک زندگی کی منزل مقصود یہ ہے کہ انسان مادی وجود کے بندھن توڑ کر نجات حاصل کرے۔ روح کے جسمانی شکل اختیار کرنے کا سبب یہ ہے کہ جسم میں "کرم" (عمل) کا مادہ موجود ہے، اس لیے اگر جین کرم سے چھٹکارا حاصل کرے جو اُسے گذشتہ زندگیوں سے ورثہ میں ملا اور جب بھی حاصل کرے، تو اسے "موکش" (نجات) مل جائے گا اور نئی زندگی نہیں ملے گی۔ اس منزل تک پہنچنا تین ہیروں (تری رتن) پر منحصر ہے۔ راسخ اعتقاد، حقیقی علم اور نیک چلن۔ جینی تپ، یوگی مشقوں اور فاقہ پر بہت زور دیتے ہیں یہاں تک کہ جان بھی چلی جائے تو پروا نہیں کرتے۔ خیال یہ ہے کہ زندگی میں نظم و ضبط روح کو طاقت پہنچاتا ہے اور مادۂ اسفل کو تسخیر کر لیتا ہے [3]

---

[1] جین اپنی علیحدہ خیر سار رکھتے ہیں۔ [2] سرا ایس۔ رادھاکرشنن، انڈین فلاسوفی، جلد اول ص۳۲۳ [3] ملاحظہ ہو مسز ایس۔ اسٹی ونسن، دا ہارٹ آف جینا ازم جگ مندر لال جینی، آؤٹ لائنس آف جینا ازم (کیمبرج ۱۹۱۶ء)؛ بڑودیہ ہسٹری اینڈ لٹریچر آف جینا ازم بمبئی ۱۹۰۹ء؛ رادھاکرشنن، انڈین فلاسوفی، جلد اول، باب ششم، ص۲۸۶ تا ص۳۴۰ سی۔ ایل۔ شاہ جینا ازم ان نارتھ انڈیا۔

بدھا کی زندگی

جین مت کی طرح، بدھ مت کے بانی بھی ایک ممتاز چھتری تھے ان کا گھریلو نام گوتم تھا۔ لیکن زیادہ تر انھیں ان کے روحانی لقب "بدھا" سے یاد کیا جاتا ہے وہ کپل وستو کے قریب لمبنی کے باغ (موجودہ رُمندی یا رُوپن دیہی) میں ماما کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ان کے باپ سدھودن ایک مشہور معروف شاکیہ قبیلے کے "راجا" تھے بیٹے کی مفکرانہ طبیعت سے گھبرا کر انھوں نے کم سنی ہی میں ان کی شادی گوپا، یا یشودھرا کے ساتھ کردی اور ہر قسم کا سامانِ عیش و عشرت ان کے لیے فراہم کر دیا۔ لیکن بیماری اور تکلیف سے بھری دنیا میں غور و فکر میں محو رہنے والے گوتم کو ان رنگینیوں سے تسکین نہ ہوئی۔ چنانچہ جب وہ عمر کے انتیسویں سال میں تھے تو ایک رات کو اپنی بیوی اور نوزائیدہ بچے راہلا کو سوتا ہوا چھوڑ کر گوشہ نشینی کی زندگی میں سکون تلاش کرنے وہ محل سے نکل کھڑے ہوئے۔ اوّل انھوں نے اس زمانے کے دو ممتاز استادوں آلار کالام اور اُدرک رام پُت سے تعلیم حاصل کی۔ لیکن جب یہاں بھی انھیں دماغی سکون میسر نہ آیا تو گوتم موجودہ بودھ گیا کے قریب اُرویلا کے جنگل کی تنہائیوں میں جا کر جسم کو سخت سے سخت تکلیف پہنچانے کی مشقیں کرنے لگے۔ انھوں نے ایسی زبردست ریاضت کی کہ وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گئے۔ لیکن چونکہ وہ اپنی منزل سے ابھی کوسوں دور تھے اس لیے انھوں نے تزکیۂ نفس کے اس تکلیف دہ طریقہ کو جو بہت عام مگر عبث تھا، ترک کر دیا اور سلجاتا کے کہنے سے جو پیڑ پوجا کے لیے گئے ہوئے تھے دودھ پینا شروع کر دیا۔ آخر کار ایک دن، رات کے وقت جب وہ ایک سایہ دار درخت کے نیچے گھاس کی گدی پر بیٹھے ہوئے تھے تو انھیں نور نظر آیا اور وہ "بدھا" ہو گئے یعنی مکمل طور پر "عارف"۔ اس وقت ان کی عمر ۳۵ سال تھی۔ انھیں شک تھا کہ آیا لوگ ان کے پیغام کی رمزیت کو سمجھ سکیں گے یا نہیں۔ اس لیے قدرے تامل کے بعد انھوں نے سب سے پہلے اپنے مذہب کی تبلیغ کا کام موجودہ سارناتھ میں شروع کیا۔ سب سے پہلے جنھوں نے ان کا مذہب قبول کیا وہ وہی پانچ بھکشو تھے جنھوں نے اُرویلا کے جنگلوں میں یہ سمجھ کر اُن کا ساتھ چھوڑ دیا تھا کہ شرامن بدھا لذات دنیا کی خاطر ریاضت و نفس کشی کے راستہ

سے ہٹ گئے۔ ان کی زندگی کے اگلے ۴۵ سال کا عرصہ سخت حرکت و عمل کا زمانہ تھا۔ انھوں نے لوگوں پر اُن کی دیسی زبان میں اپنے مذہب کی تبلیغ کی اور اپنی عمدہ تعلیم بے پناہ مہربانی، اخلاقی بلندی اور سچی ہمدردی سے لوگوں کے دل و دماغ کو جیت لیا۔ راجا پرجاسب نے ان کی مدد کی اور بہت جلد اُن کے "سنگھ" نے ایک طاقت ور تنظیم کی صورت اختیار کرلی۔ ہندستان میں اگرچہ بدھ مذہب کی رفتار کو ثبات و استقلال میسر نہ ہوسکا اور آج وہ اپنی جائے پیدائش میں بالکل مفقود و معدوم ہوگیا ہے لیکن مشرق اور مشرق بعید میں وہ آج بھی ایک طاقت ور مذہب ہے اور ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دل و دماغ پر مختلف عنوان سے حکمرانی کر رہا ہے[1]

بدھا کی تاریخ وفات

ایک طویل عرصہ تک کامیابی کے ساتھ تبلیغ و اشاعت کے بعد بدھا نے کوشی نگر (ضلع گورکھپور میں موجودہ کاشی) کے مقام پر اسّی سال کی عمر میں وفات پائی۔ کچھ سال ہوئے یہاں ان کا ایک عظیم الشان مجسمہ دستیاب ہوا ہے جس میں انھیں تکیہ کے سہارے بیٹھے ہوئے پیش کیا گیا ہے۔ ان کی تاریخ وفات کا تعین ایک مشکل کام ہے۔ اور سانحہ وفات ہی ہماری ترتیب وار تاریخ کے سلسلہ کی سب سے اہم کڑی ہے۔ ونسنٹ اسمتھ نے تاریخ وفات ۴۸۷ء، ۴۸۶ق۔م متعین کی ہے، لیکن ۴۸۳ ق۔م جو تمام واقعات اور حالات جانچنے کے بعد فلیٹ اور گیگر نے قائم کی ہے، حقیقت سے قریب تر معلوم ہوتی ہے[2]

بدھا کی تعلیمات

بدھا کی تعلیمات بہت سادہ اور قابل عمل تھیں۔ انھوں نے آتما اور پرماتما سے متعلق مسائل کی طرف بالکل توجہ نہیں کی۔ ان کا خیال تھا کہ یہ بحث انسان کی اخلاقی

---

[1] ملاحظہ ہو ای۔ جی۔ تھامس، 'دی لائف آف بدھا (لندن، ۱۹۲۷ء)؛ ایچ اولڈن برگ، بدھا (لندن ۱۸۸۲ء)

[2] اس کے برخلاف دوسرے عالم بدھا کے پری نروان کی تاریخ ۵۴۳ ق۔م۔ قرار دیتے ہیں۔

ترقی میں مدد نہیں دے سکتی۔ اُن کا کہنا تھا کہ دنیا کی ہر شے عارضی اور ناپیدار ہے (مُرُدَنُ اَنِچن یا اَنِت ین) اپنے وقت کے دوسرے معلموں کی طرح وہ سمجھتے تھے کہ انسان کا وجود ایک معصیت ہے، لیکن انسانی رنج و محن ایک بھیانک حقیقت ہے اور اس کے باعث وہ بے چین و متردد رہتے تھے " اسی لیے انھوں نے تکلیف و غم کے اسباب کا تجزیہ کرنے اور اس کے خاتمہ کا طریقہ دریافت کرنے پر پوری توجہ صرف کی۔ انھوں نے چار اعلیٰ حقیقتوں (چتّاری آریہ سچّالی) کا اعلان بڑی شدومد کے ساتھ کیا۔ یعنی تکلیف (دکھ)، تکلیف کا سبب (دُکھ سمودائے)، تکلیف ختم کرنے کا راستہ (دُکھ نرودھ گامنی پرتی پد)۔ ان کا قول تھا کہ تکلیف کی جڑ انسان کی "خواہش" (ترشنا) ہے اس کا فنا کر دینا تکلیف کو ختم کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔ وہ اس کے قائل تھے کہ موت بھی اس سے چھٹکارا نہیں دلا سکتی، کیوں کہ مرنے کے بعد انسان دوسرا جنم لے لیتا ہے اور مزید تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس پیاس (ترشنا) کو بجھانا صرف اس طرح ممکن ہے کہ لوگ آٹھ بہترین اصولوں کے راستے[1] پر چلنے لگیں۔ وہ آٹھ اصول یہ ہیں: (۱) راسخ عقیدہ (۲) صاف خیالات (۳) راست گفتار (۴) نیک عمل (۵) پاک روزی (۶) صحیح کوشش (۷) مناسب یادداشت اور موزوں مراقبہ[2] اسے درمیانی راستہ (مجھم مگا) کہتے تھے کیوں کہ اس کے ذریعہ شدّت کے ساتھ عیش پرستی اور ضرورت سے زیادہ زہد دونوں حدوں سے بچ کر نکلنا ممکن تھا۔ جو لوگ دنیاداری کو ترک نہیں کرنا چاہتے تھے وہ اس راستے پر چل کر کامیابی حاصل کر سکتے تھے جو لوگ سنگھ میں داخل ہو جاتے تھے وہ نبھان، یا نروان، یا "شخصیت کی فنا" (۱)، کی منزل تک پہنچنے کی کوشش کرتے تھے۔ بدھا فکر، قول اور عمل کی پاکیزگی پر زور دیتے تھے۔ اسے تقویت پہنچانے کے لیے انھوں نے دس احکامات

---

[1] اشٹانگک مارگ [2] (१) सम्यक दृष्टि (२) सम्यक संकल्प (३) सम्यक वाक (४) सम्यक कर्मान्त (५) सम्यक आजीव (६) सम्यक व्यायाम (७) सम्यक स्मृति (८) सम्यक समाधि

صادر کیے تھے۔ پہلے دس احکام پر عمل کرنا دنیا داروں کے لیے بھی ضروری تھا۔ وہ احکام یہ تھے (۱) دوسروں کے مال پر لالچ کی نظر نہ ڈالو (۲) کسی کی جان نہ لو (۳) نشیلی چیزیں استعمال نہ کرو (۴) جھوٹ نہ بولو (۵) زنا نہ کرو (۶) ناچ گانے میں شرکت نہ کرو (۷) مالش کی چیزیں، پھول، عطریات استعمال نہ کرو۔ (۸) نا وقت کھانا نہ کھاؤ (۹) آرام دہ بچھونے پر نہ سوؤ اور (۱۰) کسی سے روپیہ پیسہ نہ لو۔ نہ اپنے پاس رکھو۔ اس طرح بدھا نے اپنے چیلوں کے لیے خالص عملی زندگی کے اصول مرتب کر دیے تھے۔ فلسفیانہ بحث و مباحثہ کو وہ روحانی ترقی کے منافی سمجھتے تھے۔ سب سے زیادہ اہم بات یہ تھی، جس سے سب مطمئن اور خوش تھے کہ ان کے پیغام کو مرد عورت، بوڑھے، بچے، امیر غریب، برہمن شودر سب یکساں طور پر قبول کر سکتے تھے [1]

جین مت اور بدھ مت کا باہمی تعلق

ایک عرصہ تک عام خیال یہ رہا کہ جین مت بدھ مت کی ایک شاخ ہے یا اس کے برعکس بدھ مت جین مت کی شاخ ہے۔ اگرچہ دونوں مذہبوں میں بہت سی باتیں مشترک ہیں لیکن کسی ایک کا دوسرے کی شاخ ہونے کا تصور اب بالکل فرسودہ ہو گیا ہے۔ دونوں ویدوں پر ایمان نہیں رکھتے، رسموں کی افادیت کے دونوں منکر ہیں، پرماتما کے سوال کو دونوں نے نظرانداز کیا ہے۔ پیدائش کی بنیاد پر امتیازات کی دونوں نے مذمت کی ہے۔ اہنسا کے اصول اور آئندہ زندگی میں کرم (اعمال) کے اثرات پر دونوں نے زور دیا ہے۔ دونوں مذہبوں نے رائج الوقت عقائد اور توہمات کے ساتھ رواداری برتی ہے۔ بے شک دونوں مذہبوں میں بڑی واضح مشابہت پائی جاتی ہے۔ لیکن بعض بنیادی مسائل میں ان کا نقطۂ نظر ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو ٹی۔ ڈبلیو۔ (ا) ہس دے وڈس، بدھزم (لندن ۱۸۷۷)؛ (ب) ایچ۔ سی۔ کرن، مینول آف انڈین بدھزم (اسٹراسبرگ ۱۸۹۶ء) اے۔ بی۔ کیتھ، بدھسٹ فلاسوفی ان انڈیا اینڈ سیلون (آکسفورڈ ۱۹۲۳ء)؛ رادھاکرشنن انڈین فلاسوفی، جلد اول، باب ہشتم و نہم صفحہ ۳۴۲ تا صفحہ ۰۳۔

مثال کے طور پر۔ بدھ مت کی تعلیم یہ ہے کہ دنیا کی ہر شے "انا" سے عاری (اُنا تُم وادی) ہے۔ جبکہ جین مت سکھاتا ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ ذی روح (جیو) ہے۔ جین مت ریاضت اور نفس کشی کی تقدیس کا قائل ہے۔ اس کے برعکس، بدھا نے درمیانی راستہ اختیار کرنے اور زاہدانہ زندگی اور نفس پرستی کی حدوں سے بچ کر نکلنے کی تلقین کی ہے۔ نجات پاسکنے سے متعلق بھی ان کے نظریات بالکل یکساں نہیں ہیں۔ چونکہ دونوں مذہب ایک ہی ملک اور ایک ہی عہد میں پیدا ہوئے اس لیے ان میں یکساں خصوصیات کا پایا جانا غیر متوقع نہیں ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ اختلافات بھی اس قدر نمایاں ہیں کہ ان میں رقابت کا سلسلہ بھی کافی عرصے تک جاری رہا۔

فصل (۴)

اقتصادی حالات

دیہاتی تنظیم

جاتک کہانیوں، پٹیکوں اور پالی زبان کی دیگر کتب سے ہمیں بدھ مذہب کے عروج کے وقت ہندستان کے اقتصادی حالات کے بارے میں دلچسپ معلومات فراہم ہوجاتی ہے۔ آجکل کی طرح اس زمانے میں بھی زیادہ تر لوگ گانوں میں رہتے تھے۔ گانو (گرام) کی آبادی نسبتاً بہت مختصر رقبہ میں مرکوز ہوتی تھی اور تحفظ کے خیال سے جھونپڑیاں (گریہہ) بہت قریب قریب اور گتھی ہوئی بنائی جاتی تھیں۔ گانو کے ارد گرد کھیت (گرام کشیتر) ہوتے تھے۔ جن میں کاشت کی جاتی تھی۔ کھیتوں کو پانی کی نالیوں کے ذریعہ قطعوں میں تقسیم کردیا جاتا یا مشترکہ میڈوں کے ذریعہ ان کی حد بندی کردی جاتی تھی۔ مقبوضہ حقیقتیں عام طور پر مختصر ہوتی تھیں، لیکن بڑی بڑی حقیقتوں کا وجود بھی معدوم نہ تھا۔ گانو سے متصل جوبن (وَن مادا وَ یا دا ئے) ہوتا، یا چراگاہیں ہوتیں، ان پر تمام گانو والوں کا مشترکہ حق ملکیت ہوتا تھا۔ ایک چرواہے (گوپالک) کی نگرانی میں جس کی مزدوری کا خرچ تمام گھر والے مجموعی طور پر برداشت کرتے تھے مویشیوں کو ان چراگاہوں میں بھیج دیا جاتا تھا۔

گانو کی اقتصادیات کا دارومدار دیہی حقیت داری پر تھا۔ لیکن کوئی شخص گرام سبھا کی اجازت کے بغیر اپنے حصہ کی زمین فروخت کرسکتا تھا نہ رہن رکھ سکتا تھا مالک اپنے کھیتوں کو خود جوتتا بوتا تھا

لیکن اکثر مزدوروں یا غلاموں سے بھی یہ کام لیا جاتا تھا۔ بڑی بڑی زمینداریاں یا بڑے بڑے زمیندار نہیں ہوتے تھے راجا گانو کے مکھیا (گام بھوجک) کے ذریعہ پیداوار کے چھٹے حصے[1] تک بطور محصول وصول کرتا تھا۔ مکھیا گانو کی اہم شخصیت ہوتا تھا۔ گانو میں حکومت کا کاروبار وہی چلاتا تھا۔ اُس وقت یا تو اس کا عہدہ موروثی ہوتا تھا، یا گرام سبھا اُسے منتخب کرتی تھی۔ گرام سبھا سے گانو میں امن و امان قائم کرنے اور گانو کے تحفظ میں بھی مدد دیتی تھی۔ گانو والے پختہ مدنی شعور کے حامل ہوتے تھے۔ جب کبھی آبپاشی کے لیے نالیاں بنانی ہوتیں، یا کچے ہال اور قیام گاہیں تعمیر کرنی ہوتیں تو گانو کے تمام باشندے مل کر ان کاموں کو انجام دیتے تھے۔ اس قسم کے مفادِ عامہ کے کاموں میں عورتیں بھی مردوں کے ساتھ بھرپور تعاون کرتی تھیں۔ مجموعی طور پر، ہر گانو خود کفیل ہوتا تھا اور لوگ سادہ اور تصنع سے پاک زندگی گذارتے تھے۔ کھاتے پیتے لوگوں کی تعداد اگرچہ کم تھی، لیکن نادار محتاج کوئی نہیں ہوتا تھا۔ جرائم کمیاب تھے۔ البتہ خشک سالی یا سیلاب کے باعث لوگوں کو بعض اوقات قحط کی تکالیف کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔

شہر

بدھ مذہب کی کتابوں میں بہت کم شہروں (نگروں یا نگموں) کا ذکر آیا ہے۔ ان میں خاص خاص کے نام یہ ہیں۔ بارانسی (بنارس)، راج گِرہ (راج گرِیہہ)، کوشامبی، ساوتھی (شراوستی)، وشالی (ویشالی)، چمپا، کھیلا، ایودھیا یا اجودھیا، اُجینی (اجین)، متھرا وغیرہ۔ پاٹلی پتر کی راجدھانی اس وقت تک وجود میں نہیں آئی تھی۔ شہروں کو قلعے بنا کر مستحکم کیا جاتا تھا اور مکانات کی تعمیر میں لکڑی اور اینٹ دونوں استعمال میں لائی جاتی تھیں۔ غریب لوگ اس وقت بھی جھونپڑیوں میں رہتے تھے جیسے آج رہتے ہیں۔ امیر لوگ عالی شان مکانوں میں رہتے تھے جن کی دیواروں پر استرکاری ہوتی تھی اور اندر اور باہر ان پر رنگ و روغن کیا جاتا تھا۔ شہروں میں آرام و آسائش کا سامان زیادہ مہیا رہتا تھا اور لوگ مسرت و اطمینان کی زندگی گذارتے تھے۔

صنعت و حرفت

لوگوں کا خاص پیشہ تو زراعت ہی تھا، لیکن دوسرے حرفوں میں بھی لوگوں نے کافی ترقی کر لی تھی، مثلاً بڑھئی کا کام جس میں بیل گاڑیاں اور کشتیاں بنانا بھی شامل تھا۔ تعمیر، چمڑے کا لباس تیار کرنا، مٹی کے برتن بنانا، ہار گوندھنا، کپڑا بننا، ہاتھی دانت کا کام،

[1] منو کہتے ہیں راجا کو مویشیوں اور سونے کی تجارت پر تاجروں سے پچاسواں حصہ محصول لینا چاہیے اور کاشتکاروں سے پیداوار کا چھٹا، آٹھواں حصہ لینا چاہیے (منو سمرتی ہفتم، ۱۳۰) اس کے علاوہ خاص خاص محصولوں، بیگاروں اور زائد مطالبوں کا ذکر بھی سننے میں آتا ہے۔

مٹھائیاں بنانا اور زیورات اور قیمتی دھاتوں کا کام [1] دوسرے پیشے (ہین سپٹ) بھی پائے جاتے تھے، مثلاً چمڑا کمانا، مچھلی پکڑنا، شکار کھیلنا، ناچنا، اداکاری، سپیرے کا کام اور کپڑا بُننا وغیرہ۔ ان پیشوں کے ساتھ سماجی پستی کا تصور وابستہ تھا۔ عام طور سے نوجوان اپنے باپ کا پیشہ اختیار کرتے تھے، لیکن اس کے برعکس مثالیں بھی ملتی ہیں، کیونکہ ہمیشہ پیشے سے کسی کی ذات طے نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جولاہا تیرانداز بن جاتا، چھتری کھیتی باڑی کرنے لگتا اور برہمن تجارت کا پیشہ اختیار کرلیتا، یا بڑھئی کا کام کرنے لگتا، یا مویشیوں کی دیکھ ریکھ شروع کر دیتا۔

ہم پیشہ لوگوں کی انجمنیں

ایک ہی پیشہ اختیار کرنے والے اپنے اپنے پیشوں کی انجمنیں (شیرینی) بنا لیتے اور کسی ایک مقام، محلہ، یا کوچہ (ویتھی) میں رہنے سہنے لگتے یا اپنے پیشہ کا علیحدہ مرکز بنا لیتے تھے۔ جاتکوں میں اس قسم کے کم ازکم اٹھارہ گروہوں کا ذکر موجود ہے۔ ہر انجمن کا ایک صدر (پرمکھ) یا "میر بلدہ" (جیٹھک) ہوتا تھا۔ یہ ایک بہت ذمہ دار اور باعزت عہدہ دار ہوتا تھا۔ بعض اوقات یہ بھی ہوتا تھا کہ قرابت، یک رنگی اور اتصال پیدا کرنے کے لیے کئی کئی انجمنیں (پیاورگ) متحد ہوکر ایک مشترک مکھیا یا چودھری کے ماتحت کام کرتی تھیں۔

تجارت اور تجارتی راستے

اُس زمانے میں تجارت، اندرونی اور بیرونی، دونوں سطحوں پر کافی چُست تھی۔ بیوپاری ریشمین کپڑا، تن زیب، چاقو، زرہ بکتر، زربفت، زردوزی، نمدا، عطریات، مشروبات، ہاتھی دانت کی چیزیں اور زیورات وغیرہ کی تجارت میں خوب نفع کماتے تھے۔ ملک کے بڑے بڑے دریاؤں پر وہ لمبے لمبے سفر کرتے اور مشرق میں تامرلپتی (تملوک) سے اور مغرب میں بھارڈ کچھ (بھڑوچ) سے ساحلی سفر بھی اختیار کرتے تھے۔ باویرو (بابل) تک بحری سفر کے حوالے بھی ملتے ہیں۔ ملک کے اندر بیوپاری مقررہ شاہراہوں پر جو ملک کے مختلف حصوں کو ایک دوسرے سے ملاتی تھیں آمدورفت رکھتے تھے۔ ان میں سے

---

[1] جاتکوں میں اٹھارہ خاص خاص پیشوں کی فہرست مندرج ہے۔ اس میں حسب ذیل پیشے شامل تھے۔ بڑھئی (ووڈکی)، سنار یا لوہار (کمہار)، سنگ ساز (پاشان کوٹک)، جولاہا (تنتو واے)، رنگریز (رنگ کار) کمہار (کمبھا کار)، حجام (نہاپک) وغیرہ۔

ایک ساوتھی (شراوستی) سے پٹھان یا پرتشٹھان (نظام کی ریاست میں موجودہ پیتھان) تک جاتی تھی۔ دوسری ساوتھی کو راج گیہہ سے ملاتی تھی۔ تیسری پہاڑ کے دامن میں کنارے کنارے سراوستی سے ٹکسیلا کو جاتی تھی اور چوتھی کاشی کو مغربی ساحل کے بندرگاہوں سے ملاتی تھی[1] ریگستان کی ٹھنڈی راتوں میں کارواں ستاروں کے سہارے یا "خشکی کے راہنما" کی مدد سے ریگستان پار کرتے تھے۔ ان راستوں میں خاص کر جن میں آمدورفت کم رہتی تھی، رہزنوں کی کثرت تھی جو تجارت کا سامان جب موقع ملتا لوٹ لیتے تھے۔ بیوپاری اس قسم کے خطرات سے زیر بار ہوتے تھے، اس کے علاوہ جس ریاست سے وہ گذرتے تھے وہاں انھیں محصول یا چنگی ادا کرنی ہوتی تھی۔ اس صورت میں ظاہر ہے تجارتی اشیا کافی مہنگی رہتی ہوں گی۔

روپیہ پیسہ

مبادلہ کا دَور اب ختم ہو رہا تھا۔ اب لین دین میں آسانی کے لیے ایک سکہ چل پڑا تھا۔ جسے کہاپن (کارشاپن) کہتے تھے۔ یہ تانبے کا ہوتا تھا اور اس کا وزن ۱۴۶ گرین تھا۔ اس کا معیار قائم کرنے اور کھرے کھوٹے کی پہچان کے لیے بیوپاری یا شرینیاں (ہم پیشہ لوگوں کی انجمنیں) اپنا ٹھپا ان پر لگا دیتی تھیں۔ پالی کتب میں دوسرے سکوں کا نام بھی آتا ہے مثلاً سونے کے نِکھ اور سُونَ تانبے کے چھوٹے چھوٹے نقلی سکے بھی چلتے تھے جنھیں ماشک اور کاک نِکا کہتے تھے۔ قرضوں اور سود[2] (ودھی) کی دستاویزات کا ذکر بھی سننے میں آتا ہے لیکن بینکوں کا کوئی سوال اس وقت نہیں تھا اور پس انداز کیے ہوئے روپے کا زیور بنوالیا جاتا تھا، یا گھڑے میں بند کر کے اُسے زمین میں دفن کر دیا جاتا یا کسی دوست کی امانت میں اُسے رکھ دیا جاتا تھا اور اس کا تحریری ثبوت اپنے پاس محفوظ کر لیا جاتا تھا۔

---

[1] ان لمبے چوڑے راستوں میں درمیان میں ٹھہرنے کے لیے قیام گاہیں ہوتی تھیں اور دریا پار کرنے کے لیے کشتیاں موجود رہتی تھیں۔ [2] اس میں شک نہیں کہ روپیہ پیسہ کے لین دین کے پیشہ کو قانوناً جائز قرار دیا گیا تھا لیکن حد سے زیادہ سود خوری کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔

۲۔ اجات شترو کے جانشین

پالی کتب کے مطابق اجات شترو کے بعد اس کا لڑکا اداٗین یا اداٗئی بھدر (دیکھیے فیگو نکلئے) تقریباً ۴۵۹ ق۔م۔ میں گدی نشین ہوا۔ پُرانوں میں، بہرحال اجات شترو کے بعد ایک دوسرے راجا درشک[1] کا نام آتا ہے۔ اُس کی شخصیت کے تاریخی ہونے کی تائید بھاس کی سوپن واس دت سے بھی ہوتی ہے۔ بعض عالموں کا خیال ہے کہ پُرانوں کی یہ بات غلط ہے اور وہ اسے بمبسار کی نسل کے آخری حکمراں ناگ داسک کے مماثل بتاتے ہیں۔ اُداٗین خصوصیت کے ساتھ اس لیے مشہور ہے کہ اس نے اس مقام پر پاٹلی پتر کی بنیاد رکھی جہاں اس کے باپ نے اونتی کی طرف سے اچانک حملہ کی روک تھام کے لیے قلعہ تعمیر کرایا تھا۔ اس مقام کی فوجی اہمیت تھی کیونکہ یہ دریائے سون اور گنگا کے سنگم پر واقع تھا[2] اور اس جہت سے ایک ابھرنے والی ریاست کی راجدھانی کے لیے زیادہ موزوں تھا۔ اُداٗین کے جانشین انورُدھ، منڈ، ناگ داسک یہ سب گمنام رہے[3] اور ہو سکتا ہے یہ کہانی غلط ہو کہ وہ سب کے سب پدر کُش تھے[4] لیکن یہ بات یقینی ہے کہ ان کی کمزوری یا نا مقبولیت کی وجہ سے ششوناگ کو جو محض اماتیہ (وزیر) تھا اپنے لیے گدی حاصل کرنے کا خوب موقع مل گیا۔ اس راجا کو پُرانوں میں بمبسار کے مورث کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ لیکن لنکا کی تاریخوں میں اس کا محکم ثبوت موجود ہے کہ ششوناگ بمبسار سے کئی پشتوں کے بعد راجا

---

[1] ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ درشک مگدھ کا راجا تھا اور اس کی بہن پدماوتی کوسمبی کے اُدین (اُدین) کو بیاہی گئی تھی۔ [2] ان دریاؤں کا سنگم اب پٹنہ سے کئی میل اوپر واقع ہے۔ [3] جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، پرانوں کے مطابق اداٗین کے جانشین نندی وردھن اور مہانندن تھے۔

[4] ونسنٹ اسمتھ بہرحال، بارتھی تاریخ کی مثال دیتے ہیں۔ جس میں پے در پے تین راجکمار، اور ڈولیں فرانیس چہارم اور فرانیس پنجم ایسے آتے ہیں جو پدر کشی کے مرتکب ہوئے (ارلی ہسٹری آف انڈیا چوتھا ایڈیشن ص ۳۶، حاشیہ ۲)

ہوا[1] انقلاب حکومت کے بعد شِشوناگ نے گریورلج کو اپنا مسکن قرار دیا اور اپنے بیٹے کو وارنسی (بنارس) کا گورنر بنادیا[2] شِشوناگ کا سب سے زیادہ قابل ذکر کارنامہ یہ تھا کہ اس نے پرودیتہ خاندان کی طاقت کو جن سے کوسمبی کی فتح کے بعد جنگ ناگزیر ہوگئی تھی، بالکل فنا کردیا۔ غالباً رونتی کے اُس راجا کا نام جس نے شکست کھائی ورتی وردھن یا اونتی وردھن تھا اور یہ بات معنی خیز ہے کہ اس وقت سے پرودیتہ خاندان تاریخ سے بالکل معدوم ہوجاتا ہے۔ اس کامیابی نے شِشوناگ کو تقریباً تمام مدھیہ دیش، مالوہ اور شمال میں کئی دیگر علاقوں کا حکمراں بنادیا۔

نند خاندان

چوتھی صدی ق۔م کے وسط میں ایک معمولی شخص کے ہاتھوں جس کا نام مہاپدم تھا[3] شِشوناگ خاندان کا خاتمہ ہوگیا۔ مہاپدم نے ایک نئے خاندان کی بنیاد رکھی، جو تاریخ میں نند خاندان کے نام سے موسوم ہے۔

ابتدا

مہاپدم کی ابتدائی زندگی کے بارے میں روایات میں اختلافات پایا جاتا ہے۔ پُرانوں کی سند سے مہاپدم ایک شودر عورت کے بطن سے پیدا ہوا۔ لیکن جین مذہب کی کتابوں میں اس کی پیدائش ایک بیسوا کے بطن اور ایک حجام کے نطفہ سے ظاہر

---

[1] پولیٹیکل ہسٹری آف انشینٹ انڈیا، چوتھا ایڈیشن ص۲۰۴ تا ص۲۱۰۔ ڈاکٹر ایچ۔ سی۔ رائے چودھری نے جو مواد فراہم کیا ہے اس کی بنیاد پران کا استدلال بہت معقول معلوم ہوتا ہے۔

[2] دیکھیے نाराणसी सत्र स्नान गिरिव्रज

[3] پالی کی کتابوں میں اسے اگرسین کہا گیا ہے۔ نام میں اس کی زبردست فوج کی طرف کنایہ ہے اسی طرح مہاپدم نام شاید یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کی فوج اتنی بڑی تھی کہ اسے کنول یا پدم کی طرح ترتیب دیا جاسکتا تھا۔ (پدم ویوہ)۔ کیا اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے قبضہ میں ایک پدم دولت تھی؟ (دیکھو اگلا نوٹ) کیا کالاشوک اور کاک ورن نام اس کے کالے رنگ سے کوئی واسطہ رکھتے ہیں؟

کی گئی ہے۔ یونانی مصنف کرٹیس کا بیان اس سے ذرا مختلف ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ سکندر کا ہمعصر مگدھ کا راجا ایک حجام کا لڑکا تھا۔ یہ ایک خوب رو نوجوان تھا۔ رانی اس پر فریفتہ ہوگئی اور حجام کے لڑکے نے موقع پاکر راجا کو (یعنی غالباً کالاشوک یا کاک ورن کو) قتل کردیا۔ ہرش چرت میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کا قتل راجدھانی کے قریب ایک خنجر کے ذریعہ واقع ہوا جو اس کے حلق میں بھونکا گیا تھا[1] ان میں جو روایت بھی صحیح ہو، یہ بات طے ہے کہ مہاپدم نیچ ذات تھا اور اُس نے راج گدی سازش کے ذریعہ حاصل کی۔ شروع شروع میں اس نے اپنے تئیں نوعمر راجکماروں[2] کا سرپرست ظاہر کیا لیکن نتیجہ میں اس نے انھیں بھی مار ڈالا اور خود گدی پر بیٹھ گیا۔

مہاپدم

مہاپدم نے ریاست مگدھ کے حدود و اثرات میں کافی توسیع کی۔ کہتے ہیں کہ اس نے بہت سی ہمعصر حکومتوں کو زیر کرلیا مثلاً اکش واکو، کورو، پانچال، کاشی، شورسین، میتھل، کلنگ، اَش مک، ہے ہیہ، وغیرہ اور بڑی سخت گیری سے چھتریوں کی بیخ کنی کی۔ تعمیر پرشورام کی طرح پُرانوں کا اسکو سروکش تران تک اور اک راٹ (بڑا سردار) کہنا اس کی فتوحات کی طرف ایک کنایہ ہے، حالانکہ اِک راٹ کی اصطلاح اس کی اصلی حیثیت میں مبالغہ کا پہلو رکھتی ہے[3] اس میں شک نہیں کہ مگدھ نے ابتدائی دورِ حکومت میں تمام پڑوسی ریاستوں کو اپنی سلطنت میں ضم کرلیا تھا اور شِشوناگ کے عہد میں شمال میں اس کا کوئی مقابل نہیں رہا تھا۔ کتھا سرت ساگر کے ایک حوالہ سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کوشل مگدھ ہی کا ایک جزو تھا ہاتھی گمھا کے ایک کتبہ سے پتہ

---

[1] ہرش چرت، انگریزی ترجمہ کاول اور ٹامس [2] یہ تعداد میں دس تھے اور دسوں مل کر حکومت کرتے تھے۔ [3] ملاحظہ ہو پولٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا، چوتھا ایڈیشن، صفحہ ۱۸۷ تا صفحہ ۱۹۰۔ اس سے مقابلہ کیجیے۔

महानन्दिनसुत शूद्रागर्भोद्भवोऽति लुब्धोऽतिबलो महापद्मो नन्दनामा परशुराम इवापरोऽखिलक्षत्रान्तकारी भविष्यति । स चैकच्छत्राम नुल्लंघितशासनो महापद्मः पृथ्वीं भोक्ष्यति ॥

چلا ہے کہ نند راج نے جو مہاپدم کے مماثل تھا، ایک نہر کھدوائی تھی۔ اس سے ثابت ہے کہ کلنگ بھی مگدھ ہی کے زیر نگیں تھا۔ اتفاق سے اس کتبہ سے مہاپدم کے مذہبی رجحانات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ نند راج (مہاپدم؟) نے ایک جین تیرتھنکر کا بیش قیمت مجسمہ اپنی راجدھانی میں منتقل کرا دیا۔ مگدھ کے کئی وزیر جین مت کے ماننے والے تھے۔ جیسے کلپک، شاکٹل و بیرہ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نند خاندان کے راجا خود جین مت کے پیرو تھے۔ اس طرح مگدھ رفتہ رفتہ ایک اول درجہ کی ریاست بن گئی اور اس کے بعد ایک عرصہ تک مگدھ کی تاریخ ہندستان کی تاریخ بنی رہی۔

مہاپدم کے جانشین

مہاپدم کے بعد اس کے آٹھ بیٹے[1] راج گدی پر بیٹھے جن میں سے آخری سکندر کا ہم عصر تھا۔ بدھ مذہب کی کتابوں میں اسے دھننند کہا گیا ہے۔ یونانیوں نے اگرامیز یا زنیڈرامیز (آؤگرسینیا؟) نام لیے ہیں۔ کرٹیس کا بیان ہے کہ اس کی فوج زبردست تھی جس میں ۲۰۰۰۰ پیدل ۲۰۰۰۰ رتھ، اور ۴۰۰۰ ہاتھی تھے۔ وہ اپنی بے شمار دولت کے لیے بھی مشہور ہے[2] لیکن اگرامیر یا دھننند حریص، لامذہب (ادھارمِک) اور ظالم اور ان پر مستزاد ایک نیچ ذات کا آدمی تھا۔ ان سب باتوں کے باعث وہ رعایا میں انتہائی نامقبول تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ سکندر سے اس کے ایک سردار فی گیلس نے کہا اگر وہ آگے بڑھا ہوتا تو یقیناً نند حکمراں پر ضرور فتح پاتا۔ چندر گپت موریہ سکندر سے ملا تھا اور اسے نند ریاست پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تھی۔ سکندر کے چلے جانے کے

---

[1] یہ محض نام ہیں۔ پرانوں میں سوائے مہاپدم کے لڑکے سنکپ یا شمالیہ جہالیہ کے اور کسی کا ذکر نہیں ہے۔ اس سے بھی مقابلہ کیجیے (وشنو پران) तस्पोगाब्धेष्ठा खत्रः ससात्य हा

अनिसार : तस्य महापद्मस्थान : पृथिवी गोक्ष्यान्त

[2] مہاونش اور کتھا سرت ساگر، نیز ہیون سانگ کے سفر نامے، اور ایک تامل کی نظم میں نند خاندان کی بے شمار دولت کی روایات محفوظ ہیں۔

بعد چندر گپت موریہ نے موقع سے فائدہ اٹھا کر چالاک برہمن چانکیہ[1] کی مدد سے مگدھ کی ریاست میں نند خاندان کی حکومت کو نیست و نابود کر دیا[1]

تاریخ

پرانوں کی سند سے مہاپدم کا دَور حکومت ۲۸ سال[2] رہا اور اس کے آٹھ بیٹوں کا صرف بارہ سال۔ لنکا کی تاریخیں نند خاندان کے تمام راجاؤں کی مدتِ حکومت ۲۲ سال قرار دیتی ہیں۔ اس خاندان کا خاتمہ غالباً ۳۲۲۔۳۲۱ ق م میں ہوا۔

---

[1] دیکھیے وشنو پران ततश्च नवैतान्नन्दान् कौटिल्यो ब्राह्मणः समुद्धरिष्यति

[2] ستیہ پران میں اس کے دور حکومت کا ۸۸ سال کا طویل عرصہ مندرج ہے۔ ظاہر ہے یہ غلط ہے اور ۲۸ کی جگہ ۸۸ سال لکھ دیئے گئے ہیں اگر اس حکومت کی مدت ۸۸ سال مان لی جائے تو نند خاندان کے دَور حکومت کی مدت ۱۰۰ سال ہوگی۔ دیکھیے۔

महापद्मस्तत्पुत्रश्च
एकवर्षशत अवीनपतयो भविष्यन्ति (وشنو پران)

ضمیمہ
نندخاندان کے مورثوں کے شجرے
(۱) پُران

نمبر شمار	نام	مدت
۱	ششوناگ	۴۰ سال
۲	کاک وَرن	۲۶ سال
۳	کشیم دھرمن	۳۶ سال
۴	کشیم جیت کشت رَوجہ	۲۴ سال
۵	بمبسار	۲۸ سال
۶	اجات شترو	۲۷ سال
۷	درشک	۲۴ سال
۸	اُدائن	۳۳ سال
۹	نندی وردھن	۴۰ سال
۱۰	مہانندن	۴۵ سال
	میزان	۳۲۱ سال

لنکا کی تاریخیں

نمبر شمار	نام	مدت	کیفیت
۱۔	بمبسار	۵۲ سال	تقریباً ۴۳ ق.م میں ۱۵ سال کی عمر میں گدی نشین ہوا
۲۔	اجات شترو	۳۲ سال۔	اس کے عہد حکومت کے آٹھویں سال میں بدھا کی وفات ہوئی
۳۔	ادائن یا ادائی بھدر	۱۶ سال	
۴۔	انورودھ	۸ سال	خیال کیا جاتا ہے دونوں پدر کش تھے۔
۵۔	منڈ		
۶۔	ناگ واشک	۲۴ سال	
۷۔	ششوناگ	۱۸ سال	نئے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ تخت نشینی سے پہلے اماتیہ تھا
۸۔	کالاشو،کا	۲۸ سال	اس کی موت المیہ انداز میں ہوئی۔
۹۔	اس کے دس بیٹے جن میں ممتاز نندی وردھن تھا۔	۲۲ سال	ایک ہی وقت میں حکومت کرتے تھے، غالباً اس زمانہ ساز انسان کی سرپرستی میں، جو نند خاندان کا پہلا حکمران ثابت ہوا۔
	میزان	۲۰۰ سال	

ساتواں باب

بیرونی دنیا سے روابط

فصل (۱)

فارسی فتح

اب ہمیں تھوڑی دیر کے لیے مگدھ اور دیگر مشرقی ریاستوں کو چھوڑ کر اس طرف توجہ کرنی چاہیے کہ ہندستان کے شمالی مغربی گوشہ میں اس وقت کیا ہو رہا تھا۔ چھٹی صدی ق۔م کے آخری نصف حصے میں شمالی مغربی ہندستان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا اور کوئی بڑی طاقت ایسی نہ تھی جو اُن کی باہمی رنجشوں اور رقابتوں کا سدِباب کرسکتی۔

سائرس | ٹھیک اسی زمانے میں ایک طاقت کُرش یا سائرس نامی بادشاہ (تقریباً ۵۵۸-۵۳۰ ق۔م) کی قیادت میں فارس میں ابھر رہی تھی۔ ظاہر ہے آکمینیہ کے اس مطلق العنان حکمراں کو ہندستانی ریاستوں کی نااتفاقی سے فائدہ اٹھانے اور ان پر للچائی نظریں ڈالنے کا بہترین موقع مل گیا۔ اس نے اپنی حدود سلطنت کی توسیع مغرب میں بحر روم تک کرلی تھی۔ اور مشرق میں باختر اور گدُر (گندھار) فتح کرلیا تھا۔ لیکن ہندستان کی سرحد سے اس کا آگے بڑھنا قرینِ قیاس نہیں ہے۔ اس کے بیٹے پوتے کام بجی یا اوّل (کمبائی سیز اول)، کُرش دوم (سائرس دوم) کام بجی یا دوم (کمبائی سیز دوم) ۵۳۰ سے ۵۲۲ ق۔م تک، اپنے مغربی مقبوضات کی الجھنوں میں اس درجہ گرفتار رہے کہ انھیں مشرق کی طرف توجہ کرنے کا موقع ہی نہ ملا

دارا اول

لیکن دارائے واؤش یا دارا اوّل (۵۲۲-۴۸۶ ق.م) نے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کے کچھ علاقے پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس کا ثبوت پرسی پولس کے کتبے نیز نقش رستم میں اُس کی قبر کے کتبے سے ملتا ہے، جن میں اہل سندھ (ہدوؤں یا سندھوں) کو اس کی رعایا میں شمار کیا گیا ہے۔ یہ فتح غالباً ۵۱۸ ق.م کے کچھ عرصے بعد عمل میں آئی۔ بیستون کے کتبے کی قیاسی تاریخ بھی یہی ہے اس کتبے میں ۴۸۶ ق.م سے بہت پہلے یعنی جب دارا اول کا انتقال ہوا، ہندوستانیوں (ہدوؤں) کو رعایا کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

ہیروڈوٹس بتاتا ہے کہ دارا نے کس طرح اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ۵۱۰ ق.م کے کچھ عرصے بعد دارا نے ایک مہم کاریندا کے ساکن اسکائی لاش نامی شخص سرکردگی میں کسی ایسے بحری راستے کے امکانات دریافت کرنے کے لیے بھیجی جو دریائے سندھ کے دہانے سے فارس تک جاتا ہو۔ دریائے سندھ کے بہاؤ پر اس نے کشتی میں سفر کیا۔ اپنے سفر کے دوران اس نے کافی معلومات فراہم کر لی، جس سے دارا اوّل نے آگے چل کر خوب خوب فائدہ اٹھایا۔ ہیروڈوٹس اس کی بھی تصدیق کرتا ہے کہ ہندستان کا مفتوحہ علاقہ جس میں پنجاب کا بیشتر حصہ شامل نہیں تھا مملکتِ فارس کی بیسویں ولایت (ستراپی) کی حیثیت رکھتا تھا اور حکومت کو طلائی گرد کے ۳۶۰ یونانی ٹیلنٹ جو خاص دس لاکھ پونڈ کے بقدر ہوتا تھا) ادا کرتا تھا۔ ظاہر ہے یہ تمام علاقہ اُس زمانے میں بہت زرخیز، کافی آباد، نہایت درجہ خوشحال تھا۔

زرکسیز

دارا اوّل کے جانشین کھشیارشا، یا زرکسیز کے عہدِ حکومت (۴۸۶-۴۶۵ ق.م) میں اجرت پر کام کرنے والے ہندستانی سپاہی "سوتی کپڑوں میں ملبوس" اور تبید کا تیر کمان لیے جس میں آہنی نوک لگی ہوتی تھی" اُس فوج کا جز و تھے، جو یونان پر حملہ آور ہوئی۔ اس لیے یہ بات یقینی ہے کہ ہندستان کے شمالی مغربی علاقے میں اس کا اقتدار بجنسہٖ قائم و برقرار تھا۔ اندازہ ہے کہ یہ اقتدار کچھ عرصے تک اور باقی

رہا، لیکن ہم تیقن کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ بالآخر فارس اور ہندستان کا یہ تعلق اچانک طور پر کب ختم ہوا۔ بہر نہج، اس کی شہادت ملتی ہے کہ دارآسوم کوڈومنس کی فوج میں جس نے سکندر کا مقابلہ کیا ہندستانی امدادی دستے شامل تھے۔

ارتباط کے نتائج

دونوں ملکوں کا یہ سیاسی ارتباط دونوں ہی ملکوں کے حق میں کئی جہتوں سے مفید ثابت ہوا۔ اس سے تجارت میں فروغ ہوا، دوسرے، ایک متحدہ مملکت کے تصور نے ہندستانی امنگوں میں ہلچل مچادی اور اسی مقصد کے لیے انھیں کوشش کرنے پر آمادہ کردیا۔ فارس کے خطاطوں نے ہندستان میں آرمائی رسم خط رائج کیا جس نے ہندستانی ماحول میں کھروشٹھی رسم خط کی صورت اختیار کرلی جو عربی کی طرح دائیں سے بائیں کو لکھی جاتی تھی۔ بعض عالموں نے چندرگپت موریہ کے درباری آداب میں فارسی اثرات کی نشاندہی کی ہے۔[1] اشوک کے عہد میں بعض مروجہ الفاظ اور اس کے کتبوں اور دستاویزات کے ابتدائی اجزا خاص کر ٹال کی شکل کے حروف، فارسی اثرات کا نتیجہ بتائے جاتے ہیں۔

فصل (۲)

سکندر کا حملہ

سکندر کا احتیاط کے ساتھ مشرق کی طرف کوچ

۳۳۱ ق۔م میں گوگ میلا یا اربیلا کے میدان میں آکیمنی طاقت کا شیرازہ بکھر گیا اور ۳۳۰ ق۔م میں پرسی پولس کے عالیشان محل کو نذر آتش کردیا گیا۔ اس کے بعد، سکندر نے ہندستان فتح کرنے کی دیرینہ آرزو کو عملی جامہ پہنانے کے منصوبے

---

[1] دیکھیے۔ بی۔ دی ؛ دیوانن پیو پیادسی راجا یون آہا۔ تھائی یا دارائے داؤش کشا بھتہ۔

بنانے شروع کر دیے اور اپنے حریفوں ہرا کلیز اور ڈی اَو نی سس سے، جن کے کے کارنامے بہت سے مقبول عام گیتوں اور داستانوں کا موضوع بن گئے تھے، سبقت لے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ موسم کی سختیوں، سفر کی صعوبتوں اور راستے کی رُکاوٹوں کو خاطر میں لائے بغیر سکندر نے اس مہم کو سر کرنے کا ارادہ پختہ کر لیا۔ حفظِ ماتقدم کے طور پر وہ اس بات کا عادی تھا کہ راستے کے تمام ممالک کو فتح کرتا ہوا آگے بڑھتا تھا تاکہ اپنے دور دراز فوجی کیمپ سے آسانی کے ساتھ رسل و رسائل کا سلسلہ قائم رکھ سکے۔ اس نے سب سے پہلے سیستان پر قبضہ کیا اور بعد ازاں وہ جنوبی افغانستان پر ٹوٹ پڑا۔ جہاں اس نے ایک موقع پر جہاں کئی راستے ملتے تھے، ایک شہر کی بنیاد رکھی جس کا نام اہلِ آرکوشیا نے سکندریہ رکھا جسے آج کل قندھار کہتے ہیں۔ اس سے اگلے سال وہ اپنے اجیت لشکر کے ساتھ وادیٔ کابل میں در آیا، لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنی توجہ ہندستان کی طرف منعطف کرے، اسے باختر اور اس سے متصل علاقوں کو جو شاہی خاندان کے ایک شہزادے کے ماتحت فارسی حکومت کے اثر میں تھے، زیر کیا۔ اس پر قابو پانے کے لیے سکندر کو دشواری پیش آئی۔ لیکن جب سب دشمن زیر ہو گئے تو اس نے دس دن میں کوہ ہندوکش کو پار کیا اور کوہ قاف کے نیچے سکندریہ کی بیرونی چوکی تک پہنچ گیا جو فوجی نقطۂ نظر سے ایک اہم مقام تھا۔ اس کی بنیاد اس نے کوہستانی سلسلے کو پار کرنے کے بعد اپنی طوفانی مہم سے دو سال پیشتر یعنی ۳۲۹ ق۔م میں رکھی تھی بعد ازاں وہ نکایہ کی طرف بڑھا جو "سکندریہ اور دریائے کابل کے درمیان میں واقع تھا[1]"۔ اس مقام پر یا دریائے کابل کے راستے میں کسی اور مقام پر[2]، سکندر نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ایک حصے کو اپنے دو معتمد سپہ سالاروں، ہفیسٹین اور پرڈِکاس کے سپرد کیا اور انھیں اس ہدایت کے ساتھ آگے بڑھنے کا حکم دیا کہ

---

[1] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد اول، صفحہ ۳۴۷۔ اسمتھ نے نکایہ کا موجودہ جلال آباد کے مغرب میں واقع ہونا ظاہر کیا ہے (ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا ایڈیشن) جبکہ ہولڈچ نے اسے کابل قرار دیا ہے۔

[2] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد اوّل صفحہ ۳۴۷ حاشیہ ۳

دریائے سندھ پر پُل تعمیر کریں تاکہ لشکر بہ آسانی دریا پار کر سکے۔ دوسرا حصہ جنگجو اور سرکش قبیلوں کے مقابلہ کے لیے اس نے اپنی کمان میں رکھا۔

اسپ سیوئی قبیلہ کی شکست

آئی سانگ کُنار وادی کا اسپ سیوئی (دیکھیں: ایرانی اسپ یا سنسکرت اشو یہ گھوڑا) پہلا قبیلہ تھا جسے سکندر نے زیر کیا۔ اس مقابلہ میں ....۴ پیدل اور ...۲۳۰ بیل اُسے مال غنیمت میں ملے۔ اُن میں بہترین بیلوں کو اس نے زراعت میں استعمال کے لیے مقدونیہ بھیج دیا۔ ایرین (چہارم، ۲۵) کا بیان ہے کہ اس قبیلہ سے مقابلہ سخت ہوا، محض اس لیے نہیں کہ زمین ناہموار تھی بلکہ اس لیے کہ ہندستانی سپاہی .... ہمسایہ علاقہ کے تمام قبیلوں میں سب سے زیادہ قوی اور جنگ جو تھے[1]

نیسا

سکندر کا اگلا حملہ نیسا کی پہاڑی ریاست پر ہوا، جو وادی کوہ مورٹ کے نشیب میں واقع تھی۔ اس پر امرا کی ایک جماعت حکومت کرتی تھی جس کے ..۳ رُکن تھے جن کا سردار اکوفس تھا۔ اہل نیسا نے رضامندی سے سکندر کی اطاعت قبول کر لی اور ...۳ سواروں پر مشتمل ایک فوجی دستہ اُس کے حوالہ کر دیا۔ یہ اپنا سلسلۂ نسب ڈِی اُونی سسُ سے ملاتے تھے دلیل یہ تھی کہ عشق پیچاں ان کے ملک میں پیدا ہوتی تھی، نیز یہ کہ شہر کے قریب جو پہاڑ تھا وہ وہی میِروز تھا۔ مغرور سکندر اس سے مطمئن ہو گیا۔ اس لیے اس نے اپنی تھکی ماندی فوج کو اپنے دُور دراز کے مفروضہ برادروں کے ساتھ چند دن آرام کرنے اور یونانی ("بانوسی") انداز میں

---

[1] ایم، کرنڈل، انشینٹ انڈیا، اِنس انوژن بائی الگزانڈر دی گریٹ صـ۶۵ اس بات میں ہم نے تمام حوالے اس لیے دے دیئے ہیں کہ ہمارا بیان مسلمہ شہادت کے مفاہیم سے بنیادی طور پر مختلف ہے

ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن صـ۵۷، حاشیہ۔

رنگ رلیاں منانے کا حکم دیدیا۔

اسکنوی کی شکست

سکندر نے پیش قدمی کو جاری رکھتے ہوئے اس کے بعد اسکنوئی (سنسکرت اشوک یا اشمک غالباً اسپ سیوئی کی شاخ یا اُن سے متعلق) قبیلہ کو شکست دی۔ انھوں نے ۲۰۰۰۰ سواروں، ۳۰۰۰۰ پیادوں[1] اور ۳۰ ہاتھیوں[2] سے سکندر کا مقابلہ کیا۔ اُن کا سب سے زیادہ مضبوط مقام مساگا[3] ناقابل تسخیر ثابت ہوا، کیونکہ مشرق میں "ایک زبردست پہاڑی چشمہ اس کی حفاظت کرتا تھا۔ جس کے کنارے ڈھلوان تھے" اور جنوب اور مغرب میں قدرت نے پہاڑوں کی عظیم دیوار کھڑی کردی تھی۔ جس کے دامن میں دلدل تھی اور غار منھ کھولے ہوئے تھے[4]، اس قدرتی قلعہ بندی میں ایک گہری خندق اور ایک چوڑی دیوار نے اضافہ کردیا تھا۔ اس قلعہ نے، معلوم ہوتا ہے سکندر کے چھکے چھڑا دیے تھے، لیکن ان کے سردار اَساکینوز کے بالکل اتفاق سے ایک تیر لگا اور وہ مارا گیا[5] اور اس کے بعد محصور فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس کی بیوی کلیوفس[6] نے یہ دیکھ کر کہ اب مقاومت بے کار ہے، ہتھیار ڈال دیے اور اپنے تئیں سکندر کے حوالے کردیا۔ کہتے ہیں کہ ان کے معاشقہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ رانی کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا[7] نام عظیم فاتح کے نام پر سکندر ہی رکھا گیا[8] ہندستان کے تقریباً ۷۰۰۰ کرایہ کے

---

[1] کرٹیئس کی سند سے ۳۸۰۰۰ پیدل (ہشتم، ۱۰، ایم۔ کرنڈل، ان ویژن بائی الگزانڈر ص۱۹۴) [2] ایرین چہارم، ۲۶، ایضاً ص۶۹ ایرین نے مساگا کے محاصرہ کو نیسا کی فتح سے پہلے رکھا ہے اور اس کے بعد کرٹیئس نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ [3] اس کی شناخت غیر یقینی ہے۔ کیا یہ سنسکرت کا شکاؤ ہے؟ ونسنٹ اسمتھ نے اسے "درۂ ملاکنڈ سے زیادہ دور واقع نہیں ہے" لکھا ہے۔ ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن، ص۵۷ [4] کرٹیئس، ہشتم، ۱۰، ایم۔ کرنڈل کی ان ویژن بائی الگزانڈر ص۱۹۵ [5] ایرین، چہارم، ۲۷، ایضاً، ص۶۹ [6] کرٹیئس، نے بہرحال کلیوفس کو اساکینس کی ماں بتایا ہے جو سکندر کے مساگا کا محاصرہ کرنے سے پہلے مرچکا تھا (ہشتم، ۱۰، ایضاً ص۱۹۴) [7] جسٹن دوازدہم، ۷، ایضاً، ص۳۲۲ [8] ص۹ ڈی اوڈرس، ستر، ۸۴، ایم، کرنڈل کی ان ویژن بائی الگزانڈر ص۲۶۹

فوجیوں نے مُستاگا کی حفاظت میں جو کارنمایاں انجام دیا وہ قابلِ ذکر ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سکندر نے اس شرط پر کہ وہ شہر خالی کردیں ان کی جان کی حفاظت کی ذمہ داری لے لی، لیکن جب وہ ہٹ کر کچھ فاصلہ پر پہنچ گئے تو سکندر ان پر اچانک ٹوٹ پڑا، اور اُن کی صفوں کو بُری طرح ذبح کر ڈالا۔[1] ڈِی اوڈورس کہتا ہے کہ "پہلے انھوں نے بہ آوازِ بلند احتجاج کیا کہ معاہدہ کے خلاف ان پر حملہ کیا جارہا ہے اور انھوں نے ان دیوتاؤں کا واسطہ دیا جن کا نام لے کر اس نے جھوٹی قسمیں کھائیں اور دیوتاؤں کی بے حُرمتی کی۔[2] اس پر سکندر نے انھیں ترکی بہ ترکی جواب دیا کہ وہ اپنے عہد کی رو سے صرف اس کا پابند تھا کہ وہ اُنھیں شہر سے باہر جانے دے۔ یہ بہرحال ان کے اور اہلِ مقدونیہ کے درمیان کوئی مستقل صلح نامہ نہیں تھا۔" اس غیر متوقع خطرے سے خوف زدہ ہوئے بغیر ہندوستان کے ان کرایہ کے فوجیوں نے بڑے جم کر دشمن کا مقابلہ کیا اور ان کی دلیری اور جرأت آفریں شجاعت نے دشمن کے چھکے چھڑا دیے اور بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ جب ان کے بہت سے آدمی مارے گئے یا مہلک زخموں کی حفاظت کی تکلیف سے تڑپنے لگے تو عورتوں نے ہتھیار سنبھال لیے اور مَردوں کے ساتھ مردانگی سے قلعہ کی حفاظت کی۔ بڑی بے جگری سے جنگ کرنے کے بعد آخر کار وہ طاقت ور دشمن سے مغلوب ہو گئے اور ڈی اوڈورس کے الفاظ میں انھوں نے "عزت کی موت اختیار کی جس پر وہ ذلت کی زندگی کو ترجیح دینا ہرگز گوارہ نہیں کرسکتے تھے۔" اس واقعہ سے بلاشبہ ثابت ہوجاتا ہے کہ اتنے پُرانے زمانے میں بھی ہندوستان کے اپنے "جان آف آرک" موجود تھے۔ لیکن اس سے سکندر جیسے سورما کی اولوالعزمی پر حرف آتا ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ معاہدوں کا کس حد تک احترام کرتا تھا۔ بقول پلوٹارک یہ واقعہ سکندر کی فوجی شہرت پر ایک بدنما داغ بن کر رہے گا۔[3] مستاگا کی شکست کے بعد سکندر اور آگے بڑھا اور چند مہینے کی سخت جنگ کے بعد اس نے اورا، بریرا، اور نسں،

---

[1] ایضاً، ص۲۷ [2] ایضاً، ص۱۲

[3] پلوٹارک، باب ۵۹، ایم کرنڈل کی ان ویژن بائی الگزانڈر ص۳۰۶

پیوکلاؤٹس، (سنسکرت کے پُشکراوتی، یوسف زئی علاقہ میں موجودہ چارسدہ)؛ امبولی، اور ڈیرٹا، وغیرہ تمام شہر جو فوجی اہمیت رکھتے تھے، فتح کر لیے۔[1]

شمالی مغربی ہندستان میں صورتِ حال

اس طرح تمام سرحدی علاقوں کو تسخیر کرنے اور اُن مقامات پر انتظام و انصرام کے لیے یونانی فوج کے محافظ دستے تعینات کرنے کے بعد[2] سکندر بڑی بے تکلفی اور سرعت کے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ حالات اس کے لیے بلاشبہ سازگار تھے۔ پنجاب اور سندھ جنھیں سکندر کی فوجی قوت کی ٹکر جھیلنی پڑی، نااتفاقی اور بے اتحادی کا افسوس ناک منظر پیش کر رہے تھے۔ چندرگپت موریہ جیسا کوئی سردھرا جس نے بیس سال بعد سلیوکس نائی کیٹر کے حملہ کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا تھا، اس وقت موجود نہیں تھا۔ اس کے برخلاف شمالی مغربی ہندستان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا جن میں شخصی حکومتیں بھی تھیں اور چند سری علاقے بھی۔ یہ ریاستیں آپس میں خطرناک اختلافات ونزاعات رکھتی تھیں۔ یہاں تک کہ ایسا بھی ہوا کہ ان میں سے بعض نے بیرونی حملہ آور سے سازباز کر لیا۔ واقعہ یہ ہے کہ ٹکسیلا کے راجا نے سکندر کے لیے گویا ہندستان کے دروازے ہی کھول دیے اور ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس کی اطاعت قبول کر لی۔ اس نے پرڈِکس نامی سپہ سالار کے ماتحت یونانی فوج کے مقدمۃ الجیش کو دریائے سندھ پر پُل باندھنے اور ان قبیلوں اور سرداروں مثلاً استیس (ہشٹی یا اشٹک راج؟) کو زیر کرنے میں جن کے علاقے راستے میں پڑتے تھے، ہر قسم کی امداد بہم پہنچائی۔

---

[1] پلوٹارک، باب ۵۹، ایم کرنڈل کی ان ویژن بائی الگزانڈر، ص۳۰۶ [2] ان مقامات کی شناخت بالکل غیر یقینی ہے وادی کابل (کوفن) کے جنوبی شہر مقامی سرداروں کو نائیوس اور استاگیرا (آشوجیت؟) کی مدد سے فتح کیے گئے۔ ایرین چہارم، ۲۸، ایضاً، ص۷۲

[3] مثال کے طور پر لنکا نور کو سندھ کے مغربی علاقہ کا شترپ (سردار) بنایا گیا اور فلپوز کو پیوکلاؤٹس کے فوجی دستہ کا کمانڈر مقرر کیا گیا (ایضاً) [4] رستیس کا دارالسلطنت ہنفسٹین نے تیس دن میں فتح کیا اور اس کی ریاست سانگ گیٹو ۱۰۳، سنہ ... ۱۰۰

ٹکسیلا اور ابھی ساز

۳۲۶ ق.م کے موسم بہار کے آغاز پر سکندر نے حسب دستور قربانیاں پیش کیں اور اپنی خستہ و ماندہ فوج کو مختصر وقفہ کے لیے آرام کا موقع دیا اور اس کے بعد او ہند (اٹک سے چند میل شمال میں موجودہ اُنڈ) کے قریب بعافیت تمام دریائے سندھ کو پار کر لیا۔ ٹکسیلا میں متوفی ٹکسیلیس کے بیٹے اوم فِس یا امبھی[1] نے سکندر کا خیر مقدم کیا اور بیش قیمت اور خوبصورت تحفے جن میں چاندی اور اچھی نسل کی بھیڑیں اور بیل شامل تھے اُس کی خدمت میں پیش کیے[2] سکندر اس سے بہت خوش ہوا اور اس نے اپنی طرف سے تحفے شامل کر کے وہ تحفے اُسے واپس کر دیے۔ اس طرح اس نے ٹکسیلا کے راجا کی وفاداری حاصل کر لی۔ بلکہ اُس سے ۵۰۰۰ سپاہیوں کا ایک فوجی دستہ بھی حاصل کیا۔[3] اسی طرح ابھی سار (پونچھ اور نوشیرا کے اضلاع) کے دانا راجا ابھی سار یرا اور دیگر ہمسایہ راجاؤں مثلاً ڈاکسا ریز نے یہ سوچ کر کہ مقاومت سے کام نہیں چلے گا، خود بخود سکندر کی اطاعت قبول کر لی[4]

پورس

بہرحال جب سکندر ہائی ڈاسپیز (جہلم) پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ جلیل القدر پورس دریا کے اُس پار ٹکسیلا سے بھیجی گئی سکندر کی دعوت کے جواب میں بلاشبہ اُس کے استقبال کے لیے تیار کھڑا ہے لیکن ایک زبردست فوج کے ساتھ جنگ و جدال پر آمادہ و کمربستہ[5]۔ سکندر کے لیے دریا پار کرنا مشکل تھا اس لیے

---

[1] سگوین لیوی، جرنل ایشیاٹک، ۱۸۹۰ء صفحہ ۲۳۲ [2] ایرین پنجم، ۳، ایم، کرنڈل کی ان ویژن بائی الگزانڈر، صفحہ ۸۳ کرٹیس، ہشتم، ۱۲، ایضاً، صفحہ ۲۰۲

[3] ایرین، پنجم، ۸، ایضاً، صفحہ ۹۳ [4] ایضاً صفحہ ۹۲

[5] ڈی اوڈورس ہمیں یقین دلاتا ہے کہ ایبارسس (ابھی ساریس) نے پورس سے اتحاد قائم کر لیا تھا اور سکندر سے مقابلہ کی تیاری کر رہا تھا۔ (سترہ، ۸۷، ایضاً، صفحہ ۲۷۴)

دونوں عالی منزلت حریفوں میں کچھ دنوں ذہنی کشمکش کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر کار حملہ آور نے "چپکے سے راستہ" (ایرین) تلاش کرنے کا فیصلہ کیا اور ۱۱۰۰۰ منتخب سپاہی اپنے ساتھ لے کر رات کے سناٹے میں جبکہ بادو باراں کے ایک زبردست طوفان نے پورس کی مستعدی کو قدرے مضمحل کر دیا تھا اپنے کیمپ سے چند میل دور ایک تنگ موڑ پر، دریا پار کر لیا۔ اس کے علاوہ سکندر نے اپنے ارادوں اور نقل و حرکت پر پردہ ڈالنے اور دشمن کو فریب دینے کے لیے فوج کا ایک بڑا حصہ کریٹراس کی سرکردگی میں اپنے کیمپ میں چھوڑا اور دوسرا ملیگر کی قیادت میں کیمپ اور اُس مقام کے درمیان میں تعینات کیا جہاں اس نے دریا پار کیا تھا[1] جب پورس کو پتہ چلا کہ اس کی مزاحمت کی کوششیں ناکام ہو چکی ہیں اور سکندر نے مشرق کی جانب فوجوں کو اتار دیا ہے تو اس نے اپنے بیٹے کو ۲۰۰۰ سپاہیوں اور ۱۲۰ رتھوں" کی معیت میں اپنے نڈر حریف کی پیش قدمی روکنے کے لیے روانہ کیا۔ نوجوان پورس بڑی آسانی سے پسپا ہو گیا اور سکندر کے ہاتھوں مارا گیا۔

سکندر اور پورس کا مقابلہ

آخر کار پورس خود حرکت میں آیا اور ۵۰۰۰۰ پیدل، ۴۰۰۰ سوار، اس کے علاوہ ایک ہزار رتھ اور ۱۳۰ ہاتھی لے کر سکندر کے مقابل صف آرا ہوا۔ سب سے آگے ہاتھیوں کی صف قلعہ کی دیوار کی طرح کھڑی تھی۔ اس کے پیچھے پیدل پرے جمائے تھے۔ میمنہ اور میسرہ پر سواروں کے رسالے تھے۔ جن کے آگے رتھوں کی صفیں تھیں۔ سکندر نے کرتی[2] کے میدان میں ہندستانی لشکر کا ساز و سامان اور دم خم دیکھا تو اس کی زبان سے بے ساختہ نکلا "آخر کار میں ایک ایسے خطرے سے دوچار ہوں جو میری ہمت سے میل کھاتا ہے۔ اب مقابلہ بہ یک وقت خونخوار درندوں اور غیر معمولی عزم والے انسانوں سے آپڑا ہے۔"[3] یونانی سواروں نے

---

[1] کرٹیس ہشتم ۱۲، ایضاً صـ۲۰۲ رسل و رسائل قائم رکھنے کے لیے راستے میں جا بجا محافظ تعینات کر دیے گئے تھے [2] ایرین پنجم، ۱۴، ایضاً صـ۱۱ کرٹیس کے مطابق فوج کے اس ٹکڑے کی کمان پورس کا بھائی ہیگس کر رہا تھا۔ [3] ہشتم، ۱۴، ایضاً،

تیروں کی بوچھار سے جنگ کا آغاز کیا۔ ہندوستانیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور بقول پلوٹارک، آٹھ پہر دن تک وہ میدانِ جنگ میں "تمرّد کے ساتھ ثابت قدم رہے"[1] لیکن نتیجہ میں قسمت کا فیصلہ ان کے خلاف ہوا۔

پورس کی شکست کے اسباب

پورس کی طاقت کا دارومدار زیادہ تر رتھوں پر تھا۔ "ہر رتھ کو چار گھوڑے کھینچتے تھے۔ اور چھ آدمی اس پر سوار ہوتے تھے۔ ان میں سے دو سپر بردار، اور دو تیرانداز ہوتے تھے جو رتھ کے ہر دو جانب نشست قائم کرتے تھے۔ اس کے علاوہ دو رتھ بان ہوتے تھے جن کی حیثیت رتھ بان کی بھی تھی اور تیرانداز کی بھی۔ جب جنگ دست بہ دست ہونے لگتی تو وہ باگیں چھوڑ دیتے اور دشمن پر تیر برسانے شروع کر دیتے"[2] خاص اس دن یہ تمام رتھ بالکل بیکار ثابت ہوئے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ زبردست طوفانی بارش نے زمین میں پھسلن کر دی اور گھوڑوں کو نکما بنا دیا۔ رتھ، کیچڑ اور دلدل میں دھنس کر رہ گئے اور اپنے بھاری وزن کے باعث بروقت حرکت میں نہ لائے جا سکے[3] اس کے علاوہ پھسلن کی وجہ سے تیرانداز بھی ناکام رہے، کیونکہ انھیں تیر چلاتے وقت اپنی کمان کو زمین پر ٹیکنا ہوتا تھا جو پھسل جاتی تھی اور تیر دیر سے چلتا اور نشانہ خطا ہو جاتا تھا[4] مزید برآں، ہندوستانی فوج اس قدر بھاری بھرکم تھی کہ اُسے آسانی سے حرکت میں لانا آسان نہ تھا۔ اس لیے وہ یونانی فوج کے پھرتیلے سواروں کے استادانہ داؤ پیچ اور منظم پیدل صفوں کے حملوں کی تاب نہ لا سکی۔ اور آخری سبب یہ ہوا کہ پورس کو ہاتھیوں پر بڑا

---

[1] پلوٹارک، باب ساٹھ، ایضاً ص۳۰۸ [2] کرٹئیس، ہشتم، ۱۴،۱ [3] ایضاً، ص۲۰۷ [4] ایضاً، ص۲۱۸ [5] ایرین کا بیان ہے کہ کمان "تیرانداز کے قد کے برابر ہوتی ہے۔ اُسے وہ زمین پر ٹیکتے ہیں اور بائیں پیر پر زور دے کر اس کی ڈوری کو بہت پیچھے تک کھینچتے ہیں۔ ان کا تیر تین گز سے کچھ ہی کم لمبا ہوتا ہے" (انڈکا چودھواں باب ایم کرنڈل کی اینشینٹ انڈیا ایز ڈیسکرائبڈ بائی میگستھنیز اینڈ ایرین ص۲۲۵)، [6] کرٹئیس، ہشتم، ۱۴،۲۲ ایم کرنڈل کی ان ویژن بائی الگزانڈر ص۲۱۱

بھروسہ تھا، لیکن جب یونانیوں نے اُن کے پیروں اور سونڈوں کو اپنے تیشوں اور بھالوں سے کاٹ کاٹ کر قیمہ کردیا، تو وہ ڈر کر میدان جنگ سے "بھیڑوں کی طرح" بھاگ پڑے، اور اپنی ہی صفوں میں ہنگامہ برپا کردیا، فیلبانوں کو زمین پر گرادیا اور خود ہی انھیں کچل کر موت کے گھاٹ اتار دیا"۔[1] اس شکست فاش کے اسباب کچھ بھی ہوں اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پورس ایک شان دار، دیو پیکر انسان تھا اور اس کا قامت چھ فٹ سے متجاوز تھا۔ وہ جنگ میں پیچھے نہ ہٹا اور نہ فارس کے دارا سوم کوڈومنیس کی طرح میدان چھوڑ کر بھاگا۔ بلکہ منو کی ہدایت کے مطابق — "[illegible]" (ہفتم، ۸۸)، اپنے نو زخموں کے باوجود جو اس نے میدان جنگ میں کھائے تھے ثابت قدم رہا اور استحکام اور استقلال کے ساتھ دشمن پر تیر چلاتا رہا۔ وہ غالباً اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ "ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے"۔ جب پورس کو گرفتار کر کے سکندر کے سامنے لایا گیا تو وہ ذرا بھی "دل شکستہ اور پشیمان" نہیں تھا۔[2] بلکہ جرأت کے ساتھ وہ سکندر سے ملا۔ جس طرح ایک بہادر زور آزمائی کے بعد دوسرے بہادر سے ملتا ہے اور پُرغرور انداز میں اس سے مطالبہ کیا "اے سکندر میرے ساتھ وہ سلوک کر جو بادشاہوں کے شایان شان ہوتا ہے"۔[3]

---

[1] ایرین پنجم ۱۹: ایضاً، ص۱۹۔ [2] ایضاً، ایک حالیہ مقالہ میں (رودادِ انڈین ہسٹاریکل کانگریس الہ آباد ۱۹۳۸ء ص ۸۵-۹۱) ڈاکٹر ایچ سی سیٹھی نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس فاتح اعظم کو پہلی شکست دریائے جہلم پر ہوئی۔ اور اس نے پورس سے صلح کی درخواست کی۔ ان کے استدلال کی بنیاد لائف اینڈ اکسپلائٹس آف الگزانڈر (ای۔ اے۔ ڈبلیو بج کا ترجمہ، ص ۱۲۳) کے حبشی ترجمے کی ایک مشکوک مشتبہ عبارت ہے۔ فاضل پروفیسر کے خیالات سے اتفاق کرنا مشکل ہے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ حبشی ترجمہ کی تاریخ کا ہمیں یقین نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ یونان اور روم دونوں کے کلاسکی مصنفین کی یکساں شہادتوں کے یہ منافی ہے اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم یہ یقین کرلیں کہ اُنھوں نے عمداً سازش کر کے جھوٹ باتیں لکھ دیں۔ تیسرے یہ کہ اگر پورس فتح یاب ہوا بھی جیسا کہ ڈاکٹر سیٹھ کا دعویٰ ہے تو سکندر ہائی فیسز کے کنارے تک پھر کس طرح پہنچ سکا۔ اس جیسا تھکا جنرل یہ کر نہیں سکتا تھا، چاہے ہندستان کے دروازے ہی پر پورس کے سامنے جھکنا پڑ جاتا۔ [3] جسٹن، بارہ، ۸؛ ایم کرنڈل کی اِن ویژن بائی الگزانڈر ص ۳۲۳

جسٹن کہتا ہے کہ سکندر نے پورس کی شجاعت کا احترام کرتے ہوئے اُسے بہ حفاظت اس کی راج گدی پر بحال کر دیا[1] پورس کے ساتھ سکندر کی اس کشادہ دلی کے برتاؤ میں شاید کسی حد تک اس کی عالی حوصلگی اور اولوالعزمی کو بھی دخل ہو، لیکن اس کے کچھ اور بھی اسباب ضرور تھے کیونکہ سیاسیات میں اس قسم کی عالی ظرفی کی گنجائش ذرا مشکل ہی سے نکلتی ہے۔ پہلا سبب تو یہ ہو سکتا تھا کہ پورس کی زبردست مقاومت نے جو اس کے مجروحین و مقتولین کی بڑی تعداد سے ظاہر ہے[2]، ضرور سکندر کی آنکھیں کھول دی ہوں گی اور اس نے پورس سے مصالحت ضروری سمجھی ہوگی دوسرے سکندر یہ بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ چونکہ وہ دُور دراز یونان کا رہنے والا ہے، اس لیے مقامی امداد و تعاون اور وفاداری کے بغیر تمام مفتوحہ علاقوں کو اطاعت پر مجبور کرنا اس کے لیے ناممکن ہوگا۔ اس کے ماسوا، اس کا مشرق میں ایک مستقل سلطنت قائم کرنے کا خواب ایک بڑی حد تک شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا تھا اور اس لیے ضروری تھا کہ صلح و مصالحت سے کام نکالے، یا کہنا چاہیے، جنگلی ہاتھیوں کو پالتو ہاتھیوں کے ذریعہ پکڑنے کی پالیسی اختیار کرے۔ چنانچہ سکندر نے پورس کی طرف دوستی اور مصالحت کا ہاتھ بڑھانا ضروری سمجھا اور اس کا راج پاٹ اور عزت و وقار اسے واپس کر دیا۔ ایسا کر کے اس نے نہ صرف اپنی حکمتِ عملی اور سیاسی مصالح کے مطابق عمل درآمد کیا، بلکہ حیرت انگیز طور پر، ہندو فاتحین کی روایتی پالیسی کی بھی تقلید کی جس کی منو[3] اور کوٹلیہ[4] نے بھی حمایت کی ہے۔ یعنی یہ کہ مفتوحہ علاقہ کو براہِ راست سلطنت میں شامل کرنے کی بجائے مفتوحہ

---

[1] جسٹن، بارہ‘ ۸، ایم، کرنڈل کی ان ویژن بائی الگزانڈر صفحہ ۳۲۳ [2] ڈی اوڈرس کہتا ہے کہ ۱۲۰۰۰ آدمی مارے گئے اور ۹۰۰۰ گرفتار ہوئے (سترہ، ۸۹، ایضاً صفحہ ۲۷۶) ایرین کے مطابق مقتولین کی تعداد ۳۰۰۰ پیدل اور ۲۰۰۰ سوار ہے، اور عام رتھ ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے (پانچ، ۱۸، ایضاً صفحہ ۱۰۷) [3] دیکھئے منو

सेवषां तु विद्त्वैषा समासेन चिकीर्षितम
स्थानस्थ लदूस्य कुयाद्य समयाक्रियाम

حکمراں کو یا حکمراں خاندان کے کسی نوعمر لڑکے کو راج گدی دے دی جائے۔

دو شہروں کی بنیاد

اس کے بعد سکندر نے دو شہروں کی بنیاد رکھی جن میں سے ایک کا نام اس نے اپنے جنگی گھوڑے کے نام پر جو ہندوستان میں کام آیا تھا "بوکے نالا" اور دوسرے کا نام اپنی فتح کی یادگار قائم کرنے کے لیے "لنکا ٹیا" رکھا، جسے اس نے اس مقام پر بسایا جہاں پورس سے اس کی جنگ ہوئی تھی۔

گلاڈسائی اور پورس (خورد) کی شکست

یونانی دیوتاؤں کی شکست کے بعد سکندر نے اگلا قدم یہ اٹھایا کہ وہ اس قوم کے علاقہ میں داخل ہوا جو گلاڈسائی یا گلاڈکسنی کائی (کاشکا کے سنسکرت گلاڈچکاینک؟) کہلاتا تھا۔ یہاں اس نے ان کے ۳۷ شہروں پر قبضہ کیا۔ جن میں سب سے چھوٹے شہر کی آبادی... ۵ سے کم نہیں تھی اور سب سے بڑے شہر کی آبادی.... اسے زیادہ تھی"[1] اس منزل پر پہنچ کر سکندر نے اپنے خلاف بغاوتوں کا حال سنا۔ سندھ سے مغرب کے ہندوستان کے شترپ (حاکم) نکانور کو قتل کر دیا گیا اور سسی کوٹس یعنی ششی گپت نے بھی، جو سکندر کی طرف سے اورنس کے قلعہ پر تعینات تھا، فوری امداد کے لیے پیغامات بھیجے۔ اس کے پڑوسی مشترب تھری اسپیز اور فلب نے جو ٹکیسلا کی ریاست میں تعینات تھے، فوراً لبیک کہا اور یونانی طاقت کو جو خطرہ لاحق تھا اس کا سدباب کیا۔ تھریس سے کمک آنے اور ابھی سار کے حکمراں کے از سرِنو اطاعت قبول کرنے کے بعد، سکندر نے آکے سنیز کو (سنسکرت اسکنی یا چناب) کو عبور کیا اور جلیل القدر پورس کے بھتیجے پورس خورد کو زیر کیا۔ اس کی ریاست جسے گندرش[2] کہتے تھے نیز گلاڈسائی کو سکندر نے اپنے سابقہ دشمن پورس بزرگ (پورو) کی ریاست میں شامل کرا دیا۔

پم پرما پر قبضہ

۳۲۶ ق۔م۔ کی اگست تک مقدونوی فوج ہائی ڈروٹیز (پرشنی، یا اراوتی یعنی موجودہ راوی) تک جا پہنچی اور سکندر نے نئی نئی فتوحات حاصل کیں۔ اس نے پم پرما کو فتح کر لیا جو اب تک اوڈسس تے قبیلے (یا لینی کے ارشٹوں) کے قبضہ میں تھا۔

---

[1] بوکے فالا ہائی ڈاسپیز (جہلم) پر ٹھیک اس مقام پر واقع تھا جہاں سکندر نے دریا کو عبور کیا تھا۔

[2] دیکھیے اسٹرابو، ایم کرنڈل کی اینشنٹ انڈیا صہ۳۷

سنگل کا محاصرہ

اس کے فوراً بعد سکندر نے سنگل کا محاصرہ کرلیا جو کتھائیوں (سنسکرت کے کٹھوں) کا گڑھ تھا۔ کتھ قوم کے لوگ اپنی بہادری اور فن جنگ میں مشہور تھے[1]
اونی سیکروٹاس کے حوالہ سے اسٹرابو ہمیں بتاتا ہے کہ کتھائیوں میں مردانہ حسن کی بڑی قدر تھی ان میں جو سب سے زیادہ حسین وجمیل ہوتا تھا اسے وہ راجا چن لیتے تھے[2] بچہ کی پیدائش کے دو ماہ بعد ایک سرکاری افسر یہ جانچنے کے لیے اس کا معائنہ کرتا تھا کہ وہ "بہ اعتبار حسن قانون کے مقررہ معیار پر پورا اترتا ہے یا نہیں، نیز یہ کہ وہ زندہ رہنے کا مستحق ہے یا نہیں[3]" عورتیں اور مرد اپنی پسند کی شادیاں کرتے تھے اور عورتیں مرنے والے شوہر کے ساتھ اپنے کو زندہ جلادیتی تھیں[4] کتھائیے بڑھ چڑھ کر بڑے تہوّر کے ساتھ جنگ کرتے تھے یہاں تک کہ پورس کو بھی ۵۰۰۰ ہندستانی سپاہ لے کر[5] سکندر کی مدد کو آنا پڑا۔ آخر کار جب قلعہ فتح ہوگیا تو ۱۷۰۰۰ آدمیوں نے جو قلعہ کی حفاظت کر رہے تھے جان دے دی۔ ۷۰۰۰۰ آدمی گرفتار ہوئے اور ۳۰۰ گاڑیاں اور ۵۰۰ سوار سکندر کے ہاتھ لگے[6]۔ کتھائیوں کی اس زبردست مقاومت سے سکندر اس درجہ برافروختہ ہوا کہ سنگل کے شہر کو اس نے مسمار کر ڈالا۔ پھر عقب لشکر کی حفاظت کے لیے اس نے یونانی فوجی دستے مفتوحہ شہروں کو بھیجے اور خود ہائی فیز (بیاس) کی طرف بڑھنے لگا تاکہ ہندستان کے مشرق بعید میں اپنا یونانی جھنڈا لہرانے کے دیرینہ خواب کو عملی جامہ پہنا سکے۔

یونانی فوج آگے بڑھنے سے انکار کر دیتی ہے

سکندر جب دریا کے قریب پہنچا تو ایک عجیب وغریب بات پیش آئی۔ اس کی ہمیشہ فتح یاب ہونے والی فوج نے جو اب تک بے شمار خطرات و مصائب کا مقابلہ

---

[1] ایرین، پانچواں، ۲۲، ایم کرنڈل، ان ویژن بائی الگزانڈر [2] دیکھیے اسٹرابو، ایم کرنڈل کی انیشنٹ انڈیا صفحہ ۳۸ [3] ایضاً [4] ایضاً [5] ایرین پانچواں، ۲۴، ایم کرنڈل کی ان ویژن بائی الگزانڈر صفحہ ۱۱۹ [6] ایضاً۔

کرچکی تھی، یک لخت ہتھیار ڈال دیے اور آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ فوج کو نہ اب شہرت کی تمنا تھی نہ مال غنیمت کی پروا۔

اس کے اسباب

اس سے پہلے کہ ہم سکندر کی واپسی کے سفر کے نشیب و فراز پر روشنی ڈالیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یونانی سپاہیوں کے رویے میں جو غیر متوقع تبدیلی پیدا ہوئی اس کے اسباب و علل کا تجزیہ کریں۔ وہ کیا چیز تھی جس کے باعث طبلِ جنگ ان کے دلوں میں کوئی تڑپ پیدا کرنے سے قاصر رہا۔ کیا وجہ ہوئی کہ ان کے سپہ سالارِ اعظم اور بادشاہ کی منت و سماجت اور جوشیلی تقریریں خون کے آنسوؤں اور کراہوں کے علاوہ کوئی اور اثر مرتب کرنے میں ناکام رہیں[1] کیا سبب تھا کہ دور دراز ممالک میں یونانی اقتدار قائم کرنے کے لیے ان کا جوش و خروش ہائی فیز پہنچتے ہی یک لخت ٹھنڈا پڑ گیا؟ یہ حقیقت ہے کہ یونانی سپاہی جنگ سے تنگ آگئے تھے، وطن کی یاد انھیں ستا رہی تھی۔ بیماری نے انھیں پریشان کر دیا تھا اور وہ اپنے تئیں مفلس و محتاج محسوس کر رہے تھے[2] ان میں سے اکثر ایسے تھے جن کے پاس نہ وردیاں باقی رہی تھیں نہ ہتھیار۔ یونان سے ان چیزوں کا منگوانا انتہائی دشوار تھا۔ ایسے سپاہیوں کی بھی کمی نہیں تھی جو اس لیے افسردہ و مغموم تھے کہ ان کے بہت سے ساتھی اور دوست میدانِ جنگ میں کام آچکے تھے یا بیماری کا شکار ہو گئے تھے۔ لیکن کیا ان کے اس رویہ کا جس سے بغاوت کی بو آرہی تھی، کوئی اور سبب بھی ہو سکتا تھا؟ پلوٹارک نے بہرحال اس راز کی طرف ہلکا سا اشارہ کیا ہے یعنی یہ کہ پورس سے مقابلہ کے بعد ہی یونانی فوج کی ہمت ٹوٹ چکی تھی اور سکندر کے حکم سے وہ بادلِ ناخواستہ ہائی فیز تک جانے کے لیے تیار ہوئی تھی۔ وہ کہتا ہے۔

---

[1] پلوٹارک، باب باسٹھ، ایم، کرنڈل ان ویژن بائی الگزانڈر، صفحہ ۱۳۰؛ ایرین، باب پانچ، ۲۸، ایضاً، صفحہ ۱۲۵

[2] دیکھیے کوئینوس: "ہم نے عام دنیا کو فتح کر لیا ہے، لیکن ہم ہر چیز کے لیے محتاج ہیں" کرٹیس، نو، ۳، ایضاً، صفحہ ۲۲۹

"پورس کے ساتھ جنگ کے بعد ہی یونانی سپاہ نے جی چھوڑ دیا تھا اور وہ کسی طرح آگے بڑھنے کے لیے راضی نہیں تھی۔ کیونکہ پورس کو شکست دینا انتہائی مشکل کام تھا جبکہ سکندر کے ساتھ کل ۲۰۰۰۰ پیدل اور ۲۰۰۰ سوار تھے، اس لیے جب سکندر نے اپنے سپاہیوں سے گنگا پار کرنے پر زور دیا تو انھوں نے سختی سے اس کی مخالفت کی [1] یونانی فوج ہندستانی سپاہیوں کی جاں بازی اور سرفروشی اور جنگی صلاحیت سے کافی مرعوب تھی حقیقتاً، بقول ایرین "ایشیا، میں بسنے والی دوسری قوموں کے مقابلہ میں ہندستانی فنِ جنگ میں سب پر فضیلت رکھتے تھے۔" [2] شاید یہی وجہ ہوئی کہ یونانیوں نے پورس سے لڑائی کے بعد ہی یہ ظاہر کر دیا کہ ہندستان میں مزید صعوبتیں برداشت کرنا اب ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ لیکن جب سکندر نے اپنی فوج کو آگے بڑھنے کے لیے مزید اُکسایا تو فوج کی تشویش و پریشانی نقطۂ عروج پر پہنچ گئی اور اس کی قوت برداشت نے بالکل جواب دے دیا۔ ہائی فیسز کے راستہ میں سکندر کے سپاہیوں نے طرح طرح کی دہشت ناک افواہیں سُنیں۔ یعنی یہ کہ دریا کے اس پار وسیع و عریض اور اُداس و ویران ریگستان ہیں، تیز و تند اور عمیق و اتھاہ دریا ہیں [3] اور جو بات سب سے زیادہ پریشان کُن تھی وہ یہ کہ دریا کے اُس پار طاقت ور اور دولت مند قومیں آباد ہیں جن کے پاس عظیم الشان افواج ہیں۔ کرٹیس بتاتا ہے کہ فیگیس (فگلیس [4]) نے جو بھگل سے [5] کے مماثل ہے، سکندر کو حسب ذیل معلومات بہم پہنچائی:

"گنگا کی دوسری جانب دو قومیں آباد ہیں۔ گنگری دائی اور پرسی آئی۔ جن کا راجا اگرامس اپنے ملک کی حفاظت کے لیے ۲۰۰۰۰ سوار، ۲۰۰۰۰۰ پیدل اور ۲۰۰۰ چار گھوڑوں والے رتھ رکھتا ہے اور سب سے زیادہ ہیبت ناک طاقت اس کے پاس یہ ہے کہ اُس کے جنگی ہاتھیوں کی تعداد ۳۰۰۰ تک پہنچ گئی ہے۔ [6]" اسی طرح

---

[1] پلوٹارک ؛ باسٹھ ؛ ایضاً، صفحہ ۱۳ پلوٹارک نے اس مقام پر فوج کا اندازہ اصل سے کم کیا ہے اور ہائی فیسس کی بجائے گنگا لکھدیا ہے [2] ایرین، پانچ، ۴، ایضاً ص ۸۵ [3] کرٹیس، نو، ۲، ایضاً، صفحہ ۲۲۱
[4] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد ایک، صفحہ ۳۷۲ [5] کرٹیس، نو، ۲، ایم کرنڈل کی اِن ویژن بائی الگزانڈر صفحہ ۲۲۱ تا ۲۲۲

پلوٹارک کہتا ہے کہ "گنگری نائی اور پرائی سیائی کے راجا... ۸۰ سواروں، ۲۰۰۰۰ پیادوں، ۸۰۰۰ رتھوں اور ۶۰۰۰ جنگی ہاتھیوں کی فوج کے ساتھ اپنے ملک میں سکندر کی آمد کے منتظر تھے۔ اس میں کوئی مبالغہ نہیں تھا کیونکہ تھوڑے ہی عرصے بعد جب اینڈراکوٹس راج گدی پر بیٹھا تو اس نے سلیوکس کو ۵۰۰ ہاتھی تحفہ میں پیش کیے اور ۶۰۰۰۰ سپاہیوں کی فوج کی مدد سے تمام ہندوستان سے تاخت و تاراج کرکے اپنے قبضہ میں کرلیا[1] ان بیانات کی بنیادی حقیقت کی تائید دیسی ماخذ سے بھی ہوتی ہے۔ جن سے ہمیں نند شہنشاہ کی جو گنگری دائی اور پرسیائی قوموں پر حکومت کرتا تھا بے پناہ دولت اور طاقت کا حال معلوم ہوتا ہے[2] ایرین کا بیان بھی بہت کچھ اسی کے مطابق ہے، لیکن اس کا مطلب اس خطۂ ملک سے معلوم ہوتا ہے جو ہائی مسیز کی دوسری جانب واقع تھا۔ وہ کہتا ہے: "یہ ایک بہت زرخیز علاقہ تھا اور وہاں کے باشندے اچھے قسم کے زراعت پیشہ، جنگ آزمودہ اور ایک بہترین طرزِ حکومت رکھنے والے لوگ تھے عوام پر امرا کی ایک جماعت حکومت کرتی تھی، جو اپنے اختیارات کو انصاف و اعتدال کے ساتھ استعمال کرتی تھی۔ یہ اطلاعات بھی ملیں کہ ان لوگوں کے پاس دیگر ہندوستانیوں کے مقابلہ میں ہاتھیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ نیز یہ کہ اُن کے ہاتھی جیالے اور قد و قامت میں سب سے اچھے تھے۔[3]" ان تفصیلات نے سکندر کے بے پناہ حوصلہ کے لیے مہمیز کا کام دیا اور ہندوستان کے وسط میں پہنچنے کے لیے وہ اور زیادہ بے چین ہوگیا۔ دوسری طرف اہلِ مقدونیہ کا یہ حال تھا جس کی تصدیق ایرین نے بھی کی ہے کہ انھوں نے "یہ دیکھ دیکھ کر کہ ان کا بادشاہ مصیبت پر مصیبت اور خطرہ پر خطرہ مول لیے چلا جارہا ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے، ہمت ہارنی شروع کردی تھی[4]"، اور واقعہ یہ ہے کہ فوج میں جابجا مشورے ہونے لگے تھے جو لوگ معتدل خیال کے تھے وہ

---

[1] پلوٹارک، باسٹھ، ایضاً، صفحہ ۳۱ [2] ملاحظہ ہو رائے چودھری، پولیٹیکل ہسٹری آف انشینٹ انڈیا چوتھا اڈیشن، صفحہ ۱۸۸ صفحہ ۱۹۱ [3] ایرین، پانچواں، ۲۵، ایم کرنڈل کی اِن ویژن بائی الگزانڈر صفحہ ۱۲۱

[4] ایضاً

اپنی حالت پر ماتم کر رہے تھے، لیکن دوسرے لوگ قطعی طور پر یہ رائے رکھتے کہ اگر سکندر خود بھی آگے آگے چلے گا تب بھی وہ اس کے پیچھے ایک انچ آگے نہیں بڑھیں گے۔[1]

سکندر کی اپیل

سکندر نے بے جگری کے ساتھ اپنے ساتھیوں سے ایک ولولہ انگیز اپیل کی جس میں اس نے کہا "بہادرو! میں جانتا ہوں کہ گزشتہ دنوں میں اس ملک کے باشندوں نے طرح طرح کی افواہیں پھیلائی ہیں جن کا واضح مقصد یہ ہے کہ تمھارے خوف و ہراس سے فائدہ اٹھا کر تمھاری ہمتوں کو پست کر دیں۔ لیکن ایسے لوگوں کا جھوٹ جو اس قسم کی لغویات گھڑتے ہیں تمھارے لیے کوئی نئی بات نہیں ہے۔[2] یہ ذمہ داری اور یقین دہانی بالکل رائیگاں گئی۔ فوج اپنے انکار پر بضد رہی اور بیاس کے اس پار جا کر ہندستانیوں سے لڑنے کے لیے قطعاً تیار نہ ہوئی کیونکہ ہندستانی فوج کی تعداد بقول کوئنیاس بربروں کے دانستہ مبالغہ کے باوجود، جیسا کہ بیانات سے خود ظاہر ہے، کافی بڑی تھی۔[3] سکندر نے اپنی فوج کی ہمت بڑھانے کے لیے مایوسی کے عالم میں ایک اور آخری کوشش کی اور یہ دھمکی دی کہ اگر اس کے سپاہی اس کا ساتھ چھوڑ بھی دیں گے تو بھی وہ آگے بڑھنے سے باز نہیں آئے گا۔ اس نے کہا: "تو پھر مجھے اکیلا دریاؤں میں ڈوبنے دو، خونخوار ہاتھیوں اور ان قوموں کے غیظ و غضب کا مجھے تنہا مقابلہ کرنے دو جن کا نام سن کر خوف سے تمھارا دم نکلتا ہے۔ تم ساتھ چھوڑتے ہو تو چھوڑ دو، مجھے ایسے لوگ مل جائیں گے جو میرا ساتھ دیں گے۔"[4]

فوج کی خاموشی

لیکن ہندوستانیوں کی زبردست مقاومت اور شجاعت نے جسے یونانی

---

[1] ایضاً [2] کرٹیس، نواں، ۲، ۱۰ ایضاً ۲۳۳ [3] کرٹیس، نواں، ۲، ۱۰ ایضاً ۲۲۹ [4] کرٹیس، نواں، ۲، ایضاً ۲۲۶

میدان جنگ میں کئی بار آزما چکے تھے یونانی فوج پر ہیبت طاری کر دی تھی۔ نیز ہائی فیسز کے اس پار بسنے والی قوموں کی فوجی قوت نے انھیں اس درجہ خوف زدہ کر دیا تھا کہ سکندر کی یہ دھمکی اور یہ بھیانک تصور کہ سکندر دشمن ملک کے خطروں میں تنہا کود پڑے گا اور ہو سکتا ہے، جان بھی دے دے، خاموش آنسوؤں کے سوا کوئی اور اثر مرتب نہ کر سکی۔ صورتِ حال کا اندازہ سکندر کو اب ہوا۔ اس نے بڑی حسرت سے کہا: "میں اب تک بہرے کانوں پر دستک دیتا رہا۔ میں ان لوگوں کا دل بڑھانے کی کوشش کر رہا ہوں جو بے وفائی کر رہے ہیں اور جنھیں بزدلانہ خوف نے پسپا کر دیا ہے"[1] اس کے بعد اس نے فوج کو واپسی کا حکم دے دیا۔ اس طرح سکندر کا مشرق میں سلطنت قائم کرنے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا اور یہ نامی گرامی سپہ سالار اور سینکڑوں معرکوں کا ہیرو اپنے لشکر کے خوف کے سامنے سپر انداز ہو گیا، حالاں کہ اس کے اپنے مزاج کے لیے جو مغلوب ہونے کے تصور سے ناآشنا تھا، اس قسم کا خوف بالکل اجنبی تھا۔ ڈی اوڈرس سکولس ہمیں بتاتا ہے کہ ہندستان کی سب سے بڑی قوم اس وقت گنگری دائی تھی جس کے ہاتھیوں کی کثرت سے مرعوب ہو کر سکندر اس پر حملہ نہ کر سکا[2] لیکن اس سے ہمیں یہ ہرگز نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ اپنی طاقت کے بارے میں کوئی غلط فہمی رکھتا تھا یا آیندہ مہموں میں جان پر کھیلنے میں خود اسے کوئی تامل تھا، بلکہ اس کا اصلی سبب اس کے لشکر کا بزدلانہ رویہ تھا۔ یہی وجہ ہوئی کہ وہ آگے بڑھنے کا ارادہ ملتوی کر کے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گیا[3]

قربان گاہیں

کہتے ہیں کہ اس نے اپنے مشرقی حملہ کی آخری حد کی یادگار قائم کرنے کے لیے حکم دیا کہ پتھر کی بارہ عظیم الشان قربان گاہیں تعمیر کرائی جائیں جنھیں خاص خاص

---

[1] ایضاً [2] اینشنٹ انڈیا ایز ڈیسکرائبڈ ان کلاسیکل لٹریچر ص ۲۰۱

[3] ملاحظہ ہو جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال۔ نیا سلسلہ، نواں، ۱۹۲۳ء ص ۶۲۵ تا ص ۶۲۹

[4] یہ قربان گاہیں ہائی فیسز کے داہنے کنارے پر واقع تھیں، بائیں پر نہیں، جیسا کہ پلائنی نے یقین دلایا ہے۔

یونانی دیوتاؤں سے منسوب کیا جائے لہ جب یہ دیوہیکل یادگاریں مکمل ہوگئیں تو سکندر نے بعافیت وطن پہنچنے کے لیے منتیں مانگیں، قربانیاں کیں اور تمام ضروری رسمیں ادا کیں۔

واپسی اور انتظامِ حکومت

یونانی طوفان بڑی تیز رفتاری کے ساتھ آیا اور تمام پنجاب پر محیط ہوگیا لیکن ۳۲۶ ق۔م۔ کے ستمبر میں اس کا زور گھٹ گیا اور غالباً گنگا کے میدانوں میں بسنے والوں کو اس کی گرج اور کڑک کی آوازیں سننے کے علاوہ اس کی تباہ کاریوں کا کوئی علم نہ ہو سکا۔ بہت جلد سکندر ہائی ڈاسپیز (جہلم) کے کنارے پہنچ گیا جہاں پورس سے اس کا مقابلہ ہوا تھا۔ یہاں پہنچ کر سکندر نے پنجاب کے مفتوحہ علاقوں پر اپنا تسلط مستحکم کرنے کے لیے ضروری انتظامات کیے۔ ہائی ڈاسپیز اور ہائی فیسز کا درمیانی علاقہ اس نے اپنے نئے حلیف پورس کے سپرد کیا۔ سندھ اور ہائی ڈاسپیز کے دوآبے پر اس نے مکمل اختیارات اُومفِس یا ٹکسیلا کے امبھی کو دیے۔ اسی طرح ابھی سار کے حاکم کے اختیارات کی وسعت کشمیر تک رہی اور اُرشا (ضلع ہزارہ) کے اَرسکیز کو اسی کے ماتحت رکھا گیا۔ ان ہندوستانی راجاؤں کی حکومت میں توازن قائم کرنے کے لیے سکندر نے سرزمین ہند پر اپنے بسائے ہوئے شہروں میں حسبِ ضرورت یونانی فوجی دستے تعینات کیے۔ جن کا مقصد یہ تھا کہ اس کے اقتدارِ اعلیٰ کی حفاظت و نگہبانی کریں۔ تاکہ کوئی من چلا ہندوستانی حکمران غیر ملکی غلامی کا طوق اتارنے کی کوشش میں بغاوت نہ کر سکے۔

سوفائیٹیز

اس کے بعد سکندر نے دریاؤں کے بہاؤ پر کشتیوں کے ذریعہ سفر کی تیاریاں شروع کردیں۔ لیکن واقعتاً سفر اختیار کرنے سے پہلے اس نے اپنے طاقتور دشمنوں کو اپنے راستے سے صاف کیا۔ اور سوفائیٹیز (سوبھوتی؟) کو تسخیر کیا جس کی ریاست میں وہ ایک پہاڑ تھا جس سے نمک برآمد ہوتا تھا جو تمام ہندوستان کو نمک بہم پہنچا

سکتا تھا[1] گویا وہ نمک کا سردار تھا[2] یہ بات بھی ضمنی طور پر قابلِ ذکر ہے جیسا کہ اسٹرابو نے بھی لکھا ہے کہ سوفائیٹیز کے علاقہ میں کتے ہوتے تھے جن کی ہمت اور دلیری حیرت انگیز تھی اور سکندر نے انھیں شیر سے مقابلہ کرتے ہوئے دیکھا[3] لیکن کرٹیئس دعویٰ کے ساتھ کہتا ہے کہ سوفائیٹیز کے لوگ عقل و دانش میں سبقت لیے ہوئے تھے اور ان کے رسم و رواج اور قوانین میں شائستگی پائی جاتی تھی[4] کیتھائینوں کی طرح وہ بھی حسن و جمال کا بہت لحاظ رکھتے تھے۔ ان کی شادیوں میں نسلی امتیاز کی کوئی حیثیت نہیں تھی بلکہ شکل و صورت معیار سمجھی جاتی تھی۔ ہر شیرخوار بچہ کا طبی معائنہ کرایا جاتا تھا، اور اگر بچہ کے اعضا میں کوئی جسمانی عیب یا خرابی پائی جاتی تو اسے مروا ڈالا جاتا تھا[5]

دریائی سفر

اکتوبر کے آخر میں واپسی کے سفر کا اعلان کر دیا گیا۔ بگل بجائے گئے اور یونانی کشتیاں سبک رفتاری اور شان کے ساتھ قطار در قطار دریا میں تیرتی دکھائی دینے لگیں۔ دونوں کناروں پر پیدل لشکر تھا، ایک جانب ہفیشن کی قیادت میں اور دوسری جانب کرے ٹراس کی کمان میں، یہاں تک کہ یونانی فوج آکیسنیز اور ہائی ڈاسپیز کے سنگم پر پہنچ گئی۔

---

[1] اسٹرابو، ایم کرنڈل کی اینشنٹ انڈیا

[2] بہرحال کرٹیئس کے بیان کے مطابق سوفائیٹیز کی ریاست ہائی فیسز کے مغرب میں واقع تھی۔ نواں؛ ایم کرنڈل کی ان ویژن بائی الگزانڈر، ص۲۱۹ ،

[3] ایضاً، ص۲۲؛ اسٹرابو اینشنٹ انڈیا

اینشنٹ انڈیا ص۳۸

[4] کرٹیئس، نواں، ۱، ایم کرنڈل کی ان ویژن بائی الگزانڈر، ص۲۱۹

[5] ایضاً

سبوئی اور اگلیشن

یہاں پہنچکر سکندر نے سبوئی (سنسکرت شیوی) سے جنھوں نے ۴۰۰۰۰ سواروں کی فوج جمع کی تھی[1] اور اگلیشینوں (اگرشرینیوں) سے جنھوں نے ۴۰۰۰۰ پیادوں اور ۳۰۰۰ سواروں کا لشکر فراہم کیا تھا[2]، زور آزمائی کے لیے اپنی فوج کو کشتیوں سے اترنے کا حکم دیا۔ سبوئی جو "جنگلی جانوروں کی کھال میں ملبوس تھے اور لاٹھیوں سے لڑتے تھے" بہت جلد پسپا ہو گئے۔ لیکن اگلیشنوں نے بہادری سے اپنی راجدھانی کی حفاظت کی اور پہلے حملہ میں سکندر کو پیچھے ہٹا دیا اور اس میں سکندر کا کافی نقصان ہوا۔ کرٹیس کہتا ہے کہ بعد میں انھوں نے اپنی نازک حالت کو دیکھتے ہوئے اپنے گھروں کو آگ لگا دی اور اپنے بیوی بچوں سمیت اپنے کو نذرِ آتش کر دیا[3]۔" اس طرح اگلیشنیوں کی یہ رسم راجپوتوں کی جوہر کی رسم کی جو عہد وسطیٰ میں رائج تھی، ابتدائی صورت تھی۔

ملوئی اور اوکسی ڈراکائی

اگلیشنوں سے فراغت پا کر سکندر نے ملوئی (مالو) اور اوکسی ڈراکائی (شودرکوں) کے خلاف مہم کا آغاز کیا جو اس خطۂ ملک کے تمام قبیلوں میں سب سے کثیر تعداد میں تھے اور سب سے زیادہ جنگجو تھے۔" ان قبیلوں نے اپنے بیوی بچوں کو اپنے مضبوط و محفوظ شہروں میں منتقل کر دیا اور سکندر کے معاندانہ استقبال کے لیے تیار ہو گئے[4]۔ کرٹیس کہتا ہے کہ سابق میں یہ دونوں قبیلے آپس میں دشمنی رکھتے تھے، لیکن جب انھیں موقع کی نزاکت کا احساس ہوا تو وہ متحد ہو گئے اور ایک فوج جمع کی جس میں ۹۰۰۰۰ پیدل، ۱۰۰۰۰ سوار، اور ۹۰۰ جنگی رتھ شامل تھے۔ یونانی سپاہیوں نے اب یہ سمجھنا شروع کر دیا تھا کہ ان کے ایام مصیبت قریب الختم

---

[1] کرٹیس، نواں، ۴، ایضاً صہ ۲۳۲ [2] ڈی اوڈرس، سترھواں، باب چھیانواں، ایضاً صہ ۲۸۵
[3] کرٹیس، نواں، ۴، ایضاً صہ ۲۳۲ [4] ایرین، چھ، ۴، صہ ۱۳۷

ہیں لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ ایک نیا مقابلہ اُن کا منتظر ہے، تو ان پر" غیر متوقع دہشت" طاری ہوگئی اور کرٹیس کے الفاظ میں انھوں نے " باغیانہ انداز میں بادشاہ پر لعنت و ملامت شروع کردی[1] انھوں نے کہا کہ سکندر نے لڑائی ختم نہیں کی ہے بلکہ صرف موقفِ جنگ بدل دیا ہے۔ سکندر نے یہ تہیہ کرکے کہ ہائی فیسز کی کہانی کہیں یہاں نہ دُہرائی جائے۔ اپنی فوج سے ایک پُرتاثیر اپیل کی جس میں اس نے کہا" مجھے عزت کے ساتھ ہندستان سے واپس جانے دو۔ ایسا نہ ہو کہ مجھے پناہ گیروں کی طرح یہاں سے جان بچاکر بھاگنا پڑے"[2] اس مرتبہ سکندر کی اپیل نے متوقع اثر مرتب کیا اور لشکر میں حرکت وعمل کی تازہ روح بیدار ہوگئی۔ فوج کی جنگ کے لیے آمادگی دیوانگی کی حد تک پہنچ گئی۔ چنانچہ سکندر خطرے کی اطلاع دیے بغیر ملوئی لوگوں پر اچانک اس وقت ٹوٹ پڑا جب بیچارے نہتے کھیتوں میں کام کررہے تھے[3] ان کی ایک کثیر تعداد کو بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کردیا گیا لیکن اس سے ان کا سرمایۂ مقاومت ختم نہیں ہوگیا۔ کچھ ملوئی شہر کے اندر پناہ گزیں ہوگئے۔ سکندر نے شہر کا محاصرہ کرلیا جس میں ۲۰۰۰ آدمی کام آئے۔ بعض نے برھمنوں یا برہمنوں کے شہر میں جاکر پناہ لی۔ سکندر نے ان کا تعاقب کیا۔ ایرین کہتا ہے![4] "چوں کہ یہ جوشیلے لوگ تھے، اس لیے بہت تھوڑے گرفتار ہوسکے۔ باقی سب تلوار سے ہلاک ہوئے"[5] اس کے بعد سکندر نے ان کے مخصوص گڑھ پر چڑھائی کی جو موجودہ جھنگ اور منٹگمری ضلعوں کی سرحد پر کہیں واقع تھا[6] یہاں سکندر کے ایک کاری زخم لگا[7] جس سے لشکر میں سخت اضطراب و سراسیمگی پھیل گئی، کیونکہ اس وقت تمام لشکر کی سلامتی اسی کی قیادت اور طاقت پر منحصر تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یونانیوں نے ملوئی قبیلہ کا بڑی بے دردی سے قتل

---

[1] کرٹیس، نواں، ۴، ایضاً ص ۲۳۴
[2] ایضاً ص ۲۳۵
[3] ایرین، چھٹا، ۶، ایضاً ص ۱۴۰
[4] ایضاً، چھٹا، ۷، ایضاً ص ۱۴۲ [5] Early History of India چوتھا ایڈیشن، ص ۱۰، نیز حاشیہ [6] ایرین [7] وضاحت کے ساتھ کہتا ہے کہ سکندر کے ساتھ یہ سانحہ ملوئی سے مقابلہ کے دوران پیش آیا، نہ کہ اکسی درکائی سے مقابلہ کے دوران (ایرین، چھٹا، ۱۱) ایم، کرنڈل کی ان ویژن بائی الگزانڈر، ص ۱۴۹

عام شروع کر دیا جس میں انھوں نے مرد، عورت، بچہ[1] کسی کو معاف نہیں کیا۔ عورتوں اور بچوں کو اندھا دھند ذبح کرنا بلاشبہ وحشیانہ سفاکی تھی جو ہندستان میں یونانیوں کے آئین جنگ پر ایک بدنما داغ ہے۔ جب تک سکندر صحت یاب ہوا اس وقت تک ملوئی قبیلہ کی فرماں برداری مسلمہ حقیقت بن چکی تھی۔ اس طرح دونوں قبیلوں کا اتحاد ختم ہوگیا۔ اور مجبوراً آکسی ڈراکائی قبیلے کے لیے بھی اطاعت قبول کر لینے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہا اور انھوں نے سکندر کے پاس اپنے سفیر مصالحت کی گفتگو کرنے کے لیے بھیجے۔ انھوں نے درخواست کی کہ "وہ خود مختاری اور آزادی کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ اہمیت دیتے ہیں[2]" نیز یہ کہ انھوں نے جو سکندر کا لوہا مانا ہے اس کا سبب خوف نہیں ہے بلکہ اس فیصلہ میں دیوتاؤں کی رضا شامل ہے[3] سکندر کو ان کا پُر وقار انداز پسند آیا اور وہ ان کے ساتھ نہایت درجہ خوش اخلاقی سے پیش آیا اور ان کی اس قدر خاطر مدارات کی کہ اس کے اپنے سپہ سالاروں کو رشک آ گیا۔ بعد ازاں ان دونوں قبیلوں پر یہ ثابت کرنے کے لیے کہ یونانیوں کا مقصد ہندوستان میں مستحکم حکومت قائم کرنا ہے، سکندر نے فلیتوز[4] کو اس علاقہ میں مشترب تعنیات کیا اور اس کے بعد کشتیوں پر سفر کا سلسلہ پھر شروع کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ وہ دریائے اسکنیزا اور دریائے سندھ کے سنگم پر پہنچ گیا۔

ابستنوئی کی شکست

یہاں پہنچ کر اس نے پرڈکس کا انتظار کیا جو ابتدائی سفر میں ابستنوئی یا سمبس تائی (سنسکرت امبش ٹھٹس) کو تسخیر کرنے کے لیے پیچھے رہ گیا تھا۔ ڈی اوڈرس کا بیان ہے کہ "وہ (ابستنوئی) تعداد یا بہادری میں کسی سے کم درجہ نہیں رکھتے تھے۔ وہ شہروں میں رہتے تھے۔ جہاں جمہوری نظام حکومت رائج تھا[5]" دوسرے قبیلوں کی طرح انھوں نے بھی سکندر سے مقابلہ کے لیے ایک بڑی فوج جمع کی تھی جس میں ۶۰۰۰۰ پیدل ۶۰۰۰ سوار، اور ۵۰۰ رتھ شامل تھے، لیکن قسمت نے ان کا بھی زیادہ ساتھ نہ دیا۔

---

[1] ایضاً۔ [2] ایرین، چھٹا، ۱۴، ۔ ایضاً ص۱۵۴ [3] کرٹیس، نواں، ۷، ۔ ایضاً، ص۲۴۸ تا ص۲۴۹ [4] فلیتوز کا حلقہ اثر بعد میں جنوب کی طرف بہت زیادہ بڑھا دیا گیا۔ [5] ڈی اوڈرس، سترہ، باب بیاسی، ایضاً، ص۲۹۲

وادی سندھ کے جنوبی علاقہ کی تسخیر

واپسی کے سفر میں دریائے سندھ کے ڈیلٹا تک پہنچتے پہنچتے جن قبیلوں نے سکندر کی اطاعت قبول کی وہ یہ تھے۔ رتھ رودئی (کشتری بقول منو)، اُستادِ ی اُو ئی (یہ وسائی مطابق مہابھارت سودائی شودر)؟ اور مسانوی۔ بدقسمتی سے ان کی باہمی دشمنی کی تفصیلات ہمیں نہیں معلوم۔ سکندر نے متعدد راجاؤں کو بھی تسخیر کیا، مثلاً موسِکانوس (موشِکا قبیلہ کا سردار)، آکسی کنوسُ [1] اور سَمبُو (شمبھو [2]) یہ سب کے سب اتنے مغرور تھے کہ باوجودیکہ وہ آپس میں نبرد آزما رہتے تھے، لیکن انھوں نے سکندر کی اطاعت قبول نہیں کی۔ موسکانوس کی راجدھانی اُلُوز (سکھر کا ضلع) تھی اور اُونی سِکری ٹوس کے مطابق وہاں کے باشندے صاف ستھرے رہن سہن اور درازیٔ عمر کے لیے ممتاز تھے۔ عام طور پر ان کے یہاں منتہائے عمر کا اوسط ۱۳۰ سال تھا [3]۔ ان کی دیگر خصوصیات جو مصنفین نے لکھی ہیں یہ ہیں کہ وہ ایک ساتھ سب کے سامنے بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے.... اُن کی غذا میں ان کا کیا ہوا شکار شامل ہوتا تھا اور وہ سونا چاندی کبھی استعمال نہیں کرتے تھے باوجودیکہ ان کے یہاں ان دھاتوں کی کافی تعداد میں کانیں موجود تھیں۔ وہ غلاموں کی بجائے ایسے نوجوانوں کو ملازم رکھتے تھے جو عنفوان شباب میں ہوتے تھے۔ فنِ طِب کے علاوہ کسی اور علم کو توجہ کے ساتھ حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے تھے اور قتل اور ظلم و تشدّد کے علاوہ کسی اور جرم پر کوئی قانونی کارروائی نہیں کرتے تھے"۔ معاہدوں کی خلاف ورزی کرنے کے معاملہ میں اُن کے نزدیک ایک فریق کی یہ سزا کافی تھی کہ اس نے دوسرے فریق پر بے جا اعتماد کیوں کیا [4]

---

[1] ڈی اوڈرس (ایضاً) نے اسے پورٹی کلوس کہا ہے۔ اس کی راجدھانی کے موقع کے لیے ملاحظہ ہو ایم کرنڈل کی اِن ویژن بائی الگزانڈر ص ۱۵۸ حاشیہ ا [2] سمبوؤں کی راجدھانی سِندمِنا یا مہوان تھی [3] اسٹرابو، ایم کرنڈل کی انشینٹ انڈیا ص ۴۱ [4] ایضاً

برہمنوں کی مخالفت

اس خطۂ ملک کے سیاسی ماحول کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہاں برہمنوں کا اثر بہت زیادہ تھا اور برہمن عملی سیاسیات میں کافی دخیل تھے۔ یہی برہمن تھے جنھوں نے موسی کنوس اور اُوکسی کنوس کو غیر ملکی غلامی کی ذلت و رسوائی کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے پر آمادہ کیا۔ انھوں نے برہمنوں کے مشورہ پر عمل کیا اور اپنی جانیں دے دیں۔ اور ساتھ میں بہت سے برہمن بھی مارے گئے۔ برہمنوں کی سیاست کو دبانا سکندر کے لیے کوئی آسان کام نہیں تھا کیونکہ نہ صرف تمام ملک برہمنوں کا احترام کرتا تھا، بلکہ بقول ایرین، برہمن خود بھی جوشیلے لوگ تھے [1] سیدھے سادے برہمنوں کا سکندر کے خلاف ہتھیار بلند کرنا کوئی انوکھی یا یونانیوں کی من گھڑت بات نہیں تھی؛ پرشورام، درونا چاریہ اور اشوتھامہ جیسے برہمن سورماؤں کی "رزمیہ" مثالوں کے علاوہ کوٹلیہ سے ہمیں برہمن افواج کا حال معلوم ہوتا ہے جو مغلوبہ دشمن کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنے کے لیے ممتاز تھیں [2] اس کے علاوہ ہندو مقنن بڑی وضاحت کے ساتھ انھیں آڑے وقت میں ملک و مذہب کے تحفظ کے لیے شاستر کو شستر سے بدلنے کی اجازت دیتے ہیں۔ منو کا قول ہے۔

शस्त्रं द्विजातिभिर्ग्राह्यं धर्मो यत्रोपरुध्यते।
द्विजातीनां च वर्णानां विप्लवे कालकारिते ॥

یعنی "برہمنوں کے فرائض کی انجام دہی میں کوئی مزاحمت ہو، یا دویج ذاتوں کو تو وہ ہتھیار بلند کر سکتے ہیں۔" یونانی حملہ کے وقت ملک کو اسی قسم کا خطرہ لاحق تھا اور اسی لیے برہمن اپنی عزت اور وطن کے تحفظ کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

پتّل

برہمنوں پر قابو پانے اور جنوبی وادی سندھ کے راجاؤں پر تسلط قائم کرنے

[1] ایرین چھٹا ۷، ایم کرنڈل کی اِن ویژن بائی الگزانڈر ص۱۴۳ [2] ملاحظہ ہو شام شاستری، ارتھ شاستر، تیسرا اڈیشن ص۳۷۳

کے بعد سکندر تو آلہ یا پٹیل پہنچا۔ یہ ایک "مشہور شہر تھا اور اس کا دستور حکومت اسپارٹا جیسا تھا، اس قبیلہ میں یہ دستور تھا کہ میدانِ جنگ میں دو موروثی راجا جو دو مختلف گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے، فوج کی قیادت کرتے تھے، اور پوری ریاست پر بزرگوں کی ایک مجلس حکومت کرتی تھی جو تمام معاملات میں پوری طرح با اختیار تھی[۱]" کرٹیس کے بیان کے مطابق، ان میں سے ایک راجا کا نام موئرلیس تھا[۲]

وطن لوٹنے کا راستہ

ستمبر ۳۲۵ ق.م کے شروع میں سکندر نے اس ملک کو جس پر اس نے بے درپے یادگار حملے کیے تھے، خیرباد کہہ دیا۔ اس نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا، ایک حصہ جو نیرکس کی سپہ سالاری میں تھا سمندر کے راستے سے روانہ ہوا، دوسرا حصہ سمندر کے کنارے کنارے خشکی پر خود سکندر کی قیادت میں گڈروشیا (بلوچستان) سے چلا۔ فوج کا ایک حصہ کرٹرس کی کمان میں درۂ بولان کے ذریعہ پہلے ہی روانہ کیا جا چکا تھا۔ سکندر نے اپنے لیے سب سے مشکل اور سب سے زیادہ بے کیف و بے مزا راستہ پسند کیا جو عربی اور اوری ملکوں سے ہو کر گزرتا تھا۔ نتیجہ میں وہ کافی تکلیف و پریشانی اٹھانے کے بعد منزل مقصود پر پہنچا۔

انجام

مندرجہ بالا بیان سے جو یونانی اور رومی مصنفین کی تحریروں پر مبنی ہے، یہ واضح ہو گیا کہ ہندستان میں سکندر کی فوجی سرگرمیوں کی رفتار کسی حال میں آسان و پرسکون نہ تھی۔ اس میں شک نہیں کہ ہندستان کے بعض فرماں رواؤں اور خود مختار قبیلوں نے سکندر کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اس کی اطاعت قبول کر لی۔ لیکن ایسے بھی تھے جنھوں نے بہادری اور عزم کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا۔ اس زبردست

---

[۱] ڈی اوڈرس، سترھواں، باب ۱۰۴، ایم کرنڈل کی اِن ویژن بائی الگزانڈر صفحہ ۲۹۶ پٹالا کو موجودہ بہمن آباد کے مماثل بنا دیا گیا ہے [۲] کرٹیس، نواں، ۸، ایضاً، صفحہ ۲۵۶

مقابلہ نے اور اس کے ساتھ ہندستان میں پے در پے لڑائیوں کے لامتناہی سلسلے نے یونان کے اُن سورماؤں کے دماغ میں جو فارسی افواج کو حرف غلط کی طرح مٹا چکے تھے شکوک پیدا کر دیے تھے۔ ہندستان کے سیاسی آسمان سے اس شہاب ثاقب کے گزر جانے کے بعد ہندستان ایک بار پھر غور و فکر میں ڈوب گیا[1] اور سکندر کے یہاں سے چلے جانے اور ۳۲۳ ق۔م میں اس کے انتقال کے بعد یونانی فتح کے تمام نشانات مٹ گئے[2]

سکندر کے انتظامات

ہندوستان میں دریائے سندھ کے مشرق میں سکندر کے قیام کی مختصر مدت انیس ۱۹ ماہ یعنی ۳۲۶ ق۔م۔ کے موسم بہار سے ۳۲۵ ق۔م۔ کے ستمبر تک رہی۔ اس عرصہ میں وہ زیادہ تر جنگ و جدال میں مصروف رہا اور اس سبب سے اسے اپنی فتوحات کو منضبط و مستحکم کرنے کا کافی موقع نہ مل سکا۔ لیکن اس نے جو اقدامات بھی یہاں کیے ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا ارادہ یہ تھا کہ ہندستانی صوبوں کو مستقل طور پر یونانی سلطنت میں شامل کرے۔ اس نے دیسی راجاؤں پر قابو رکھنے کی غرض سے فوجی اہمیت کے مقامات پر یونانی فوجی دستے تعنیات کیے اور انتظام و انصرام کے لیے وہاں اپنے گورنر مقرر کیے۔ مثلاً فلپ کو اس نے اُس علاقہ کا گورنر بنایا جو دریائے سندھ کے شمال میں وادی کابل کے جنوب تک پھیلا ہوا تھا۔ اپنے زبردست حریف پورس سے دوستانہ تعلقات قائم کیے، پٹالین (سندھ کے ڈیلٹا) پر جابجا گودیاں اور بندرگاہ تعمیر

---

[1] جب سکندر واپس لوٹ رہا تھا تو اس وقت شترپ فلپوز کو ہندستان میں قتل کر دیا گیا اور سکندر اس معاملہ میں اس سے زیادہ کچھ نہ کر سکا کہ اس نے ٹکسیلا کے راجا امبھی اور تھریس کے یوڈاموس کو جو شمالی وادیٔ سندھ میں تعنیات تھا ہدایت کی کہ صوبہ کا انتظام سنبھالیں۔ [2] ۳۲۱ ق۔م میں جب تری پراڈی سوس کے مقام پر سلطنت یونان کے حصے بخرے ہوئے تو پیتھن دریائے سندھ کے مغرب کی جانب پہلے ہی سے موجود تھا۔ پنجاب اور سندھ میں یونانی اقتدار قریب قریب ختم ہو چکا تھا، حالانکہ یوڈموس وہاں ۳۱۷ ق۔م تک قابض رہا۔

کرائے اور ہندستان اور یونان کے درمیان چھوٹے سے چھوٹا اور آسان سے آسان راستہ تلاش کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جب ۳۲۳ ق۔م کی جون میں سکندر کا ناوقت انتقال ہوگیا تو اس کے تمام منصوبے اور آرزوئیں خاک میں مل گئیں۔

حملہ کے نتائج

سکندر کے حملہ کا ایک اہم نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں کئی یونانی بستیاں آباد ہوگئیں۔ اس نے جو فوج یہاں انتظامات کے لیے چھوڑی تھی وہ بے شک زیادہ عرصے باقی نہ رہی، لیکن جو شہر اس نے آباد کیے تھے وہ البتہ ترقی کرتے رہے۔ اس مہم کا جو اثر براہ راست نہیں تھا، یہ مرتب ہوا کہ یہ جذبہ بیدار ہوگیا کہ پنجاب میں چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا وجود بے کار ہے، نیز یہ کہ ہندوستان کو متحد ہونا چاہیئے۔ اس سے ہندستانیوں پر یہ بھی واضح ہوگیا۔ اُن کے فوجی نظام اور فن جنگ میں داخلی خرابیاں ہیں اور ایک منظم و منضبط فوج چاہے وہ چھوٹی سی کیوں نہ ہو، کثیر فوج کے مقابلے میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کرسکتی ہے۔ آخری نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے یورپ سے براہ راست روابط قائم ہوگئے۔ اس سے نہ صرف تجارت اور صنعت و حرفت کو فروغ ہوا بلکہ دونوں ملکوں کے ادب و فکر و فن پر بڑا گہرا اثر پڑا۔
ہندستان پر سکندر کے حملے کی چند باقی رہ جانے والی یادگاریں یہ تھیں کہ یونان کے "اُلّو" والے سکّوں اور دہیں کے وزن کے چاندی کے ڈرکم کی یہاں نقل ہونے لگی۔ چاندی کے ایک عجیب وغریب سکہ ڈیکا ڈرکم کے ایک طرف جیسا کہ بارکلے ہیڈ نے لکھا ہے، سکندر کو پیش کیا گیا ہے اور دوسری جانب پورس کو بھاگتے ہوئے ہاتھی پر بیٹھے اور ایک سوار کو اُس کا تعاقب کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

سماج اور مذہب

یونانی مصنفین ہمیں اس زمانے کے رسم ورواج اور لوگوں کے مذہبی عقائد کے بارے میں بھی بہت دلچسپ معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سوفائیٹیز کی ریاست کے لوگ اس قدر حسن پرست واقع ہوئے تھے کہ اگر

کسی نوزائیدہ بچہ میں جسمانی عیب ہوتا یا کوئی خرابی ہوتی تو اُسے مروا ڈالا جاتا تھا اور اُسے پلنے بڑھنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ شادی کے لیے عالی نسبی کے مقابلہ میں خوبصورتی زیادہ وقیع سند مانی جاتی تھی۔ کتھائن قبیلہ میں اور دوسرے قبیلوں میں بھی، ستی کا رواج پایا جاتا تھا، یعنی بیوہ عورتیں اپنے شوہر کی چتا پر اپنے کو جلادیتی تھیں۔ ٹکسیلا میں یونانیوں نے یہ عجیب وغریب رسم دیکھی کہ غریب ماں باپ اپنی لڑکیوں کو بازار میں لاکر بیچ ڈالتے تھے۔ اس کے علاوہ ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مُردوں کو گِدھوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ ایک عام رواج یہ پایا جاتا تھا کہ وہاں کے لوگ ایک بیوی رکھتے تھے۔

اس تمام عجیب وغریب رسم ورواج کے باوجود اس خطۂ ملک میں برہمن مت کا معلوم ہوتا ہے کافی زور تھا۔ سکندر کے مورخین نے بعض برہمن سادھوؤں مثلاً منڈنی اور کلانو، (کلیان) فرقوں کی بہت عجیب رسموں کا حال بیان کیا ہے۔ برہمنوں کا ان کے علم وفضل، اعلیٰ کردار اور نفس کشی کے باعث بڑا احترام کیا جاتا تھا اور سوسیکنوس جیسے راجا سیاسی معاملات میں اُن سے رائے لیتے اور اُن کی بات مانتے تھے۔ اس کے علاوہ بدھ اور دوسرے بھکشو سُرمَنی یا شرامن فرقے تھے۔ جو پیڑوں کی چھال سے جسم ڈھانکتے تھے اور جنگلوں میں رہتے اور جنگلی جڑی بوٹیوں پر گزارا کرتے تھے۔ ہندوستانی عام طور پر زِی اُس اوم بری اُدس ــ بارش کے دیوتا اِندر کی، اور ہراکلیز، غالباً کرشنا کے بڑے بھائی بَلرام کی، پرستش کرتے تھے۔ دریائے گنگا کو اس وقت بھی متبرک مانا جاتا تھا جیسے آج مانا جاتا ہے اور بعض درخت اُن کے نزدیک اس قدر مقدس تھے کہ ان کو نقصان پہنچانا بڑے جرائم میں شمار کیا جاتا تھا۔

اقتصادی حالت

اس عہد کے اقتصادی حالات کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ شہروں کی بہتات ہوگئی تھی جیسے مساگا اور ونوس، ٹکسیلا، ۳ گلاؤ سائی شہر، پم پڑما، سنگل، پٹل وغیرہ۔ اس سے ملک کی مادی خوشحالی ظاہر ہوتی ہے۔ اُن کی طرز تعمیر، جائے وقوع اور قلعہ بندیوں سے تھوڑا بہت اندازہ ہوتا ہے کہ شہر آباد کرنے کی منصوبہ بندی وہ کس طرح

کرتے تھے [1] اس کے علاوہ لوگوں کی مادّی ترقی کا اندازہ ان تحفوں سے بھی ہوتا ہوتا ہے جو سکندر کو اس کی مہموں کے دوران بھیجے گئے تھے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ اُو کسی دُرکائی کے سفرا جو زرد اور سنہری کپڑوں میں ملبوس تھے، سکندر کے لیے کثیر تعداد میں سوتی اشیاء، کچھوے کے خول (جس سے کنگھیاں بنتی ہیں)، بیل کی کھال کی ڈھالیں اور فولاد کے ۱۰۰ باٹ" سکندر کے پاس لائے؛ اور ٹکسیلا کے امبھی نے سکندر کی خدمت میں ۲۸۰ چاندی کے باٹ اور طلائی سکے (کراؤن) پیش کیے۔

شمالی مغربی ہندستان اپنی اچھی نسل کے بیلوں کے لیے اس وقت بھی اتنا ہی مشہور تھا جتنا آج ہے۔ سکندر نے اسپیشیئوں سے اسی قسم کے ...... ۲۳۰ بیل مال غنیمت میں حاصل کیے تھے اور زراعت میں استعمال کے لیے انھیں مقدونیہ بھجوا دیا تھا۔ اس کے بعد اس نے ...۳" فربہ بیل" اور ....۱۰ بھیڑیں امبھی سے تحفہ میں حاصل کیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زراعت اور مویشی پالنا پنجاب اور شمالی مغربی ہندوستان کے لوگوں کے خاص پیشے تھے۔

آخر میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بڑھئی کا پیشہ اس وقت کافی ترقی یافتہ پیشوں میں سے تھا۔ بڑھئی فوج کے لیے رتھ اور تجارت اور آمد و رفت میں کام آنے کے لیے گاڑیاں اور دوسری سواریاں بناتے تھے۔ پنجاب میں چونکہ کئی دریا موجود تھے اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ کشتیاں اور جہاز بنانا اس وقت غالباً ایک مقبول اور منفعت بخش حرفہ تھا۔ یہ مشہور بات ہے کہ سکندر نے واپسی کے سفر میں ہائیڈاسپیز پار کرنے کے لیے کشتیوں کا بیڑا بنوایا تھا، نیز یہ کہ اس کی فوج کا ایک حصہ نیرکس کی سپہ سالاری میں دریائے سندھ کے بہاؤ پر روانہ ہوا تھا، اور اس سے یہ نتیجہ بآسانی نکلتا ہے کہ اس بیڑے کی تیاری میں حملہ آور نے ضرور مقامی مزدور لگائے ہوں گے اور دیسی مال استعمال کیا ہوگا۔

---

[1] اس موضوع پر ملاحظہ ہو بی۔ بی دت ٹاؤن پلاننگ ان اینشنٹ انڈیا (تھاکر اسپنک اینڈ کو، ۱۹۲۵ء)

آٹھواں باب

موریہ سلطنت

فصل (۱)

چندرگپت موریہ

خاندانی اصل

سکندر کے واپس چلے جانے کے بعد ہندستان کے آسمان سیاست پر ایک نیا ستارہ اُبھرا جس نے اپنی چمک دمک سے باقی سب ستاروں کو ماند کر دیا، چندرگپت کے مالۂ اور ماعلیہ کے بارے میں روایات میں اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ چندرگپت موریہ نند خاندان کے آخری راجا کی مورا نامی شودر لونڈی کے بطن سے پیدا ہوا تھا اور اپنی ماں کے نام کی رعایت سے اس کا نام موریہ پڑگیا تھا[۱] دوسری روایت[۲] اس کو مشہور موریہ قبیلے کا چشم وچراغ بتاتی ہے جسے پالی کتابوں میں شاکیہ قبیلہ کی ایک شاخ ظاہر کیا گیا ہے، اور اس جہت سے نام کا دوسرا جزو "موریہ" قبیلہ کا لقب معلوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ عہد وسطیٰ کے بعض کتبے، نیز دِوُیا وِدان ثابت کرتی ہے کہ چندرگپت موریہ چھتری تھا؛ حالانکہ یہ عین

---

[۱] دیکھیے "चन्द्रगुप्त नन्दस्यैव पत्न्यन्तरस्य मुरासञ्ज्ञस्य प्रम मौर्याणा प्राथमम ।" یہ دراصل غلط ہے۔ مورا سے جو لفظ بنے گا وہ موریہ ہوگا۔

[۲] مہاونش، گیگر کا ترجمہ، ص۲۷ مہاپری بھان سوت کی روایت کے مطابق موریہ خاندان کھشتیا یا کشتری تھا

ممکن ہے کہ چندر گپت موریہ "معمولی حیثیت" کا آدمی ہو، جیسا کہ یونانی مصنف جسٹن کا بیان ہے۔ روایت کے اس جزو کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ راجکمار نہیں تھا بلکہ ایک معمولی آدمی تھا اور مگدھ کے تخت و تاج پر اس کا براہِ راست کوئی حق نہیں تھا۔

عروج کے لیے حالات سازگار

چوتھی صدی ق۔م کے اواخر میں شمالی ہند پر ہیجانی کیفیت طاری تھی۔ مگدھ میں نند خاندان اپنی پنج اصل، مظالم، جبر اور ہتھکنڈوں سے زبردستی روپیہ وصول کرنے کے باعث سسکیاں لے رہا تھا۔ اہل پنجاب جن میں نفاق و نفرت کی بو پھیلی ہوئی تھی سکندر اعظم کے حملوں کی ٹیس سے کراہ رہے تھے۔ اس لیے اس وقت کا سیاسی ماحول اہل ہمت کو دعوتِ عمل دے رہا تھا۔ بیزاری اور بے اطمینانی کی جو لہر اس وقت ملک میں پھیلی ہوئی تھی، چندر گپت موریہ نے اُس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے وہ نند فوج میں سپہ سالار یا سیناپتی تھا۔ مگر کسی سبب سے راجا کے اُس کے درمیان اَن بَن ہوگئی اور اس نے وِشنو گپت یا یا چانکیہ نامی "شاطر برہمن" کے مشورہ اور مدد سے جو راجا سے اس لیے کینہ رکھتا تھا کہ راجا نے حفظ مراتب میں اس کے ساتھ کبھی پہلے کوئی معمولی سی کوتاہی کردی تھی، راجا کے خلاف علم بغاوت بلند کردیا۔ لیکن یہ کوشش ناکام ہوگئی اور ان دونوں کو جان بچا کر بھاگنا پڑا۔ مہاونش ٹیکا میں[1] ایک حکایت نقل کی گئی ہے کہ چندر گپت ایک بُڑھیا کی جھونپڑی میں چھپا ہوا تھا۔ وہاں بُڑھیا نے اپنے بچّہ کو جس نے گرم روٹی سے ہاتھ جلا لیے تھے ڈانٹا اور اسے فہمائش کی کہ روٹی کھانے کی ابتدا ہمیشہ درمیان کے بجائے کناروں سے کرنی چاہیے۔ چندر گپت نے بُڑھیا کی بات سن کر اس سے سبق لیا اور مگدھ کی بجائے شمالی مغربی علاقہ کو اس نے اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنا لیا۔ ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ جس زمانے میں سکندر پنجاب ہی میں تھا تو چندر گپت نے اس سے ملاقات کی درخواست کی، مقصد غالباً یہ تھا کہ اسے نند راجا

---

[1] ہیم چندر استھ وِراَولی چرت میں بھی اسی قسم کی حکایات بیان کی گئی ہے۔

پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کرے، لیکن چندر گپت کی بے کانہ تقریر نے اس کی "سکندری"[1] کو برہم کر دیا، اس لیے چندر گپت کو جان بچا کر وہاں سے بھاگنا پڑا۔ پنجاب کے قبیلوں نے یونانی اقتدار کو ابھی تک تسلیم نہیں کیا تھا جس کا ثبوت یہ ہے کہ سکندر کے ہندستان چھوڑنے کے فوراً بعد اس کے شمالی مغربی صوبوں کے شترپ فلپ کو قتل کر دیا گیا۔ چنانچہ حملہ آور کے چلے جانے کے بعد چندر گپت کا گمنامی کا دور ختم ہو گیا اور وہ پنجاب کے قبیلوں کو منظم کرنے میں ہمہ تن معروف ہو گیا۔ یونانی اقتدار کے ڈانواڈول ہونے کی تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جب سکندر کو فلپ کے قتل کا علم ہوا تو وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کر سکا کہ اس نے یوڈمس کی نگرانی میں انتظام حکومت اپنے ہندستانی حلیفوں پورس اور امبھی کے سپرد کر دیا۔ ۳۲۳ ق۔م۔ کی جون میں سکندر کی ناوقت موت نے چندر گپت کے حوصلوں کے لیے مہمیز کا کام کیا اور یونانی چھاؤنیوں کو اس نے بہت جلد تہ و بالا کر ڈالا۔ ۳۱۷ ق۔م تک یوڈمس کسی نہ کسی طرح کار متعلقہ انجام دیتا رہا۔ لیکن یومینز اور آنیٹی گونس کے درمیان لڑائی میں شرکت کے لیے اسی سال اس نے بھی ہندستان کو خیرباد کہہ دیا۔

نند حکومت کی تباہی اور تاجپوشی کی تاریخ

یونانوں کو دریائے سندھ کے اس پار بھگانے کے بعد چندر گپت نے مگدھ کے نند راجا سے زور آزمائی کے لیے ایک طاقتور فوج جمع کی[2] مدرارا کشس کی شہادت کے مطابق چندر گپت کا خاص حلیف پَرْوتک تھا جسے بعض عالموں نے پورس کے مماثل بتایا ہے۔ اس ناٹک سے مختلف فریقوں کی پیچیدہ سازشوں اور لڑائیوں کا تھوڑا بہت اندازہ ہوتا ہے۔ لیکن پرانوں، بدھوں اور جینیوں کی تمام روایات کم از کم

---

[1] بعض لوگوں نے تصحیح کے لیے "الگزندرم" کی بجائے نند اور دھنند ناموں کی رعایت سے "نندرم" پڑھا ہے۔ [2] بعض عالموں کا خیال ہے کہ مگدھ کی فتح پہلے عمل میں آئی اور یونانی چھاونیوں کی تباہی و بربادی بعد میں۔

اس بات پر متفق ہیں کہ چندر گپت نے نند فوج کو مکمل طور پر شکست دے دی تھی [1]
یونان طاقت کی تباہی اور نند راجا کی شکست، ان دونوں واقعات کا سکندر کی موت
کے بعد تین سال کے اندر پیش آنا قرین قیاس ہے اور اس جہت سے ہم چندر گپت
کی تاجپوشی کی تاریخ ۳۲۱ ق.م قرار دے سکتے ہیں [2] اس تاریخ کی تائید لنکا کی
شہادتوں سے بھی ہوتی ہے جن کی رو سے، جیسا کہ اوپر بھی ظاہر کیا گیا، ششوناگ
خاندان کا خاتمہ ۳۴۳ ق.م میں ہوا۔ اور نند خاندان کی حکومت ۲۲ سال رہی۔

فتوحات

بدقسمتی سے چندر گپت کی مہموں کی تفصیلات ہمیں ٹھیک نہیں معلوم۔
یونانی مصنفین پلوٹارک اور جسٹن کے نزدیک چندر گپت نے تمام ملک کو تاراج
کیا اور تمام ملک پر قبضہ کر لیا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ مبالغہ ہے اور حرف بہ
حرف درست نہیں ہے، لیکن یہ ثابت کرنے کے لیے کافی شہادتیں موجود ہیں کہ مگدھ
اور پنجاب کے علاوہ چندر گپت کا حلقہ اثر ہندوستان کے دور دراز خطوں تک پھیلا
ہوا تھا۔ سوراشٹر کا اس میں شامل ہونا۔ رودر دامن کے اس کتبہ سے ثابت
ہے جو جوناگڈھ میں ایک چٹان پر پایا گیا ہے۔ اس میں چندر گپت کی آبپاشی کی
اسکیموں اور پشیا گپت ویشیہ کے "راشٹریہ" یا گورنر مقرر کیے جانے کی طرف
اشارہ کیا گیا ہے۔ تامل کے مصنفین مامل نار اور پرنار جنوب بعید میں ٹینویلی کے

---

[1] وشنو پران کے الفاظ یہ ہیں: ततश्च नव चैतान्नन्दान कौटिल्यो ब्राह्मणः समुद्धरिष्यति । तेषाम भावे मौर्याः पृथिवी भोक्ष्यन्ति । कौटिल्य एव चन्द्रगुप्तमुत्पन्न राज्येऽभिषेक्ष्यति ।
اس مقام پر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ وشنو پران کے مفسر شری دھر سوامن نے لفظ मौर्य کا مطلب
اس طرح بیان کیا ہے۔ नन्दस्यैव भार्यायां मुरासंज्ञायां सञ्जातम

[2] شری این کے۔ بھٹ شالی چندر گپت موریہ کی تاجپوشی کی تاریخ بعض جین کتابوں کی شہادت
پر ۳۱۳ ق.م قرار دیتے ہیں (جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۹۳۲، ص۲۷۳ تا ص۲۸۸)

ضلع میں پُودی پل کی پہاڑی تک موریہ حملہ کا حوالہ دیتے ہیں۔ جین روایات اور آخری دور کے کُتبے چندر گپت کا تعلق شمالی میسور سے ثابت کرتے ہیں۔ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ چندر گپت موریہ نے ہندستان کے ایک بڑے حصہ کو فتح کر لیا تھا۔

سِلیوکس سے جنگ

سکندر کی موت کے چند سال کے اندر اُس کے سپہ سالاروں میں اقتدار کے لیے سخت مقابلہ ہوا جس میں آخر کار سلیوکس فتح یاب ہوا۔ ۳۰۵ ق.م تک اس کی طاقت مغربی ایشیا میں اتنی مضبوط ہو گئی کہ وہ سکندر کی ہمسری کرنے لگا اور ہندستانی مقبوضات کو جنھیں ۳۲۱ ق.م. میں بڑی پیراڈِی سُس کی دوسری تقسیم میں عملاً چھوڑ دیا گیا تھا، از سرِ نو حاصل کرنے کے بارے میں سوچنے لگا۔ سکندر کے حملہ کے بعد، بہر حال، ہندستان میں ایک ایسا بادشاہ حکومت کر رہا تھا جس نے ایک زبردست سلطنت قائم کر لی تھی اور وہ یونانیوں کے طرزِ جنگ سے بھی ناواقف نہیں تھا۔ بد قسمتی سے قدیم دستاویزوں سے یہ بات صاف نہیں ہوئی کہ چندر گپت سے جنگ میں سِلیوکس مغلوب ہوا یا نہیں، یا صرف اتنا ہی ہوا کہ فریقین نے میدانِ جنگ میں اپنے اپنے لشکروں کا مظاہرہ کرا دیا اور واقعتاً جنگ کی نوبت نہ آئی۔ اس میں شک نہیں کہ جنگ کی دعوت مغرب نے دی تھی، اس لیے حملہ آور اپنے حریف اینٹی گونس سے زور آزمائی کی غرض سے وطن لوٹنے کے لیے مضطرب ہو گیا۔ چندر گپت نے بڑی آسانی سے اپنے موافق شرائطِ صلح طے کرا لیں۔ سلیوکس نے غالباً صرف ۵۰۰ ہاتھیوں کے عوض، جنھوں نے ۳۰۱ ق.م میں اِپ سُس کی جنگ میں نمایاں کام انجام دیا تھا، چندر گپت کو ایریا (ہرات) آراکوشیہ (قندھار) پَرُوپَنی سَدئی (وادیٔ کابل) اور گِڈروشیا (بلوچستان [1]) دے دیا۔ اس طرح موریہ سلطنت

---

[1] پلائینی، چھ، ۶۹، ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن، ضمیمہ ایف، ص۵۸ تا ص۱۶۰ ملاحظہ ہو، ٹارن، دا گریکس ان بیکٹریہ اینڈ انڈیا ص۱۰۰۔ اسے اس میں شبہ ہے کہ سلیوکس نے یہ سب علاقے چندر گپت موریہ کے حوالے کر دیئے۔

کے حدود ٹھیک ہندوکش تک پھیل گئے جو "ہندوستان کی قدرتی سرحد ہے"۔ اسی طرح دوستانہ تعلقات کو استوار بنانے کے لیے ہندوستانیوں اور یونانیوں میں شادی کے رشتے کیے گئے[1] اور سلیوکس نے اپنا ایک سفیر جس کا نام میگستھنیز تھا، چندر گپت موریہ کے دربار میں تعینات کردیا۔

میگستھنیز اور کوٹلیہ

میگستھنیز اور کوٹلیہ دو اہم ترین مصنف ہیں جو چندر گپت موریہ کے زمانے میں ہندوستان کے عوام، حکومت اور اداروں کے بارے میں بڑی کارآمد معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔ میگستھنیز کی انڈکا تو معدوم ہوگئی ہے، البتہ متاخرین نے جو اقتباسات اس کے قلم بند کردیے ہیں وہ ابھی تک محفوظ ہیں۔ کوٹلیہ یا چانکیہ چندر گپت کے وزیر کی حیثیت سے معروف ہے۔ اس کی تصنیف ارتھ شاستر[2] سیاسی حکمت عملی اور آئین جہاں بانی پر ایک جامع تلخیص ہے اور اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں کہ اپنے نظریاتی مواد کے باوجود وہ قدیم ہندوستان کے ادب میں ایک ممتاز مقام رکھتی ہے۔

انتظام حکومت

فوجی نظام

چندر گپت کو اپنے پیش روسے ایک عظیم فوج ورثے میں ملی تھی، لیکن اس نے

---

[1] یہ مان لینا ضروری نہیں ہے کہ سلیوکس نے اپنی بیٹی کی شادی چندر گپت موریہ کے ساتھ کردی۔ کوئی بھی یونانی شہزادی اس سے مراد ہوسکتی ہے۔ (ملاحظہ ہو وی۔ اے۔ اسمتھ، اشوکا، صفحہ ۱۵، حاشیہ ۱)

[2] بعض اوقات یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ ارتھ شاستر بہت بعد کی یعنی تیسری صدی عیسوی کی کتاب ہے اور اس مدرسۂ فکر کی تصنیف ہے جس کی بنیاد چانکیہ نے رکھی۔ ڈاکٹر رائے چودھری کا خیال ہے کہ ارتھ شاستر اگرچہ "نسبتاً بعد کی کتاب" ہے لیکن "غالباً دوسری صدی عیسوی سے پہلے اس کا وجود پایا جاتا تھا" (پولیٹیکل ہسٹری آف انشنٹ انڈیا، چوتھا اڈیشن، صفحہ ۲۲۶)

اس میں مزید اضافہ کرکے اُسے ۶۰۰،۰۰۰ پیدل، ۳۰،۰۰۰ سوار اور ۹۰۰۰ ہاتھیوں تک پہنچادیا۔ ۸۰۰۰ رتھ اس پر مستنزاد تھے۔ اس عظیم الشان لشکر کا انتظام باقاعدہ ایک دفتر جنگ کے سپرد تھا جس کے ۳۰ رکن تھے جو پانچ پانچ اراکین کے چھ بورڈوں میں منقسم تھے ان میں سے ہرایک کے سُپرد جو محکمے کئے گئے تھے۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

بورڈ نمبر (۱) ... دفتر امیر البحر

بورڈ نمبر (۲) ... سواری اور باربرداری، محکمہ رسد اور جنگی خدمات انجام دینے والے

بورڈ نمبر (۳) ... پیدل

بورڈ نمبر (۴) ... سوار

بورڈ نمبر (۵) ... رتھ

بورڈ نمبر (۶) ... ہاتھی

آخری چار شعبے ہندستانی فوج کی روایتی تقسیم کے مطابق ... پتی، پداتی، اشو، رتھ اور ہستی۔ کوٹلیہ کے بیان کے مطابق یہ سب محکمے اپنے اپنے ادھکش یا سپرنٹنڈنٹ کی نگرانی میں کام کرتے تھے۔

مرکزی انتظامِ حکومت

نظامِ حکومت کا صدر راجا ہوتا تھا جس کا فیصلہ فوج، عدالت، عاملہ، اور قانون سازی سے متعلق تمام معاملات میں قطعی اور آخری مانا جاتا تھا۔ فوج کی سرداری وہی کرتا تھا، اور حملہ یا دفاع کی اسکیموں پر اپنے سیناپتی، یا سپہ سالار اعظم سے مشورہ کرتا تھا۔ رعایا اپنے مقدمات براہِ راست اُس کے پاس لے جاتی تھی، اور وہ فوراً ان کا فیصلہ کرتا تھا[1] تمام اعلیٰ عہدوں پر تقرر وہ خود کرتا تھا، سلطنت کی

---

[1] میگستھنیز کا بیان ہے کہ راجا سے لوگ اس وقت بھی ملاقات کرسکتے تھے جب اس کے جسم آبنوس کے بیلن سے مالش ،، کی جاتی تھی۔ کوٹلیہ بھی اس پر زور دیتا ہے کہ راجا کو چاہیے کہ دادخواہوں کو اپنے دروازہ پر انتظار کا موقع نہ دے ،، بلکہ " فوری تعمیل کے امور کی سماعت اسی وقت کرے اور انھیں آئندہ کے لیے کبھی نہ ٹالے ،، (ارتھ شاستر، کتاب اول، باب انیسواں ترجمہ شام شاستری تیسرا اڈیشن، صـ۳۸)

مالیات کی دیکھ بھال کرتا تھا اور سفیروں سے ملاقات کرتا تھا۔ سرکاری جاسوس خفیہ خبریں لاکر براہ راست اسی کو دیتے تھے۔ آخر میں وہ رعایا کی ہدایت کے لیے وقتاً فوقتاً "شاسن" یا احکامات جاری کرتا تھا۔[1]

ملکی انتظام میں راجا کو مدد دینے کے لیے ایک منتری پَری شد ہوتا تھا جو ایک مشاورتی مجلس کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے اراکین کی فرض شناسی، ایمانداری، اور دانش وری کی آزمائش پہلے سے کرلی جاتی تھی۔ انتظام حکومت کے مختلف شعبوں کی نگرانی، جیسا کہ ارتھ شاستر میں مندرج ہے دوسرے اعلیٰ افسر کرتے تھے مثلاً اماتیہ، مہاماترا اور ادھیکش۔ اٹھارہ تیرتھوں یا افسروں کی روایتی فہرست میں حسب ذیل عہدہ دار شامل تھے: منتری (وزیر) پروہت (پجاری)) سیناپتی (سپہ سالار اعظم) یوراج (ولی عہد)، دَوواریک (دربان) اَنتر وَنشِک (حرم کا نگراں) پرشاستری (جیلوں کا بڑا انسپکٹر) سماہرتا (بڑا کلکٹر)، سنی دھاتا (خازن)، پردیش ٹری (علاقائی کمشنر)، نایک (شہر کا پولیس افسر)، پور (دارالسلطنت کا گورنر) ویوھارک (تجارتی کاروبار کا نگراں یا بڑا جج) کرمانتِک (کانوں اور صنعت و حرفت کا نگراں)، منتری پَری شد آدھیکش (کونسل کا صدر)، دنڈ پال (پولیس کا بڑا افسر)، دُرگ پال (داخلی دفاع کا نگراں)، انت پال (سرحدی دفاع کا نگراں) اس کے علاوہ دوسرے ادھیکش یا سپرنٹنڈنٹ ہوتے تھے مثلاً کوش (خزانہ)، آکر (کان)، لوھا (دھات)، لکش (ٹکسال) لَون (نمک)، سورن (سونا) کوشٹھاگار (مال گودام)، پانیہ (سرکاری تجارت)، کُپیہ (جنگلات) آیدھاگار (اسلحہ)، پوتو (وزن اور پیمانے)، مان (فضا اور وقت کی پیمائش) شُلک (چنگی)، سوتر (کتائی بنائی)، ستیا (شاہی زمینوں کی کاشت) سُورا (مُسکرات) سُونا (ذبح) مُدرا (پاسپورٹ)، وِویت (سبزہ زار) دُیوت (جوا)،

---

[1] ارتھ شاستر کتاب تین۔ باب اول (ترجمہ شام شاستری، تیسرا اڈیشن، صفحہ ۱۷۰ تا صفحہ ۱۷۱) کی رو سے راجہ نئے نئے قوانین بنا سکتا تھا۔ لیکن گوتم، آپش تمب، بودھائن، وغیرہ راجا کو قانون کے منبع کی حیثیت سے تسلیم نہیں کرتے۔ حقیقتاً منو کہتا ہے (آٹھواں، ۳۳۶) کہ اگر راجا قانون شکنی کرے تو دوسرے شہریوں کی طرح وہ بھی جرمانہ کا مستوجب ہے۔

بندھناگار (جیل)، گو (مویشی)، نو (جہازی مال)، پتن (بندرگاہ) گنکا (بیسوا) اور دوسرے فوج[1] تجارت (سنستھا) اور مذہبی اداروں کی دیکھ بھال کرنے والے افسر (دیوتا

صوبائی انتظام

چونکہ سلطنت کافی وسیع و عریض تھی اس لیے انتظامی سہولت کے لیے اُسے کئی صوبوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ اندرونی صوبے براہ راست راجا کی اپنی نگرانی میں تھے، اور جیسا کہ ہمیں اشوک کے کتبوں سے معلوم ہوتا ہے، اہم صوبوں کا انتظام راجکماروں (کمار) کے سپرد کیا جاتا تھا۔ ٹکیسلا، توشلی (دھولی)، سُورن گری (سون گیر) اور اُجین اسی قسم کے صوبے تھے جن میں راجا کا نائب السلطنت (وائسرائے) حکومت کرتا تھا۔ اس کے علاوہ جاگیردار سردار تھے جو شہنشاہ کا اقتدار اعلیٰ تسلیم کرتے تھے اور ضرورت پڑنے پر اسے فوجی امداد بہم پہنچاتے تھے حکومت کی مشین چلانے کی ذمہ داری انھیں عمّال پر تھی اور ان عمّال کے اعمال و افعال کی کڑی نگرانی کے لیے ناظر اور جاسوس وغیرہ مقرر تھے۔ اس جاسوسی نظام اور نگرانی بالائے نگرانی کے طریقے نے دور دراز کے علاقوں میں لوگوں کی تکلیف و پریشانی دور کرنے اور راجا کو تمام معاملات میں ہر قسم کی معلومات بہم پہنچانے میں یقیناً مدد دی ہوگی۔

میونسپل انتظام

میگستھنیز نے صرف پاٹلی پتر کے میونسپل انتظام کی تفصیلات قلم بند کی ہیں، لیکن اس سے ہم بہ آسانی یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ سلطنت کے دوسرے بڑے بڑے شہروں میں بھی اسی نمونہ کا انتظام رائج ہوگا۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شہر کا انتظام چھ بورڈوں کے ایک کمیشن کے تحت رہتا تھا۔ جن میں سے ہر ایک میں پانچ رکن ہوتے تھے۔ بقول ونسنٹ اسمتھ[2] یہ بورڈ "ہماری عام غیر سرکاری پنچایتوں کی [illegible]

---

[1] فوج میں پتّی (پیدل)، اشو (سوار)، ہستی (ہاتھیوں کا دستہ) اور رتھ (رتھوں) کا الگ الگ سپرنٹنڈنٹ ہوتا تھا۔ [2] اوّل ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن ص ۱۴۳

پہلا بورڈ تمام ان چیزوں کی دیکھ بھال کرتا تھا جو صنعت و حرفت سے تعلق رکھتی تھیں۔ کاریگروں پر اس کی خاص توجہ تھی۔ یہ دیکھنا اس بورڈ کا کام تھا کہ کاریگر چیزیں بنانے میں اچھا مال لگاتے ہیں یا نہیں۔ کاریگروں کی مزدوری بھی یہ بورڈ مقرر کرتا تھا۔ اگر کوئی شخص کسی کاریگر کا ہاتھ یا پاؤں توڑ دیتا تو اُسے سزائے موت دی جاتی تھی۔

دوسرا بورڈ غیر ملکیوں کی ضروریات اور نقل و حرکت کی دیکھ بھال اور جانچ کرتا تھا۔ اُن کے قیام کا انتظام سرکار کی جانب سے کیا جاتا تھا اور اس کا مال و اسباب دعوے داروں کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ اس بورڈ کا وجود ظاہر کرتا ہے کہ راجدھانی میں کافی بڑی تعداد غیر ملکیوں کی پائی جاتی تھی۔

تیسرا بورڈ فوتی، ولادت کا ریکارڈ رکھتا تھا۔ اس کا [illegible] ہے کہ سرکار محصول اور ٹیکس وغیرہ لگانے کے سلسلے میں صحیح اعداد و شمار فراہم کرنا ضروری سمجھتی تھی۔

چوتھے بورڈ کے سپرد تجارت کی نگرانی کا کام تھا۔ یہ بورڈ تجارتی اشیا اور اجناس کی قیمتیں مقرر کرتا تھا اور جھوٹے باٹوں اور پیمانوں کی جانچ کرتا تھا۔ جو لوگ کئی قسم کی چیزوں کی تجارت کرتے تھے انھیں محصول یا ٹیکس زیادہ ادا کرنا پڑتا تھا۔

پانچواں بورڈ صنعتوں کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ کارخانے داروں کے لیے قانون یہ تھا کہ اگر وہ نئی چیزوں میں پُرانی چیزیں ملاکر فروخت کریں گے تو انھیں جرمانے کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

چھٹے بورڈ کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ تجارتی مال پر دسویں حصہ [illegible] وصول کرے۔ اس ٹیکس کی ادائیگی میں غفلت یا ٹال مٹول پر خاص کر جب رقم زیادہ بڑی ہوتی، سنگین سزا دی جاتی تھی۔ لیکن اگر کوئی نیک نیتی کے ساتھ ادائیگی سے قاصر رہتا تو اس کے ساتھ یقیناً رعایت برتی جاتی تھی۔

مجموعی طور پر ان میونسپل کمشنروں سے توقع کی جاتی تھی کہ مندروں، بندرگاہوں اور دوسرے پبلک اداروں کا انتظام کریں۔

کوٹلیہ نے ان بورڈوں کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ اس نے شہر کے [illegible] دار کا ذکر کیا ہے جسے ناگرک یا نگرادھیکش کہتے تھے۔ اس افسر کے ماتحت اِستھانک اور گوپ ہوتے تھے۔ اِستھانک کے حلقہ میں شہر کا چوتھائی حصہ اور گوپ کے حلقہ میں شہر کے چند کنبے ہوتے تھے۔

پاٹلی پتر

بے محل نہ ہوگا اگر اس مقام پر مختصراً دارالسلطنت کا تذکرہ کیا جائے۔ پاٹلی پتر (میگستھنیز نے اُسے پالم بُوتھرا لکھا ہے) جو پرشینوں کے ملک میں واقع تھا "ہندستان کا سب سے بڑا شہر تھا اس کی لمبائی 9½ (80،1 اِسٹیڈیا[1]) اور چوڑائی 1¾ میل (پندرہ اسٹیڈیا) تھی اور یہ دریائے ارنّا بوآس (سُون) اور گنگا کے درمیانی گاؤدُم خطۂ زمین پر واقع تھا۔ شہر کے دفاع کو زیادہ مضبوط بنانے کے لیے چاروں طرف ایک خندق کھودی گئی تھی جو چھ[2] سو فٹ (چھ پلیتھرا) چوڑی اور تیس ہاتھ گہری تھی۔ ایک اور دفاعی رکاوٹ بیرونی دیوار تھی جس میں ۵۷۰ مینار اور ۶۴ پھاٹک تھے۔ اسی قسم کی قلعہ بندی سلطنت کے دوسرے شہروں میں بھی ہو گی۔

دیہاتی انتظام

نظام حکومت کی سب سے چھوٹی اکائی گانو (گرام) تھا۔ اس کا انتظام گرام ورِدھاؤں یا گانو کے بزرگوں کی مدد سے گرامک (مکھیا) کرتا تھا۔ پانچ یا دس گاوؤں کا عامل گوپ، کہلاتا تھا، اور اس کے اوپر استھانک ہوتا تھا جس کے ماتحت ایک چوتھائی ضلع (جن پد) ہوتا تھا یہ افسر پردیش ٹری اور سماہرتا کی نگرانی میں رہتے تھے۔

ضابطۂ فوجداری

میگستھنیز اور کوٹلیہ دونوں اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ ضابطۂ فوجداری سنگین تھا۔ عام طور پر ملزمین کو جرمانے کی سزا دی جاتی تھی جس میں جرم کے لحاظ سے کمی بیشی ہو سکتی تھی، لیکن خوفناک سزائیں بھی دی جاتی تھیں۔ مثال کے طور پر کاریگروں کو گزند پہنچانے اور تجارت کے مال پر دسواں حصہ ادا نہ کرنے کی سزا نہایت درجہ سنگین تھی۔ دروغ حلفی پر ہاتھ پیر کاٹنے کی سزا تجویز کی ہے۔ مزید براں ملزمین و مجرمین سے اقبال جرم کرانے کے لیے

---

[1] قدیم یونانی پیمانہ (مترجم) [2] ایضاً

انھیں منظر عام پر جسمانی اذیت پہنچانا مثلاً کوڑے وغیرہ لگانا جائز تھا۔ اس قدر شدید و سنگین طریقوں نے انسدادِ جرم میں کافی مدد دی ہوگی۔

آبپاشی

چندر گپت نے آبپاشی کے مسئلہ پر خاص توجہ کی۔ میگستھنیز ایسے افسروں کا ذکر کرتا ہے جن کا فرض تھا کہ زمین کی پیمائش کریں۔ اور کھیتوں میں پانی پہنچانے کے لیے نہروں کی شاخوں پر جو بند بنائے گئے تھے ان کا معائنہ کریں۔ تاکہ سب لوگ مساوی طور پر اس سہولت سے فائدہ اٹھا سکیں[1]

چندر گپت کو اپنی رعایا کے راحت و آرام کا اتنا خیال تھا کہ دور دراز سوراشٹر میں اس نے اپنے گورنر پُشیا گپت کو ایک پہاڑی چشمہ پر ڈام بنانے کا حکم دیا اور اس طرح ایک باقاعدہ تالاب وجود میں آگیا جس کا نام سُدرشن رکھا گیا۔ اس تالاب سے آب پاشی میں بڑی آسانیاں ہوگئیں[2]

آمدنی اور خرچ کے ذرائع

آمدنی کا خاص ذریعہ مال گذاری تھی۔ عام طور سے پیداوار کا چھٹا حصہ بطور لگان (بھاگ) سرکار وصول کرتی تھی۔ لیکن یہ شرح غالباً مخصوص مقامات و حالات کے مطابق تبدیل ہوجاتی تھی۔ آمدنی کی مدوں میں کانوں، جنگلات، سرحدوں پر وصول ہونے والے محصول چنگی، کشتیوں کا محصول، ماہرین فن سے وصول ہونے والی فیس، ٹیکس، دسویں حصّہ کا محصول، جرمانے اور اتفاقی حادثات کے موقع پر وصول ہونے والی خیراتی رقمیں شامل تھیں۔ مالیات کا ذمہ دار اور سرکاری مالگذاری وصول کرنے والا افسر سماہرتا کہلاتا تھا۔

ان تمام مدات سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ زیادہ تر راجا اور اس کے درباری اخراجات پر صرف ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ خرچ کی دوسری مدیں تھیں، مثلاً فوج، دفاعی انتظامات، عمالِ حکومت کی تنخواہیں، کاریگروں اور دوسری پیشہ ور جماعتوں کے بھتے، خیرات، مذہبی اور

[1] کتاب ۴، جزو ۳۴ ملاحظہ ہو اے کرنڈل اینشینٹ انڈیا صلا [2] ملاحظہ ہو رودر دامن میں جوناگڈھ کا چٹان پر کتبہ، ایپی گرافیا انڈیکا، آٹھواں، ص۳۳، ص۴۶، ص۱، ص۸

رفاہ عام کے دوسرے کام جیسے سڑکیں، آبپاشی، تعمیرات وغیرہ۔

میگستھینز کا بیان ہندوستانی ذاتوں کے بارے میں

یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ میگستھینز نے ہندوستانی سماج کو سات طبقوں یا "ذاتوں" میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا طبقہ "فلسفیوں" کا تھا اور اگرچہ تعداد میں کم تھا لیکن عزت و احترام سب سے زیادہ اسی کا کیا جاتا تھا۔ عام طور پر اس میں برہمن اور سنیاسی لوگ شامل تھے۔ دوسرا طبقہ کاشتکاروں کا تھا جو تعداد میں سب سے زیادہ تھا۔ تیسرا طبقہ شکاریوں اور چرواہوں پر مشتمل تھا۔ چوتھے طبقہ میں بیوپاری، کاریگر، اور کاشتکار شامل تھے۔ پانچواں طبقہ فوجیوں کا گویا چھتریوں کا تھا۔ چھٹے اور ساتویں طبقوں میں علی الترتیب جاسوس اور مشیر تھے۔ آخرالذکر دو طبقے ظاہر ہے سماجی طبقوں میں شامل نہیں تھے اور یہی وہ مقام ہے جہاں سلیوکس کے سفیر سے بھول ہوئی ہے۔

شاہی محل

چندر گپت بڑی شان و شوکت کے ساتھ زندگی گزارتا تھا۔ اس نے اپنے رہنے کے لیے ایک عالی شان محل تعمیر کرایا جو ایک وسیع و عریض سبزہ زار میں واقع تھا۔ اس کی زیبائش کے لیے طلائی ستون، مچھلیوں کے لیے تالاب اور سایہ دار روشیں بنائی گئی تھیں۔ لوگ اُسے دیکھ کر عش عش کرتے تھے "سوسا" اور "ایک تبانا" کے محل بھی اس کی برابری نہیں کر سکتے تھے۔ چونکہ اس تعمیر میں بیشتر لکڑی استعمال کی گئی تھی اس لیے یہ زمانے کے خشک و تر کا مقابلہ زیادہ عرصے نہ کر سکا، لیکن پٹنہ کے قریب "کمرہار" میں جو کھنڈر ڈاکٹر اسپونر نے دریافت کیے ہیں اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ چندر گپت کے محل میں ۸۰ ستون پائے جاتے تھے۔

چندر گپت کی نجی زندگی

محل کے اندر چندر گپت زنانہ باڈی گارڈ کی حفاظت میں رہتا تھا[1] اسے مستقل ا...

---

[1] ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن، صفحہ ۱۳۱ اور حاشیہ۔ اسٹرابو کہتا ہے کہ ان عورتوں کو ان ...
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قتل کا خطرہ رہتا تھا، اس لیے کہتے ہیں کہ وہ لگاتار دو راتیں ایک کمرے میں سو کر نہیں گزارتا تھا۔ یہ دراصل مبالغہ ہے، لیکن اس سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ راجا کی حفاظت کے لیے خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ راجا چار موقعوں پر محل سے باہر نکلتا تھا۔ جب وہ کسی فوجی مہم کے لیے کوچ کرتا، قربانیوں کی رسم ادا کرتا، کسی مقدمہ میں انصاف کرتا، یا شکار کے لیے باہر جاتا۔ وہ بڑا فرض شناس تھا اور جب اس کے جسم پر آبنوس کے بیلنوں سے مالش ہو رہی ہوتی اس وقت بھی وہ داد خواہوں کی فریاد سُنتا تھا۔ جب راجا شکار کے لیے نکلتا تو تمام راستہ میں امتیاز کے لیے رسیاں باندھ دی جاتی تھیں۔ ان رسیوں کو پار کرنا موت کے مترادف تھا۔ راجا منظر عام میں سونے کی پالکی میں سوار ہو کر آتا تھا اور اپنے شوخ اور زرق برق لباس میں سب سے ممتاز نظر آتا تھا۔ سفر میں وہ گھوڑے اور ہاتھی بھی استعمال کرتا تھا۔ وہ کھیل کود کا بہت شوقین تھا۔ سپہ گری کے مقابلوں، مینڈھوں اور گینڈوں کی لڑائیوں کا وہ بہت شوقین تھا۔ بیلوں کی دوڑ بھی تفریح کا ایک مقبول ذریعہ تھی۔ جس میں بازی لگانے کا موقع بھی خوب مل جاتا تھا۔

چندر گپت کا انجام

بعض جین روایات کی رو سے چندر گپت جین مذہب کا پیرو تھا اور اس کے دور

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) والدین سے خرید لیا جاتا تھا (پندرھواں، ۵۵) کوٹلیہ بھی یہی کہتا ہے کہ "بستر سے اٹھ کر راجا کا استقبال عورتوں کے یہ فوجی دستے کرتے تھے جو کمانوں سے مسلح ہوتے تھے (ارتھ شاستر کتاب پہلی، باب ۲۱ شام شاستر کا ترجمہ، تیسرا اڈیشن، ۱۹۲۰، ص۱۴۳) یہ بھی دیکھیں
(شکنتلا ایکٹ چھٹا، ص۳۲۴، प्रावेश्य श्राइहस्ता पवनी
وکرم اروشی، ایکٹ پانچواں ص۱۲۳
۵۔ دیکھیں استرابو، پندرھواں، ۵۵، مدرا راکشس میں راجا کو مار ڈالنے کی سازشوں کی طرف
اشارہ ملتا ہے (ایکٹ دوسرا) ترجمہ ایچ ایچ ولسن، ہندو تھیٹر دوسرا، دوسرا، سکنڈ اڈیشن
(لندن ۱۸۳۵)

حکومت کے آخری زمانے میں جب مگدھ میں قحط پڑا تو وہ جین سردار قبیلہ بھدر باہو کی ہمراہی میں میسور چلا گیا۔[1] مزید برآں کہتے ہیں چندر گپت نے جین قاعدے کے مطابق فاقے کر کے اپنی زندگی کو ختم کر دیا۔ معلوم نہیں یہ روایات کہاں تک قابل اعتماد ہیں، لیکن متوسط دور کے کچھ کتبے میسور سے اس کی وابستگی ظاہر کرتے ہیں[2]۔ ممکن ہے آخر عمر میں چندر گپت نے جین اثرات قبول کر لیے ہوں اور عبادت و ریاضت کی نیت سے اپنے لڑکے کے حق میں تخت و تاج سے دست بردار ہو گیا ہو۔ ۲۴ سال حکومت کرنے کے بعد ۲۹۷ ق۔م میں اس کا انتقال ہو گیا۔

فصل (۲)

بندوسار

چندر گپت کا جانشین

چندر گپت کے بعد اس کا لڑکا بندوسار تخت نشین ہوا۔ یونانی مصنفین نے اسے امت راگیٹنر (ایتھی نائیوس) یا اَتی ٹراکڈیز (اسٹرابو) کہا ہے، جو غالباً سنسکرت کے اَمترگھاٹ یا امترکھاد کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

کیا اس نے جنوب فتح کیا؟

بعض عالموں کا خیال ہے کہ بندوسار نے جنوبی ہندوستان بھی فتح کر لیا تھا، کیوں کہ تارا ناتھ کے بیان کے مطابق " وہ مشرقی اور مغربی سمندروں کے درمیان کے علاقہ پر قابض و متصرف تھا"[3] یہ بات یقینی ہے کہ آشوک کی سلطنت میسور کی آخری

---

[1] انڈین اینٹی کویری، ۱۸۹۲، پولٹیکل ہسٹری آف اینشینٹ انڈیا، چوتھا ایڈیشن ص۲۴۱

[2] لیوس رائیس، ایپی گرافیہ کرناٹکا، جلد پہلی، ص۲۴۲ [3] تارا ناتھ کے بیان کے مطابق چانک (چانکیہ) نے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیے)

سرحد تک پھیلی ہوئی تھی، نیز کلنگ کا علاقہ اس نے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا تھا۔ اس جہت سے جنوبی ہندوستان کی فتح کا سہرا یا تو اس کے باپ کے سر ہے یا اس کے دادا کے۔ لیکن چوں کہ چندر گپت کا دورشان دار گذرا، اور چوں کہ روایات میں حتمی طور پر اس کا میسور سے تعلق بیان کیا گیا ہے اس لیے اگر اس کارنامے کا سہرا بھی اس کے سر رکھا جائے تو غالباً زیادہ قرینِ عقل ہوگا۔

بغاوت

بندوسار نے تخت وتاج بڑے ہنگامی حالات میں حاصل کیا۔ ٹیکسلا میں بغاوت ہو رہی تھی اور جب اس کا بڑا لڑکا اور اس کا نائب السلطنت (وائسرائے) سُشیما اُسے فرد کرنے میں ناکام رہا، تو بندوسار نے اشوک کو اُجین سے تبدیل کرکے ٹیکسلا بھیج دیا۔ خوش قسمتی سے اشوک وہاں امن وامان قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

غیر ملکی روابط

بندوسار نے معاصر یونانی حکمرانوں سے خوشگوار تعلقات قائم رکھنے کی پالیسی پر عمل کیا جس کی ابتدا اس کے نامور باپ نے کی تھی۔ بندوسار اور انیٹی اوکس اول سوٹر کے درمیان عجیب وغریب مراسلت ظاہر کرتی ہے کہ بندوسار نے جب اپنے یونانی دوست سے میٹھی شراب، انجیر، اور ایک فلسفی بھیجنے کی فرمائش کی تو انیٹی اوکس نے جواب میں بڑی خوشی الذکر دو فرمائشیں پوری کردیں اور تیسری فرمائش کے لیے معذرت چاہی کہ ہمارا قانون اس قسم کے لین دین کی اجازت نہیں دیتا۔ کہتے ہیں کہ شامی شہنشاہ نے بھی ڈے مکس نامی سفیر بندوسار کے دربار میں بھیجا تھا۔

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) چند سال بندوسار کے وزیر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں۔ (پولیٹکل ہسٹری آف انشنٹ انڈیا، چوتھا اڈیشن، صـ۲۴۳) بعد ازاں کھلاٹک جیسا کہ دیویاؤدان میں لکھا ہے، بندوسار کا وزیر اعظم ہوگیا۔

نواں باب

فصل (۱)

اشوک[1]

تاجپوشی

پُرانوں کے مطابق بندو سار نے ۲۵ سال حکومت کی، لیکن پالی کتابوں کی رو سے اس کا زمانہ ۲۷، ۲۸ سال رہا، اگر پُرانوں کی بات مانی جائے تو بندو سار کا انتقال تقریباً ۲۷۲ ق.م میں ہوا۔ اور اسی سال اس کا لڑکا اشوک وردھن یا اشوک جو ٹکسیلا اور اجین کے وائسرائے کی حیثیت سے انتظامِ حکومت کا تجربہ حاصل کرچکا تھا، تخت نشین ہوا۔

نزاعِ جانشینی

لنکا کی روایات ظاہر کرتی ہیں کہ اشوک نے خون کی ہولی کھیل کر تخت و تاج حاصل کیا۔ کہتے ہیں کہ اس نے اپنے تمام ۹۹ بھائیوں کا، سوائے سوتیلے بھائی کے ٹیشیا کے جو دوسرے باپ کی اولاد تھا، کام تمام کردیا۔ بہت سے عالموں نے اس روایت کی صحت پر شبہ کیا ہے اور چٹانی فرمان نمبر پانچ میں بھائیوں کے وجود کی طرف ایک اہم اشارہ دریافت کیا ہے۔ اگرچہ دستاویزی شہادت فیصلہ کن نہیں ہے۔ لیکن چوں کہ اس میں بھائیوں کے جرم کی طرف سے راجا کے فکر و تردد کا اظہار ہوتا ہے اس لیے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ جنوبی ہند کی یہ روایت مبالغہ آمیز ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بھکشو اشوک کی ابتدائی زندگی کے تاریک پہلو پر زور دینا چاہتے ہیں، وہی اشوک

---

[1] ملاحظہ ہو مارنیل اشوک، وی۔ اے اسمتھ، اشوک، ڈاکٹر آر. کے. مکرجی، اشوک، ڈاکٹر ڈی۔ آر بھنڈارکر۔ میں نے ان تمام کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔

جوان کے نزدیک پہلے خونخوار درندہ تھا لیکن بدھا کی رحم دلانا تعلیمات سے متاثر ہونے کے بعد ایک انتہائی نیک نفس شہنشاہ میں تبدیل ہو گیا۔ بہرحال اتنی بات مانی جاسکتی ہے کہ اشوک کو تخت حاصل کرنے سے پہلے اپنے سب سے بڑے بھائی سسیما یا سُمن سے زور آزمائی کرنی پڑی۔ جانشینی کا نزاعی ہونا اس سے بھی ثابت ہے کہ اشوک کی جانشینی اور تاجپوشی میں جس کی تاریخ تقریباً ۲۷۹ یا ۲۶۸ ق۔م قرار دی گئی ہے؛ تین یا چار سال کا فصل پایا جاتا ہے۔

کلنگ کی جنگ

کلنگ کی فتح اشوک کے دور حکومت کا سب سے اہم واقعہ تھا جو رسم تاجپوشی ادا ہونے کے آٹھ سال بعد پیش آیا۔ ہم نے کسی دوسرے مقام پر اس قیاس کا اظہار کیا کہ نند خاندان کی حکومت اس علاقہ تک پہنچ گئی تھی اور اسی لیے اس خاندان کے زوال کے بعد جو طوائف الملوکی پھیلی [1]، یا بندوسار کے زمانے میں جو ابتری اور انتشار پھیلا اُس کے نتیجہ میں یہ صوبہ پھر خود مختار ہو گیا۔ چنانچہ اسے از سرِ نو تسخیر کرنے کا کام اشوک کے حصے میں آیا۔ کلنگ کے لوگوں نے بہت جم کر مقابلہ کیا۔ چٹانی فرمان نمبر تیرہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس جنگ میں "ایک لاکھ پچاس ہزار آدمی گرفتار ہوئے ایک لاکھ آدمی قتل ہوئے اور اس سے کئی گنا غالباً بیماری اور مفلسی کا شکار ہو گئے"۔ بیچاروں کے کچھ کام نہ آیا اور ان کے ملک کو بڑی بے دردی سے تخت و تاراج کیا گیا اور فتح کر لیا گیا۔ جنگ کی ناقابل بیان تکالیف و مظالم نے فاتح کا دل توڑ دیا اور اس نے تہیہ کر لیا کہ اب کبھی توسیعِ سلطنت کی خاطر تلوار میان سے نہیں نکالوں گا [2] طبل جنگ

---

[1] یہ زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے چونکہ چندر گپت شمالی ہند میں معروف رہا اس لیے اہل کلنگ کو اپنی طاقت بڑھانے کا خوب موقع مل گیا۔

[2] گویا اشوک کی شاہانہ قوت ارادی نے "کیلاگ معاہ... ...وس کر لیا تھا اور ریاستی پالیسی کے طور پر وہ جنگ سے دست بردار ہو گیا تھا۔ موجودہ جنگ نے بہرحال اس معاہدہ کی دھجیاں اڑا دی ہیں۔

(بھیری گھوش) ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگیا اور اس کے بعد صرف دھمّ گھوش کی گونج یعنی عدم تشدد اور عالمی امن کی پکار ملک میں سُنائی دینے لگی۔

اشوک کا مذہب

اس طرح اشوک کے تصورِ زندگی اور مقصدِ حیات میں انقلابی تبدیلی رونما ہوئی۔ اس کا دل و دماغ بدھ مت کی معتدل تعلیمات سے بے حد متاثر ہوا اور اس نے بدھ مت اختیار کر لیا۔ چٹانی فرمان نمبر تیرہ میں وہ خود اعلان کرتا ہے کہ کلنگ کی لڑائی کے بعد دیوتاؤں کا محبوب دُھمّ کی خدمت، دھمّ کی محبت اور دُھمّ کی خدمت، دھمّ کی محبت اور دھمّ کی تعلیم میں ہمہ تن مصروف ہوگیا۔ بعض اوقات اس پر شبہ کیا جاتا ہے کہ وہ بدھ مذہب کو مانتا تھا یا نہیں۔ لیکن بدھ مذہب سے اس کی وابستگی مستند روایات نیز لوحی شہادتوں سے ثابت ہے۔ بھبرو کے فرمان میں وہ بدھ تثلیث یعنی بُدھا، دھمّ (دھرم) اور سنگھ — میں اپنے اعتقاد کا اظہار کرتا ہے اور سنگھ والوں اور عوام دونوں کو کتابِ مقدس کے بعض ابواب کی تلاوت اور اُن پر غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ سارناتھ کے چھوٹے ستونی فرمان اور اسی جیسے دوسرے فرامین میں اشوک تقریباً دین کے محافظ کی حیثیت سے خطاب کرتا ہے اور مذہب میں تفریق پیدا کرنے والوں کے لیے سزائیں تجویز کرتا ہے [1] اس نے بدھ مذہب کے مقدس مقامات کی زیارت کی، مثلاً بودھ گیا (چٹانی فرمان نمبر اٹھارہ)، لمبنی (چھوٹا ستونی فرمان) [2] اور ایسی تفریحات اور قربانیاں ممنوع قرار دے دیں جن میں بے گناہ جانوروں کو ذبح کرنا ضروری ہوتا تھا۔ چنانچہ

---

[1] اشوک خود کبھی تارک الدنیا نہیں ہوا اور نہ بھکشو بنا، جیسا کہ بعض عالموں نے دیویا و دان اور آئی ستنگ کی شہادت پر قیاس کیا ہے۔ آئی سنگ کا بیان ہے کہ اشوک کا بھکشو کے روپ میں ایک مجسمہ دیکھا (جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۹۰۸، ص۴۹۶) اور چھوٹے چٹانی فرمان کی وہ مشہور و معروف عبارت — "سنگھم اُپا ئیتے" ثابت کرتی ہے کہ اشوک اپنی سرگرمیوں کے باعث سنگھ سے بہت قریب آگیا تھا۔

[2] اشوک کا زیارت کے لئے سارناتھ جانے کا جہاں اس نے "قانون کا چکر گھمایا" اور سبنتی نارا جانے کا جہاں بدھا کو پری نربھان حاصل ہوا، اس کتبے میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

فرمان نمبر ایک)۔ آخر میں ہمیں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اشوک نے بدھا کے تبرکات محفوظ کرنے کے لیے بے شمار استوپ بنوائے اور ابتدا میں ان میں سے آٹھ میں انھیں دفن کر دیا، اس کے علاوہ بدھ مذہب کی تبلیغ اور مسلمات طے کرنے کے لیے شہنشاہ نے موگلی پُتّ تِسا کی رہنمائی میں ایک مجلس بھی طلب کی۔

اشوک کی رواداری

اگرچہ اشوک نے خود بدھ مذہب قبول کرلیا تھا، لیکن وہ متعصب و متشدد ہرگز نہیں تھا۔ اس کے برخلاف، وہ تمام فرقوں کا جو اُس وقت پائے جاتے تھے، احترام و سرپرستی کرتا تھا۔ اس نے اَجیوکَ فرقے کو غاروں میں رہن سہن کی اجازت دے دی اور دوسرے مذہب والوں ۔ برہمنوں، شرامنوں، نِرگرنتھوں وغیرہ کو ایک دوسرے کے ساتھ اچھے برتاؤ اور رواداری سے پیش آنے کی ہدایت کی۔ وہ اس کا قائل تھا کہ تمام مذہبوں کا نصب العین ایک ہے۔ یعنی ضبطِ نفس اور پاکیٔ ضمیر اور اس لیے اس کی خواہش تھی کہ سلطنت کے جس حصہ میں وہ چاہیں بود و باش اختیار کریں (چٹانی فرمان نمبر سات [1]) اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نے لوگوں پر زور دیا کہ ضبطِ نفس سے کام لیں۔ "بہُو شرُت" ہو جائیں، یعنی دوسرے مذہبی فرقوں کے بارے میں پوری معلومات حاصل کریں، محض اس سبب سے کہ وہ کسی ایک فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں، دوسرے فرقوں کی تحقیر نہ کریں تاکہ ایک دوسرے کے احترام اور باہمی رواداری میں اضافہ ہو (چٹانی فرمان نمبر بارہ [1])۔ حقیقتاً یہ بڑے اونچے خیالات ہیں جو آج بھی ہماری اس بے چین و مضطرب دنیا کے لیے تسکین کا باعث ہو سکتے ہیں

اس کا "دھم"

اس بے تعصبی کے باعث اشوک نے اپنا ذاتی مذہب لوگوں پر تھوپنے کی

---

[1] اس طرح اشوک اپنے وقت سے آگے جا رہا تھا اور اس کے "دھم" کو بعض جدید اصلاحی تحریکوں کا پیش خیمہ کہہ سکتے ہیں ملاحظہ ہو ڈاکٹر آر۔ کے۔ مکرجی، اشوک، صفحہ ۶۰۔ ۶۷

کوشش نہیں کی۔ واقعہ یہ ہے کہ اپنے فرمانوں میں وہ بدھ مذہب کی خصوصیات، مثال کے طور پر "چار کھری سچائیاں" آٹھ اصول کا راستہ (اشٹانگک مارگ) اور "نبھان" یا "نروان" کا کہیں ذکر تک نہیں کرتا۔ جو "دھم" اس نے دنیا کے سامنے پیش کیا وہ گویا تمام مذہبوں کا عطر یا سار تھا۔ اس نے اخلاقی چلن کے لیے ایک ضابطہ تجویز کیا تاکہ زندگی کو زیادہ خوشگوار و پاکیزہ بنایا جاسکے۔ اس نے والدین، استادوں اور بزرگوں کی اطاعت (سُشرُشا) اور احترام (اَپ چتی) پر بہت زور دیا۔ عمرانین میں برہمنوں شرمنوں، رشتہ داروں، دوستوں، سن رسیدہ اور مصیبت زدہ لوگوں کے ساتھ فیاضانہ سلوک اور اچھے برتاؤ کو جگہ جگہ سراہا گیا ہے۔ کہیں کہیں (مثلاً ستونی فرمان نمبر دو، نیز چٹانی فرمان نمبر سات میں) اشوک نے دھرم کی تعریف اس طرح کی ہے۔ "دھم" میں خیرات (دان)، رحم (دیا)، حق گوئی (سچے یا ستین) پاک باطنی (سوچے یا ساچن)، درویشی (سادھتا)، ضبط نفس (سَن یَم)، احسان (کِتَم نتا یا کرتگیتا) ثابت قدمی (درڑھ بھتیا، دِرنڑ بھکتیا) وغیرہ سب شامل ہیں۔ اس کا منفی پہلو یہ ہے کہ غصے (کودھ = کرودھ)، ظلم (نِٹ تُوِّیہ یا نشیٹھورین)، تکبر (مانن) حسد (اِسنیا = اِرشا) وغیرہ (ستونی فرمان نمبر تین) کی وجہ سے انسان گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ لہٰذا اُسے چاہیے گناہ سے پرہیز کرے۔ یہ باتیں دنیا کے تمام مذہبوں میں مشترک ہیں، اس جہت سے اشوک پر مشکل ہی سے یہ الزام لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے بادشاہ کی حیثیت سے اپنے بے شمار وسائل کسی خاص مذہب کو پھیلانے پر صرف کیے۔ اس لیے ایک عالم گیر مذہب کا تصور پیش کرنے کا سہرا جو اپنے وسیع ترین معنوں میں "فرض" کے مترادف ہے، اشوک ہی کے سر ہے۔

خصوصیات

اشوک نے بہرحال تمام رائج الوقت عقیدوں اور رسموں پر اپنی مہر تصدیق ثبت نہیں کی۔ تمام ذی حس مخلوق کو گزند نہ پہنچانے کے اصول کی پابندی کرتے ہوئے (اَنارَمبھو پرانانم، اَوِہِستا بھوتانَن) اُس نے اُن تمام قربانیوں کو ممنوع قرار دے دیا جن میں جانوروں کو ذبح کیا جاتا تھا (چٹانی فرمان نمبر ایک) ہوسکتا

ہے بعض لوگوں کو جو اُن میں اعتقاد رکھتے تھے واقعی دشواری پیش آئی ہو، لیکن اشوک اس بنیادی اصول پر کوئی سمجھوتہ کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ بعض رسموں کو اس نے فضول، عامیانہ اور لغو سمجھتے ہوئے معیوب قرار دے دیا۔ (چٹانی فرمان نمبر نو)۔ پیدائش، موت، شادی، اور سفر وغیرہ کے موقعوں پر بیشتر رسمیں عورتیں انجام دیتی تھیں۔ اشوک کے نزدیک اصلی رسم یہ تھی کہ انسان زندگی میں اپنے تعلقات اور چلن کو سنوارے۔ اسی طرح، اس نے تحائف و فتوحات کے مروجہ تصور کو بدلنے کی کوشش کی۔ اس کا اعلان تھا کہ دھمّ دان سے بڑھکر کوئی تحفہ نہیں ہو سکتا۔ اس میں "غلاموں اور ملازموں کے ساتھ اچھا برتاؤ، ماں باپ کی اطاعت، دوستوں، ساتھیوں، برہمن اور شرمن سنیاسیوں کے ساتھ فیاضی، اور قربانی کے لیے ذی روح مخلوق کے ذبیحہ سے اجتناب" وغیرہ باتیں شامل تھیں (چٹانی فرمان نمبر گیارہ)

بدھ مذہب کی اشاعت کے طریقے

اشوک نے مبلغوں کے بے جوش و خروش کے ساتھ دھمّ کی تبلیغ کا کام شروع کیا۔ چھوٹے چٹانی فرمان نمبر ایک میں اس نے دعویٰ کیا ہے کہ اس کی ایک سال[1]، بلکہ ایک سال سے زیادہ کی انتھک کوششوں سے تمام جمبو دُویپ میں وہ لوگ جو دیوتاؤں سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے تھے، اب اُن کے نزدیک آ گئے[2]۔ یہ غیر معمولی کامیابی اُسے منظم طریقے استعمال کرنے سے حاصل ہوئی۔ اُس نے آسمانی رتھوں کے "مناظر"

---

[1] اشوک ہمیں بتاتا ہے کہ وہ ڈھائی سال سے زیادہ چیلے (اُپاشک) کی حیثیت میں رہا اور اپنا باقاعدہ اثر نہ ڈال سکا (چھوٹا چٹانی فرمان نمبر ایک)

[2] دیکھیے "اِمِنا چو، کالینا اَمِسا سماتا منیسا جمبو دیپسی مسا دیوہی" اس عبارت کا بالکل صحیح مطلب نکالنے میں بڑی مشکلات ہیں۔ بہرحال اس کا منشا یہ ہے کہ اشوک کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور لوگ جن کے کوئی دیوتا ہی سرے سے نہیں تھے، یا جو لوگ کوئی مذہب نہیں رکھتے تھے۔ انھوں نے بھی مذہب اختیار کر لیا۔

پیش کیے (وِمان)، آگ کے روشن گولوں کے مظاہرے کیے (اگنی کھندانی) اور ہاتھیوں کی نمائش کی (ہستی وَسُنا) یہ سب چیزیں مختلف قسم کی روحانی مسرتوں کی نمائندگی کرتی تھیں جو نیک بندوں کو عالم بالا میں حاصل ہوتی ہیں۔ اس کا خیال تھا کہ یہ مظاہرے لوگوں کو حق پرستی کی طرف مائل کر دیں گے۔ اس نے خود تمام تفریحی دورے (دھار یاترا)، جن میں شکار اور دوسری تفریحات شامل تھیں، ترک کر دئے اور اُن کی بجائے اپنے پند و نصائح اور ذاتی مثال سے ملک میں دھمّ کی ترقی اور رواداری کا جذبہ بیدار کرنے کے لیے "دھم یاترائیں" شروع کر دیں (چٹانی فرمان نمبر آٹھ)۔ اشوکؔ اپنے ستونی فرمان نمبر سات میں بتاتا ہے کہ اسی مقصد کے لیے اُس نے "دھمّ استمبھ" قائم کیے، دھمّ مہامات یا دَھمّ مہاماتر مقرر کیے اور دھمّ ساون یا دھمّ شراون بنائے" دھمّ مہاماترں کا تقرر ایک اہم اقدام تھا کیونکہ اُن سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ لوگوں کی مادّی اور روحانی دونوں قسم کی ضروریات کی دیکھ بھال کریں۔

رفاہِ عام کے کام

اشوکؔ نے انسانوں اور حیوانوں کی تکلیف دُور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور اس سلسلہ میں بڑی فیاضی کا مظاہرہ کیا۔ ہم گزشتہ صفحات میں ذکر کر چکے ہیں کہ اشوک نے قربانیوں کے سلسلہ میں جانوروں کے ذبیحہ کو ممنوع قرار دے دیا تھا، لیکن چٹانی فرمان نمبر ایک مزید یہ بتاتا ہے کہ اُس نے گوشت سے تیار ہونے والی چیزوں کو شاہی دسترخوان سے رفتہ رفتہ بالکل خارج کر دیا۔ تمام "سماج" جن میں گوشت خوری، رقص اور موسیقی کو دخل تھا بند کر دیے گئے۔ اسی طرح ستونی فرمان نمبر پانچ میں اُس کے اُن قواعد کا ذکر ہے جو اُس نے جانوروں کو مار ڈالنے یا اُن کے اعضا کاٹنے کے خلاف مرتب کیے تھے۔ وہ سنیاسیوں، غریبوں اور مصیبت زدہ لوگوں کی اعانت کرتا تھا، اس نے اپنی ذاتی اور اپنی رانیوں اور راجکماروں کی خیرات کی نگرانی کے لیے بڑے بڑے افسر (مُکھ) مقرر کر رکھے تھے۔ چٹانی فرمان نمبر دو سے معلوم ہوتا ہے کہ اشوک نے "طبی علاج" کے لیے دو قسم کا انتظام کیا تھا۔ ایک انسانوں کے لیے، دوسرا حیوانوں کے لیے

اپنی سلطنت میں بھی اور جنوب کی پڑوسی ریاستوں میں بھی۔ وہ ریاستیں یہ تھیں۔ چولا، پانڈیہ، ستیاپتر، کیرل پتر، یہاں تک کہ تامرپرنی (لنکا) میں بھی، نیز یونانی ریاستوں میں بھی (چٹانی فرمان نمبر تیرہ)، مثلاً شام کے انتی یوک یا اینٹی اوکس دوم تھیوس (۲۶۱ ۔ ۲۴۶ ق۔م) کی ریاست میں، مصر کے تر ماما یا، یا ٹالمی دوم فلی ڈیلفس (۲۸۵ ۔ ۲۴۷ ق۔م) کی ریاست میں، مقدونیہ کے اَنتیکینا یا انٹی گونیٹس (۲۷۸ ۔ ۲۳۹ ق۔م) کی ریاست میں، سائرین کے مگ یا مگس (۳۰۰ ۔ ۲۵۸ ق۔م) کی ریاست میں، اپی رس کے اَلِکَ سُندُرُو یا سکندر (۲۷۲ ۔ ۲۵۸ ق۔م) کی ریاست میں[1] آدھے آدھے کوس (لگ بھگ ایک میل) کے فاصلے پر اس نے کنویں اور سرائیں تعمیر کرائیں۔ جہاں دواؤں میں کام آنے والی جڑی بوٹیاں نہیں پیدا ہوتی تھیں وہاں ان کے بھجوانے اور ان کی کاشت کا انتظام کر دیا۔ انسانوں اور حیوانوں کی نمایش کے لیے (پُری بھوگا یہ پشومنو شانن) اس نے برگد کے درخت اور آم کے باغ نصب کرائے۔ اس طرح اس نے تمام ذی روح مخلوق کی بھلائی اور خوش حالی کے لیے مسلسل کام کیا۔ اُس کا جذبۂ محبت و ہمدردی حدود و قیود سے بیگانہ تھا۔ اس نے یہ کبھی نہیں چاہا کہ یونانی "ایک غیر ملکی کے کہنے سے"، جیسا کہ ڈاکٹر ریس ڈیوڈس نے قیاس کیا ہے، اپنے دیوتاؤں سے قطع تعلق اختیار کر لیں۔ البتہ اشوک نے اپنے سفیروں یا دُوتوں کے ذریعہ اپنا امن و صلح کا پیغام بھیجنا ضرور اپنا فرض سمجھا۔ سفیروں کو اس کی یہ ہدایت تھی کہ اس کی طرف سے وہاں دان پُن کریں تاکہ مخلوق کا جو قرضہ اس پر واجب الادا ہے اس سے وہ سبکدوش ہو جائے (بھوتانن آننین گچھیئن)

بدھ مت کی تیسری مجلس

ایک اہم واقعہ جو اشوک کی تاجپوشی کے سترھویں سال میں پیش آیا یہ تھا

---

[1] اَلِکَ سُندُر کو رنتھ کے سکندر (۲۵۲ ۔ ۲۴۴ ق۔م) کے مماثل نہیں معلوم ہوتا، جیسا کہ بلاک نے تجویز کیا ہے۔ پانچ یونانی حکمرانوں کا حوالہ اشوک کے زمانے کے حالات نیز عام واقعات تاریخ وار مرتب کرنے کے نقطۂ نظر سے بہت اہم ہے۔

کہ مختلف فرقوں کے باہمی اختلافات دور کرنے کے لیے بدھ مذہب کی تیسری مجلس[1] طلب کی گئی۔ یہ موگ گلی پتا تسا کی صدارت میں (شمالی ہند کی تحریروں کے مطابق اُپ گپت کی صدارت میں) بمقام پاٹلی پتر منعقد ہوئی۔ نو مہینہ تک غور و فکر کے بعد مسائل استھ ویر فرقہ کے حق میں طے کر دیے گئے۔ مجلس کے اختتام پر صدر نے طے شدہ معتقدات کے مطابق دور دراز ملکوں کو تبلیغی جماعتیں بھیجیں۔ مثال کے طور پر مجھانتک کو کشمیر اور گندھار بھیجا گیا۔ ہمالیہ کے ملک میں وفد مجھم کی سرکردگی میں گیا۔ مہش منڈل (میسور) جانا مہادیو کے اور سورن بھومی (برما) جانا سون اور اُتر کے ذمہ قرار دیا گیا۔ مہاراشٹر کی طرف مہا دھرم رکشت کو اور یونوں کے ملک کی طرف مہارکشت کو روانہ کیا گیا۔ اشوک کے لڑکے مہیندر کو[2] جو بھکشو بن گیا تھا، کئی اور بھکشوؤں کی ہمراہی میں لنکا بھیجا گیا۔ کہتے ہیں کہ بعد از اں شہنشاہ کی لڑکی سنگھ مترا بھی مقدس بودھی درخت کی شاخ سے لے کر وہاں گئی۔ اشوک کے دورِ حکومت میں بدھ مذہب کی توسیع و اشاعت بڑی حد تک ان تبلیغی جماعتوں کی انتھک کوششوں، ثابت قدمی اور والہانہ جوش کی مرہونِ منت ہے۔

سلطنت کی وسعت

یہ مشہور بات ہے کہ کلنگ اشوک کی واحد فتح تھی۔ لیکن اسے باپ دادا سے ایک عظیم الشان سلطنت ورثے میں ملی تھی۔ جس کی حدود کا تعین ہم کسی حد تک قطعیت کے ساتھ کر سکتے ہیں۔ شمال و مغرب میں اس کی سلطنت یقیناً ہندوکش تک پھیلی ہوئی تھی۔ کیونکہ اس کا ثبوت موجود ہے کہ چاروں یونانی صوبوں (شترپوں) پر جو اس کے دادا کو سلیوکس نانکیپٹر سے ہاتھ آئے تھے اس کا قبضہ بدستور باقی رہا۔ ان صوبوں کی تفصیل یہ ہے۔ ایریا (ہرات) اراکوشیا (قندھار) گڈروشیا

---

[1] پہلی مجلس مہاکشیپ نے راج گریہہ میں طلب کی اور دوسری ویشالی میں تاکہ بچھوی علاقہ میں آزاد خیال رجحانات کا سدباب کیا جا سکے۔ [2] ہیون سانگ کے بیان کے مطابق اور بدھ مذہب کی سنسکرت کی کتابوں کی رو سے مہیندر اشوک کا بھائی تھا۔

(بلوچستان) پرُوپنی سدانی (وادیٔ کابل) ہاشوک کی مملکت میں جنوبی افغانستان اور سرحدی علاقوں کا شامل ہونا اس سے ثابت ہے کہ شہباز گڑھی (ضلع پشاور) اور من سہرا (ضلع ہزارہ) میں اس کے چٹانی فرمان دریافت کیے گئے ہیں، نیز یوان چوانگ کی شہادت اس کی تائید کرتی ہے۔ یوان چوانگ نے کافرستان (کپیشا) اور جلال آباد میں اشوک کے استوپوں کے وجود کا ذکر کیا ہے۔

مزید برآں، کشمیر کا اشوک کی سلطنت میں شامل ہونا چینی زائر یوان چوانگ کے بیان سے، نیز کلہن کی راج ترنگنی سے ثابت ہے۔ اس مقام پر یہ کہنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ سری نگر کی بنیاد اشوک ہی سے منسوب ہے، اور وادیٔ کشمیر میں بہت سے استوپ اور چیتیہ بنوانے کا سہرا بھی اُس کے سر ہے۔

گرنار اور سوپارا (ضلع تھانہ) میں اشوک کے کتبے قطعی طور پر ثابت کرتے ہیں کہ اس کا حلقۂ اختیار سوراشٹر اور جنوبی مغربی علاقوں تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ جوناگڑھ میں رُودر دامن کے چٹانی کتبے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یون راج تشاسپ[1] سوراشٹر میں اشوک کا نائب السلطنت (وائسرائے) تھا۔

شمال میں اشوک کی حکومت ہمالیہ پہاڑ تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ بات اس کے ان فرمانوں سے ظاہر ہوتی ہے جو کلسی (ضلع دہرہ دون)، رُم من دے رن اور نگلیو (نیپالی ترائی) میں پائے گئے ہیں۔ روایات بتاتی ہیں کہ نیپال میں للت پٹن کی بنیاد بھی اسی نے رکھی، جہاں وہ اپنی لڑکی چارُومتی اور اُس کے شوہر دیو پال کشاتریہ کے ساتھ گیا تھا۔

مشرق میں بنگال بھی اس کی سلطنت میں شامل تھا۔ یوان چوانگ نے اشوک کے کئی استوپ بنگال کے مختلف علاقوں میں دیکھے۔ روایات بتاتی ہیں کہ جب اس کا بیٹا اور بیٹی لنکا جا رہے تھے تو انھیں رخصت کرنے تامرلپتی (تملوک) تک گیا تھا۔[2] کلنگ جو اس کی پہلی اور آخری فتح تھی وہ اس کی سلطنت میں شامل

---

[1] ایپی گرافیہ انڈکا، آٹھواں، صد ۴۶، تشاسپ ایرانی نام معلوم ہوتا ہے، حالانکہ اسے یون کہا گیا ہے۔ [2] بنگال کے موریہ سلطنت میں شامل ہونے کی تصدیق مہا استھان (جوگرا ضلع) کے ستونی کتبہ سے بھی ہوتی ہے جو موریہ عہد کے براہمی رسم الخط میں کندہ ہے (ملاحظہ ہو ایپی گرافیہ انڈکا، اکیسواں، اپریل، ۱۹۳۱، صد ۸۳ حاشیہ)

ہو ہی گیا تھا۔ یہاں اس نے دو کتبے کندہ کرائے۔ ایک دھولی (ضلع پوری) میں، دوسرا جوگڑھ (ضلع گنجم) میں۔ جنوب میں نظام کی قلمرو میں اشوک کے چٹانی کتبے مسکی اور اراگڈی، نیز میسور میں چیتل درگ کے مقام پر دریافت کیے گئے ہیں۔ اس سے بھی آگے جنوب کی خود مختار ریاستیں تھیں۔ چولا، پانڈیہ، ستیا پتر اور کیرل پتر (چٹانی فرمان نمبر دو)

چٹانی فرمان نمبر پانچ اور تیرہ میں بعض ایسی محکوم قوموں کا ذکر ہے جو دور دراز کے صوبوں میں آباد تھیں۔ وہ یہ تھیں۔ یون، کمبوج، گندھار، راشٹک، پتینک، بھوج، نابھک، نابھہ پنتی، آندھرا، اور پارِندَیا پالِدَ[1]

آخری بات یہ کہ فرمانوں میں سلطنت کے بعض شہروں کے نام آتے ہیں۔ مثلاً بودھ گیا، تکش شیلا (ٹیکسلا)، توسلی، سماپا، اجینی، سورن گری (شون گریا کنک گری)، اسیلا، کوشمبی، پاٹلی پتر۔

یہ تمام شہادتیں ظاہر کرتی ہیں کہ اشوک کی سلطنت شمال مغرب میں ہندوکش سے لے کر مشرق میں بنگال تک اور شمال میں ہمالیہ کے دامن سے لے کر جنوب میں چیتل درگ کے ضلع تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس میں دو سرحدی علاقے، کلنگ اور سوراشٹر بھی شامل تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کا طول و عرض اس درجے مرعوب کن تھا کہ اشوک یہ کہنے میں بالکل حق بجانب تھا "مہالکے ہی وجی تن" یعنی "میری سلطنت عظیم ہے" (چٹانی فرمان نمبر ۱۴[2]) قدیم ہندوستان کا کوئی بادشاہ اس قدر وسیع سلطنت پر اس سے پہلے کبھی قابض نہیں ہوا تھا۔

انتظام حکومت

نظام حکومت اشوک کے زمانے میں بھی کم و بیش ویسا ہی رہا جیسا چندر گپت

---

[1] ریپسن نے انھیں شمال و مغرب اور جنوب کی "بادشاہ کی سلطنت سے باہر"، لیکن اس کے حلقۂ اثر میں شامل سرحدی اقوام مانا ہے (کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد ایک، ص ۵۱۴)، [2] چٹانی فرمان نمبر پانچ میں اشوک نے اپنی سلطنت کو "سوپو" (تھا) بھی کہا ہے۔

موریہ کے زمانے میں تھا۔ یہ ایک مطلق العنان فلاحی شخصی حکومت تھی۔ اشوک نے اپنے باپ دادا کے اصولوں کی پابندی پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا۔ کلنگ کے دوسرے فرمان میں وہ کہتا ہے "رعایا سب میری اولاد ہے اور جس طرح میں دنیا اور عقبیٰ میں اولاد کی مسرت اور خوش حالی کا خواہش مند ہوں، اسی طرح میں اپنی رعایا کے لیے بھی اسی کا خواہش مند ہوں"۔ پہلے کی طرح ایک مجلس وزرا تھی (پری شد) جو بادشاہ کو حکمرانی میں امداد و مشورہ دیتی تھی۔ (چٹانی فرمان نمبر تین اور چار)، صوبائی نظام حکومت بھی وہی رہا۔ اہم صوبے شاہی خاندان کے افراد (کماروں) کے ماتحت تھے، اشوک کے زمانے میں ٹکشا شیلا (ٹیکسلا)، اجینی، توسلی (دھولی) اور سوُرن گری (سُونگیر) ایسے ہی مرکز تھے جن میں نائب السلطنت رہتا تھا۔ بعض اوقات، بہرحال، معتمد جاگیرداروں کو بھی یہ اعلیٰ خدمات تفویض کی جاتی تھیں جیساکہ یون راجا تشائپ کی مثال سے ثابت ہے جس کی راجدھانی گرنر تھی۔ غالباً نائب السلطنت اپنے اپنے صوبوں میں علیٰحدہ اپنی مجلس وزرا (اماتیہ) رکھتے تھے۔ بہرنہج بندوسار کے عہد میں وزرا کے خلاف ہی رعایا نے بغاوت کی تھی۔ چھوٹے چھوٹے صوبے گورنروں کے ماتحت ہوتے تھے جنھیں فرمانوں میں راجک کہا گیا ہے۔ یہ بیشک شاید ہمارے آج کل کے علاقائی کمشنروں کے مماثل تھے مختلف محکموں کے افسروں کے لیے عام اصطلاح "مکھ" (ستونی فرمان نمبر سات) یا مہا ماتر یعنی مہا ماترا استعمال ہوتی تھی۔ اُن کا مخصوص محکمہ مسابقات کے ذریعے ظاہر کیا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر حرم، شہر اور سرحد کے نگراں، علی الترتیب، استری ادھیکش مہا ماتر، نگر دیہ ہارک مہا ماتر، اور انتَ مہا ماتر کہلاتے تھے، دیگر سرکاری افسر جو اعلیٰ، اوسط اور ادنیٰ سب درجوں کے ہوتے تھے۔ پُرش کہلاتے تھے، کمتر درجہ کے افسروں کو عام طور پر یکت کہا جاتا تھا۔

اصلاحات

حکومت میں اصلاح کی غرض سے اشوک نے انتظام میں متعدد جدتیں پیدا کیں۔ اس نے رعایا کی دینی اور دنیوی بھلائی کے لیے ایک نیا عہدہ دَھَم

مہامات قائم کیا۔ مختلف مذہبی فرقوں کے مفادات کی نگرانی اور تقسیم خیرات کا کام اُن کے ذمہ تھا۔ سزاؤں میں کمی کرانا، طولِ عمر یا کثرت اولاد کی بنیاد پر قید سے رہائی دلانا، بے جا ایذا رسانی کی روک تھام کرنا اور انصاف کی سختیوں میں تخفیف کرانا بھی اُن کے فرائض میں داخل تھا (چٹانی فرمان نمبر پانچ)

مزید برآں، اشوک نے رجوک اور پردیشک سے لے کر یکت تک تمام افسروں کو حکم دیا کہ پنج سالہ یا بعض اوقات سہ سالہ دورے کریں (انو سنییان) تاکہ دیہات میں رہنے والوں سے وہ براہ راست رابطہ قائم کر سکیں۔ (چٹانی فرمان نمبر تین، نیز کلنگ کا چٹانی فرمان نمبر ایک) تیسرے، پٹی ویدکوں (نامہ نگاروں) کو اجازت تھی کہ راجا کہیں بھی ہو وہ جب چاہیں اُسے اہم سرکاری معاملات کی اطلاع دیں۔ (چٹانی فرمان نمبر چھ)[1] چوتھے اشوک نے راجکوں کو جو "کئی لاکھ آدمیوں پر تعینات ہوتے تھے" آزادی دے رکھی تھی کہ لوگوں کو خطابات (ابھی ہال) سے نوازیں اور سزائیں (دنڈ) دیں، تاکہ وہ اعتماد و جرأت کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے سکیں۔ بہرحال، اُن سے سزاؤں (دنڈ سمتا) اور انصاف (دیوھار سمتا) کے معاملہ میں قانونی یکسانی برتیں۔ (ستونی فرمان نمبر چار) آخر میں، شہنشاہ ہر سال جشنِ تاجپوشی کے موقع پر (ستونی فرمان نمبر پانچ) قیدیوں کو رہا کیا کرتا تھا اور جو ملزم سزائے موت کے منتظر ہوتے تھے، انھیں وہ تین دن کی مہلت دے دیا تھا۔ (ستونی فرمان نمبر چار)

سماج

ہم نے اشوک کے زمانے میں سوسائٹی کی ایک جھلک گزشتہ صفحات

---

[1] پٹی ویدکوں کو اجازت تھی کہ چاہے راجا کھانا کھا رہا ہو (بھنج مانس)، حرم میں ہو (اوُرود ھنھی) باہر کے دالان میں ہو (گبھا گار رکھی)، شاہی مویشی خانہ میں ہو۔ (دبنیتی) گھوڑے پر سوار ہو (وِنی تنھی مذہبی مطالعہ میں مصروف ہو؟)، یا باغ میں تفریح میں مشغول ہو (اُیانسو) ہر وقت اور ہر جگہ اسے سرکاری حالات سے مطلع کریں۔

میں دیکھی۔ اس وقت سماج برہمنوں، شرمنوں، اور دوسرے باشندوں پر مشتمل تھا، جن میں اجیوک اور نرگرنتھ (جین) مختار تھے، یہ بھکشو اور سنیاسی اپنے اپنے معتقدات کے مطابق حق کی تبلیغ کرتے اور درس و تدریس اور مباحثہ کے ذریعہ علم کی توسیع و اشاعت میں معروف رہتے تھے۔ اس کے علاوہ گرہستی لوگ تھے۔ (گرہستھ) عجیب بات یہ ہے کہ اشوک نے اپنے فرمانوں میں چاروں طبقوں کا ذکر کیا ہے یعنی۔ برہمن؛ فوجی سپاہی اور اُن کے سردار (بھٹ نایہ) جو گویا کشتریوں کے مماثل تھے کہ ابھیۂ یا ویشیۂ (چٹانی فرمان نمبر پانچ) اور غلام اور ملازم (دَرس بھٹک) یعنی شودر۔ خوش بختی کے لیے وہ بہت سی رسمیں ادا کرنے کے عادی تھے اور عقبیٰ (پَرلوک یا سُورگ) کے قائل تھے۔ گوشت خوری بلاشبہ اس وقت کے سماج کی عام خصوصیت تھی، جیساکہ آشوک کے اُن جامع قواعد و ضوابط سے ظاہر ہے جو اس نے جانوروں کے ذبیحہ کے انسداد کے لیے نافذ کیے دستونی فرمان نمبر پانچ) اگر خود اشوک کی مثال کو سامنے رکھا جائے تو نتیجہ نکلتا ہے کہ "اوپر کے دس ہاچند زنی پر عمل کرتے تھے۔ [1] چٹانی فرمان نمبر پانچ میں حرم (اَوُر ودھن) کے حوالے ثابت کرتے ہیں کہ عورتوں کو تنہا رکھنا اور ان کی آزادی پر پابندی لگانا اس وقت کوئی انوکھی بات نہ تھی۔

یادگاریں

موجودہ نسلیں آشوک کو محض اس کی دھمّ کے میدان میں کامیابیوں کے لیے ہی نہیں بلکہ فنّی اور تعمیری کارناموں کے لیے بھی یاد رکھیں گی۔ روایات دو شہروں کی بنیاد کا سہرا بھی اس کے سر رکھتی ہیں۔ کشمیر میں سری نگر اور نیپال میں لَلت پٹن۔ اور جیساکہ فاہیان نے لکھا ہے، اس نے اپنے محل اور راجدھانی کی شان و شوکت

---

[1] اشوک کی رانیوں کے ناموں کے لیے ملاحظہ ہو صلا۱۲ ضمیمہ (ب) یہ بات کہ اشوک کئی بیویاں رکھتا تھا، روایات سے بھی ثابت ہے اور رانی کے فرمان سے بھی، جس میں اشوک کی دوسری بیوی، کال دُر، واکی، مادر نزلِ دتِیور) کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ (موازنہ کریں" دوتی یائے دیلنیے")

کو دوبالا کر دیا تھا۔ بدھا کے مادی تبرکات محفوظ کرنے کے لیے اس نے اپنی وسیع و عریض سلطنت میں لاتعداد استوپ تعمیر کرائے۔ [1] اس کے علاوہ بھکشوؤں کے رہنے سہنے کے لیے اشوک نے وِہار یا خانقاہیں اور غار بنوائے بہرحال اشوک کی تعمیری سرگرمیوں کی شہادتیں جو اب تک ہمارے پاس محفوظ ہیں، بدقسمتی سے بہت ناکافی ہیں۔ لیکن ان سے کہیں زیادہ اہم اس کے وہ یک سنگی ستون ہیں جن کی بھاری بھرکم مخروطی شکل کی ڈانڈ چنار کے ریتیلے پتھر سے ڈھالی گئی ہے۔ اُن کا وزن تقریباً پچاس ٹن ہے اور اونچائی کا اوسط ۴۰ سے ۵۰ فٹ تک ہے۔ ستون کے بالائی حصہ پر پرسی پلیس [2] کے نمونہ کا ایک گھنٹی نما تاج ہے، جو ہاول کی رائے میں اُلٹا ہوا کنول ہے۔ ان کھمبوں کے دوسرے حصے یہ تھے۔ گردن، اس پر چوکی، جس کی گولائی کو سنگتراش جانوروں کی مورتیوں سے زینت دیتے تھے۔ حسب ذیل جانوروں کی مورتیاں بیش کی جاتی تھیں۔ شیر، بیل، ہاتھی اور گھوڑا۔ ان تمام متناسب اجزا کی تیاری اس قدر فطری، نفیس اور جان دار ہے کہ بعض عالموں نے بڑے زور کے ساتھ یہ رائے ظاہر کی ہے کہ یہ سب فن غیر ملکی، یونانی یا فارسی اثرات کا حامل ہے۔ سنگتراشی کے ان شاہکاروں کا مقابلہ اگر ہم قدیم نمونوں سے کرتے ہیں، جیسے پارکھم کی مورتی، تو یہ بلاشبہ ایک معمہ بن جاتا ہے۔ جس کا اطمینان بخش حل اُس وقت تک تلاش نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ ہم غیر ملکی اثرات تسلیم نہ کریں یا یہ باور نہ کریں کہ ہندستان میں فن کا ایک طوفان یک لخت اُمنڈ پڑا تھا۔ اشوک کی لاٹوں کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان کی سطح کو گھس گھس کر اتنا چکنا بنا دیا گیا ہے کہ بعض ماہرین کو یہ شبہ ہوا کہ یہ دھات کی بنی ہوئی ہیں۔ یہ بھی بہت عجیب بات ہے کہ اس قسم کی چکناہٹ بعد کی عمارتوں

---

[1] بدھا کی وفات کے بعد ان کے باقیات کے آٹھ دعویدار ہو گئے۔ ان میں سے ہر ایک نے ایک استوپ ان پر تعمیر کرایا۔ ان سب کو اشوک نے کھلوایا۔ روایات میں ہے کہ اس نے ان تبرکات کو ۸۴۰۰۰ استوپوں میں تقسیم کر دیا، اور یہ سب استوپ اس نے خود اسی مقصد سے تعمیر کرائے۔

[2] آکمینی بادشاہوں کے زمانے میں قدیم فارس کا دارالسلطنت۔ (مترجم)

میں نہیں پائی جاتی، گویا اشوک کے بعد فن کا یہ معیار بالکل معدوم ہو گیا۔ مجموعی طور پر، بقول ونسنٹ اسمتھ کے "اُن کا گھڑنا، منتقل کرنا، اور کھڑا کرنا، یہ سب موریہ عہد کے سنگتراشوں اور انجینروں کی فنی صلاحیتوں نیز وسائل اور حسنِ تدبیر کا کھلا ہوا ثبوت ہیں [1]"

فرامین

اشوک کے یہ تمام کتبے [2] دستاویزی شہادت کا نادر مجموعہ ہیں۔ ان سے

---

[1] اشوک تیسرا اڈیشن، صہ ۱۲۰۔ صہ ۱۲۱ اشوک کے انجینیروں کو ان ستونوں کو دور دراز مقامات تک لانے لے جانے میں جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہوگا اس کا تھوڑا بہت اندازہ شمس سراج کے بیان سے ہوتا ہے جس نے بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ سلطان فیروز شاہ نے ان میں سے ایک لاٹ کو ٹوپرا گاؤں (ضلع انبالہ، پنجاب) سے بطور نشانِ فتح دہلی بھجوانے کے لیے کیا انتظامات کیے تھے۔ وہ لکھتا ہے کہ اول بڑی احتیاط سے بیخ کھدوائی گئی، پھر آہستہ آہستہ ستون کو روئی کے نرم گدوں پر لٹایا گیا۔ بعد ازاں اس خیال سے کہ ستون کو کوئی صدمہ نہ پہنچے، بینڈوں اور خام کھالوں کی دبیز تہیں اس پر لپیٹی گئیں۔ اس کے بعد اسے ایک گاڑی پر چڑھایا گیا جس میں ۴۲ پہیے تھے۔ یہ گاڑی خاص طور سے اسی مقصد سے بنوائی گئی تھی۔ ہر پہیے میں الگ الگ ایک رسّی باندھی گئی تھی اور اسے بہ یک وقت ۲۰۰ آدمی مل کر کھینچتے تھے۔ اس طرح پوری گاڑی کو ستون کے بوجھ سمیت ۸۴۰۰ (۴۲ × ۲۰۰) آدمیوں نے کھینچا۔ جب گاڑی جمنا کے کنارے پہنچی تو ستون کو بڑی ہوشیاری سے بڑی بڑی کشتیوں پر اتارا گیا جو وہاں پہلے سے اس کام کے لیے تیار تھیں۔ پھر ستون کو بڑی احتیاط کے ساتھ فیروز آباد لے گئے اور بڑی محنت اور قابلیت سے اسے جامع مسجد کے قریب نصب کر دیا۔ کہتے ہیں کہ فیروز شاہ تغلق نے اشوک کے ایک اور ستون کو مضافات (میرٹھ) سے بھی منتقل کیا۔ یہ دونوں ستون دہلی کے قریب، علی الترتیب، کوٹلہ میں اور پہاڑی ٹیلہ پر آج تک موجود ہیں (ملاحظہ ہو ایلیٹ، تیسرا، صہ ۳۵۰؛ اسمتھ، اشوکا، تیسرا اڈیشن، صہ ۱۲۱۔ صہ ۱۲۳؛ بھنڈارکر، اشوکا، دوسرا اڈیشن، صہ ۲۱۵۔ صہ ۲۱۷)

[2] فرمانوں میں اشوک نے اپنے لیے "دیوانم پیئے پیہ دَسی راجا" کے الفاظ کی تکرار کی ہے۔ صرف مسکی کے چھوٹے چٹانی فرمان میں "اشوک نام آیا ہے دوسرے مقامات پر جہاں نام آتا ہے یہ ہیں جوناگڈھ میں رُدر دامن کا کتبہ جس پر ۱۵۰ء تاریخ پڑی ہوئی ہے (ایپی گرافیہ انڈکا، آٹھواں صہ ۳۶۔ صہ ۴۶، نیز سارناتھ میں کمار دیوی کا کتبہ (ایضاً، نواں، صہ ۳۱۹، صہ ۳۲۸)

ہمیں اُس کے دلی جذبات ونظریات کا پتہ چلتا ہے اور آج سینکڑوں برس بعد اس عظیم الشان شہنشاہ کے الفاظ بعینہٖ ہم تک پہنچ گئے ہیں۔ ان فرمانوں کو جو بقول رہس ڈیے وڈس "ناہموار، بدقطع، پیچیدہ اور تکرار سے پُر ہیں" کئی حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) دو چھوٹے چٹانی فرمان: فرمان نمبر ۲ میسور کے چیتل وُرگ ضلع میں سِدّاپورا جتنگا رامیشورا اور برہم گری وغیرہ مقامات پر پائے گئے ہیں۔ نمبر ایک مندرجہ بالا مقامات پر بھی پائے گئے ہیں نیز روپ ناتھ (ضلع جبلپور)، سہسرام (ضلع آرہ میں)، جے پور کے قریب بیراٹ، اور نظام کی ریاست میں مسکی، گوی مٹھ، پالکی گنڈی اور اراگُڑی میں پائے گئے ہیں۔

(۲) بھبرو کا فرمان

(۳) چودہ چٹانی فرمان، جو شہباز گڑھی (ضلع پشاور)، من سہرا (ضلع ہزارہ) جوناگڑھ کے قریب گرنر؛ سوپارہ (ضلع تھانہ)؛ کلسی (ضلع دہرہ دون) دھولی (ضلع پوری) جوگڑھ (ضلع گنجم)، اراگُڑی (نظام کی ریاست) میں دریافت ہوئے ہیں۔

(۴) کلنگ کے دو علیحدہ فرمان جو چٹانی فرمان نمبر گیارہ، بارہ اور تیرہ کی بجائے دھولی اور جوگڑھ میں پائے گئے ہیں۔

(۵) برابر میں تین غاروں کے کتبے۔

(۶) سات ستونی فرمان: توپرا۔ دِلّی، میرٹھ؛ دلّی، کوشامبی۔ الہ آباد؛ رام پروا، لوریا اوراج، لوریا نندن گڈھ (آخری تین بہار، ضلع چمپارن) میں پائے گئے ہیں۔

(۷) رُم من دے اِی اور نگ لیوُ کی ترائی کے دو فرمان۔

(۸) سانچی، کوشامبی ـ الہ آباد اور سارناتھ کے چھوٹے ستونی فرمان۔

سوائے شہباز گڈھی اور مَن سہرا کے فرامین کے جو عربی کی طرح دائیں سے بائیں کو لکھی جانے والی۔ کھروشٹھی رسم الخط میں کندہ ہیں، باقی سب براہمی لپی میں ہیں، جو تمام جدید ہندوستانی حروف تہجی کی ماں ہے اور بائیں سے دائیں کو لکھی جاتی ہے۔

اشوک کا جائزہ

بلاشبہ اشوک قدیم ہندوستان کی سب سے نمایاں شخصیت ہے۔ اکثر اس کا مقابلہ دنیا کی عظیم شخصیتوں مثلاً قسطنطین، مارکس، آر یلیس، اکبر، خلیفہ عمر وغیرہ سے کیا جاتا ہے۔ اس تقابل میں، بہرحال، مکمل یکسانی نہیں پائی جاتی۔ اشوک انسانی ہمدردی کی ندیاں بہا رہا تھا۔ اس کی محبت و مہربانی تمام ذی روح مخلوق سے ہم آغوش تھی۔ اس کا فرض شناسی کا معیار بہت بلند تھا، جس کے باعث وہ اُن تمام مسرتوں سے بیزار ہو گیا تھا جو بادشاہوں کے لیے مخصوص ہوتی ہیں۔ وہ بڑی جفاکشی کی زندگی گزارتا تھا۔ سرکاری کام انجام دینے کے لیے ہر وقت اور ہر جگہ آمادہ رہتا تھا، اور اپنے تمام وسائل اور قوتیں بنی نوع انسان کی تکلیف دور کرنے اور اپنے معتقدات کے مطابق دھمّ کی نشر و اشاعت پر صرف کرتا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ خاص طور پر رعایا کی، اور عام طور پر تمام انسانوں اور حیوانوں کی بھلائی اور خوشحالی کا جذبہ اس کی زندگی کا اس قدر نمایاں پہلو بن گیا تھا کہ وہ اپنی کوششوں اور اپنے کام سے کبھی مطمئن نہیں ہوتا تھا۔ اس کے عالی شان عہد میں فن کی زبردست ترقی ہوئی اور پالی یا ماگدھی یعنی وہ بولی جس میں اس کے فرامین نے الفاظ کا جامہ پہنا قریب قریب تمام ہندوستان کی مشترک زبان بن گئی۔[1] لیکن اس کی پالیسی سے ہندوستان کی سیاسی عظمت کو شدید صدمہ پہنچا۔ کلنگ کی فتح کے بعد موریہ فتوحات کا زور یک لخت گھٹ گیا۔ اور اس طرح گویا اشوک نے "دھمّ وجے" کی پالیسی اختیار کر کے سلطنت مگدھ کی توسیع کو ہمیشہ کے لیے مسدود کر دیا۔ لوگوں کا فوجی جوش و خروش افسردہ و مضمحل ہو گیا اور ملک ہندی باختری حملہ آوروں کی یلغار کا بڑی آسانی سے شکار ہو گیا جو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ہندوستان کے میدان پر آندھی دھاندی ٹوٹ پڑے۔

---

[1] اگر ایک نئی اصطلاح وضع کرنے کی اجازت ہو تو اسے "لنگوا فرینکا کی بجائے" لنگوا انڈکا یعنی "ہندستان کی مشترک زبان" کہنا چاہیے۔

فصل (۲)

اشوک کے جانشین

چالیس سال کے طویل دور حکومت کے بعد ۲۳۲ ق.م. میں اشوک کا انتقال ہوگیا۔[1] جب شاہی عصا اس کے مضبوط ہاتھوں سے چھوٹ کر گر گیا تو موریہ خاندان کا ستارہ گردش میں آگیا۔ اس کے جانشینوں کے بارے میں روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن ایک بات یقینی ہے، وہ یہ کہ اشوک کی بلندی تک اُن میں سے کوئی/ایک نہ پہنچ سکا۔ اس کے بیٹوں میں سے صرف تیوَرا کا نام فرمانوں میں آتا ہے لیکن غالباً وہ باپ سے پہلے انتقال کر گیا، کیونکہ اس کا نام بعد میں کہیں سننے میں نہیں آتا۔ راج ترنگنی سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا بیٹا جالوک جو شیومت کو مانتا تھا، اشوک کے انتقال کے بعد کشمیر میں خود مختار ہوگیا تھا، تیسرا، کُنال (سُوشیس؟) تھا جس نے وایو پُران کے مطابق آٹھ سال حکومت کی۔ لیکن جنوبی ہند کی کتابیں اُسے نابینا کہہ کر گزر گئی ہیں۔ اس جہت سے اشوک کے بیٹوں کے متعلق ہماری معلومات نہایت درجہ مبہم ہے۔ دوسری طرف اشوکا ودان ہمیں بتاتی ہے کہ سنگھ کے ساتھ غیر معمولی فیاضی اور سخاوت کے باعث اشوک کو اس کے وزیروں نے اُس کے پوتے سَمپَرتی (جو نابینا کنال[2] کا لڑکا تھا) کے حق میں تخت سے دست بردار ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ روایات میں ضمنی طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ سَمپدی یا سَمپرتی جین مت کا گرم جوش سرپرست تھا اور اس کی راجدھانی اُجین تھی۔ وایو اور متسیہ پُران بہرحال تصدیق کرتے ہیں کہ اُس سے پہلے اشوک کا ایک اور پوتا، دشرتھ،

---

[1] ونسنٹ اسمتھ نے لکھا ہے کہ ایک تبتی روایت کے مطابق اشوک کا انتقال ٹکسیلا میں ہوا۔ (دی آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا، ص۱۱۶) دوسرے ذرائع سے روایت کی تائید بہرحال نہیں ہوتی۔

[2] کہتے ہیں کہ آنکھوں کی خوبصورتی کی وجہ سے اس کا نام کُنال رکھا گیا تھا۔ اس کی سوتیلی ماں تشیہ رکشتا نے حسد کے باعث سازش کر کے اُسے اندھا کروا دیا۔

نامی گدی پر بیٹھا۔ اس کی تاریخیت ناگارجُنی میں غار کے کتبوں سے بھی ثابت ہے جن میں لکھا ہے کہ وہ اجیوک فرقے سے والہانہ نسبت رکھتا تھا۔ ونسنٹ اسمتھ نے ان متضاد شہادتوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اشوک کے بعد سلطنت کے حصے بخرے ہو گئے۔ دش رتھ کو مشرقی اور سمپرتی کو مغربی علاقہ ملا۔ لیکن اس نظریے کی تائید دستیاب شواہد سے نہیں ہوتی، کیونکہ بعض جین نسخوں میں سمپرتی کو تمام ہندوستان کے راجہ کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے جس کا دربار اُجین میں نہیں بلکہ پاٹلی پتر میں لگتا تھا۔ اس لیے ہمیں حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ دشرتھ اور سمپرتی دونوں تاریخی وجود رکھتے تھے، نیز یہ کہ دشرتھ پہلے راجا ہوا اور سمپرتی بعد میں۔ سمپرتی کے جانشین بالکل بے حقیقت تھے[1] ان کے زمانے میں موریہ طاقت زوال پذیر ہو گئی۔ یہاں تک کہ برہ درتھ کا انجام اس کے اپنے سپہ سالار پُشیامترشنگ کے ہاتھوں بڑے المیہ انداز میں ہوا۔

موریہ سلطنت کے زوال کے اسباب

موریہ سلطنت کی قبر پر فاتحہ پڑھنے والا لازمی طور پر یہ سوال کرنے لگا کہ اشوک کے بعد موریہ راج کا شیرازہ اتنے جلد کیوں بکھر گیا۔ مہا مہو پادھیہ ایچ۔ پی۔ شاستری کا خیال ہے کہ اشوک کی پالیسی کے خلاف برہمنوں کا ردِعمل اس کا واحد سبب تھا[2] برہمنوں نے اس سے بالکل قطع تعلق کر لیا تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ اشوک نے قربانیوں کو ممنوع قرار دے دیا تھا۔ اخلاقی نگرانی کے لیے دھرم مہامات مقرر کر دیے تھے یا انصاف اور سزاؤں کے معاملہ میں مساوی برتاؤ کا طریقہ رائج کر دیا تھا۔ اس سے وہ محض اس لیے بیزار تھے کہ ان کی انفرادیت اور تشخص پر کاری ضرب لگی تھی اور اب تک جو مراعات انھیں حاصل تھیں اُن سے وہ محروم ہو گئے تھے۔ اشوک کے یہ تمام ضابطے ہو سکتا ہے، برہمنوں کی ناراضگی کا باعث ہوئے ہوں اور یہ بات بھی معنی خیز ہے کہ موریہ خاندان کے آخری تاجدار کو ایک برہمن سپہ سالار نے دھوکے سے

---

[1] ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا ایڈیشن، صہ ۲۰۳۔ [2] ضمیمہ ڈ کی رد سے [3] جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ۱۹۱۰ء صہ ۲۵۹، حاشیہ۔

قتل کر دیا۔ لیکن موریہ سلطنت کے زوال کے کچھ اور اسباب بھی تھے۔ اشوک کے جانشین سب کمزور و ناتواں تھے۔ صوبوں میں نفاق و بغاوت کے رجحانات پہلے ہی سے موجود تھے، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ جالوک کشمیر میں (راج ترنگنی) اور ویرسین گاندھار میں (تارا ناتھ) اشوک کے مرنے کے فوراً بعد خود مختار ہو گئے تھے۔ جو افسر دور دراز کے علاقوں میں تعینات کیے گئے تھے انھوں نے بھی مرکزی حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر خود سری اختیار کر لی تھی۔ اب اشوک موجود نہیں تھا جو اُن کے ظلم و ستم کو سختی سے دبا سکتا۔ چنانچہ لوگوں میں بے اطمینانی بڑھتی رہی۔ حکومت کی قوتِ حیات بالکل سلب ہو چکی تھی۔ اس لیے جب طوفان اُمڈا تو بڑی تیزی سے تمام ملک پر چھا گیا[1]

---

[1] ملاحظہ ہو ڈاکٹر رائے چودھری، پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا، چوتھا اڈیشن، صـ ۲۹۳، صـ ۳۰۴

ضمیمہ (الف)

ترجمہ چٹانی فرمان نمبر بارہ۔ فرمانِ رواداری

تقدس مآب، مشفق و مہربان، جہاں پناہ سب فرقوں کا یکساں احترام کرتے ہیں، سنیاسیوں کا بھی اور گرہستیوں کا بھی۔ تحفے تحائف سے نواز کر وہ ان کی عزت افزائی کرتے ہیں۔ لیکن تقدس مآب جہاں پناہ کے نزدیک ان تحائف کی اتنی اہمیت نہیں ہے جتنی اس بات کی ہے کہ مختلف مذہبی فرقوں کے بنیادی اصولوں کی اشاعت و ترقی ہو۔ بہر حال، اس حقیقی معاملہ کی اشاعت کی قسمیں ہیں۔ لیکن اس کی بنیاد "ضبطِ تقریر" ہے، یعنی یہ کہ صرف اپنے ہی مذہب کا احترام نہ کیا جائے اور دوسروں کے مذہب سے خواہ مخواہ نفرت نہ کی جائے۔ بہت خاص حالات میں دوسروں کو حقیر سمجھنا چاہیے۔ اس کے برخلاف، کسی نہ کسی عنوان سے دوسروں کے مذہب کا احترام کرنا چاہیے۔ ایسا کر کے انسان اپنے مذہب کی ترقی میں مدد دیتا ہے اور دوسروں کے مذہب کو بھی فائدہ پہنچاتا ہے۔ اس کے برعکس عمل کر کے انسان اپنے مذہب کو بھی نقصان پہنچاتا ہے اور دوسروں کے مذہب کو بھی۔ کیونکہ جو شخص جوشِ عقیدت میں صرف اپنے مذہب کا احترام کرتا ہے اور دوسروں کے مذہب سے نفرت کرتا ہے، یعنی اس خیال سے کہ "میں کسی طرح اپنے مذہب کی عظمت کو دوبالا کروں" تو جو شخص اس طرح عمل کرتا ہے وہ فائدہ کے بجائے اپنے ہی مذہب کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اس لیے صرف "اتفاق و اتحاد ہی مستحسن ہے" اس طرح کہ تمام لوگ دوسروں کے عقائد کو سنیں اور سننے کے لیے تیار رہیں۔ واقعتاً تقدس مآب جہاں پناہ کی بہترین خواہش ہے کہ "تمام مذہبوں کے لوگ علم حاصل کریں اور اچھے عقائد کو

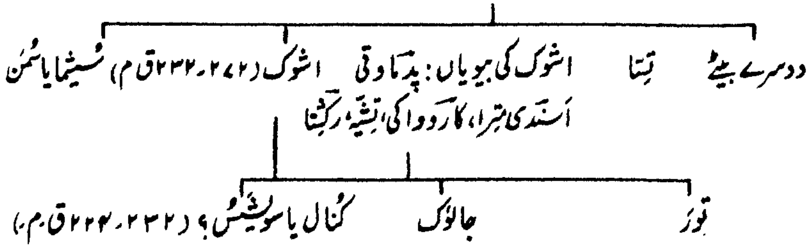
اپنائیں" اور جو لوگ اپنے عقیدہ سے مطمئن ہیں ان سے کہہ دینا چاہیے کہ تقدس مآب تحفوں اور ظاہری شان و شوکت کے مقابلہ میں اس کے خواہش مند ہیں کہ تمام مذہبی فرقوں کے بنیادی اصولوں کی اشاعت و ترقی ہو..... [1] "

ضمیمہ (ب)

خاندانِ موریہ کے شجرے

چندرگپت موریہ (تقریباً ۳۲۱ ـ ۲۹۷ ق.م)

بندوسار (۲۹۷ ـ ۲۷۲ ق.م)



سَمپرتی (اندرپالِت؟) (۲۱۶ ـ ۲۰۷ ق.م) دش رتھ (بندھو، پالتِ؟)

رشالی شوک یا برہسپتی؟) . (بعض پُرانوں نے شالی شوک کی مدت حکومت ۱۳ سال قرار دی ہے لیکن دوسرے میں اس کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ہے، شاید اُس کا دورِ حکومت بہت مختصر ہو اور اس لیے ہم بڑی آسانی سے قیاس کر سکتے ہیں کہ وہ ایک یا دو سال باقی رہا، یعنی، ۲۰۶-۲ ق.م) دیو ورمن یا سوم شرمن تقریباً (۱۹۹ ـ ۱۹۰ ق.م)۔

ستت دھنس یا ست دھن وَن (تقریباً ۱۹۹ ـ ۱۹۱ ق.م) برہ ورتھ (تقریباً ۱۹۱ ـ ۱۸۴ ق.م)

---

[1] ملاحظہ ہو ڈاکٹر آر. کے. مکرجی، اشوک، صہ ۱۵، صہ ۱۶۰، صہ ۲۳۲

دسواں باب

(۱) برہمن حکمراں

فصل (۱)

شُنگ خاندان

موریہ خاندان کی تباہی

پرانوں کی سند کے مطابق موریہ خاندان تقریباً ۱۸۴ ق۔م۔ میں پُشیامتر شُنگ کے ہاتھوں تباہ ہوگیا اور اس نے فوراً ناجائز طور پر تخت پر قبضہ کرلیا[1]۔ برِہَدرتھ کے قتل کے واقعات پر ہرش چرت میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ برہ درتھ جب فوج کا معائنہ کر رہا تھا تو اس کے سپہ سالار نے اسے مار ڈالا[2]۔ برِہَدرتھ غالباً ایک کمزور حکمراں تھا (پرگیہ دُربَلن) اور پشیامتر کو تمام فوج کی مکمل تائید حاصل تھی، ورنہ وہ خاص پریڈ کے میدان میں اپنے آقا کو اس طرح قتل نہیں کرسکتا تھا۔

---

[1] دیکھیے पुष्यमित्रस्तु सेनानी : समुद्धृत्य बृहद्रथम

[2] دیکھیے पताद्‌र्वल च वलदर्शनव्यपदेशदर्शिताशेषसैन्य: सेनानीरनार्यो मौर्यं बृहद्रथं पिपेष पुष्यमित्र : स्वामिनम

(اس کے ساتھ دیکھیے ہرش چرت، ترجمہ کاول اور ٹامس ص۱۹۳، ہرش چرت، چھٹا ص۱۹۹، بمبئی اڈیشن ۱۹۲۵ء)

شُنگ کون تھے؟

معلوم ہوتا ہے شُنگ خاندان نسلاً برہمن تھا۔ مشہور قواعد داں پاننی، ان کا تعلق بھاردواج خاندان سے قائم کرتا ہے اور اشولائین شرت سوتر میں شنگوں کو معلم بتایا گیا ہے[1] اس کے علاوہ تاراناتھ نے پُشیا متر کو جو کسی بادشاہ کے محل کا پجاری (پروہت) تھا، اسے برہمن کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ اور ایک مقام پر اس نے بڑی وضاحت کے ساتھ اسے باقاعدہ "برہمن راجہ" بھی کہا ہے[2] غور و فکر میں رہنے والے سیدھے سادے برہمنوں کے لئے جو شاستروں کو شستروں سے بدل دیتے تھے، یہ کوئی غیر متوقع اور بے جوڑ بات نہیں تھی، کیوں کہ ضرورت کے وقت انہیں ہتھیار بلند کرنے کی اجازت دی گئی ہے (دیکھیے منو، آٹھواں ۳۴۸[3]) درون اور اشوتھاما کی رزمیہ مثالوں کے علاوہ ہمارے پاس یونانی مصنفین کی شہادت موجود ہے کہ جب سکندر وادیٔ سندھ کے جنوب میں تھا تو برہمن اس کا مقابلہ کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ دوسری صدی ق۔ م کے ربیع اول میں ہندوستان اسی قسم کے بیرونی حملوں کے خطرہ سے دوچار تھا اور پُشیا متر اسی کو دفع کرنے اُٹھ کھڑا ہوا[4]

---

[1] بارہ، ۱۳، ۱۵ دیکھیے भरद्वाना : शङ्ग : कृता : शीशरप :

دیکھیے پولیٹکل ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن ص ۳۰۷۔ ص ۳۰۸ دِویادان، بہر حال، غلطی سے پشیا متر کو موریہ پشیہ دھرم کا لڑکا ظاہر کرتی ہے (انتیس[29]، ص ۴۳۳) اس کے برخلاف، بعض قدیم کتب شنگوں کا تعلق کشیپ گوتر کے بیمبکوں سے قائم کرتے ہیں (پولیٹکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا، چوتھا اڈیشن ص ۳۰۷ اور حاشیہ) [2] ترجمہ، شیفنر، باب، سولہ[16] [3] ملاحظہ ہوں گزشتہ صفحات۔ نیز دیکھیے

सेनापत्य च राज्य च दण्डनेतृत्वमेव च ।
सर्वलोकाधिपत्यं च वेदशास्त्रविदर्हति ॥

[4] [illegible] کے بارے میں پاننی کے قاعدے کو سمجھانے کے لیے مثال دیتے ہوئے پتنجلی [illegible] کا ذکر کرتا ہے۔ یہ ایک بہترین مثال ہے کیا اس سے یہ مطلب نہ نکالا جائے کہ پتنجلی ایک برہمن راجہ کی حکومت میں رہ رہا ہے۔

واقعات: ودربھ سے جنگ

ودربھ سے جنگ پُشیا متر کے دورِ حکومت کا پہلا واقعہ تھا۔ مالَ وِکا گنی متر کے مطابق، ودربھ کی ریاست نئی نئی قائم ہوئی تھی اور اس کا حکمراں یاگیہ سین جو سابقہ موریہ خاندان کے وزیر کا رشتہ دار تھا، شُنگ خاندان کا جانی دشمن تھا۔ برہ درتھ کے قتل کے بعد جو طوائف الملوکی پھیلی غالباً اس میں یاگیہ سین بھی خود مختار ہوگیا اور جب پُشیا متر نے دیکھ لیا کہ اس کا تخت و تاج محفوظ و مضبوط ہے، تب اس نے یاگیہ سین سے اطاعت قبول کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس کے بعد اُن میں مقابلہ ہوا جس کی تفصیلات تاریکی میں ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ پُشیا متر کے لڑکے اگنی متر نے جو ودِشا کا نائب السلطنت تھا اس جنگ کو گرم جوشی اور چابک دستی کے ساتھ جاری رکھا۔ نتیجہ میں اس نے یاگیہ سین کے چچازاد بھائی مادھو سین کو اپنی طرف توڑ لیا اور آخر کار جب جنگ ختم ہوئی تو ودربھ کو دونوں بھائیوں نے آپس میں تقسیم کر لیا۔

یونوں کے حملے

پُشیا متر کے دورِ حکومت میں ہندوستان مستقل یُون حملوں کی زد میں رہا۔ عظیم قواعد داں پتنجلی پُشیا متر کا ہم عصر تھا، اُس نے مدھیامکا (چتوڑ کے قریب ناگری)، اور ساکیت (ایودھیا) کے خلاف یُونوں کی فوجی مہموں کا حوالہ دیا ہے۔ ماضی استمراری کا استعمال سمجھانے کے لیے اس نے حسب ذیل مثالیں دے کر ایسے واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے جو اُس کے دیکھے ہوئے نہیں تھے۔ لیکن اتنے قریب ماضی میں پیش آئے تھے کہ ہوسکتا ہے اس کے چشم دید ہوں ا
"اَرُندْ یَوَنہُ ساکیتَمْ" (یونانی ساکیت کا محاصرہ کر رہا تھا)؛ "اَرُند یون مدھیامکمْ" (یونانی مدھیامکا کا محاصرہ کر رہا تھا)، [1] گارگی سنہتا بھی تصدیق کرتی ہے کہ بہادر

---

[1] مہابھارتیہ، ۲۰۳،۱۱۱۔

یونانیوں نے خباثت سے، متھرا، پنچال دیس (گنگا کا دوآبہ) اور ساکیت کو فتح کرلیا، یہاں تک کہ وہ کسُم دھوج (پاٹلی پتر) تک پہنچ گئے۔ اسی طرح مالَوکا گنی متر میں یونوں کی یا غالباً اُن کے مقدمتہ الجیش کی شکست کا حوالہ آتا ہے، جو دریائے سندھو کے کنارے واسومتر کے مقابلہ میں انھیں کھانی پڑی تھی۔ ہم ٹھیک ٹھیک نہیں کہہ سکتے کہ یونوں کا وہ کون سپہ سالار تھا جس نے ہندوستان پر اس وقت حملہ کیا۔ بعض عالموں نے اسے ڈمِٹریَس کے اور بعض نے مننڈر کے مماثل بتایا ہے۔ اسٹرابو کے نزدیک دونوں عظیم فاتح تھے اور انھوں نے یونانی جھنڈا دور دراز ملکوں میں لہرایا۔

آشومیدھ یگیہ

پُشیامتر کے دورِ حکومت کا ایک اور اہم واقعہ آشومیدھ یگیہ کا انجام دینا تھا۔ مالَوِکا گنی متر میں اور پتنجلی کے یہاں، دونوں جگہ اس کا حوالہ آتا ہے۔ درحقیقت خود پتنجلی نے اس قربانی میں پروہت کے فرائض انجام دیے تھے جیسا کہ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے "اِہ پُشیامتر یا ج، یامہ" (یہاں ہم پُشیامتر کی طرف سے قربانی انجام دے رہے ہیں)۔ پتنجلی نے یہ مثال زمانۂ حال میں ایک ناتمام فعل کا استعمال سمجھانے کے لیے دی ہے۔ ایودھیا کا کتبہ[2] مزید بتاتا ہے کہ پُشیامتر نے گھوڑے کی قربانیاں ایک نہیں بلکہ دو انجام دیں۔ جیسوال کی رائے میں

---

[1] ونسنٹ اسمتھ کا خیال ہے کہ یہ دریا آب بند ملکھنڈ اور راجپوتانہ کی ریاستوں کی حد فاصل ہے۔" (ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن، ص۲۱۲) دریائے سندھ سے اس کی مماثلت بھی بہرحال اتنی ہی قرین قیاس ہے۔ (انڈین ہسٹاریکل کوارٹرلی ۱۹۲۵ء ص۲۱۴، حاشیہ، نیز دیکھیے جرنل آف یو پی ہسٹاریکل سوسائٹی، جولائی ۱۹۴۱ء ص۹، ۲)

[2] ایپی گرافیہ انڈکا، بیس، (اپریل ۱۹۲۹ء ص۵۴، ص۵۸) دیکھیے۔

"कोऽसलाधिपन द्विरश्वमेध याजिन: सेनपते: पुष्यमित्रस्य...।"

پُشیامتر نے دوسرا آشومیدھ اس لیے انجام دیا کہ اُسے کلنگ کے راجہ کھاروَیلؔ کے مقابلہ میں ہزیمت اٹھانی پڑی تھی۔ بہرحال مندرجہ ذیل بیان سے ظاہر ہوگا کہ ان دونوں راجاؤں کا ہم عصر ہونا حد درجہ مشتبہ ہے۔

ریاست کی وسعت

اگر ہم تبتی مورخ تارا ناتھ اور دِوّیاودان کی شہادت کو تسلیم کریں تو ماننا پڑے گا کہ پُشیامتر کی ریاست کی حدود پنجاب میں جالندھر اور ساکل (سیالکوٹ) تک پھیلی ہوئی تھیں۔ تارا ناتھ یہ اشارہ بھی کرتا ہے کہ راج محل پاٹلی پتر ہی میں رہا۔ پُشیامتر کا ایودھیا پر قبضہ ایودھیا ہی میں پائے گئے ایک کتبے سے ثابت ہے[1]۔ نیز مالوِکاگنی متر کے مطابق پشیامتر کی عمل داری وِدشا اور جنوب میں نرمدا تک پھیلی ہوئی تھی۔ پُشیامتر نے اپنے وسیع و عریض مقبوضات کی تقسیم فی الواقع جاگیرداری طریقہ پر کی تھی کیوں کہ وایو پُران کے ایک نسخہ میں حسب ذیل عبارت آئی ہے۔

"पुष्यमित्र सुताश्चाष्टौ भविष्यन्ति समा नृपाः"

یعنی پشیامتر کے آٹھوں بیٹے ایک ساتھ حکومت کریں گے[2]

پُشیامتر کے مظالم

وِدیاودان کی شہادت کے مطابق پُشیامتر نے بدھ مت پر مظالم کیے ساکل کا وہ مشہور اعلان اُسی سے منسوب ہے۔ کہتے ہیں کہ پشیامتر نے ہر بدھ بھکشو کے سر پر سَو طلائی دینار کا انعام مقرر کردیا تھا[3]

---

[1] ایودھیا معلوم ہوتا ہے کوشلا دِھَپ دھنَ (دیوُیا بھوتی) کے ماتحت ایک گورنر کا صوبہ تھا جس کے سکّے بھی دستیاب ہوئے ہیں کتبہ میں اُسے पुष्यमित्रस्य षष्ठेन کہا گیا ہے، یعنی پشیامتر کا چھٹا بیٹا، بعض عالم اس سے پشیا متر کا چھٹا بھائی یا چھٹا جانشین مراد لیتے ہیں۔

[2] نیز دیکھیے पुष्यमित्रस्तु सेनानीरुत्पाट्य वै राज्य

[3] دِوّیاودان اڈیشن کاول اور نیل صـ۴۳۳، صـ۴۳۴ دیکھیے

यो मे श्रमणशिरो दास्यति तस्याहं दीनारशतं दास्यामि

تارانا تھ بھی اس کی تصدیق کرتا ہے کہ پشیامتر بد اعتقاد لوگوں کا دوست تھا۔ اس نے خود بہت سی خانقاہیں جلوا ڈالیں اور بھکشوؤں کو قتل کیا۔ اس میں شک نہیں کہ پشیامتر برہمن مت کا بڑا گرم جوش حامی تھا مگر شنگ خاندان کے دور حکومت میں[1] بھرہوت (ریاست ناگوڈ) میں جو استوپ اور جنگلے تعمیر ہوئے وہ اس کی متعصبانہ بے اعتدالیوں کے بارے میں مشکل ہی سے ان ادبی شواہد کی تائید کریں گے۔ لیکن اگر مندرجہ بالا فقرہ میں پشیامتر کا عہد مراد نہیں ہے تو ہمیں یقیناً اپنی رائے بدلنی پڑے گی۔

پشیامتر کے جانشین

۳۶ سال حکومت کرنے کے بعد پشیامتر ۱۴۸ ق۔م میں انتقال کر گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اگنی متر جس نے ودشا کے گورنر کی حیثیت سے حکومت کا کافی تجربہ حاصل کر لیا تھا تخت نشین ہوا۔ اس کا مختصر دورِ حکومت صرف آٹھ سال رہا اور اس کے بعد غالباً اس کا بھائی سُجیشٹھ یا سکوں کا جیٹھ متر (جیشٹھ متر) راج گدی پر بیٹھا۔ اس کے بعد اگنی متر کا بیٹا واسومتر راجہ ہوا۔ ابتدائی زمانے میں اس نے یونوں کو شکست دی، جنھوں نے قربانی کے اس گھوڑے کی جسے اس کے دادا نے کھلا ہوا چھوڑ دیا تھا، نقل و حرکت پر پابندی لگانے کی کوشش کی تھی شنگ خاندان دس حکمرانوں پر مشتمل تھا، لیکن تاریخ نے باقی حکمرانوں کا حال قلم بند کرنے کی طرف توجہ نہیں کی۔ ان میں سے ایک اودرک نامی جو پانچواں تھا، یا بقول بعض آخری سے پہلا جس کا نام بھاگ وت تھا، ستونی کتبہ میں بیس نگروالے راجہ کاشی پتر بھاگ بھدر کے مماثل تھا۔ اسی کے دربار میں ٹیکسلا کے راجہ انٹیئی الکدس (انٹ لکیت) نے اپنا سفیر ہیلی اُوڈرس (ہیلی اودورا) دار دیئن (دیا) بھیجا تھا، جو اپنے کو

---

[1] کننگھم، استوپ آن بھرہوت، پلیٹ بارہ، ص ۱۴۳ دیکھیے "سنگ نن اجے....." حالانکہ کوئی نام نہیں لیا گیا ہے، لیکن اغلب یہ ہے کہ اس سے مراد پشیامتر سے ہے۔

بھاگ وت کہتا تھا۔

شنگوں کا مذہب، فن اور ادب

بیس نگر کے ستونی کتبے سے جو معلومات بہم پہنچی ہے وہ بہت اہم ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوجاتا ہے کہ شنگوں نے یونانیوں کو نہ صرف پیچھے ڈھکیل دیا بلکہ انہیں شنگ خاندان کے حکمراں سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے پر مجبور کردیا۔ آگے چل کر ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مت میں اس وقت تک اتنی تنگ نظری اور فرقہ پرستی نہیں پیدا ہوئی تھی جتنی آج ہوگئی ہے اور غیر ملکی لوگ بھی اُن کے وسیع دامن میں جگہ پا سکتے تھے۔ بھاگ وت مسلک اس وقت زیادہ مقبول ہو رہا تھا اور نئے نئے عقیدت مندوں کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔

اس عہد میں فن کی بھی کافی ترقی ہوئی، جیسا کہ بھرُوت کے استوپ میں جنگلہ سے ثابت ہے۔ اس استوپ کی تعمیر شنگ خاندان کے دورِ حکومت میں ہوئی۔ اس کے علاوہ یہ رائے بھی ظاہر کی گئی ہے کہ سانچی کا ایک پھاٹک ودِشا کے ہاتھی دانت کے کاریگروں نے تعمیر کیا تھا۔ (نوشر)

شنگ خاندان کے عہد حکومت میں لازمی طور پر ادب کی بھی ترقی ہوئی۔ پتنجلی نے جو گونرد کا رہنے والا تھا پانینی کی قواعد کی عظیم شرح مہا بھاسیہ لکھی۔ غالباً اور بھی ادبی ہستیاں اس عہد میں موجود تھیں جن کے نام ابھی تک گوشۂ گمنامی میں پڑے ہوئے ہیں۔

(فصل ۲)

کنو خاندان

عروج کی تاریخ اور واقعات

پُرانوں سے ظاہر ہے کہ شنگ خاندان کی حکومت ۱۱۲ سال رہی، اس لیے ہم

لہ جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۹۰۹، صہ ۱۰۵۳، ۱۰۵۴

بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کانؔ واینؔ یا کنو خاندان نے ۷۲ ق.م میں حکومت پر قبضہ کیا۔ یہ بھی برہمن خاندان تھا، مندرجہ بالا کتب نیز ہرش چرت تصدیق کرتی ہے کہ پہلا کنو راجہ واسُودیوؔ، دیوبھوتی کے قتل کی سازش میں کامیاب ہونے کے بعد گدّی پر بیٹھا۔[1] دیوبھوتی ایک "انتہائی شہوت پرست" راجہ تھا۔

چھوٹا سا خاندان

اس خاندان میں صرف چار بادشاہ ہوئے اور اُن سب کے دورِ حکومت کی مدّت کل ملا کر ۴۵ سال ہے[2] اُنھوں نے کسی میدان میں بھی کوئی خاص امتیاز حاصل نہیں کیا۔

---

[1] دیکھیے۔ شدت جذبات کے عین عالم میں حد سے زیادہ شہوت پرست شنگ راجہ کا اس کے وزیر واسودیو کے اشارہ پر دیوبھوتی ایک کنیز کی لڑکی نے جو رانی کا بھیس بدلے ہوئے تھی کام تمام کر دیا (ہرش چرت، ترجمہ کا ول اور ٹامس ص۱۹۳، دیکھیے ہرش چرت (چھٹا) ص۱۹۹، بمبئی، ۱۹۲۵ء)

अतिस्त्रीसङ्गरतमनङ्गपरवशं शुङ्गममात्यो वसुदेवो देवभूतिं दासी दुहित्रा देवीव्यञ्जनया वीतजीवितमकारयत्।

نیز دیکھیے پارگٹر کالی عہد کے خاندان ص۳۴

دیکھیے: وشنو پران، چوتھا، باب ۲۴، ۳۹، ص۲۵۲، گیتا پریس اڈیشن:-

देवभूतिं तु शुङ्गराजानं व्यसनिनं तस्यैवामात्यः कण्वो वसुदेवनामा तं निहत्य स्वयमवनीं भोक्ष्यति।

[2] دیکھیے۔ وایو پران "चत्वारः शुङ्गभृत्यास्ते नृपाः कण्वायना द्विजाः"

ضمیمہ (الف)
شجرے
شنگ خاندان

نمبر شمار	راجہ کا نام	مدت حکومت
۱۔	پُشیامتر	۳۶ سال
۲۔	اگنی مترُ	۸ سال
۳۔	واسوجیشٹھ	۷ سال
۴۔	واسومترُ	۱۰ سال
۵۔	آدرک یا اُودرک	۲ سال
۶۔	پُلندک	۳ سال
۷۔	گھوشَ	۳ سال
۸۔	وَجرَ متر	۹ سال
۹۔	بھاگ وَت	۳۲ سال
۱۰۔	دیو بھوتی یا دیو بھُومی	۱۰ سال
		میزان ۱۲۰ سال

نوٹ: پُران کہتے ہیں: "یہ وس شُنگ راجہ روئے زمین پر پورے ۱۱۲ سال زندگی کا لطف اٹھائیں گے۔" بہرحال، عجیب بات ہے کہ اُن سب کے دورِ حکومت کی مدت ملاکر ۱۲۰ سال ہوتی ہے۔

ضمیمہ (ب)
کنوَ یا کانائینَ خاندان

۱۔	واسودیو	سال
۲۔	بھومی مترُ	۱۴ سال
۳۔	نارائین	۱۲ سال
۴۔	سُشرمَن	۱۰ سال
		میزان ۴۵

فصل (۳)

سات واہن خاندان

عروج کی تاریخ

سات واہن خاندان کے عروج کی تاریخ عالموں کے درمیان اکثر بحث کا موضوع بنی رہی ہے۔ بعض عالموں نے متسیہ پُران کی اس شہادت پر اعتماد کرتے ہوئے کہ آندھروں نے ساڑھے چار سو سال حکومت کی، سات وانیوں کے عروج کی شروعات کے لئے تیسری صدی ق م. کا ربعِ آخر تجویز کیا ہے۔ یہ تاریخ، بہرحال، زیادہ قابلِ اعتبار نہیں ہے، کیونکہ دایو پُران کی ایک دوسری روایت ہمیں بتاتی ہے کہ اُن کی حکومت صرف ۳۰۰ سال باقی رہی۔ اس کے برخلاف ڈاکٹر بھنڈارکر اس کے قائل ہیں کہ سات واہن خاندان ۷۳-۷۲ ق م میں وجود میں آیا۔ اُن کے نزدیک پرانوں کا یہ بیان کہ پہلا سات واہن سمک یا شِشُک "سُشرمن کَنَ واینَ کی جڑیں اکھاڑنے اور شُنگ، طاقت کو نیست و نابود کرنے کے بعد تمام روئے زمین پر قبضہ کر لے گا "[1] ثابت کرتاہے کہ "شُنگ بھرتیہ" کنوَ اور ان کے آقا، پیشواؤں کی طرح، ایک ہی وقت میں حکومت کرتے تھے۔ لیکن اگر ہم اس نظریے کو تسلیم کریں تو پھر پرانوں کی دوسری روایت، جس میں کہا گیا ہے کہ داسودیو کنوَ نے آخری شُنگ راجہ دیو بھوتی کو قتل کر دیا، اس نظریئے کے ساتھ کیسے ہم آہنگ ہو سکے گی۔ مندرجہ بالا عبارت، جیسا کہ ڈاکٹر رائے چودھری نے لکھا ہے، محض یہ ظاہر کرتی ہے کہ سِمُکَ نے شُنگ نسل کے اُن سرداروں کو بھی ختم کر دیا جو کنوَ خاندان کے لائے ہوئے انقلاب کی زد سے بچ گئے تھے[2] اس لیے کنوَ خاندان کا زوال سات واہنوں کے

---

[1] دیکھیے دایو پران
कारावापनस्ततो भृत्यः सशर्माणं प्रसह्य तम । शुङ्गाना
चैव यच्छेष क्षपयित्वा बलतदा सिन्धुको अन्ध्रजातीयः प्राप्स्यतीमां वसुन्धराम

[2] پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا، چوتھا اڈیشن، صـ۳۳۳ جس کا بہت سے مشوروں کے لیے میں مرہون منت ہوں

ہاتھوں ۲۹ ق۔م۔ میں ہوا۔ (یعنی ۲، ق۔م۔ ۵۴ سال)۔ اس استنباط سے واقعاً یہ امکان باطل نہیں ہوجاتا کہ سمک، جسنے کہتے ہیں ۲۳ سال حکومت کی، اس تاریخ سے بہت پہلے، یعنی دوسری صدی ق۔م کے تقریباً وسط میں تخت نشین ہوا۔

کون سا نام درست ہے۔ آندھر یا سات واہن

پرانوں میں سات واہنوں کو آندھر بھی کہا گیا ہے۔ آخر الذکر ہندوستان کے قدیم باشندے تھے اور گوداوری اور کرشنا کے درمیانی علاقے میں آباد تھے۔ ایتریہ براہمن میں اُن کا ذکر ہے مگر اس حیثیت سے کہ وہ گویا آریوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے۔ میگستھنیز نے بھی اُن کی طاقت اور دولت کی کچھ تفصیلات بیان کی ہیں[1] اشوک کے فرمانوں میں انھیں اس کی رعایا میں شمار کیا گیا ہے۔ کہا نہیں جا سکتا کہ موریہ سلطنت کے زوال کے بعد اُن پر کیا گزری، لیکن قیاس ہے کہ وہ خود مختار ہو گئے تھے۔ اب دیکھنا چاہیے کہ سات واہنوں اور آندھروں میں کیا رشتہ تھا۔ تمام لوحی دستاویزات[2] میں اول الذکر نے اپنے کو ہر جگہ سات واہن یا سات کرنی کہا ہے اور آندھر کا نام اپنی عدم موجودگی کے باعث نمایاں نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے قدیم ترین کتبے نانا گھاٹ (ضلع پونا) اور سانچی (وسط ہند) میں دستیاب ہوئے ہیں۔ اس سے یہ شبہ قوی ہوجاتا ہے کہ آندھرا اور سات واہن ایک ہی نسل کے لوگ نہیں تھے۔ حقیقتاً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سات واہنوں نے ابتدا دکن[3] سے کی اور کچھ عرصے بعد پورے آندھر دیش کو

---

[1] بقول پلائنی، جس نے روایت میگستھنیز کی انڈکا سے نقل کی ہے، کلنگ کے راجہ کے پاس ایک فوج تھی جس میں ۶۰،۰۰۰ پیدل، ۱۰۰۰ سوار، اور ۷۰۰ ہاتھی تھے۔ [2] سالی درین نام کہیں کہیں ادب میں ضرور دکھائی دیتا ہے۔ [3] سات واہنوں کا وطنِ مالوف غیر یقینی ہے۔ ڈاکٹر وی۔ ایس۔ سکتھنکر نے بیلاری کا ضلع تجویز کیا ہے (اینلس آف دی بھنڈارکر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ۱۹۱۸۔۱۹، ۱۹ ص ۲۱)۔ اس کے برخلاف ڈاکٹر ایچ سی۔ رائے چودھری مدھیہ دیش کے جنوبی علاقہ کے حق میں ہیں (پولیٹکل ہسٹری آف انشنٹ انڈیا، اگلے صفحہ پر دیکھیے)

فتح کرلیا۔ لیکن جب شک اور آبھیر حملوں کے نتیجہ میں مغربی اور شمالی علاقے اُن کے ہاتھ سے نکل گئے، تو اُن کی حکومت گوداوری اور کرشنا کے درمیانی علاقے میں محدود رہ گئی اور اس کے بعد اُن کا نام آندھر پڑ گیا۔

سات واہنوں کی اصل

سات و ہنوں کی اصل تاریکی میں ہے۔ بعض عالم اشوک کے فرمانوں والے "ستیہ پتوں"[1] ۔ پلائینی کے "سیتی" سے اُن کا جوڑ ملاتے ہیں۔ دیگر علما نے ان کے نام کے بڑے بڑے عجیب عجیب مشتقات وضع کیے ہیں[1] سات کرنی اور سات واہن اصطلاحوں کا مفہوم کچھ بھی ہو، اس خاندان کے اپنے کتبے ظاہر کرتے ہیں کہ وہ نسلاً برہمن تھے۔ کیونکہ ناسک کے کتبہ میں گوتمی پتر کو "یکتا برہمن (ایک برہمن)، شجاعت میں رام (پرشورام) کا ہمسر" ظاہر کیا گیا ہے[2] اس کی مزید تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ اُسے چھتریوں کے غرور و نخوت کو ڈھانے والا کہا گیا ہے[3] اس کا مطلب یہ ہے کہ کتبہ کا مصنف، گوتمی پتر کو ایک عظیم برہمن اور حقیقی پرشورام سمجھتا تھا۔[4]

خاندان کے حکمراں

خاندان کے مورث سمک کے بارے میں ہمیں اس سے زیادہ نہیں معلوم کہ اس نے کنو خاندان کو نیست و نابود کردیا اور شنگ حکومت کے باقی ماندہ نشانات بھی مٹا دیئے۔ اُس کے بعد اُس کا بھائی کنھ کرشن گدی پر بیٹھا۔ ناسک کے

(بقیہ حاشیہ) چوتھا اڈیشن، ص۳۴۲) اسی طرح ایم۔ایم۔ ڈی۔ ڈی مرانشی کا خیال ہے کہ برار یا دریا دے گنگا کے جانبین کا علاقہ ان کا وطن تھا (جرنل آف دی نیومسمیٹک سوسائٹی آف انڈیا، جلد دو، ص۹۴)

[1] ملاحظہ ہو کتھا سرت ساگر، چھٹا، ۸۷، حاشیہ پنزجن پر بھاسوزی کی تیرتھ کلپ [2] ایپی گرافیہ انڈکا، آٹھواں، ص۶۰، ص۶۱، ۱۔۷، [3] ایضاً، ۲۔۵ دیکھیں "کھتیہ دپ مان مدنس" [4] نیز ملاحظہ ہو کے پی جیسوال، جرنل آف دی بہار اینڈ اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی، جلد سولہ، حصہ تین و چار، ص۲۶۵، ص۲۶۶

ایک کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے عہد حکومت میں ناسک ہی کے ایک باشندے نے وہاں ایک غار بنوایا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کرشن کی حکومت کو ناسک کے علاقہ تک تسلیم کیا جاتا تھا۔ تیسرا راجہ شات کرنی، سِمک کا لڑکا، معلوم ہوتا ہے، قابلِ ذکر شخصیت کا مالک تھا۔ ناسک کے کتبے کے مطابق[1] اس نے بڑی فتوحات کیں اور دوبارہ آشومیدھ یگیہ کیا۔ اگر یہ وہی شات کرنی ہے جس کا ذکر سانچی استوپ کے پھاٹک والے کتبہ میں کیا گیا ہے تو ہمیں مستند لوحی ثبوت اس بات کا مل جاتا ہے کہ وسط ہندوستان پہلے سات واہنوں کے قبضہ میں تھا۔ دوسرے یہ کہ نانا گھاٹ اور ہاتھی گُپھا کے کتبوں[2] کے رسم خط میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ یہ مماثلت ظاہر کرتی ہے کہ کلنگ کے راجہ کھارویل نے اپنے عہد حکومت کے دوسرے سال میں جس شات کرنی کا مقابلہ کیا وہ غالباً یہی تھا۔ شات کرنی کی بیوی کا نام نائنیکا یا ناگ نِکا تھا جو انگیہ خاندان کے مہارٹھی ترنکئی رو کی لڑکی تھی جس نے شکتی شری اور وید شری دونوں راجکماروں کے بچپن میں ولی کے فرائض انجام دیئے۔ اس کے بعد تاریکی کا دور آتا ہے جس کا پردہ گوتمی پتر شات کرنی نے چاک کیا۔ اس میں شک نہیں کہ پُرانوں میں ناموں کا ایک سلسلہ مندرج ہے، لیکن بدقسمتی سے اس عہد کے جو سکّے اور کتبے دریافت ہوئے ہیں اُن سے ناموں کی تصدیق نہیں ہوتی۔ اِن حکمرانوں میں سے ہال نامی راجہ سے پراکرت کی ایک بیاض مسمّیٰ (سپت شتک) کی تصنیف منسوب ہے۔ پہلی صدی عیسوی کے اواخر میں سات واہنوں کی قسمت کا ستارہ گردش میں آگیا اور شک کشتریوں نے مہاراشٹر اُن سے چھین لیا۔

گوتمی پتر شات کرنی،

فاتحین، بہرحال، زیادہ دنوں اپنی فتوحات کا لطف نہ اٹھا سکے کیونکہ

---

[1] رپورٹ آف دی آرکیولاجکل سروے آف ویسٹ انڈیا، پانچواں، صفحہ[illegible]، حاشیہ[2] ملاحظہ ہو آر۔ ڈی۔ بنرجی، میمو۔ ئرس آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، گیارہ، نمبر ۳ صفحہ ۱۴۳، حاشیہ)

گوتمی پتر شات کرنی نے جس کی مہموں کی تفصیلات راج ماتا گوتمی بل شری[1] والے ناسک کے کتبہ میں مندرج ہیں، بہت جلد دکن کو از سر نو حاصل کر لیا۔ اس نے کشتریوں کے غرور و نخوت کو کچل دیا اور ذات پات کی بندشوں کا احیا کیا۔ اس نے شکوں، یونوں اور پہلووں کو بھی شکست دی اور کشہ راتوں کو تباہ و برباد کر دیا اور سات واہن نسل کی عظمت کو دوبالا کیا۔[2] مندرجہ بالا دعووں کی تصدیق اُن ملکوں کے ناموں سے ہوتی ہے جو اس کے زیرنگیں تھے[3] یہ سب نام تقریباً موجودہ گجرات، سوراشٹر، مالوہ، برار، شمالی کوکن اور پونا اور ناسک کے اطراف و جوانب کے علاقہ سے مطابقت کرتے تھے۔ اُس نے کشہ راتوں سے اُن کے مقبوضات چھین لیے یہ بات جگل تھمبی (ناسک) کے بے شمار سکوں سے ظاہر ہے جس میں نہپان کے چاندی کے سکّے، نیز گوتمی پتر شات کرنی کے پھر سے جاری کیے ہوئے دوسرے سکّے شامل ہیں۔ گوتمی پتر نے اپنے عہد حکومت کے اٹھارویں سال میں ناسک کے قریب پانڈولینا میں ایک غار بنوا کر دان کیا اور چوبیسویں سال میں ایک کتبہ کے ذریعہ حکم نافذ کیا، جس میں بعض سنیاسیوں کو ایک کھیت کا عطیہ منظور کیا گیا تھا[4] اس کتبہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نے ۲۴ سال حکومت کی۔

واششٹھی پتر شری پل ماوی

گوتمی پتر کے بعد اس کا لڑکا واششٹھی پتر شری پل ماوی تقریباً ۱۳۰ء میں گدّی پر بیٹھا۔ اس نے آندھر دیش کو سات واہن قلمرو میں شامل کر لیا،

---

[1] ایپی گرافیہ انڈکا، آٹھواں، ۹۵ء، ص ۶۲

[2] دیکھیں खतियदपमानमदनस सकयवनपल्हवनिसूदनस ...... सातवाहन "कुलयस पतिथापनकरस ......"

[3] ان کے نام یہ ہیں:۔ اسِک، مُلک، سرہٹ کُکر، اپرانت، انوپ، ودَبھ (ودربھ) آکر اونتی۔

[4] ایپی گرافیہ انڈکا، آٹھواں، نمبر ۵، ص ۷۳، ص ۷۴۔

اُسے بجا طور پر سِرویولماؤ کے مماثل بتایا گیا ہے۔ اسی کو ٹالمی نے بیتھن یا بیتھان (پرتشٹھان) کا راجہ لکھا ہے جو سات واہنوں کے آخری دور میں ان کی راجدھانی تھی۔ اس کے علاوہ ایک رائے یہ ظاہر کی گئی ہے کہ پُل ماوی دکشناپتھ کا حکمراں وہی شات کرنی ہے جسے جوناگڈھ کے چٹانی کتبہ کے مطابق، رودردامن نے دوبارہ شکست دی[1] ہمیں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ حریف کا رشتہ اُس سے زیادہ دور کا نہیں تھا۔" کنہیری (ضلع تھانہ) کے کتبہ میں مرقوم ہے کہ واسشٹھی پُتر شری شات کرنی نے مہاکشترپ رودر (رودردامن) کی لڑکی سے شادی۔ اس طرح اگر ہم ریپسَن کی اس رائے کو دُرست تسلیم کرلیں کہ پُل ماوی اور وسشٹھی پتر مماثل ہیں، تو غالباً اس کے معنی ہوتے ہیں کہ پُل ماوی رودردامن کا داماد تھا۔ اگرچہ رودردامن نے سات واہن حکمراں کو معاف کر دیا، لیکن اس نے اس کے مقبوضات کا بڑا حصہ اپنی قلمرو میں شامل کرلیا، جیساکہ جوناگڈھ کے کتبے مطابق ان ملکوں کی فہرست سے ظاہر ہے جو شک مہاکشترپ کے زیرنگیں تھے۔ شری پُل ماوی کا انتقال ۱۵۵ء میں ہوا۔

یگیہ شری شات کرنی

یگیہ شری شات کرنی یا شری یگیہ شات کرنی اس خاندان کا آخری عظیم الشان تاجدار تھا۔ اُس نے تقریباً ۱۶۵ء سے ۱۹۵ء تک حکومت کی۔ ضلع کرشنا میں چِنا کے مقام پر ایک کتبہ دریافت ہوا ہے جس پر اس کے عہد کے ستائیسویں سال کی تاریخ پڑی ہوئی ہے۔ یہ کتبہ نیز کنہیری اور پانڈولینا (ناسک) میں پائے گئے، دوسرے کتبے، اس کے علاوہ اس کے سکوں کی وضع قطع اور ساخت ثابت کرتی ہے کہ اس کی قلمرو مشرق میں خلیج بنگال سے لے کر مغرب میں بحیرۂ عرب تک پھیلی ہوئی تھی۔ چنانچہ اس نے کافی علاقہ جسے شکوں نے فتح کرلیا تھا، پھر سے حاصل کرلیا، قیاس ہے کہ مغربی کشترپ کے اتباع میں جو سکے اس نے

---

[1] ایپی گرافیہ انڈکا، آٹھواں، صفحہ ۴۹، سطر ۱۲ دیکھیں۔ दाक्षिणापथपतेः सातकर्णोर्द्विरपि सम्यङ्नि‍र्जित्य … सम्बन्धाविदूरतयानुत्सादनात्प्राप्तयशसा — ।

حاصل کرلیا۔ قیاس ہے کہ مغربی کشترپ کے اتباع میں جو سکے اس نے جاری کیے وہ اسی علاقہ میں استعمال کے لیے جاری کیے گئے تھے۔ مزید برآں، شری یگیہ شاتکرنی کی بحری طاقت اور بحری سرگرمیوں کا اندازہ اُس سکّہ سے لگایا جاسکتا ہے جس کے ایک طرف دو مستول کا جہاز، مچھلی اور سنکھ بنا ہوا ہے اور یہ سجع کندہ ہے "(را) ناسمس سرد ی) یگیہ ست کنس" یعنی راناسامس شری یگیہ شاتکنس اور دوسری طرف اُجینی کا نشان کندہ ہے [1]

یگیہ شری کے جانشین سب بے حقیقت لوگ تھے۔ ان کے زمانے میں سات واہن طاقت زوال پذیر ہوگئی اور جب اُبھیروں نے مہاراشٹر پر قبضہ کرلیا اور مشرقی صوبے اکشو واکو اور پلّو خاندانوں کے تصرف میں آگئے، تو سات واہن حکومت کا شیرازہ بکھر گیا۔

سماج

سماج اس وقت کم از کم چار طبقوں میں منقسم تھا۔ سماج کا سب سے اونچا طبقہ مہابھوجوں، مہارٹھیوں اور مہاسیناپتیوں پر مشتمل تھا؛ جو راشٹروں یا ضلعوں کی نگرانی کرتے تھے۔ دوسرے طبقہ میں اماتیہ، مہاماتر اور بھانڈاگارک وغیرہ سرکاری افسر نیز نیگم (تاجر)، سارتھ واہ (تاجروں کے مکھیا)، اور شریشٹن (تجارتی انجمن کا صدر) وغیرہ سرکاری افسر شامل تھے۔ تیسرے طبقہ میں ویدیہ (طبیب)، لیکھک (کاتب)، سوَرن کار (سنار)، گان دھک (عطر فروش)، ہال کییۂ (کسان) وغیرہ اور چوتھے طبقہ میں مال دار کار (مالی)، وردھکی (بڑھئی)، عطرفروش)، ہال کییۂ (کسان) وغیرہ اور چوتھے طبقہ میں مالاکار (مالی)، وردھکی (بڑھئی)، واسک (مچھیرا)، لوھاوَنج (لوہار) وغیرہ پیشے شامل تھے، بزرگ خاندان (کل) کٹم ؓبن یا گریہہ پتی کہلاتا تھا۔ وہ گھر بھر میں سب سے زیادہ بااختیار آدمی ہوتا تھا۔

---

[1] جرنل آف دی نیومس میٹک سوسائٹی آف انڈیا، جلد تین، حصہ اول، جون ۱۹۴۱ء صفحہ ۴۴، صفحہ ۴۹

مذہب

ساتواہنوں کے رواداراںہ دورِ حکومت میں برہمن مت اور بدھ مت دونوں کا بول بالا ہوا۔ مخیر لوگوں نے بھکشوؤں کی رہائش (لیَن) کے لیے زمین کھود کر چیتیہ گریہہ (مندر) اور غار تعمیر کرائے۔ اسی کے ساتھ ان کے اخراجات کے لیے انھوں نے معقول رقمیں بھی تجارتی انجمنوں کے پاس جمع کر دیں۔ برہمن مت کا کافی زور تھا، راجہ مہاراجہ آشومیدھ، راج سُویہ، آپ توریام اور دوسری قربانیاں انجام دیتے تھے اور برہمنوں کو معقول رقمیں دکشِنا یا فیس کے طور پر ادا کرتے تھے۔ شیو اور کرشن کی پرستش مقبول تھی[1] مختلف مذہبوں کے ماننے والے اتحاد و اتفاق کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ بعض اوقات وہ دوسرے مذہب والوں کو بھی عطیات دیتے تھے۔ غیر ملکی لوگ دونوں میں سے کوئی مذہب بھی اختیار کر سکتے تھے۔ برہمن مت یا بدھ مت۔ اور اس کے بعد وہ ہندو سماج میں ضم ہو جاتے تھے۔ واقعتاً انھوں نے اپنے ناموں کو مکمل طور پر ہندوانی بنا لیا تھا۔ چنانچہ کارلے کے ایک کتبہ میں دو یونوں کا نام، علی الترتیب، سُہدیہ (سنہہ دُوج) اور دھرم آئے ہیں۔ اسی طرح شک آشودرت کو کٹر برہمن کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔

اقتصادی حالات

تجارتی انجمنوں (شرینیوں) کا وجود اس عہد میں ایک عام بات تھی۔ اس قسم کی کافی تنظیموں کا حال ہمیں ملتا ہے، جیسے غلّہ کا کاروبار کرنے والے (دھن یک)، کمہار، جولاہے (کولک نکائے)، تیلی (تل پیشک)، ٹھٹیرے (کاساکر)، بانس کی چیزیں بنانے والے (وَنس کر) وغیرہ۔ ہم پیشہ لوگوں کو متحد کرنے کے علاوہ یہ انجمنیں بینک کے فرائض بھی انجام دیتی تھیں اور لوگ اُن کے پاس سود پر روپیہ

---

[1] ناناگھاٹ کے کتبہ میں دوسرے دیوتاؤں کا بھی ذکر ہے۔ مثلاً دھرم، اندر اور چاروں دیوتا یم، ورُن، کُبیر اور واسو

جمع کر دیتے تھے۔ رائج الوقت سکہ کارشاپن تھا جو چاندی کا بھی ہوتا تھا اور تانبے کا بھی۔ اس کا علاوہ سونے کا سورن تھا جو چاندی کے ۳۵ کارشا پنوں کے برابر ہوتا تھا۔

تجارت پورے عروج پر تھی۔ مغربی ممالک سے جہاز تجارتی مال لاد کر لاتے اور بڑوچ، سوپارا، اور کلیان وغیرہ بندرگاہوں پر اتارتے تھے۔ دو اہم تجارتی منڈیاں، تگرا اور پیٹھن، ملک کے اندر تھیں۔ آمدورفت کے وسائل عام طور پر اچھے تھے اور بیوپاری لوگ دکن کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ تک آزادی کے ساتھ آجا سکتے تھے۔

ادب

سات واہن راجہ پراکرت کے بڑے سرپرست تھے۔ ان کے تمام کتبوں میں یہی زبان استعمال کی گئی ہے۔ اُن میں سے ہال نامی راجہ پراکرات کی ایک بیاض موسومہ ست سئی (سپت شتک) کا مصنف تھا۔ کہتے ہیں کہ اُسی زمانہ میں گنا دھیہ نے اپنی طبعزاد برھت کتھا پراکرت میں لکھی۔ مزید برآں، مسٹر ایلین کہتے ہیں کہ ایک آندھر راجہ "سنسکرت سے ناواقفیت کی وجہ سے شرم سار تھا اور پانینی کا مطالعہ اس کے لیے مشکل تھا۔" اس لیے سَرو وامن نے اس کی آسانی کے لیے اپنی کا تنتر تصنیف کی[1] لیکن ان روایات کو زیادہ اہمیت دینے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ بہرحال، یہ بات بھی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ واہن راجاؤں نے جو برہمن تھے پراکرت ادب کے مقابلہ میں سنسکرت کو نظر انداز کیا۔

(۲) کلنگ کا راجہ کھاروَیل

سلسلہ وار تاریخی کیفیت

ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ اشوک کے مرنے کے بعد کلنگ پر کیا

[1] کیمبرج شارٹر ہسٹری آف انڈیا، ص۹۱

گزری لیکن جب تاریکی کا پردہ چاک ہوتا ہے تو میدانِ سیاست میں ہم ایک عظیم الشان ہستی کو جلوہ افروز دیکھتے ہیں۔ بھونیشور (پوری) کے قریب اُدے گری کی پہاڑوں پر ہاتھی گمپھا کے کتبے[1] میں چیتیا خاندان کے تیسرے تاجدار کھارویل کے کارناموں کا ذکر موجود ہے، لیکن یہ ذکر اس کے عہد حکومت کے تیرھویں سال تک ہے۔ چونکہ اس پر تاریخ نہیں ہے اس لیے سلسلہ وار واقعات مرتب کرنے میں اس سے کوئی خاص مدد نہیں ملتی۔ بعض عالموں کی رائے ہے کہ کتبہ کی سولھویں سطر میں ایک حوالہ سوریہ سن کے ایک سو پینسٹھویں[165] سال کا آتا ہے۔ لیکن عالم پرزور الفاظ میں اس توجیہہ کی تردید کرتے ہیں۔ نانا گھاٹ اور ہاتھی گمپھا کے کتبوں کے رسم خط میں جو مماثلت پائی جاتی ہے وہ غالباً کھارویل کے عہد کے بارے میں ایک اہم اشارہ فراہم کرتی ہے۔ ایک اور اشارہ جس کی طرف ڈاکٹر رائے چودھری نے توجہ دلائی ہے یہ ہے کہ آخرالذکر کتبہ کی چھٹی سطر میں لفظ "تری وس شت" جو استعمال ہوا ہے اس سے نندراج کے وقت سے تین سو سال مراد ہیں نہ کہ ۱۰۳ سال؛ اور چونکہ نندراج اور مہاپدم مماثل ہیں[2] اس لیے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ کھارویل کا عہد پہلی صدی ق۔م کا ربع سوم تھا۔

واقعات

حساب، قانون، مالیات اور لکھنے پڑھنے میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے بعد جو اس وقت راجکماروں کے لیے ضروری ہوتی تھی، کھارویل اپنی عمر کے چوبیسویں سال میں تخت نشین ہوا۔ پہلے سال میں اس نے چند رفاہِ عام

---

[1] ایپی گرافیہ انڈکا، بیس، جنوری ۱۹۳۰ء، صفحہ ۸۰ حاشیہ، نیز دیکھیں کے۔ پی جیسوال، جرنل آف دی بہار اینڈ اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی، ۱۹۱۸ء (چوتھا) صفحہ ۳۶۴، حاشیہ، ایضاً ۱۹۲۷ء (تیرہ) صفحہ ۲۲۱، ایضاً ۱۹۲۸ء (چودہ)، صفحہ ۱۵۰ حاشیہ [2] پولیٹکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا، چوتھا اڈیشن صفحہ ۲۱۴، صفحہ ۲۱۵، صفحہ ۲۳۳۔ صفحہ ۲۳۸، صفحہ ۲۴۵۔ مہاپدم کی تاریخ کے لیے دیکھیے صفحاتِ بالا۔

کے کام انجام دیئے۔ دوسرے سال میں اس نے شات کرنی سے زور آمائی کی اور مُشِک شہر پر حملہ آور ہوا۔[1] چوتھے سال میں راٹھکوں اور بھوجکوں نے اس کی اطاعت قبول کر لی۔ پانچویں سال میں کھارویل نے ایک نہر نکلوائی جسے "تونس ست" (۔۔۔ برس) سے یعنی اُس وقت سے جب نند راج اسے کھدوا کر راجدھانی تک لایا تھا، استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ کلنگ کے راجہ نے مگدھ پر دوبار حملہ کیا۔ اپنے عہد کے آٹھویں سال میں اور اس کے بعد بارھویں سال میں مگدھ کے لوگ خوفزدہ ہو گئے اور کہتے ہیں کہ بہستی متر جو اس وقت راج گریہہ میں حکومت کر رہا تھا، صلح کرنے پر مجبور ہو گیا، بہستی متر بہرحال نہیں تھا۔ کھارویل کی فتوحات نے یوَن سپہ سالار کو مرعوب کر دیا جس کا نام اور مالہٗ اور ماعلیہ بہرحال اب تک صاف نہیں ہیں[2] تیرھویں سال میں کھارویل نے پانڈیوں کو زیر کیا اور اس کے بعد کتبہ کھارویل کی تابناک زندگی کے بارے میں کچھ نہیں بتاتا۔ اس نے ضرورت مندوں کو گراں قدر عطیات سے نوازا۔ وہ خود ایک سچا جین تھا۔ اس نے جین بھکشوؤں کے لیے غار کھدوائے اور مگدھ سے جین تیرتھنکر کی مشہور و معروف مورتی منگوائی جسے کبھی پہلے نند راج لے گیا تھا۔

---

[1] ڈاکٹر ڈی۔ سی۔ سرکار اسے مُشک نگر کی بجائے اشک نگر پڑھتے ہیں، یعنی اشکوں کا شہر (یونانوں کے رشک) اور اس کا محل وقوع وہ دریائے کرشنا (یا گنہ بینا) کا کنارہ بتاتے ہیں۔ جرنل آف دی نیومسمیٹک سوسائٹی آف انڈیا جلد تین، حصہ اول (جون ۱۹۴۱ء) ص ۶۲

[2] دری، می (تا) یا دمتا (ڈمٹریس) پڑھنا، جیسا کہ پروفیسر آر۔ ڈی بنرجی اور ڈاکٹر کے۔ پی جیسوال نے تجویز کیا ہے ہرگز جائز نہیں ہے (دیکھیں۔ ہاتھی گمپھا کا کتبہ، ایپی گرافیہ انڈکا، بیس، ص ۱ء، حاشیہ) نیز ملاحظہ ہو، ٹارن، دا گریکس ان بیکٹریا اینڈ انڈیا، ضمیمہ تین ص ۴۵۷، ص ۴۵۹

گیارھواں باب

(۱) غیر ملکی حملہ آوروں کا عہد

فصل (۱)

ہندی یونانی [1]

پارتھیا اور باختر کی بغاوت۔ ارشیکیز

تیسری صدی عیسوی کے وسطِ ایشیا میں دو واقعے ایسے رونما ہوئے جن کے بڑے دوررس اثرات ہندوستان کی تاریخ پر مرتب ہوئے۔ وہ یہ کہ پارتھیا اور باختر سلیوکس کی سلطنت سے الگ ہو کر خود مختار ہو گئے۔ پارتھیا کے صوبے میں دونا واقعہ علاقے، خراسان، اور جنوبی مغربی ساحل کیسپئن، شامل تھے، جنہوں نے یونانی تہذیب کو قبول ہی نہیں کیا تھا۔ پارتھیا کی بغاوت ایک قسم کی عوامی تحریک تھی جس کا رہنما ایک من چلا سردار ارشیکیز نامی تھا۔ اس نے ۲۴۸ ق۔م میں جس خاندان کی بنیاد رکھی اس کی حکومت پانچ صدیوں تک باقی رہی۔

---

[1] ملاحظہ ہو۔ ڈبلو۔ ڈبلو۔ ٹارن "دا گریکس ان بیکٹریا اینڈ انڈیا" (کیمبرج، ۱۹۳۸ء)؛ ایچ۔ جی۔ رالنسن، "بیکٹریا" (لندن ۱۹۱۲ء)؛ "انڈیا اینڈ دا ویسٹرن ورلڈ" (کیمبرج، ۱۹۱۶ء)؛ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد اول، باب ۲۲، ص ۵۴۰ تا ۵۶۲۔

ڈیوڈوٹس اول

اس کے برخلاف باختر کی بغاوت ایک بڑی حد تک اُس کے گورنر ڈیوڈوٹس کی بلند ہمتی کا نتیجہ تھی جس نے تقریباً اُسی زمانے میں سیلوکس کی سلطنت سے رشتہ توڑنے کے منصوبے بنانے شروع کر دیئے تھے۔ بلخ کا علاقہ جو ہندوکش اور سیحون کے درمیان واقع ہے، اس وقت بڑا مالدار، زرخیز اور گنجان آباد تھا اور مشرق میں یونانی اقتدار کے لیے اسے ایک اہم فوجی چوکی کی حیثیت حاصل تھی۔

ڈیوڈوٹس دوم

ہم نہیں جانتے کہ ۲۴۶ ق.م. میں اینٹی اوکس دوم تھیوس کی موت کے بعد عراقی سلطنت کی پراگندہ حالت نے ڈیوڈوٹس کو اس کے عزائم میں کہاں تک مدد دی، لیکن اس کا لڑکا جس نے اپنے پارتھی معاصر سے صلح کر لی تھی، معلوم ہوتا ہے، مکمل طور پر خود مختار ہو گیا تھا۔ ڈیوڈوٹس دوم نے غالباً ۲۴۵ سے ۲۲۰ ق.م تک حکومت کی۔

یوتھی ڈیمس

ڈیوڈوٹس دوم کی موت میگنیشیا (سپیکس کے ماتحت؟) کے ایک جانباز، یوتھی ڈیمس کے ہاتھوں بڑے تشدد آمیز حالات میں واقع ہوئی۔ اس نے تخت و تاج پر خود قبضہ کر لیا۔ لیکن جب اینٹی اوکس سوم (۲۲۳–۱۸۵ ق.م) نے اپنے کھوئے ہوئے صوبے حاصل کرنے کی جم کر کوشش کی تو یوتھی ڈیمس اس کے خلاف جنگ و جدال میں مصروف ہو گیا جس کا سلسلہ طویل عرصہ تک جاری رہا۔

اینٹی اوکس سوم کا حملہ

بہت دنوں تک بلخ کا محاصرہ رہا اور آخرکار فریقین نے ایک شخص ٹیلیاس کی وساطت سے آپس میں صلح کر لی۔ اینٹی اوکس نے باختر کی آزادی کو تسلیم کیا اور

دوستانہ تعلقات کو استوار بنانے کے لیے اپنی بیٹی کی شادی یوتھی ڈیمس کے لڑکے ڈمٹریش کے ساتھ کر دی جس کی حکمت عملی، موقع شناسی اور رفتار و گفتار سے وہ مصالحت کی گفت و شنید کے دوران کافی متاثر ہو چکا تھا۔ انیٹی اوکس سوم نے اس کے بعد ۲۰۷ یا ۲۰۶ ق۔م میں ہندوکش پار کیا اور راجہ سُوفاگ سینوس (سُبھاگ سین)، غالباً ویرسین کے جانشین سے اطاعت قبول کروائی، جس نے بقول تارا ناتھ، اشوک کی وفات کے فوراً بعد گندھارا پر اپنا اقتدار جمالیا تھا[1]۔ انیٹی اوکس اعظم بہرحال ہندوستان کی سرحد سے آگے نہ بڑھا اور مغرب میں اہم معاملات کی طرف توجہ کرنے کی غرض سے بڑی تیزی کے ساتھ وطن لوٹ گیا۔ اُس کی اس طرح روانگی کے بعد باختری یونانی اپنی سلطنت کی توسیع و ترقی کے منصوبوں کو کامیاب بنانے میں آزاد ہو گئے۔

باختری یونانیوں کی فتوحات — ڈمٹریس

یوتھی ڈیمس کے زمانے میں جس نے افغانستان کا بڑا حصہ تسخیر کر لیا تھا، سلطنت باختر کی طاقت کافی بڑھ گئی۔ ۱۹۰ ق۔م کے قریب جب اُس کا انتقال ہو گیا تو اس کے لڑکے ڈمٹریس نے بڑے پیمانے پر غیر ملکی مہموں کا سلسلہ شروع کیا۔ ۱۸۲ ق۔م میں اُس نے ہندوکش پار کیا اور پنجاب کا ایک بڑا حصہ فتح کر لیا اور اگر یہ وہی یَوَن سردار ہے جس کا ذکر مہابھاشیہ اور گارگی سنہتا کے یُگ پُران میں آیا ہے، تو یقینی بات ہے کہ اس نے پنچال دیس کو بھی تاخت و تاراج کیا، مدھیامکا (ناگری، چتوڑ) اور ساکیت (ایودھیا) کا محاصرہ کیا، اور پاٹلی پتر پر حملہ کے لیے پَر تولے جہاں اس وقت غالباً پشیامتر حکومت کر رہا تھا۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اسٹرابو یونانی سلطنت کی وسعت ہندوستان اور ایریانا تک پھیلانے کا سہرا کچھ ڈمٹریس کے اور کچھ مینندر کے سر

---

[1] بہرحال ملاحظہ ہو ٹارن؛ جو کہتا ہے "یہ بات یقینی ہے کہ ڈمیٹریس نے جس عورت کے ساتھ بھی شادی کی وہ انیٹی اوکس کی بیٹی نہیں ہو سکتی تھی" (دا گریکس ان بیکٹریا اینڈ انڈیا، صفحہ ۸۲، صفحہ ۲، حاشیہ نمبر ۱)۔ [2] نیز ملاحظہ ہو ٹارن، دا گریکس ان بیکٹریا اینڈ انڈیا، صفحہ ۱۳۰ اور حاشیہ نمبر ۲، جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ۱۹۲۰ء، صفحہ ۳۱۹، صفحہ ۳۱

سر رکھتا ہے[1]

یوکرٹیاڈیز کی بغاوت

جس زمانے میں ڈمیٹریس اپنی ہندوستانی مہموں میں معروف تھا، اس وقت ایک شخص یوکرٹیاڈیز نامی نے جو بقول ٹارن ایک فوجی سردار اور انیٹی اوکس چہارم کا عمزاد تھا، بیزار و غیر مطمئن یونانی مہاجرین کی مدد سے باختر میں علم بغاوت بلند کر دیا اور تختِ سلطنت پر قبضہ کر لیا (تقریباً ۱۷۵ ق۔م۔) ڈمیٹریس اپنے حریف سے تخت و تاج نہ چھین سکا اور اس طرح اس کی حکومت معلوم ہوتا ہے یونانیوں کے ہندوستانی مقبوضات یعنی پنجاب اور سندھ میں محدود رہ گئی۔ اس لیے کہ روایات میں اُسے "ریکس انڈورم" یعنی "ہندوستانیوں کا بادشاہ" کہا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ہم نے یہ بھی پڑھا کہ اُس نے اپنے باپ کی یادگار قائم کرنے کے لیے ایک شہر یوتھی ڈیمیا کی بنیاد رکھی۔ مزید برآں، سَوُویروں کے دیس میں شہر دتامتری کی بنیاد بھی غالباً دتامترا یا ڈمیٹریس کی مرہونِ منت ہے، جیسا کہ پتنجلی کے ایک شارح کی سند پر ٹارن نے لکھا ہے[2] ڈمیٹریس پہلا یونانی حکمراں تھا جس نے دو زبانوں میں سکّے جاری کیے جن پر یونانی زبانوں کے ساتھ ساتھ ہندوستانی یعنی کھروشٹھی رسم خط میں مِنندر نے کندہ تھے[3] کچھ مدت کے بعد تقریباً ۱۶۵-۶۰ ق۔م۔ یوکرٹیاڈیز نے، جس نے باختر

---

[1] دیکھیں اسٹرابو: "یونانی جنھوں نے بغاوت کی (یعنی یوتھی ڈمس اور اس کا گھرانہ) باختر کی زرخیزی اور فوائد کی وجہ سے ایریانا اور ہندوستان کے مالک ہو گئے۔۔۔ یہ فتوحات کچھ مِنندر نے اور کچھ یوتھی ڈمیس کے بڑے لڑکے ڈمیٹریس نے حاصل کیں۔ انھوں نے نہ صرف تیالینی کو بلکہ سراؤس ٹوس اور سیگرڈوس کی ریاستوں کو بھی تاخت و تاراج کیا۔ ساحل کا باقی ماندہ حصہ ان ریاستوں پر مشتمل تھا۔ انھوں نے اپنی سلطنت سیریزا اور فینونی تک بڑھالی" ٹارن کا خیال ہے کہ ڈمیٹریس اور مِنندر مل جل کر کام کرتے تھے، نیز یہ کہ مِنندر ڈمیٹریس سے آگے بڑھ گیا (دا گریکس ان بیکٹریا اینڈ انڈیا، ص۱۴۴)

[2] ایضاً: ص۱۴۵۔ ص۱۴۷ء [3] ایضاً: ص۱۴۲ نیز حاشیہ

[3] بعض عالموں کا خیال ہے کہ یہ سکّے ڈمیٹریس دوم نے جاری کیے تھے (دیکھیں، ایلن کیمبرج شارٹر ہسٹری آف انڈیا، ص۶۴)

میں اپنے نام پر ایک شہر یوکرٹیا میڈیا آباد کیا،" ہندوستان فتح کر لیا اور ایک ہزار شہروں کا مالک بن گیا" (جسٹن)

تقسیم

اس طرح مشرق میں یونانیوں کی دو جداگانہ ریاستیں قائم ہو گئیں۔ یوتھی ڈیمس اور یوکرٹیاڈیز، جن پر دو علیحدہ علیحدہ خاندان حکومت کرتے تھے جو آپس میں رقابت رکھتے تھے۔ مشرقی پنجاب پر جس کا دارالسلطنت یوتھی ڈیمیا یا ساکل (سیالکوٹ) تھا، نیز سندھ اور اس کے مضافات کے علاقہ پر اول الذکر کا قبضہ تھا۔ باختر اور وادیٔ کابل، گندھارا اور مغربی پنجاب آخر الذکر کے تصرف میں تھے۔ ان متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے بارے میں ہماری شہادت کا دار و مدار تقریباً سکوں پر ہے۔ مآخذ کی کمیابی کے باعث اُن کے آبا و اجداد کے حالات، ترتیب وار تاریخ اور اُن کے مقبوضات کا مسئلہ انتہائی مشتبہ اور مشکل بن گیا ہے۔

یوتھی ڈیمس کا خاندان — مینندر

یوتھی ڈیمس کے وارثوں یا جانشینوں میں اُگا تھا کلیز، پینٹسلین اور اینٹی میکس کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ غالباً اپولوڈوٹس اور مینندر بھی اسی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے [1]۔ آخر الذکر ہندی یونانی تاریخ میں سب سے زیادہ دلچسپ شخصیت ہے۔ اسٹرابو کہتا ہے کہ اُس نے سکندر سے زیادہ فتوحات حاصل کیں۔ اس دعوے کی تائید بلاشبہ سکوں کی اُس بڑی تعداد سے ہوتی ہے جو کابل سے لے کر متھرا تک اور اس سے بھی آگے مشرق کی طرف بندیلکھنڈ تک پائے گئے ہیں۔ پیری پلس مارِس اِیریتھری کے گمنام مصنف کے بیان کے مطابق مینندر کے سکّے اُس کے

[1] بقول ونسنٹ اسمتھ (ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن، صفحہ ۲۳۵۔ ۲۳۹) بہرحال، اپولوڈوٹس اور مینندر یوکرٹیاڈیز کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ مینندر کے لیے ملاحظہ ہو کیمبرج وینو انڈیا اینٹی کوئری جلد ۵۰، نمبر ۱، جنوری ۱۹۱۰، صفحہ ۲۶۷)۔

زمانے میں اپولوڈوٹس کے سکوں کے ساتھ ساتھ بیری گازا (بڑودچ) کے بازاروں میں خوب چلتے تھے (تقریباً پہلی صدی عیسوی کے ربع سوم میں) بعض عالم مینندر کو اس یونان فاتح کے مماثل بتاتے ہیں جس نے اپنی افواج کو پُشیا متر کے عہد حکومت میں متھیا مکا، ساکیت اور پاٹلی پتر تک پہنچا دیا تھا[1]۔ ملندَ یا مِنندر بدھ مذہب کا پیرو تھا اور اس کا نام ہندوستانی روایات کی بدولت آج تک زندہ ہے۔ چنانچہ ملِنڈ پنھو میں اس کے بعض پیچیدہ سوالات جو اس نے بھکشو ناگ سین سے مذہبی مسائل پر کیے تھے آج تک محفوظ ہیں۔ ایک سیامی روایت میں ہے کہ مینندر نے اُرحت[2] کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔ اس کے بعض سکوں میں بدھ مذہب کا نشان یعنی دھرم چکر اور اس کے لئے دھرمکس کے لقب کا استعمال ملتا ہے، جو اس کی بدھ مذہب سے عقیدت کا بیّن ثبوت ہے۔ ملِنڈ پنھو میں ساکل کی راجدھانی کا بھی بڑا تفصیلی حال مندرج ہے۔ جس میں بے شمار پارک باغات، تالاب، خوب صورت عمارتیں، عمدہ عمدہ سڑکیں اور مضبوط دفاعی انتظامات موجود تھے، وہاں کی دُکانوں پر بنارسی تن زیب، جواہرات اور دیگر بیش قیمت اشیا فروخت ہوتی تھیں، جن سے ریاست کی دولت اور خوش حالی ظاہر ہوتی ہے۔ مِنندر اپنے عدل وانصاف کے لیے مشہور تھا اور پلوٹارک ہمیں بتاتا ہے کہ میدانِ جنگ میں جب اس کا انتقال ہوا تو اس کی رعایا میں اس بات پر جھگڑا ہوا کہ اس کی چتا کی راکھ کون لے، جس پر وہ سب کے سب استوپ بنوانے چاہتے تھے۔ سکوں میں مینندر کے جانشینوں کے نام بھی آتے ہیں۔ مثلاً۔ اسٹراٹو اوّل اسٹراٹو دوم، وغیرہ۔ لیکن ان کے بارے میں ہم کوئی قطعی بات نہیں جانتے۔

یوکریٹائڈیز کا خاندان۔ ہیلی آکلیز

اب ہم یوکریٹائڈیز کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے یوکریٹائڈیز اپنی

---

[1] دیکھیے آئندہ صفحات۔

[2] مقدس (بدھ مذہب کا پیرو) (مترجم) [3] ایچ۔ بی۔ رالنس، بیکٹریا، ص۱۱۳۔ نیز دیکھیں۔ ٹارن، دا گریکس ان بیکٹریا اینڈ انڈیا ۱۹۳۸ء۔ ص۲۶۸

فتوحات کا لطف اٹھانے کے لیے زیادہ دنوں زندہ نہ رہ سکا۔ ہندوستانی مہم سَر کرنے کے بعد جب وہ وطن واپس لوٹ رہا تھا تو اس کے بیٹے اور شریک کار(؟) ہیلی آکلیئز نے، جیسا کہ جسٹن نے بیان کیا ہے، اُسے قتل کر دیا[1] یہ واقعہ ۱۵۵ ق۔م میں پیش آیا۔ ناخلف بیٹا اپنے وحشیانہ جرم پر ذرا نادم نہ ہوا اور اس نے لاش کا دفن کفن بھی نہ ہونے دیا۔ بہرحال، ٹارن پدرکشی کی اس روایت سے متفق نہیں ہے اور نہ روایت کے اس جزسے کہ ہیلی آکلیئز نے باپ کی لاش کی اس طرح بے حرمتی کی[1] وہ باختر کا آخری یونانی تاج دار تھا۔ ہیلی آکلیئز کے بعد وسط ایشیا کے میدانوں سے مُشکوں کا جو طوفان باختر اس کی زد میں آگیا۔ اس خانوادہ کے دوسرے افراد کے حالات قلم بند کرنے کی طرف جن کی حکومت افغانستان کی وادی اور ہندوستان کے سرحدی علاقوں تک محدود تھی، کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ البتہ تاریخ میں اُن کے نام ضرور ملتے ہیں۔

انیٹی الکیدس

بیس نگر کے ستونی کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں سے ایک یعنی انیٹی الکیدس نے کاشی پتر، بھاگ بھدر کے دربار میں ہیلی اوڈورا یا ہیلی اوڈرس نامی سفیر بھیجا جو دیا (ڈیَن) کا لڑکا تھا۔ کاشی پتر بھاگ بھدر کو پانچویں شنگ فرماں روا، اوُدرک یا آخری سے پہلے، بھاگ دت، کے مماثل بتایا گیا ہے۔[2] یہ بات قابل غور ہے کہ انتلی کھِت

---

[1] ونسنٹ اسمتھ کی رائے ہے کہ پدرکش ایوکریٹڈیس تھا (ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن ص۲۳۸، ۲۳۹) جسٹن نے ایک دوسری کہانی بھی نقل کی ہے وہ یہ کہ یوکریٹائڈیز کو پارتھیوں نے قتل کیا۔ ٹارن پدرکشی کے واقعہ کو تسلیم ہی نہیں کرتا۔ اس کے نزدیک یوکریٹائڈیز کو "سورگیہ یوتھی راجاؤں میں سے کسی کے لڑکے نے قتل کیا" کیا وہ ڈمیٹریس دوم تھا؟ (دا گریکس ان بیکٹریا اینڈ انڈیا، ص۲۲۳، ص۲۲۲ [1] دا گریکس ان بیکٹریا اینڈ انڈیا ص۲۲۰، پدرکش فرزند پر یہ الزام ہے کہ اس نے اپنے باپ کے خون کو اپنے رتھ کے پہیوں سے روند دیا" (ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن ص۲۳۸ جسٹن بارۂ ۶)۔

[2] ملاحظہ ہوں صفحات بالا

یا انیٹی الکیدس کو ٹکسیلا کا راجہ بتایا گیا ہے اور اس کا سفیر اپنے تیلں بھاگوت یعنی وشنو کا پجاری ظاہر کرتا ہے ہندوستان میں دیگر یونانی حکمرانوں کی طرح انیٹی الکیدس کے بیشتر سکّے ذو لسانی ہیں۔ لیکن اُیتھنز[1] معیار کا چاندی کا ایک سکہ ہے جس پر صرف یونانی سجع کندہ ہے "شاہ اُنیٹی آلکیدس، فاتح" یہ اُس کی بعض فتوحات کی طرف اشارہ ہے۔

ہرمیس

وادئ کابل اور سرحدی علاقوں کا آخری یونانی حکمراں ہرمیَس تھا۔ اس کی حکومت پہلی صدی عیسوی کے ربع اوّل میں رہی[2] وہ نرغۂ اعدا میں گھر گیا اور آخرکار کجُل کدفیسَس کے ماتحت بڑھتی ہوئی کُشن طاقت کے مقابلہ میں اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اندرونی جھگڑوں کے باعث یونانی حکومت ویسے ہی کمزور ہوچکی تھی۔ اس لیے اُن "وحشی" قبیلوں کے حملوں کی تاب نہ لاسکی۔

یونانی روابط کے نتائج

اب ہمیں دیکھنا چاہیے کہ یونانیوں نے شمالی مغربی ہندوستان پر جو قبضہ کرلیا تھا اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے، کیا ان غیرملکی حکمرانوں نے ہندوستانی معاشرہ پر بعد میں کوئی اثر چھوڑا، یا وہ فوجوں کے محض اس قسم کے کمانڈر تھے کہ لوگ ان سے خوف زدہ تو ہوسکتے تھے، لیکن اُن کی تاسی نہیں کرسکتے تھے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے مختلف لوگوں نے مختلف نوعیت کے جوابات دیئے ہیں بعض کے نزدیک ہندوستان یونانی تہذیب کا مرہونِ منت ہے۔ بعض اس کے قطعاً منکر ہیں۔ لیکن حقیقت جیسا کہ اس قسم کے معاملوں میں اکثر ہوتا ہے، ان دونوں حدوں کے درمیان میں کہیں ہے۔ یونانیوں کا پہلی بار ہندوستان سے سابقہ

---

[1] ایتھنس (یونانی شہر مترجم)

[2] ٹارن کی رائے میں ۵۰ ق۔م۔ دگریکس اِن بیکٹریا اینڈ انڈیا، صا۲۳، صہ۳۲۳

اُس وقت پڑا جب سکندر نے ہندوستان پر حملہ کیا، اس کے ارادے کچھ بھی ہوں لیکن یہ بات طے ہے کہ انیس مہینے کے مسلسل جنگ وجدال کے دوران نہ وہ یونانی تہذیب کے علم بردار کی حیثیت سے کوئی کام کرسکا اور نہ ہندو سماج کی روش میں کوئی خاص تبدیلی پیدا کرسکا۔ اس میں شک نہیں کہ ہندوستانی بغاوت نے جو سکندر کی ناوقت موت کے فوراً بعد رونما ہوئی، یونانی فتح کے رہے سہے نشانات بھی مٹا دیئے۔ اس کے بعد تقریباً ۳۰۶ ق۔م میں سلیوکس نائیکیٹر کے وارد ہوا۔ لیکن اُسے بھی یونانی کلچر کی تخم ریزی کا موقع نہ مل سکا۔ اُس کی فوجوں کو چندر گپت موریہ نے سرحد پر ہی روک دیا اور وہ چار شترپ (صوبے) جن میں موجودہ بلوچستان اور جنوبی افغانستان شامل تھے، چندرگپت کے حوالے کرنے پر مجبور ہوگیا۔ چندرگپت موریہ کے دربار میں یونانی اثرات کا شائبہ نہیں تھا۔ اس کی بابت نہ میگستھنیز نے کوئی بات لکھی نہ کوٹلیہ نے۔
اس کے بعد ہندوستان سٹو سال تک یونانی حملوں کے خطرہ سے محفوظ رہا۔ ۲۰۶ ق۔م میں انیٹی اوکس سوم ہندوستان کی سرحد پر نمودار ہوا، لیکن وہ بھی سُوناگ سینوس (سبھاگ سین) نامی راجہ سے عہد اطاعت لے کر بہت تیزی سے وطن لوٹ گیا۔ ڈمیٹریس، یوکریٹائڈیز اور مننڈر، جن کی بعد کی مہموں میں تھوڑے وقفوں کے ساتھ چالیس سال کا عرصہ (تقریباً ۱۹۰ – ۱۵۵ ق۔) صرف ہوا اندرون ملک میں دُور تک گھس گئے۔ یہ حملے کلیتاً عارضی اور ناپائیدار نہیں تھے، کیونکہ ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ پنجاب اور ملحقہ علاقوں میں یونانیوں کی حکومت قائم ہوگئی جو ڈیڑھ سو سال باقی رہی۔ بہرحال یہ بات تعجب خیز ہے کہ یونانی تہذیب کے اثرات یہاں بھی بالکل برائے نام دکھائی دیتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانیوں نے سکّوں کے معاملے میں یونانیوں سے بہت کچھ سیکھا۔ اُن کی آمد سے پہلے بھدّے قسم کے ٹھپہ والے سکّے ہندوستان میں چلتے تھے۔ یونانیوں نے عمدہ شکل وصورت کے مہردار سکّوں کا باقاعدہ استعمال یہاں جاری کیا۔ ہندوستانیوں نے یونانی لفظ "ڈرکم" کو بھی اختیار کرلیا اور اس کا درمّ [1]، نام رکھا۔

[1] کیا ہندی لفظ "دام" یونانی "درم" سے ماخوذ ہے۔

مزید برآں، سکوں پر جو یونانی الفاظ کندہ ہیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندی یونانی مقبوضات میں یونانی زبان سمجھی جاتی تھی۔ لیکن اس خیال کی تائید دستیاب شواہد و اسناد سے نہیں ہوتی۔ اس کے برخلاف سکوں پر ہندوستانی روایات اور کھروشٹھی کے استعمال سے ثابت ہوتا ہے کہ عام طور پر ہندوستانی عوام یونانی زبان سے قطعاً واقف نہیں تھے، اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ یونانی زبان میں کوئی کتبہ اب تک ہندوستان میں دستیاب نہیں ہوا۔

اس کے بعد ادب کو لیجیے۔ سینٹ کرسوستم (۱۱۷ء) کہتا ہے کہ "ہندوستانی ہومر کی نظمیں گاتے ہیں اور انھوں نے اپنی زبان اور اپنے مخصوص اسلوب میں ان کا ترجمہ کر لیا ہے۔" اس کی تائید مزید پلوٹارک اور ایلین کے بیانات سے ہوتی ہے، لیکن سوائے اس کے کہ یونانی اور ہندوستانی روایات میں خفیف سی مشابہت پائی جاتی ہے۔ ان دعووں کی کوئی خاص بنیاد نہیں ہے۔ مثال کے طور پر، رامائن کا اصل موضوع ایلیڈ کی کہانی سے حیرت انگیز مماثلت رکھتا ہے۔ اسی طرح، اگرچہ ممکن ہے کہ یونانی ناٹک سائکل اور دوسرے یونانی مرکزوں میں کھیلے جاتے ہوں، لیکن اس دعوے کے ثبوت میں دراصل ہمارے پاس کوئی محکم شہادت نہیں ہے کہ ہندوستانی ڈراما یونانی ڈرامے سے متاثر ہے۔ یونیکا کی اصطلاح یونانی بناوٹ کے پردے کو ظاہر کرتی ہے، نیز دوسری باتوں میں جو یکسانی پائی جاتی ہے وہ بھی بلاشبہ اکثر و بیشتر محض اتفاقی اور ہنگامی ہے۔

ہیئت کے میدان میں اہل ہند یقیناً یونانیوں کے مرہونِ منت ہیں۔ گارگی سنہتا میں لکھا ہے۔ "یون اگرچہ وحشی اور جاہل لوگ ہیں، پھر بھی علم ہیئت کے وہ بانی ہیں اور اس جہت سے دیوتاؤں کی مثل ان کی عزت کرنی چاہیے۔" ہندوستانی ہیئت میں آج تک بہت سی یونانی اصطلاحیں مستعمل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ "رومک" اور "پولس سدھانت" یونانی اثرات کی بہت واضح طور پر نشان دہی کرتی ہیں[1]۔ جہاں تک

---

[1] یہ بات کہ یونانیوں نے ہندوستانی ہیئت کی ترقی پر گہرا اثر ڈالا اُن یونانی مصطلحات سے ظاہر ہے جو ہندوستانی ہیئت دانوں کی کتابوں میں استعمال کی گئی ہیں۔ چنانچہ ورآہ مہر کی معتبر ا شاسکر میں بر اس منڈل کی مختلف علامات کے لیے ہماری نظر سے اس قسم کے نام گزرتے ہیں جیسے آسا د ایرینز، ہیلی (ہیلیوز)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جیوتش کا تعلق ہے، ہندوستانی بے شک اس کا علم رکھتے تھے، لیکن کہتے ہیں کہ ستاروں کے ذریعہ مستقبل کے بارے میں پیش گوئی کرنے کا فن انھوں نے اہل بابل سے سیکھا۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ ان ہندی یونانیوں نے ہندوستان کے فن اور طرز تعمیر کی ترقی پر کس حد تک اثر ڈالا۔ ڈمیٹریس اور مینندر کے زمانے کا ایک بھی قابل ذکر مجسمہ دستیاب نہیں ہوا ہے[1] لیکن بعد کے زمانہ کا گندھارا مکتبہ فن جس نے پتھر پر بدھا کی زندگی کے مناظر کندہ کیے ہیں، بے شک یونانی سنگ تراشی کے فیضان کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح بجز ٹکسیلا کے چند مکانوں کی غیر مزین دیواروں کے ہندوستان میں کوئی یونانی عمارت دیکھنے میں نہیں آئی۔ اُن کے ایونی[2] ستون اور قدیم دیواری حاشیے پہلی صدی ق۔م کے ربع اول کی یادگاریں۔ ان تمام فنون میں جن میں آرائش کو دخل تھا، یونانی طرز کو زیادہ وقیع سمجھا جاتا تھا۔ بعد ازاں ہندوستان کی فنی خصوصیات شامل کر کے اس میں تبدیلیاں کر لی گئیں۔

دو تہذیبوں کے باہمی ربط نے تجارت کو فروغ دیا[3] اور اس کے بعد خیالات

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) جیاؤ (زنیس) اس کے علاوہ یہ اصطلاحات بھی استعمال ہوئی ہیں۔ کنترڈن کے لیے کیندر اور ذامترن کے لیے جامترا۔ اس سے بعد کے زمانہ میں ہندوستانیوں نے ہیئت کے میدان میں عظیم الشان ترقی کی اور غالباً عربوں کو بھی ہیئت سکھائی۔

[1] یونانی سنگتراشی کے بعض نمونے جو روشنی میں آئے ہیں ان میں "ایک ڈیونی سس کا سر ہے اور ایک بچہ ہونٹوں پر انگلی رکھے ہوئے ہے۔" (نیز ملاحظہ ہو آرکیالاجیکل سروے آف انڈیا، ۱۴-۱۹۱۵، ۱۹۱۵، صـ۱۳ حاشیہ) [2] یونانی طرز تعمیر کی تین قسموں۔ ڈورک، کورنتھین، ایونک۔ میں سے (مترجم) ایک

[3] مثال کے لیے دیکھیں انیٹی اوکس چہارم نے ۱۶۶ ق۔م میں ڈیفنی کے مقام پر بہت بڑی تعداد میں ہندوستانی ہاتھی دانت اور مسالوں کی نمائش کرائی۔ (ٹارن، واگریکس ان بیکٹریا اینڈ انڈیا، صـ۳۶۱، صـ۳۶۲) اس طرح بطالمی دوم نے اپنے "جشن فتح" میں ہندوستانی کتوں اور مویشیوں کی نمائش کی (ایضاً صـ۳۶۶) ہندوستان کو یونان سے جو چیزیں بھیجی گئیں اُن میں جپری کاغذ اور حسین کنواری کنیزیں شامل تھیں جیسا کہ پیری پلس سے تصدیق ہوتا ہے۔ (ملاحظہ ہو ایضاً، صـ۳۷۳)

کے بہاؤ کا ایک ایسا لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا جس کے نتائج مختلف شعبوں میں بڑے دُور رس ثابت ہوئے۔ اس قسم کی مثالیں موجود ہیں کہ ہیلی اُوڈورس نے وشنومت قبول کرلیا تھا اور مینینڈر اور سُوات کے ظرفی کتبہ والے تھیوڈورس نے بدھ مت[1] ان مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یونانی رفتہ رفتہ ہندوستانی عقائد کے سامنے سرتسلیم خم کر رہے تھے۔ چنانچہ جب فوجوں کا زور شور مدھم ہوا تو ہندوستان ایک بار پھر غور و فکر میں ڈوب گیا۔ اس انداز سے کہ اس نے آہستہ آہستہ اپنے فوجی آقاؤں کو اپنا اخلاقی اور روحانی غلام بنا لیا۔ یونانیوں کو ہندوستانی بنانے میں کسی حد تک آپس کی شادیوں کو بھی دخل تھا۔

فصل (۲)

شک[2] اور پہلو قبیلے

شکوں کی ہجرت

تقریباً ۱۶۵ - ۱۶۰ ق۔م تک وسط ایشیا میں خانہ بدوش قبیلوں کی آمد و رفت کا بڑا زور رہا۔ شمالی مغربی چین سے یوچیوں کو بے دخل کر دیا گیا اور وہ مغرب کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے اپنی سیاحت کے دوران اُن کی مڈبھیڑ شک اور سِیِ قبیلوں سے ہوئی جو جکیسارٹیز (سائر دریا) کے شمالی علاقوں میں آباد تھے۔ آخرالذکر قبیلوں کو جب جنوب کی طرف دھکیل دیا گیا تو وہ ۱۴۰ اور ۱۲۰ ق۔م کے درمیانی دور میں باختر

---

[1] اسٹن کونو: کورپس انسکرپشنم انڈکارم، جلد دو، نمبر ا، صا، صہ

[2] یونانی مصنفین نے انہیں "سکئی" کہا ہے۔ ملاحظہ ہو اسٹن کونو، تمہید کارپس انسکرپشنم انڈکارم، جلد دو، حصہ اول ص۱۶۔ حاشیہ ۔۔۔ کے۔ پی۔ جیسوال، جرنل آف دا بہار اینڈ اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی، جلد سولہ، حصہ ۳ و ۴، ص۲۲۷۔ ص۲۱۶ "شک مت ورہمن تاریخ کے مسائل"، آر۔ ڈی۔ بنرجی، انڈین اینٹی کویری، سینتیس، ۳ (۱۹۰۸)، ص۲۵ حاشیہ، کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد اول باب تیئس ۲۳، ص۵۶۳۔ ص۹۲؛ گوبند پالی، "شکوں، پہلوؤں اور کشنوں کی ترتیب وار تاریخ" جرنل آف انڈین ہسٹری، جلد چودہ، (۱۹۲۵)، ص۳۰۹ حاشیہ۔

سے ہوئی جو جیکساز ٹیز (سائر دریا) کے شمالی علاقوں میں آباد تھے۔ آخر الذکر قبیلوں کو جب جنوب کی طرف دھکیل دیا گیا تو وہ ۱۴۰ اور ۱۲۰ ق۔م کے درمیانی دور میں باختر اور پارتھی ریاست پر ٹوٹ پڑے۔ باختر کا حکمران بیرونی لڑائیوں اور اندرونی ہنگاموں کے باعث کمزور تو ہی چکا تھا ان قبائل کے حملوں کی تاب نہ لا سکا۔ پھر شک قبیلے نے جنوب ومغرب پر دباؤ ڈالا اور اُن کا مقابلہ ۱۲۸ ق۔م۔ میں جب پارتھیا سے ہوا تو اس میں فراٹیز دوم کام آیا اور کچھ سال بعد ۱۲۳ ق۔م میں اَرٹابینس اول بھی مارا گیا۔ متھرڈیٹیز دوم (۱۲۳ - ۸۸ ق۔م۔) نے، بہرحال، پارتھی حکومت کو بہت کچھ سنبھالنے کی کوشش کی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ شکوں کا رُخ خود بخود مشرق کی طرف مڑ گیا۔ وادیٔ کابل میں پہنچ کر، جہاں باقی ماندہ یونانی حکومت کا مثلث نما ٹکڑا واقع تھا، جب ان کے توسیع کے ارادوں میں روکاوٹ پیدا ہوئی تو وہ اس علاقے میں پھیل گئے۔ جس کا نام بعد میں سیستان یا شکستان رکھا گیا۔ اس کے کچھ عرصے بعد وہ اَراکوشیا (قندھار) اور بلوچستان کے ذریعہ سندھ کے جنوبی علاقہ میں پہنچ گئے جسے بعد میں ہندو مصنفین نے شک دُویپ کہا اور یونانی جغرافیہ دانوں نے انڈوستھیا۔ اسی بنیادی مرکز سے شکوں نے ہندوستان کے مختلف حصوں میں بستیاں بسائیں۔

اوّل

ماؤس

شکوں کا پہلا حکمراں معلوم ہوتا ہے ماؤس تھا جو غالباً موا (موا سا" سے موازنہ کریں) اور موگا کے مماثل ہے جن کا ذکر علی الترتیب مَیرا (نمک کی پہاڑیوں) میں کنوئیں کے کتبہ میں [1] اور شترپ پٹک کی ٹیکسلا والی تختی میں آیا ہے۔ [2] اس کے

---

[1] میرا کا کتبہ مورخہ سن ۵۸ معلوم ہوتا ہے (کارپس انسکرپشنم انڈیکارم، دو نمبر آ ۱۱، ص ۱۱ تا ۱۳) مسٹر گوبند پائی نے ٹیکسلا والی تانبے کی تختی کے کتبہ میں موگس کی بجائے، بہرحال ۔۔ ماگھ کے مہینے کے" ماگس پڑھا ہے (جرنل آف انڈین ہسٹری جلد ۳ (۱۹۲۵) ص ۳۲۵ تا ۳۳۸)

برخلاف ونسنٹ اسمتھ[1] نے اُسے ہند پارتھی بادشاہ مانا ہے۔ دراصل یہ دونوں نسلیں، شک اور پہلو (پارتھی)، ہندوستانی ادب اور کتبوں میں ایک دوسرے سے اتنی قریب دکھائی دیتی ہیں کہ بعض اوقات دونوں میں امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایک ہی خاندان میں پہلو اور شک، دونوں قسم کے نام شامل ہیں اور اُن کے سکوں، نیز ان کے صوبائی نظام حکومت میں بڑی یکسانی پائی جاتی ہے، اس سلسلہ میں (ریپسن) کا قول درست ہے کہ ماؤس اور اس کے جانشینوں پر شکوں کی چھاپ لگانے سے "ایک نہایت مفید و موزوں آمنول تسمیہ کی وضاحت ہوتی ہے[2] ماؤس (ماؤآکس؟)، یقیناً ایک عظیم حکمراں تھا۔ ایک تانبے کی تختی میں جو ٹیکسلا سے برآمد ہوئی ہے[3] اسے مہارائے کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ علاقہ اس کی قلمرو میں شامل تھا۔ بعد ازاں اپنے سکوں میں وہ "شہنشاہ اعظم" کا لقب اختیار کر لیتا ہے۔ سکوں کی ساخت اور وضع قطع سے ظاہر ہوتا ہے کہ گندھارا اور اس سے متصل علاقہ جو پہلے یونوں کے قبضہ میں تھا، اس کے تصرف میں آگیا تھا۔ لیکن ماؤس اپنی افواج پنجاب میں زیادہ دور تک نہیں لے جا سکا۔ اور اس طرح اُس کی سلطنت وادیٔ کابل اور مشرقی پنجاب میں جہاں دو یونانی خاندان حکومت کر رہے تھے اُن کے بچے کھچے علاقوں کے درمیان واقع تھی۔ ماؤس کی تاریخ بالکل غیر یقینی ہے کیونکہ ہم وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ ٹیکسلا کی تانبے کی تختی میں جو سن ۷۸ مندرج ہے اس سے کونسا نظام سنوات مراد ہے۔ ڈاکٹر رائے چودھری کا خیال ہے کہ "۳۳ ق۔م۔ کے بعد، لیکن پہلی صدی عیسوی کے نصف آخر سے پہلے وہ حکومت کر رہا تھا[4] اِسٹین کونو[5] اس کے قائل ہیں کہ ماؤس نے ۹۰ ق۔م میں حکومت شروع کی[6]

---

[1] ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن، ص۲۴۲

[2] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، ایک ص۵۶۸

[3] کارپس انسکرپشنم انڈیکارم، دو حصہ ایک ص۲۸، ص۲۹

[4] پولیٹکل ہسٹری آف اینشینٹ انڈیا، چوتھا اڈیشن، ص۳۶۵ [5] جرنل آف انڈین ہسٹری ۱۹۳۳ء، ص۱۹، نیز ملاحظہ ہو اسٹن کونو، نوٹس آن ۶۲ انڈو سیتھین کرانولاجی [6] ایضاً، ص۳۶

اُس کے جانشین

ماؤس کے بعد ایزیس[1] تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے مورث کی فتوحات کو برقرار رکھا۔ جیسا کہ اس کے سکوں کے مختلف نمونوں سے ظاہر ہے جنھیں اس نے جیوں کا تیوں رہنے دیا۔ اُس نے "گھوڑا چھاپ" سکے از سرنو جاری کرائے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے عہد میں مشرقی پنجاب بھی شک حکومت میں شامل ہوگیا تھا۔ بعض عالم اس کے قائل ہیں اُس سمت کا بانی ہے جس کی ابتدا ۵۸ ق۔م سے ہوئی۔ لیکن یہ رائے بہرحال قطعاً قابلِ اعتبار نہیں ہے۔

سکوکاتی شہادت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایزیس کے بعد ایزی لیسز بادشاہ ہوا لیکن ایک دور ایسا بھی آیا جس میں دونوں بیک وقت حکومت کے کاروبار میں شریک تھے۔ ایزی لیس کے بعد ایک دوسرا ایزلیس تخت نشین ہوا جو ایزیس دوم کے نام سے موسوم ہے۔ بعض عالم ایزیس نام کے ان دونوں شخصوں کو مماثل سمجھتے ہیں، لیکن صائب رائے یہ ہے کہ یہ دونوں الگ الگ حکمراں تھے۔ ایزیس دوم کے بعد، جیسا کہ مندرجہ ذیل تفصیل سے واضح ہوگا، شک مقبوضات گونڈو فرنیز نامی شخص کے قبضہ میں چلے گئے

دوم

شمال مغرب کے شترپ

شترپوں کی حکومت میں عام دستور یہ تھا کہ مہاکشترپ اپنے ساتھ کسی

---

[1] کیا کتبۂ کلوان مورخہ سن ۱۳۴، نیز ٹکسیلا کے چاندی کے لپٹے ہوئے کتبہ مورخہ سن ۱۳۶ (جس کا سنواتی نظام نامعلوم ہے) والے آیا یا آجا (ایزیس!) کے مماثل ہے۔ کارپس انسکرپشنم انڈکارم۔ دوم، نمبر ستره، صفحہ ۔ صفحہ ؟ اسٹن کونو نے کلوان دنیز ٹکسیلا والے کتبہ کے متعلق کہا ہے کہ اسکا سن ۱۳۴، وکرم سمبت ہے۔ (اپی گرافیہ انڈکا، اکیس، ص ۲۵۶، ۲۵۹)

کشترپ[1] کو ملا کر حکومت کرتا تھا۔ یہ عام طور پر مہاکشترپ کا بیٹا ہوتا تھا۔ باپ کے بعد ہی اُس کا جانشین ہو جاتا تھا۔ ٹیکسلا والی تانبے کی تختی سے جس پر سن ۷۸، بڑا ہوا ہے ہمیں اس قسم کے دو نام ملتے ہیں۔ لیاک کسولک اور اس کا بیٹا پٹیک[2]۔ یہ دونوں چھہر اور چکش ضلعوں کے (جو غالباً ٹکسیلا کے قریب واقع تھے) مہارائے موگ کے ماتحت شترپ تھے۔

سوم

متھرا کے شترپ

اس خاندان کے قدیم ترین افراد ہنگان اور ہنگامس تھے، معلوم ہوتا ہے جنھوں نے معلوم ہوتا ہے کچھ عرصے متحدہ حکومت کی۔ اُن کا جانشین غالباً رانجو، بل تھا جسے متھرا کے قریب والے مورا کتبے میں مہاکشترپ کہا گیا ہے۔ اُس نے اسٹراٹو اول اور اسٹراٹو دوم کے سکوں کی نقل کی۔ اس لیے یہ بات قرین قیاس ہے کہ رانجو بل نے مشرقی پنجاب میں یونانی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ اُس کے بعد اُس کا کشترپ بیٹا سوڈ شش مہاکشترپ کے عہدہ پر فائز ہو گیا۔ متھرا کے شیر کے تاج والے کتبہ کی رو سے وہ اُس وقت شترپ تھا۔ جب پڈک یا پٹیک شترپ اعظم یا مہاکشترپ تھا جسے کتبۂ ٹکسیلا[3] والے پٹیک کے مماثل بتایا گیا ہے[4]۔ اس لیے ہم انھیں ایک دوسرے کا معاصر تصور کر سکتے ہیں۔ اموہنی کے کسی منت پر چڑھائی گئی تختی والے کتبہ میں سوڈرش کو مہاکشترپ کہا گیا ہے اور اگر اس کے سن ۷۲[5] (ریپسن) کو وکرمی مان لیں تو اس کے یہ معنی ہیں

---

[1] قدیم فارسی میں "شترپ" صوبے کے گورنر کو کہتے تھے۔ سنسکرت کا کشترپ اسی سے مشتق ہے۔

[2] ملاحظہ ہو اسٹن کونو، کارپس انسکرپشنم انڈیکارم۔ دوم، حصہ ایک، نمبر تیرہ ۱۳، صـ۲۳، صـ۲۶۔

[3] ایپی گرافیہ انڈیکا، جو تھا، صـ۵۴، صـ۵۵۔ فلیٹ نے ان دو پٹیکوں کی مماثلت پر شبہ ظاہر کیا ہے (جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی) ۱۹۱۳، صـ۱۰۰ اور حاشیہ ۲)۔ متھرا کے شیر کے تاج والے کتبے کے لیے دیکھیں اسٹن کونو "کارپس انسکرپشنم انڈیکارم" دو، حصہ ایک، صـ۳۰۔ صـ۴۹ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کہ اس کی حکومت ۱۷۔۱۶ ق۔م میں پورے عروج پر تھی۔ اُس کے جانشینوں کے بارے میں ہماری معلومات بہت ناکافی ہے۔

چہارم

مہاراشٹر کے کشہ رات

مغربی ہندوستان کا سب سے پہلا کشترپ جس کے بارے میں ہم کچھ جانتے ہیں بھومک تھا جو کشہ رات خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔[۱] اور سوراشٹر میں حکومت کرتا تھا۔ اُس کے سکوں کی وضع قطع اور ساخت نیز اُن پر کندہ سجعوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بھومک نہپان سے پہلے بادشاہ ہوا۔ اُن کا نشان شاہی یعنی تیر بھالہ اور بجلی "اسپلیر سیزا اور ایزیس کے متعدد طور پر چلائے ہوئے اُن سکوں سے ملتا جلتا ہے جن پر "بھالہ اور تیر کمان" کندہ ہے[۲]

نہپان

اگلا کشہ رات حکمراں نہپان تھا جس کا بھومک سے صحیح صحیح تعلق ایک غیر یقینی بات ہے۔ لیکن اس کے شک ہونے میں بہرحال کوئی شک نہیں ہے، کیونکہ اس کی ہندو نام کی لڑکی دکش متر اُشودت (رشبھ دتّ) کو بیاہی گئی تھی، جسے ایک کتبے میں

(بقیہ حاشیہ صـ) بعض عالموں نے ۷۸ کی بجائے ۲، پڑھا ہے، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ شوداش کی تاریخ ۱۵ء میں جا پڑے گی۔ اسٹن کونو نے اس سن کو وکرمی مانا ہے۔ (ایپی گرافیہ انڈکا، صـ۱۳۹، صـ۱۴۱) دیگر عالم اس کے قائل ہیں کہ شوورش نے اس پر شک سن ڈلوایا ہے ... سب سے پہلے بیولہر نے اموہنی کی شہادت پر ۷۲ ہی تجویز کیا ہے (ایپی گرافیہ انڈکا دوم، صـ۱۹۹) لیکن بعد میں تصحیح کرکے ۲، بنا دیا (ایضاً، چار، صـ۵۵، حاشیہ دو) ریپسن نے اول الذکر خیال کو ترجیح دی ہے۔ (کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، اول، صـ۵۷۵، حاشیہ ایک) [۱] کیا کشہ رات نام ٹالمی کے کرتائی کے مماثل ہے؟ کیا یہ ضلع چھہر سے مشتق ہے [۲] ڈبرول، اینشنٹ ہسٹری آف دکن، صـ۱۷۔

واضح طور پر شک کہا گیا ہے۔ آخرالذکر کی تمام دستاویزی شہادتیں جو پانڈولینا (ناسک کے قریب)، جنار اور کارلے (ضلع پونا) میں دریافت ہوئی ہیں ظاہر کرتی ہیں کہ نہپان مہاراشٹر کے ایک بڑے حصہ پر قابض تھا۔ یہ علاقہ اس نے یقیناً ساتواہنوں سے حاصل کیا۔ جب مالیہ یا مالو قبیلوں نے حملہ کیا تو اُتّم بھدرؤں کی امداد کی غرض سے اس نے اپنے داماد کوان کے مقابلہ لیے بھیجا۔ فتح یاب ہونے کے بعد اُشودت نے پشکر تیرتھ (پولکھر) کے لیے دان پُن کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہپان کا اثر اجمیر تک پایا جاتا تھا۔ اُس کے عہد کے کتبوں پر سن ۴۱ تا ۴۶ پڑا ہوا ہے لیکن ان کا نظام سنوات واضح نہیں ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ شک سنین ہیں، حالانکہ ڈبریوئل نے وکرمی[1] تجویز کیے ہیں، تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ نہپان ۱۱۹ - ۱۲۴ء میں حکومت کر رہا تھا۔ لیکن اگر وہ پیری پلس[2] والے ممبروس یا ممبنوس کے مماثل ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا جیسا کہ بعض عالموں نے قیاس کیا ہے کہ پہلی صدی عیسوی کے ربع سوم میں اس کی حکومت پورے عروج پر تھی۔ کتبہ ناسک؛ نیز جگل تھمبی کے بے شمار سکّوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ نہپان، یا شاید اس کے جانشینوں میں سے کسی کی حکومت کو گوتمی پتر شات کرنی نے تباہ کیا۔[3]

پنجم

اُجین کے شترپ — چشٹن

اس سلسلہ کا بانی ییا موتک کا بیٹا چشٹن تھا جس کی حکومت کئی صدیوں تک مغربی ہندوستان پر رہی۔ بعض عالم اُسے شک سمبت کا بانی قرار دیتے ہیں، جس کی

---

[1] ایضاً، صہ۲۲ [2] دارالسلطنت من نگر کو مختلف لوگوں نے مختلف شہروں کے مماثل بتایا ہے۔ بی۔ اندرجی نے جوناگڈھ کے، ڈاکٹر بھنڈارکر نے مندسور یا موجودہ دسور کے اور فلیٹ نے جُنار یا دوہد کے مماثل بتایا ہے لیکن جیسوال اس کے قائل ہیں کہ نہپان بڑودچ میں حکومت کرتا تھا [3] دیکھیں گزشتہ صفحات۔ کیا نہپان سے گوتمی پتر کی بذات خود جنگ ہوئی یا ان کے زمانوں میں طویل مدت کا فصل تھا؟ (باقی اگلا صفحہ پر)

ابتدا ۷۸ء سے ہوئی[1] دیگر عالم اس رائے سے متفق نہیں ہیں، لیکن وہ اس بات کو ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ سن ۵۲ جو اندھو (کچھ) کے کتبوں پر پڑا ہوا ہے، وہ اسی سمبت سے متعلق ہے۔ یہ وہ نظریہ ہے جس سے چشٹن کے عہد کی تاریخ ۱۳۰ء متعین ہوجاتی ہے[2] اسے اوزین کے ساکن ٹیاس ٹینیز کے مماثل بتایا گیا ہے جس کا ذکر ٹالمی نے کیا ہے۔ اُس نے نہپان کے سکوں کی نقل کی۔ چشٹن نے شروع میں شترپ کی حیثیت سے حکومت کی اور بعد ازاں وہ مہاکشترپ ہوگیا۔ کیا وہ کشنوں کا باجگزار تھا، یا پھر "گوتمی پتر کا باجگزار" تھا، جیسا کہ جی۔ جُوویوڈبرڈیل نے لکھا ہے؟[3]

رودُردامن

چشٹن کا لڑکا جے دامن، صرف شترپ تھا اور کوئی ممتاز مقام حاصل کیے بغیر فوت ہوگیا۔ جے دامن کا لڑکا رودُردامن، بہرحال، ایک عظیم شخصیت کا مالک تھا۔ اس کے کارناموں کی تفصیل جوناگڑھ کے چٹانی کتبہ میں موجود ہے جو مورخہ ۱۵۰ء ہے[4] اس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اس نے مہاکشترپ کا لقب اختیار کرلیا تھا[5] اس نے "مغرور" یودھیاؤں کو بھی فتح کرلیا تھا اور دوبار دکشنا پتھ کے حکمراں شاٹ کرنی کو زیر کیا جس سے اس کا رشتہ زیادہ دور کا نہیں تھا[6] یہ خواہ مخواہ کی شیخیاں نہیں تھیں بلکہ ان دعوؤں کی تصدیق اُن ملکوں کے ناموں سے ہوتی ہے جنھوں نے اس کی اطاعت قبول کرلی تھی۔ ان میں شمالی گجرات، سوراشٹر، کچھ، وادیٔ سندھ کا جنوبی علاقہ، شمالی کونکن، مان دھاتا پردیش، مشرقی اور

(بقیہ گزشتہ صفحہ کا حاشیہ)
(نیز ملاحظہ ہو اینشنٹ ہسٹری آف دکن صفحہ ۲۴، صفحہ ۲۵)

[3] ڈبریل' اینشنٹ ہسٹری آف دکن، صفحہ ۳۶

[1] اندھو کے کتبوں کی روشنی میں قیاس کیا گیا ہے کہ چشٹن اور رودردامن نے باہم حکومت کی (ڈاکٹر ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر انڈین اینٹی کویٹری سپلیمنٹ ۱۹۱۸، صفحہ ۱۵۴) ڈبریل اس رائے سے متفق نہیں ہے اس کا خیال ہے کہ اندھو (کچھ) کا کتبہ رودردامن کے عہد سے متعلق ہے (اینشنٹ ہسٹری آف دکن صفحہ ۲۷

[2] ایضاً، صفحہ ۳۷ [4] ایپی گرافیہ انڈیکا، آٹھ، جلد ۲۶، صفحہ ۴۹ [5]

[6] دیکھیے گزشتہ صفحات،

مغربی مالوہ، کگرّا اور مارو یعنی راجپوتانہ کے حصے، وغیرہ شامل تھے [1] ان میں سے بعض علاقے گوتمی پتر شات کرنی کے تصرف میں تھے، جس کی طرف ہم کسی دوسرے مقام پر اشارہ کر چکے ہیں۔ چنانچہ سات واہن سلطنت کے زوال کے بعد رودردامن کی طاقت کو عروج ہوا۔ رودردامن کے عہد کا ایک اور اہم واقعہ یہ تھا کہ سُدرشن جھیل کا بند ٹوٹ گیا۔ لیکن نگنی مضبوطی کے ساتھ اسے دوبارہ بنوا دیا گیا۔ اس کی تعمیر رودردامن کے پہلو گورنر سوئی شاکھ، پسر کلیپ کی کوششوں کا نتیجہ تھی جو "تمام آنرت اور سوراشٹر" کا حاکم تھا۔ ہمیں مزید معلوم ہوتا ہے کہ بند کی مرمت کے تمام تر اخراجات رودردامن نے خود برداشت کیے اور عام شاہی دستور کے مطابق رعایا سے کوئی اضافی محصول وغیرہ وصول نہیں کیا۔ وہ اپنی رعایا کی بھلائی کا واقعی کتنا خواہش مند تھا۔

رودردامن کے جانشین

رودردامن کے بعد خاندان کے کئی افراد برسرِ حکومت آئے، لیکن ان کے بارے میں کوئی اہم بات ہمیں نہیں معلوم۔ تیسری صدی عیسوی کے تقریباً چوتھے دہے میں شتریوں کا ستارہ کچھ دنوں کے لیے گردش میں آگیا جس کا سبب یہ ہوا کہ ایشوردت کے عہد میں ابھیروں نے اُن پر حملہ کر دیا اور ان کی سلطنت کے کچھ حصے پر زبردستی قبضہ کر لیا۔ بہرحال اس خاندان نے اپنی کھوئی ہوئی طاقت کو بہت جلد مجتمع کر لیا اور کافی نشیب و فراز کے باوجود سن ۳۱ "الف" شکی (۳۱ + "الف" + ۷۸ عیسوی) [2] تک اپنے وجود کو باقی رکھا، یہ وہ تاریخ ہے جو رودر

---

[1] اس سے مقابلہ کریں۔ पूर्वापराकरावन्त्यनूपनीवृदानर्तसुराष्ट्रश्वभ्र (म) रुकच्छसिन्धु " सौवीरकुकुरापरान्तनिषादादीन समग्राणां तत्प्रभावाधन "

[2] ملاحظہ ہو ریپسن کیٹلاگ آف دی کوائنس آف دا آندھرا ڈائینسٹی، داو سیٹرن شترپ وغیرہ لندن ۱۹۰۸ء "الف" کی علامت تیسرے عدد کو ظاہر کرتی ہے جو سکوں پر واضح نہیں ہے۔

گونڈوفرنیز

اس سے اگلا اور سب سے بڑا ہند پارتھی بادشاہ گونڈوفرنیز (ویڈفرن) تھا[1]۔ تخت باہی کتبہ کی مدد سے جس پر سن ۱۰۳ پڑا ہوا ہے[2]، اُس کے عہد کا تعین قطعی طور پر کرلیا گیا ہے۔ فلیٹ نے اس سن کو وکرمی قرار دیتے ہوئے[3] اسے ۴۵ سے منسوب کیا ہے۔ یہ تاریخ مہارائے گودوُوَھر (؟) کے عہد حکومت کا چھبیسواں سال ظاہر کرتی ہے۔ اس جہت سے وہ ۱۹ء میں تخت نشین ہوا۔ کتبہ سے مزید ثابت ہوتا ہے کہ پشاور کا ضلع اس کی قلمرو میں شامل تھا۔ اس کے سکوں کی وضع قطع ظاہر کرتی ہے کہ وہ مشرقی ایران اور شمالی مغربی ہندوستان کے کُشک پہلو علاقوں پر قابض و متصرف ہوگیا تھا۔ ایزیلیس دوم کے بعض علاقوں پر اس کا قابض و متصرف ہونا اسپ ورمن کے سکوں سے ثابت ہے جو پہلے ایزیلیس کا سپہ سالار تھا۔ لیکن بعد میں اس نے گونڈوفرنیز کو اپنا فرماں روا تسلیم کرلیا۔ عیسائی روایات میں اُسے بادشاہِ ہندوستان کہا گیا ہے اور سینٹ ٹامس سے ربط دیا گیا ہے۔ اس قسم کی داستانوں پر مشکل ہی سے اعتماد کیا جا سکتا ہے، لیکن اس حد تک بات حقیقت پر مبنی ہوسکتی ہے کہ کوئی عیسائی مبلغ گونڈوفرنیز یا گونڈوفرنیز کے دربار میں ضرور پہنچا اور وہاں اُسے اپنے تبلیغی کام میں تھوڑی بہت کامیابی بھی نصیب ہوئی[4]۔ جب پہلو شہنشاہ کا انتقال ہوا تو اس کی سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا اور شہزادوں نے اُسے آپس میں تقسیم

---

[1] اس نام کی دوسری بدلی ہوئی شکلیں یہ ہیں۔ گوڈوفر، یاگدوُدھر، گونڈوفارنیس، گرّون (دیکھے) وغیرہ
[2] ملاحظہ ہو ایس کونو، کارپس انسکرپشنم انڈیکارم، (دو) نمبر بیس، صـ۵۷ ـ صـ۶۲ [3] اس نسبت پر بعض عالموں نے شبہ کیا ہے۔ سورگیہ آر۔ڈی۔ بنرجی تخت باہی کتبہ کے سن ۱۰۳ کو شک سمبت سمجھتے ہیں (انڈین انیٹی کویریز، ۱۹۰۸، صـ۴۷، صـ۶۲) ڈاکٹر ونسنٹ اسمتھ گونڈوفرنیز کی تاریخ اپنے بعد کے زمانے میں متعین کرنے کے حق میں نہیں ہیں وہ اس کے قائل ہیں کہ "ٹکسلا کے طبقاتی اجزائے ترکیبی ظاہر کرتے ہیں کہ گونڈوفرنیز" کو فیس اول سے پہلے ہوا۔ ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا ایڈیشن صـ۲۴۸، نوٹ۱)، [4] سینٹ ٹامس کی روایت کے لیے ملاحظہ ہو اسمتھ ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن، صـ۲۴۹ ـ صـ۲۵۰

سنہا سوم کے سکّوں پر پڑی ہوئی ہے۔ رُدر سنہا شک شہنشاہ کے مماثل ہے اور ہرشں چرت میں چندر گپت وکرمادتیہ کے ہاتھوں اسکے قتل کا ذکر کیا گیا ہے۔ گپت راجاؤں نے اس کے بعد شک مقبوضات کو اپنی سلطنت میں شامل کرلیا اور شترپوں کے نمونے کے چاندی کے سکّے جاری کیے۔ لیکن اُن کی پشت پر شترپ علامات کی بجائے گروڑا علامات کندہ کروائیں۔

ششم

پہلوئ — وُونونیز

ہندی پارتھیوں یا پہلوؤں کی تاریخ ابھی تک تاریکی میں ہے، البتہ سکّوں اور کتبوں سے جستہ جستہ واقعات کہیں کہیں معلوم ہوجاتے ہیں۔ اس خاندان کا سب سے پہلا بادشاہ جس کے متعلق ہم کچھ جانتے ہیں وونونیز تھا، جس نے اراکوشیا اور سیستان میں حکومت قائم کی تھی اور شہنشاہِ اعظم کا لقب اختیار کرلیا تھا[1] اس کے سکّوں میں جن کی ہیئت یوکریٹائڈیز کے سکّوں جیسی تھی، وونونیز کے ساتھ اس کے بھائی اسپیلرائیسز اور اسپیلاہوریز اور بھتیجا اسپلیگا ڈمپز شریک نظر آتے ہیں۔ غالباً مفتوحہ علاقوں میں یہ سب اس کے نائب السلطنت تھے۔[2]

اسپیلرائیسز

وونونیز کے بعد اسپیلرائیسز تخت نشین ہوا۔ معلوم ہوتا ہے ایزیس دوم اس کے ماتحت تھا، کیونکہ بعض سکوں پر سیدھی طرف یونانی زبان میں اسپیلرائیسز کا نام ہے اور اُلٹے رُخ پر کھروشٹھی رسم خط میں ایزیس کا۔

---

[1] ملاحظہ ہو ایس کونو "کارپس انسکرپشنم انڈیکارم"، دوسرا، تمہید، سینٹیز ۳، صفحہ ۴۹

[2] ریپسن کہتا ہے وونونیز کو "مشرقی ایران کی ریاستیں شہنشاہ مانتی تھیں"۔ اس کی حکومت یتھمر ڈیمیٹریز دوم کے عہد کے بعد عروج پر پہنچی (کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد ایک صفحہ ۵۶۲، صفحہ ۵۶۳)

کرلیا۔ اُن میں سے ایک پاکواپنز نامی مغربی پنجاب اور جنوبی افغانستان پر قابض تھا لیکن کشنوں کے حملے نے اس خاندان کی رہی سہی طاقت کا خاتمہ کر دیا۔

فصل (۳)

کُشن [1]

یوچی نقل و حرکت

دوسری صدی ق۔م کے چوتھے دہے کے قریب (عام طور پر اس کا سن ۱۶۵ ق۔م تسلیم کرلیا گیا ہے)، ایک ترکی خانہ بدوش قبیلہ ہیونگ نو نے اپنے پڑوسی قبیلہ یوچی پر جو شمالی مغربی چین کے کنسو کے علاقہ میں آباد تھا فیصلہ کن فتح حاصل کی اور انھیں اُن کے سبزہ زاروں سے نکال باہر کیا، یوچیوں نے جب مغرب کی جانب ہجرت کی تو اثنائے راہ میں دریائے اِلی کی وادی میں پہنچ کر اُن کا مقابلہ ایک قبیلہ وُوسُن سے ہوا جس میں آخر الذکر قبیلہ کا سردار نین ٹیا وُمی اپنے ملک کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا۔ یہاں یوچی دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک گروہ جس نے جنوب کا رُخ کیا۔ تبت کی سرحد پر جا کر

---

[1] ملاحظہ ہو ونسنٹ اسمتھ "ہندوستانی تاریخ کا کشن یا ہندی سیتھی عہد" (جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۹۰۳، ص۱، ص۴۲)؛ آر۔ ڈی۔ بنرجی، انڈین اینٹی کویٹری، سنیتیس[۳] (۱۹۰۸)، ص۲۵ حاشیہ ۱۶ اسٹن کونو، کارپس انسکرپشنم انڈکارم دوم، تمہید، اٹھ پچاس، صبیاسی۔ نام کی عام شکل تو کُشن ہے لیکن کہیں کہیں کُشا ن بھی کہا گیا ہے۔ ڈاکٹر ایف۔ ڈبلو۔ ٹامس نے کشن کے لفظ کو "خاندانی لقب سے تعبیر کیا ہے (جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۹۰۶، ص۲۰۳) سن ۱۲۲ کے پنج تر کے کتبے میں گُشن ایک مہارائے کے نام کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ (کارپس انسکرپشنم انڈکارم، دو نمبر چھبیس[۲۶]، ص۷) اسی طرح ٹکسیلا کے چاندی والے کتبہ میں جس پر سن ۱۳۶ پڑا ہے۔ (ایضاً، نمبر ستائیس[۲۷]، ص۷۷) کشن ایک شہنشاہ کے نام کے لیے غالباً گدنیس اول یا ویما کدفیس کے لیے استعمال ہوا ہے (مقابلہ کریں "عظیم بادشاہ، شہنشاہ خدا کا بیٹا کشان" وغیرہ اصطلاحوں سے)

آباد ہوگیا اور "چھوٹا یوہچی" (سیاؤ یوہچی) کہلایا۔ بڑا گروہ (ٹا یوہچی) اور آگے بڑھا یہاں تک کہ اس کی مڈبھیڑ شکوں سے ہوئی جنھیں اس نے، جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں دیکھ آئے ہیں، جیکسارٹیز کے شمالی علاقے سے نکال دیا۔ لیکن یوہچی اپنے اس چھینے ہوئے علاقہ میں زیادہ دنوں نہ رہ سکے کیوں کہ وؤسُن قبیلہ کے مقتول سردار کے لڑکے کوین مُو نے ۱۴۰ ق۔م کے قریب ہونگ نو، قبیلہ کی مدد سے انھیں وہاں سے بے دخل کردیا، اس کے بعد یوہچی ایک خوشحال اور پرامن قبیلہ کو شکست دے کر جسے چینی تا ہیا (باختری) کہتے تھے، وادیٔ سیحون کی طرف بڑھے اور رفتہ رفتہ باختر اور سوگ ڈآنا میں آباد ہوگئے۔ پہلی صدی ق۔م کے آغاز تک وہ اپنی خانہ بدوش زندگی کی تمام عادات ترک کرچکے تھے۔

پانچ ریاستیں

اس کے بعد یوہچی پانچ ریاستوں میں تقسیم ہوگئے۔ ہیومی، چُوانگ مؤ، کوی چو آنگ، ہی تُھن اور کاؤفو۔ اس تقسیم کے لگ بھگ سو سال بعد ان میں سے کوی چوآنگ (کشن) کے یبُ گھو یا یوگ (جبگو) قبیلے نے باقی چار قبیلوں کو شکست دے دی اور سب کے سب اسی قبیلے کے ماتحت متحد ہوگئے اور کیوتُ سیوکیو نام کی بادشاہت قائم کی۔

کجُول کدفسیز

اس کے بادشاہ (دوانگ) کو سکوں والے کجُول کدفسیز کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔ سکوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وادیٔ کابل میں یونانی طاقت رفتہ رفتہ بالکل معدوم ہوگئی، کیوں کہ بعض سکوں پر کھروشٹھی میں کجُول کس نام مندرج ہے اور بعض پر یونانی میں ہرمیس کے ساتھ کوزو، کدفیسُ کا نام بھی آتا ہے۔ بعض ایسے سکے ہیں جن پر یونانی نام سرے سے ہے ہی نہیں۔ اس لیے یہ بات بالکل قرین عقل ہے کہ شروع میں دونوں بادشاہ غالباً بڑھتی ہوئی پہلو طاقت کا مقابلہ کرنے کی غرض سے متحدہ حکومت کرتے رہے اور بعدازاں وادیٔ کابل میں یونانی اثر بالکل زائل

ہوگیا اور کشنوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ کجوُل کدفیسز نے پارتھیا پر حملہ کیا، کپین (غالباً گندھار) اور جنوبی افغانستان فتح کرلیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے یہ فتوحات اپنے عہدِ حکومت کے آخری زمانے میں گونڈو فرنیز کے انتقال کے بعد حاصل کیں جو تختِ باہی کتبہ کے مطابق ۴۵ء میں پشاور میں حکومت کر رہا تھا۔ چینی مصنفین لکھتے ہیں کہ کجوُل کدفیسس نے اسی سال کی عمر پائی۔ اس جہت سے اس کا سال وفات ہم پہلی صدی عیسوی کے ربع سوم میں قائم کر سکتے ہیں۔

ویم کدفیسز

چینی مورخین سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ کجوُل کدفیسز کے بعد اس کا لڑکا ین کاؤ چنُ تخت نشین ہوا جسے سکوں والے "اُومی اَم کوہِتِھس شاہِ اعظم" یا اُویمُو یا دیمُ یا ویم کدفیسز کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔[1] ہندوستان فتح کرنے کا سہرا اسی کے سر ہے (ٹی اِنڈ چو)۔ ہوسکتا ہے یہ بات حرف بہ حرف درست نہ ہو، لیکن اس کے دور و دراز علاقوں میں بکھرے ہوئے سکے، نیز پُر شکوہ القاب جیسے "شاہ اعظم، شہنشاہ مخدوم عوام ..." ظاہر کرتے ہیں کہ اس کی حکومت سندھ کے مشرق میں پنجاب تک پھیلی ہوئی تھی اور ہو سکتا ہے اس میں اُتر پردیش بھی شامل ہو۔ ہندوستانی مقبوضات پر وہ ایک نائب السلطنت کے ذریعہ حکومت کرتا تھا۔ تانبے کے بے شمار سکے جو کسی گمنام بادشاہ کے جاری کردہ کہے جاتے ہیں اسی سے منسوب کیے جاتے ہیں۔ یہ سکے شمالی ہندوستان کے مختلف حصوں میں عمومیت کے ساتھ پائے گئے ہیں۔ آخری بات یہ ہے کہ ماہیشوَر کے لقب سے، نیز سکوں پر نندی اور اُلٹے رُخ پر شیو کی مورتی

---

[1] اسے مہارائے کشن کے مماثل بھی بتایا گیا ہے، جیسا کہ سن ۱۲۲ کے پنج تر کتبے میں مندرج ہے (کارپس انسکرپشنم انڈکارم، دو، نمبر چوبیس[2]، صک۲۷، صنے)۔ اس کے برخلاف سر جان مارشل نے اسے ورتکھت کے ساتھ کدفیس اول کے مماثل بتایا ہے (جرنیل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۹۱۴، صک۹۷) اُوم کوتھس یا ویم کدفیس، بشرطیکہ ہم نے ٹھیک پڑھا ہو، بہر حال خلت مٹے کے سن ۱۸۴(؟)، یا ۱۸۷(؟)، کے کتبہ میں بھی آتا ہے (کارپس انسکرپشنم انڈکارم، دو، نمبر انتیس[2]، صک۹ صلا۸۱

سے ظاہر ہوتا ہے کہ ویم کدفیسز غالباً ہندو دیوتا شیو کا معتقد تھا۔ اس پر تبصرہ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ کشن کتنے جلد ہندو سماج میں ضم ہو گئے۔

کنشک۔ اس کی تاریخ

ہندوستان کے کشن بادشاہوں میں سب سے زیادہ نمایاں شخصیت کنشک کی ہے۔ وہ ایک عظیم فاتح اور بدھ مت کا سرپرست تھا۔ اس میں چندر گپت موریہ کی فوجی صلاحیت اور اشوک کے مذہبی جوش کا امتزاج پایا جاتا تھا۔ کنشک کے بارے میں ہماری معلومات بہرحال بہت ناقص ہے اور اس کے عہد کی ترتیب وار تاریخ بدقسمتی سے اب تک ہمارے لیے ایک معمہ بنی ہوئی ہے یہ ٹھیک نہیں کہا جا سکتا کہ ویم کدفیسز سے اس کا کیا رشتہ تھا اور حالانکہ دونوں فرماں رواؤں کے درمیان مختصر سے تفاوت کو قطعاً نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، پھر بھی ان کا تاریخی تسلسل یقینی امر ہے[1] کنشک اور ویم کدفیسز دونوں کے سکے کئی جگہ ایک ساتھ پائے گئے ہیں۔ مثلاً بنارس میں، گوپال پور ضلع گورکھپور کے استوپ میں اور کابل کے قریب بیگ رام میں۔ اُن میں سے اکثر میں دونوں پر وہی چو شاخہ نشان کندہ ہے، وزن اور نفاست میں دونوں بالکل یکساں ہیں، اس کے علاوہ دونوں کے اُلٹے رُخ کی وضع قطع میں بڑی قریبی مماثلت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ مسکوکاتی شہادت نیز ٹکسیلا کے طبقاتی باقیات ظاہر کرتے ہیں کہ کنشک اور ویم کدفیسز کے زمانوں میں زیادہ فرق نہیں تھا اور یہ واقعہ ہے کہ ویم کدفیسز کے بعد کنشک ہی تخت نشین ہوا، کنشک کی تاجپوشی کا واقعہ کس سن میں پیش آیا اس سلسلہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے پاس دو سن ہیں ۷۸ اور ۱۲۵ء ان دو میں سے ہمیں ایک کا انتخاب کرنا ہے۔ اگرچہ اِن دو کے علاوہ اور خلاف قیاس سنیں مثلاً فلیٹ نے ۵۸ ق۔م۔ آر۔ سی۔ مجمدار نے ۲۴۸ء اور آر۔ جی

---

[1] بہرحال فلیٹ کی رائے ہے کہ دونوں کدفیس، کنشک اور اس کے فوراً بعد کے جانشینوں کے بعد ہوئے (جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۰۳، ۱۹۰۵، ۱۹۱۳)۔ یہی رائے کینیڈی اور آٹو فرینکے نے ظاہر کی ہے۔

بھنڈارکر نے ۲۷۸ء تجویز کیے ہیں لیکن بجائے اس کہ ہم اس مقام پر ان پیچیدہ اور طویل مباحث کی تفصیلات میں الجھیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس نظریے کو تسلیم کرلیں کہ کنشک اس سمبت کا بانی تھا جو ۷۸ء سے شروع ہوا۔[1] اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس نے ایک سمبت کی ابتدا کی، کیونکہ اس کے جانشینوں نے بھی اسی سمبت کو جاری رکھا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ شمالی ہند میں ہم کسی ایسے سمبت کا علم نہیں رکھتے جس کی ابتدا دوسری صدی عیسوی کے ربع اول کے آخر میں ہوئی ہو، یعنی وہ تاریخ جو کنشک کی تاجپوشی کے سال کی عام طور پر تجویز کی گئی ہے۔[2] اس کے علاوہ اگر کجول کدفیسز کا انتقال پہلی صدی عیسوی کے ربع سوم کے درمیان میں ہوا تو کنشک کو اس تاریخ سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ وِیم کدفیسز نے جو اسی سال بعد برسراقتدار آیا ضرور بہت تھوڑے عرصے حکومت کی۔

فتوحات

کنشک ایک بڑا رعب و دبدبہ والا جنگ آزمودہ سپاہی تھا اور میدان جنگ میں اُسے بہت سی کامیابیاں نصیب ہوئی تھیں۔ اس نے کشمیر کش سلطنت میں شامل کرلیا۔ یہ دلفریب وادی اسے بے حد پسند تھی۔ چینی اور تبتی کتابوں میں جو روایات آج تک محفوظ ہیں اگر اُن کا ذرا بھی اعتبار کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ کنشک کی فوجیں ساکیت اور مگدھ تک پہنچ گئی تھیں جہاں سے وہ اپنے ساتھ مشہور و معروف بدھ بھکشو کو لایا جس کا نام آشو گھوش تھا۔ کنشک نے پارتھی بادشاہ کے حملہ کو بڑی کامیابی کے ساتھ دفع کیا۔ لیکن چینیوں سے اس کی زبردست ٹکریں ہوئیں۔ جن کے نتیجہ میں کاشغر، یارقند اور ختن اس کے ہاتھ آئے۔ سن ۷۳ء میں پہلے ہانُ خاندان

---

[1] ''چونکہ مغربی ہندوستان کے شک راجاؤں نے ایک طویل عرصے تک اس سمبت کو استعمال کیا'' اس لیے بعد میں اس نظام سنوات کو شک سمبت سے تعبیر کیا گیا۔

[2] کنشک کے سن پر بحث کے لیے ملاحظہ ہو جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۲، ۱۹۱۳، ۱۹۱۴ء۔ نیز انڈین ہسٹری کوارٹرلی، جلد پانچ (۱۹۲۹)۔ صفحہ ۴۹۔ صفحہ ۸

کے زوال کے وقت تک چینی طاقت وسط ایشیا میں بالکل ختم ہو چکی تھی لیکن نصف صدی بعد چینیوں نے اپنا کھویا ہوا اقتدار پھر سے حاصل کرنے کی کوشش کی اور پان چاؤ نامی سپہ سالار کی ماتحتی میں استقلال کے ساتھ مغرب کی جانب بڑھنا شروع کیا، کشن بادشاہ کے لیے یہ بات تشویشناک تھی۔ چنانچہ چینی شہنشاہ سے برابری جتانے کے لیے اس نے ایک چینی شہزادی کو شادی کا پیغام دیا اور دیوپتر (خدا کا بیٹا) لقب اختیار کر لیا۔ پان چاؤ نے شادی کے اس پیغام کو اپنے بادشاہ کے لیے باعث ہتک سمجھا اور کشن سفیر کو قید کر لیا۔ اس کے بعد کنشک نے اس کا مقابلہ کرنے کی غرض سے پامیر کو پار کیا۔ اس مقابلہ میں اُسے شکست ہو گئی، اس لیے اس نے چینی شہنشاہ کو خراج دینے کا وعدہ کرکے صلح کر لی۔ لیکن چند سال بعد ہی کنشک نے پامیر کے اُس پار ایک اور مہم کی قیادت کی۔ اس بار پان ینگ کے مقابلہ میں جو پان چاؤ کا بیٹا تھا اُسے فتح نصیب ہوئی، کشن حکمراں نے اس طرح اپنی سابقہ شکست کی تلافی کر لی اور چین کی ایک باجگذار ریاست کو یرغمال دینے پر مجبور کر دیا۔

یرغمال

یہ خیال بے بنیاد معلوم ہوتا ہے کہ ہان شہنشاہ نے یرغمال کے طور پر اپنے بیٹے کو بھیجا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اُن لوگوں کی جو بطور یرغمال یہاں آئے تھے کافی خاطر مدارات کی گئی اور ان کے قیام و طعام کے لیے معقول انتظامات کیے گئے تھے ان کی جائے قیام موسموں کے لحاظ سے بدلتی رہتی تھی۔ کچھ عرصے انھیں کپشا (کافرستان) کی شی لوک خانقاہ میں رکھا جاتا تھا، کبھی گندھار میں اور کبھی مشرقی پنجاب میں چین بھکتی کے مقام پر۔ کہتے ہیں کہ آڑو اور ناسپاتی کو یہاں انھوں نے ہی رواج دیا۔ کپشا کی خانقاہ میں ان کی یادگار کو یوآن چوانگ کے وقت تک برقرار رکھا گیا۔ یوان چوانگ کا سوانح نگار ہوئی لی کہتا ہے کہ انھوں نے شی لوک خانقاہ کی مرمت اور کفالت کے لیے زرِ کثیر دیا تھا۔ یہ خزانہ ویش رَوَن "عالی حوصلہ بادشاہ" کی مورتی کے قدموں کے نیچے دفن کر دیا گیا تھا۔ ایک مرتبہ کسی مریض بادشاہ نے اس خزانے کو نکالنے کی کوشش کی، لیکن بدشگونی کے خوف سے وہ اپنا ارادہ پورا نہ کر سکا۔ بعض کا دعویٰ ہے کہ یوآن چوانگ بہرحال "محافظ روح" کو راضی کرنے کے بعد اس ارادہ میں کامیاب ہو گیا، اور جواہرات کا کچھ حصہ اور سونا

وِہار کی مرمت پر صَرف کر دیا گیا۔ باقی ماندہ خزانہ آئندہ اخراجات کے لیے وہیں چھوڑ دیا گیا[1]

کنشک کے حدودِ سلطنت

کنشک نے ایک وسیع وعریض سلطنت پر حکمرانی کی۔ ہندوستان سے باہر اس کی سلطنت میں افغانستان، باختر، کاشغر، ختن اور یارقند شامل تھے۔ ہندوستان سے باہر اس کی سلطنت کے حدود کا قطعیت کے ساتھ تعین کرنا ذرا مشکل ہے۔ کنشک کے عہدِ حکومت کے کتبے پشاور، مانک یال (راولپنڈی کے قریب[2])، سوئی وہار (ریاست بھاولپور[3])، زیدا (اٹک کے قریب) متھرا، سراوستی کوسمبی، اور سارناتھ میں دستیاب ہوئے ہیں؛ اور اس کے سکّے بہار اور بنگال کو شامل کر کے تمام شمالی ہندوستان میں پائے گئے ہیں چنانچہ ان تمام مقاماتِ دریافت سے، نیز فتوحات کی روایات سے، ظاہر ہوتا ہے کہ کنشک کے ہندوستانی مقبوضات میں پنجاب، کشمیر، سندھ، اتر پردیش، اور شاید اس سے بھی آگے مشرق اور جنوب کے علاقے شامل تھے۔

اس کا دارالسلطنت

ان تمام دور و دراز مقبوضات کا دار السلطنت پُروش پور یا پشاور تھا۔ یہاں سے اُس شاہراہ پر اس کا قابو تھا جو افغانستان سے سندھ کے میدانوں تک جاتی تھی اور اور اس وجہ سے اس کی اہمیت فوجی نقطۂ نظر سے بھی بہت زیادہ تھی

اُس کے شترپ

کنشک کے انتظام حکومت کے بارے میں ہماری معلومات بہت کم ہے۔ البتہ کتبہ

---

[1] لائف، ص۹۶۔ ص۹۵؛ ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن، ص۲۸۲۔ [2] موازنہ کریں مہاراجہ کیشک (کنشک) کے دورِ حکومت کے مانک یال کتبے مورخہ سن ۱۸ سے کارپس انسکرپشنم انڈکارم، ج۲، حصہ اوّل نمبر چھتر ۷۶، ص۱۴۵، ص۱۵۰، [3] موازنہ کریں۔ مہاراجہ راجہ دیو پتر کنشک کے دورِ حکومت کے سوئی وہار کتبے مورخہ سن ۱۱ سے، (ایضاً نمبر چھتر ۷۶، ص۱۳۸، ص۱۴۱)

سارناتھ مورخہ سن ۳ یا ۸۱ ء [1] سے ہمیں اس کے صوبائی انتظام کی ایک جھلک ضرور دکھائی دیتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کھار پلاّن غالباً متھرا کا مہاکشترپ تھا اور وَنَسپَر بنارس میں شترپ کی حیثیت سے مشرقی علاقے کا حاکم تھا۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ مملکت کے دوسرے علاقوں میں بھی حکومت کا نظام اسی نمونہ کا تھا اور اس قیاس میں کافی معقولیت معلوم ہوتی ہے۔

کنشک کے رفاہ عام کے کام

اشوک کی طرح کنشک بھی فن معماری کا عظیم سرپرست تھا اور کئی استوپوں اور شہروں کی تعمیر اس سے منسوب ہے۔ اس نے اپنے دارالسلطنت میں بُدھا کے تبرکات محفوظ کرنے کے لیے ایک خانقاہ اور لکڑی کا ایک مینار تعمیر کرایا۔ [2] کچھ سال ہوئے پشاور میں زمین کے اندر سے ہڈیوں کے کچھ باقیات ایک صندوقچی میں رکھے ہوئے برآمد ہوئے ہیں اس پر جو کتبہ [3] ہے اس سے یہ دلچسپ معلومات فراہم ہوئی ہے کہ استوپ ایک یونانی معمار اگی شلَ یا اگیسیَ لاؤس کی نگرانی میں تعمیر ہوا تھا۔ کنشک نے ٹکسیلا کے قریب ایک شہر بھی آباد کیا تھا [4] کانس پور (کنشکپور) کی بنیاد بھی اسی کی مرہون منت ہے جس کا ذکر راج ترنگنی میں آیا ہے [5]

---

[1] کچھ عرصے پہلے خیال تھا کہ یہ کنشک کا سب سے پہلا کتبہ ہے۔ لیکن چند سال ہوئے ایک اور کتبہ، جو اس کے عہد حکومت کے دوسرے سال کا ہے، غالباً کوسمبی سے دریافت ہوا ہے۔ اب اسے الہ آباد کے میوزیم میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ [2] چینی زائر سنگ یُن نے "کانی شی کا" یعنی کنشک کے پگوڈا (مخروطی شکل کا معقد) (چیتھاؤ) کا ذکر کیا ہے۔ (بیل، صلک سوتین۔ ایک سو چار، نیز دیکھیں فاہیان کی خو کوڈ کی"، باب بارہ، بیل، تیئیس اور یوان چوانگ کی سی یو کیُ، کتاب دوسری، بیل، پہلا، ص۹۹، ویٹرس، پہلا، ص۲۰۴ برائے استوپ مد کی۔ بی۔ کیا" یا "کیا۔ نی رسی۔ کیا (کنشک) البیرونی نے بھی لکھا ہے کہ پُروشا ور کا دہار کنشک نے بنوایا تھا۔ اسی کے نام پر وہ کنِک چیتیہ کہلایا (ذخاؤ" مترجمہ، جلد ۲، ص۱۱) [3] ملاحظہ ہو اسٹن کونو کا پرسس انسکرپشنم انڈکارم، دوسرا، حصہ اول، نمبر بہتر ۲، ص۱۳۷ [4] اس کے کھنڈر سیر سکھ میں ملے ہیں۔ [5] بعض عالموں کا خیال ہے کہ اس کی بنیاد ایک دوسرے کنشک نے رکھی جس کا ذکر آرا کے کتبہ میں آیا ہے (دیکھیں آئندہ سطور)

کنشک کا مذہب

سکوں سے کنشک کے مذہبی عقائد کے بارے میں کوئی واضح شہادت دستیاب نہیں ہوتی۔ اگر کوئی بات ثابت ہوتی ہے تو یہ کہ اُس کے عقائد میں رواداری[1] اور خیالات میں ایرانی' متھرائی[2] زرتشتی اور ہندو دیوتاؤں کے احترام کا خوشگوار امتزاج پایا جاتا تھا۔ اتفاق سے یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اُن تمام سکوں پر سبھی حروف یونانی حروف میں کندہ ہیں اور ہیراکلیز' سیراپس' سورج اور چاند کے یونانی نام۔ ہیلیوز اور سلینی؛ میائرو (سورج) اتھرو (آگ) نناٹید' شیو وغیرہ کی شبیہیں نقش ہیں۔ بعض سکوں پر جن کی تعداد بہت کم ہے، بُدھا (بوڈڈو) کی شبیہ ملتی ہے جس میں انہیں ہندوستانی انداز میں بیٹھے ہوئے یا یونانی لباس میں کھڑے ہوئے پیش کیا گیا ہے۔ اس کے برخلاف، بدھ مصنفین کا دعویٰ ہے کہ کنشک بدھ مذہب کا پیرو تھا۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ دورِ گمراہی میں کنشک بھی اشوک کی طرح ظالم و بداعمال تھا اور تعیش کی زندگی گزارتا تھا نیز یہ کہ اس نے اپنے سابقہ گناہوں سے توبہ کی غرض سے شاکیہ مُنی کا مذہب قبول کیا تھا۔ ان کہانیوں کا اصل مقصد ظاہر ہے بدھ مذہب کے لطیف اثرات کو اجاگر کرنا تھا جس میں ادنیٰ دھات کو چمکتے ہوئے سونے میں تبدیل کرنے کی صلاحیت پائی جاتی تھی۔ لیکن یہ دلیل اس حقیقت سے انکار کے لیے کافی نہیں ہے کہ کنشک نے بدھ مذہب اختیار کرلیا تھا۔ بُدھا کے تبرکات کو محفوظ کرنے کے لیے استوپ تعمیر کرنا اور بدھ مذہب کا ایک عظیم الشان اجتماع منعقد کرنا بہرحال ہماری اسی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

بدھ مذہب کا اجتماع

کنشک کا دَورِ حکومت بدھ مذہب کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیوں کہ ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کنشک دینی مسائل میں الجھا تو اس نے اپنے گرد

---

[1] یا، کیا ہم یہ نتیجہ نکالیں کہ سکوں پر ان دیوتاؤں کے نام یہ ظاہر کرتے ہیں کہ کنشک کی وسیع سلطنت میں مختلف مذہبوں کے ماننے والے پائے جاتے تھے۔

[2] آفتاب پرست۔ قدیم یونانی فرقہ جس کے پیرو سورج کے دیوتا کی پرستش کرتے تھے (مترجم)

پارشں وِک یا پارشو کی اجازت سے ایک اجتماع (مہاسنگھ) اختلافی مسائل طے کرنے کے لیے منعقد کیا۔ جس میں سروستی وادنی مدرسہ فکر کے ۵۰۰ بھکشوؤں کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ یہ اجتماع کشمیر کی دلفریب وادی میں کُنڈل بن کے مقام پر منعقد ہوا۔ اس جلسہ کی تمام کارروائی اور بحث واستدلال واسومتر کی رہنمائی میں ہوا۔ ان کی عدم موجودگی میں صدارت کے فرائض آشو گھوش نے انجام دیئے۔ ان کی کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ وبھاشا شاستر اور بدھ شریعت کی دوسری جامع تفسیریں مرتب ہو گئیں جنھیں "تانبے کی سرخ چادروں" پر کندہ کرایا گیا اور اس کے بعد انھیں سربمہر کر کے ایک استوپ میں محفوظ کر دیا گیا۔ کون جانتا ہے کہ یہ بیش بہا دستاویزات اب بھی وہاں دفن ہوں اور ایک دن آئے کہ کسی خوش نصیب مزدور کا کدال انھیں تاریکی سے روشنی میں لے آئے؟

مہایان کا عروج

کنشک کے سکوں پر دوسرے دیوتاؤں کی طرح بدھا کی شبیہہ کا آنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ بدھ مت اپنے ابتدائی موقف سے دور ہٹ گیا تھا۔ ابتدائی دور کے بدھ مذہب والے اپنے پیشوائے دین کو محض ایک بشر اور زندگی کے سفر میں ایک رہبر سمجھتے تھے۔ اب بدھا نے دیوتا کا بلند وبالا مقام حاصل کر لیا۔ عقیدت مند اپنے عجز و نیاز کے ذریعہ انہیں بہ آسانی حاصل کر سکتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بدھا سے عقیدت ذریعۂ نجات بن گئی۔ یہ واقعہ ہے کہ لوگ تناسخ کے جنجال سے چھٹکارا پانے کے پرانے عقیدے پر بھی قائم رہے لیکن اسی کے ساتھ یہ تصور بھی ابھرنے لگا کہ دنیا کو مصائب سے نجات دلانے کے نئے انسان کو بدھا بننے یا کم از کم بدھا کے درجہ تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ مذہبی رسوم میں طوالت آگئی کیونکہ اس سے عوامی ذوق کی تسکین ہوتی تھی۔ یہ بدلا ہوا مذہب مہایان "بڑی سواری" کہلایا اس کے برخلاف پرانی تعلیمات کا نام ہینَ یانَ یا "چھوٹی سواری" پڑ گیا۔ یہ بات قرین عقل ہے حالانکہ کوئی محکم شہادت ہمارے پاس نہیں ہے کہ مہایان

لہ موازنہ کریں۔ یوآن چوانگ کی ٹسی۔ یو۔ کی "سے (بیل پہلا، صفحہ ۱۵۱۔ ۱۵۵؛ واٹرس، پہلا صفحہ ۲۷۰۔ صفحہ ۲۷۸)۔ ایک دوسرے چینی بیان کے مطابق یہ اجتماع گندھار میں منعقد ہوا۔ اور ایک عالم نے جالندھر تجویز کیا ہے۔ بہرحال اس اجتماع کا حال صرف شمالی ہند کی روایات سے معلوم ہوا ہے۔ لنکا کی تاریخیں اس کا کوئی ذکر نہیں کرتیں۔

فرقہ کنشک کے وقت سے بہت پہلے وجود میں آ گیا تھا۔ اس کے وجود میں آنے کا سبب ہو سکتا ہے یہ ہو کہ "بدھ مذہب میں بھکتی کے اثرات سرایت کرنے لگے" یا یہ ہو کہ بدھ مذہب عوام میں زیادہ مقبول ہوا اور عوام ہینؔ یان کی خشک مثالیت کے مقابلہ میں مذہبی آزاد خیالی کو ترجیح دیتے تھے نیز یہ کہ ہینؔ یان اُن کے اندر عقیدت کا شعلہ بھڑکانے کے لیے ناکافی تھا۔ اس کے علاوہ عین ممکن ہے کہ ہندوستان کے سماج میں غیر ملکی نسلی عناصر کے شامل ہونے اور اُن کی تہذیبوں کے ایک دوسرے پر اثر انداز ہونے کے عمل نے اس نئے فرقہ کی رفتارِ ترقی کو تیز کر دیا ہو۔

گندھارفن

اس نئے مدرسۂ فکر نے فن کے ایک خاص اُسلوب کو جنم دیا۔ بدھ سنگتراشی کے قدیم ترین نمونوں میں، جیساکہ سانچی اور بھاروت کے باقیات سے ظاہر ہوتا ہے، بدھا کی زندگی سے تعلق رکھنے والی جاتک اور دوسری کہانیوں کے مناظر پیش کیے گئے ہیں لیکن بدھا کا مجسمہ کبھی نہیں بنایا گیا، اُن کی موجودگی کو صرف علامات و نشانات سے ظاہر کیا جاتا تھا۔ جیسے نشانات قدم، بودھی درخت، بیٹھنے کی خالی جگہ، یا چھتری۔ لیکن اس کے بعد سنگتراش کی چہیتی کا محبوب موضوع خود بُدّھا بن گئے۔ چونکہ یہ نمونے زیادہ تر گندھارا میں پائے گئے ہیں جس کا صدر مقام پُرش پور تھا اس لیے اس علاقہ کے نام پر یہ "گندھار مکتبۂ فن" کہلایا اور چونکہ جدید بدھ مت سے متعلق موضوعات میں یونانی روش اور ٹکنیک سے کام لیا گیا ہے اس لیے بعض اوقات اس پر یونانی بدھی یا "ہند یونانی" کی چھاپ بھی لگائی گئی ہے۔ چنانچہ لباس میں خاص طور پر یونانی طرز کی تقلید کی گئی ہے اور بدّھا کو پیش کرنے میں فن کاروں نے اس قدر آزادی دکھائی ہے کہ اُن کی مورتیاں بہت کچھ اپالوُ سے مشابہ ہو گئی ہیں۔ بعد ازاں اس عظیم معلم کے چہرہ کا ایک معیار قائم کر لیا گیا اور پھر ہر جگہ اسی کی تقلید ہونے لگی، گندھار سنگتراشی میں گپت عہد والی نفاست اور شان تو نہیں ہے، لیکن وہ کیف وجذب سے یکسر خالی نہیں ہے۔ یہ بات بہرحال بحث طلب ہے کہ متھرا اور امراوتی کا فن گندھار مکتبۂ فن سے کس حد تک متاثر ہوا۔

کنشک کا دربار

روایات بتاتی ہیں کہ بڑے بڑے عالم، دانش ور اور بدھ رہنما مثلاً پارشو، واسومتر

آشو گھوش، ناگارجن، چرک، ماٹری چیٹ وغیرہ کنشک کے دربار کی رونق تھے۔ یہ سب قصے اسی قسم کے ہیں جیسے وکرما دیتہ کے بارے میں بیان کیے جاتے ہیں ان ناموں میں سے پہلے تین ناموں کا ذکر ضرور کنشک کے بدھ اجتماع کے سلسلہ میں آتا ہے، لیکن باقی لوگوں کا کنشک کا معاصر ہونا مشتبہ ہے۔

کنشک کی موت

کنشک کی موت شمالی ہند کے کسی مقام پر اپنی ہی رعایا کے ہاتھوں جو اس کی مسلسل اور پیہم مہموں سے تنگ آ گئی تھی، بڑے تشدد آمیز حالات میں واقع ہوئی[1] اس نے ۲۳ سال حکومت کی، لیکن اگر وہ آرا کے کتبہ والے کنشک کے مماثل ہے[2] تو آخری تاریخ جو ہمیں اس کے بارے میں معلوم ہے وہ سن ۴۱ ہے۔ کنشک کی ایک بے سر کی مورتی جو متھرا کے ضلع میں ماٹ نامی مقام سے دریافت ہوئی ہے، ایک غیر فانی یادگار ہے۔

واسشک

کنشک کے جانشینوں کے بارے میں ہماری معلومات بہت ناکافی ہے — دو کتبوں سے جو متھرا اور سانچی سے ملے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ واسشک بہرحال انھیں علاقوں پر سن ۲۴ اور ۲۸ میں حکومت کرتا تھا۔ اب تک اس کا کوئی سکہ دستیاب نہیں ہوا اور شاید اس نے کوئی سکہ جاری بھی نہیں کیا۔

ہوشک

اُس سن کے حساب سے جس کا بانی کنشک تھا ہوشک کے عہد کا سلسلہ، سن ۳۱ سے ۶۰

---

[1] انڈین اینٹی کویئریز، جلد بتیس[32]، ۱۹۰۳؛ ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن، صفحہ ۲۸۵۔ صفحہ ۲۸۶،
[2] ملاحظہ ہو اسٹن کونو، کارپس انسکرپشنم انڈیکارم، دوسرا، حصہ اول، نمبر پچاسی[85]، صفحہ ۱۲۶۔ صفحہ ۱۶۵۔ اس سے موازنہ کریں "مہاراجس راجتراجس دیوپترس (کا) ای (سا) رس وجھیشک پترس کنشکس سمبت سرے (ا ئی) (شا) ای سم ۲۰ ۱۲۰ ......" یعنی مہاراجہ راجتراجہ، دیوپتر، کیسر کنشک ولد واجھیشک کے عہد حکومت کے اکتالیسویں سال میں"

تک پھیلا ہوا ہے۔ بعض عالموں کی رائے کہ کنشک راج گدی پر واسشک اور ہوشک کے بعد بیٹھا، لیکن یہ رائے مشتبہ ہے، کیونکہ ایک کتبہ میں جو آرا ضلع پشاور سے دستیاب ہوا ہے[1] ایک کنشک ابن واجھیشک کا ذکر ہے جس کی حکومت سن ۴۱ میں پورے عروج پر تھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ کون شخصیت ہے؟ یہ دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو وہ کنشک سے مختلف تھا، یا مماثل، اگر اول الذکر مفروضہ کو صحیح مانا جائے تو وہ یقیناً ہوشک کا معاصر خود مختار راجہ تھا، یا اغلب یہ ہے کہ اس کا نائب السلطنت تھا۔ اس کے برخلاف اگر دونوں کنشک مماثل تھے تو ہمیں یہ فرض کرنا پڑے گا کہ واسشک اور ہوشک دونوں شروع میں کنشک اعظم کے نائب السلطنت تھے، دوسرے یہ کہ واسشک اُس سے پہلے فوت ہوا، تیسرے یہ کہ ہوشک باقاعدہ راجہ سن ۴۱ کے بعد ہوا۔ ان میں جو نظریہ بھی درست ہو ایک بات طے ہے کہ سکّے اور کتبے اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ ہوشک ایک طاقت ور راجہ تھا اور اس نے سلطنت کو بجنسہٖ باقی رکھا۔ اُسے کابل[2]، کشمیر، پنجاب، متھرا اور غالباً مشرقی اُتر پردیش کا فرماں روا تسلیم کیا جاتا تھا، لیکن یہ ثابت کرنے کے لیے کوئی شہادت ہمارے پاس موجود نہیں ہے کہ وادئ سندھ کا جنوبی علاقہ اور مشرقی مالوہ بھی کشن سلطنت میں شامل تھے۔ ہوشک کے سکّے بہت خوبصورت ہیں۔ راجہ کی شبیہیں اُن پر بہترین بنی ہوئی ہیں اور وہ بڑی کثیر تعداد میں جا بجا پائے گئے ہیں۔ اُن کے نمونے متنوع ہیں اور اُن پر ہراکلیز، سرآپس (سراپو) متھرا اور ماؤ، فرو، اسکندھ اور وشاکھ اور دوسرے دیوتاؤں کی نمائندگی کی گئی ہے۔ لیکن بدھا کا نام اور ان کی شبیہیں غائب ہیں۔ ہوشک بہرحال، بدھ مت سے بالکل بے تعلق نہیں تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے متھرا میں ایک خانقاہ اور مندر تعمیر کرایا۔ اس نے کشمیر میں ایک شہر کی بنیاد رکھی جسے جشک پور، یا ہوشک پور یا موجودہ ہشک پور یا اُسکور (زکور[3]) کہتے ہیں۔

---

[1] اسٹن کونو۔ کارپس انسکرپشنم انڈکارم، دوسرا، ص۱۶۲، ص۱۶۵ نمبر پچاسی ۸۵۔ ایپی گرافیہ انڈکا، سولہ ۱۶، ص۱۳، ص۱۴۵

[2] موازنہ کریں۔ وارڈک (خوات استوپ) کا پیتل کا ظرفی کتبہ جس پر سن ۵۱ مندرج ہے، ایضاً، نمبر چھیاسی ۸۶ ص۱۶۵، ص۱۷۰، ایپی گرافیہ انڈکا، گیارہ، ص۲۰۲، ص۲۱۹

[3] موازنہ کریں۔ راج ترنگنی، کتاب اول، پانچواں، ۱۶۹، ہوئی لی نے بھی ۱۱۱ اُس سے کیا لو ہشک پور کا حوالہ دیا ہے۔ لائف، ص۶۸

واسُودیو

ہوشک کی موت کی بالکل ٹھیک تاریخ غیر یقینی ہے، لیکن ایک کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کنشک کے جاری کردہ سمبت کے مطابق سن ۷۴ میں واسودیو (سکّوں والا بازدُیو) برسرِاقتدار تھا۔ ایک دوسری لوحی شہادت کے مطابق اس کے عہد کا آخری سن جس سے ہم واقف ہیں ۹۸ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے ۲۵ سے ۳۰ سال تک حکومت کرنے کا موقع ملا۔ اس کے کتبے صرف متھرا کے علاقے میں پائے گئے ہیں اور سکّے پنجاب اور اتر پردیش میں۔ اس لیے ہم بڑی آسانی سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ شمالی مغربی صوبے اور اُن کے ماورا علاقے جو پہلے کشن خاندان کے قبضہ میں تھے، واسُودیو کے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ اس کے سکوں کی قسموں اور تعداد میں کمی نشاندہی کرتی ہے کہ جس ریاست پر وہ حکومت کرتا تھا وہ کٹ چھٹ کر بہت چھوٹی سی رہ گئی تھی۔ ننا دیوی کی شبیہہ والے سکّے بہت کمیاب ہیں، اس کے برخلاف بہت سے ایسے ہیں جن کے الٹے رُخ پر نندی (بیل) کے ساتھ شیو کی شبیہہ بنی ہوئی ہے۔ ان آخرالذکر قسم کے سکوں سے ثابت ہوتا ہے کہ واسودیو شیومت کا پیرو تھا بہرنہج، اُس کا سنسکرت کا ہندو نام جو وشنو کے ہم معنی ہے ظاہر کرتا ہے کہ کشن خاندان برہمن اثرات سے مبرا و معرا نہیں تھا۔

کشن سلطنت کا زوال

کُشن خاندان کا زوال وَاسُودیو ہی کے زمانے میں شروع ہوگیا۔ جس سلطنت کو کنشک نے اپنی قابلیت سے پرورش کیا تھا اس کا شیرازہ بہت جلد بکھر گیا۔ اس کے حصے بخرے ہوگئے اور چھوٹے چھوٹے راجاؤں کے ماتحت چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہوگئیں۔ ان میں سے بعض راجاؤں کا نام واسُودیو تھا، یہ نام ہمیں سکّوں سے معلوم ہوئے ہیں جن پر عمودی شکل میں اُن کے ابتدائی حروف یا طغرے کندہ ہیں۔ ڈاکٹر ونسنٹ اسمتھ کی رائے ہے کہ تیسری صدی عیسوی کے اوائل میں "شمالی ہند کے کُشن سکوں کا فارسی روپ" ظاہر کرتا ہے کہ فارسی حملوں کے باعث کشن سلطنت کے زوال کی رفتار تیز تر ہوگئی۔ اُن میں سے ایک حملہ کا ذکر جو ساسانی بادشاہ نے کیا تھا۔ فرشتہ نے بھی کیا ہے[1] کشن سرداروں

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کی تباہی کا ایک خاص سبب یہ بھی ہوا کہ ناگ اور دوسرے دیسی خاندان اُبھرنے لگے جنھیں زیر کرکے نتیجہ میں گپت راجاؤں نے شمالی ہندوستان میں ایک زبردست سلطنت کی بنیاد رکھی۔ لیکن کُشن خاندان کی کیدار نامی شاخ نے جو ریاست دادیٔ کابل اور اس کے ملحقہ علاقہ میں قائم کرلی تھی اس کے نشانات ہونوں کے پانچویں صدی عیسوی میں شدید حملوں کے باوجود نویں صدی عیسوی تک باقی رہے

(۲) "تاریک" وقفہ

کُشن سلطنت کے منتشر ہونے کے بعد ہندوستان کی بیشتر تاریخ پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ اس تاریکی نے تاریخی واقعات کو ہماری نگاہوں سے اوجھل کر دیا لیکن گپت عہد میں پہنچ کر ہمیں روشنی پھر دکھائی دینے لگتی ہے۔ البتہ تیسری صدی عیسوی میں اور چوتھی صدی کے اوائل میں خاص خاص مناظر اور کرداروں کی جھلک ضرور دکھائی دیتی ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں ناگ قبیلہ یا اس کی بھارشیو نامی شاخ شمالی ہند پر اقتدار رکھتی تھی[۱] پرانوں کی شہادت کے مطابق اُن کی طاقت کے مرکز ودشا، پدماوتی (پدم پوایا)، کانتی پُری (کنتت، ضلع مرزاپور) اور متھرا وغیرہ تھے۔ قدیم ترین ناگ حکمراں ویرسین تھا جسنے متھرا میں ہندو راج ازسرنو قائم کیا۔ وہی متھرا جو کبھی پہلے کُشن خاندان کا ایک مضبوط مرکز تھا۔ ناگ قبیلہ کی بھارشیو شاخ کی طاقت اور اثرات کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب بھارشیو راجہ بھوناگ کی بیٹی کی شادی پرورسین واکاٹک کے بیٹے کے ساتھ ہوئی تو اس واقعہ کو اتنی اہمیت

پچھلے صفحہ ۲۶۹ کا بقیہ حاشیہ (۱) ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن، ص۲۸۸، ۲۸۹۔ اردشیر بابکان (تقریباً ۲۲۵۔ ۲۴۱ء) کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ سرہند تک پہنچ گیا تھا، جہاں جونہ پر بھاری خراج لگا کر وہ واپس لوٹ گیا (ایلیٹ د، ص۲۸۹، حاشیہ ۳)

[۱] ملاحظہ ہو۔ کے۔ پی جیسوال، جرنل آف بنگال اینڈ اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی، مارچ۔ جون، ۱۹۳۲ء، ص۳ حاشیہ۔

دی گئی کہ واکاٹکوں کی تمام سرکاری دستاویزات میں اسے دوہرایا گیا، ان دستاویزات سے ہمیں مزید معلوم ہوتا ہے کہ اس ازدواجی رشتہ سے پہلے بھارشیوں نے "اپنی رسم تاجپوشی کے موقع پر اُس بھاگیرتھی (گنگا) کا متبرک پانی استعمال کیا تھا جسے انھوں نے اپنے زور بازو سے حاصل کیا تھا" اور انھوں نے کم سے کم دس آشومیدھ یگیہ کیے تھے[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ طاقت ور حکمراں تھے، اُن کا عروج کشنوں کے بعد ہوا اور ایک طویل عرصے تک اُن کے اثرات باقی رہے۔ ناگ حکومت کے آخری دور کی نشاندہی الہ آباد کے ستونی کتبہ سے ہوتی ہے جس میں سمدرگپت کے ہاتھوں گن پتی ناگ کی شکست کا ذکر ہے[2] اس کتبہ سے ہمیں چوتھی صدی عیسوی کے وسط میں ہندوستان کے سیاسی ماحول کا اندازہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ آئندہ صفحات میں ہم دیکھیں گے۔ اس لیے یہ بات قرین قیاس ہے کہ جن شاہی خاندانوں اور خود مختار قبیلوں کا اس میں ذکر ہے وہ ضرور کافی پہلے اقتدار حاصل کر چکے تھے۔ حقیقتاً انھوں نے کشن طاقت کے کھنڈر پر اپنی حکومت کی عمارت تعمیر کی تھی۔

---

[1] فلیٹ، کارپس انسکرپشنم انڈ کارم، تیسرا، ص۲۳۷، ص۲۴۱، ص۲۴۵، ص۲۴۸، موازنہ کریں
"पराक्रमाधिगत भागीरथ्यमलजल मूर्द्धाभिषिक्ताना दशाश्वमेधाव
भृथस्नाना भारशिवानाम

[2] کارپس انسکرپشنم انڈکارم، تیسرا، نمبر ایک، ص۱، ص۷۱

حصہ سوم

بارھواں باب

گپت خاندان کے شہنشاہ

گپت خاندان کی اصل

جب ہم گپت عہد میں داخل ہوتے ہیں تو ہم عصر کتبوں کی دریافت کے باعث ہماری معلومات کی بنیادیں مضبوط ہوجاتی ہیں اور ہندوستان کی تاریخ میں بڑی حد تک دلچسپی اور تسلسل پیدا ہوجاتا ہے۔ گپت خاندان کی اصل اب تک سربستہ راز بنی رہی ہے لیکن اُن کے ناموں کے آخری کلمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ویشیہ ذات سے تعلق رکھتے تھے۔ [1] بہرحال اس دلیل کو زیادہ اہمیت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس دلیل کو رد کرنے کے لیے بس ایک مثال کافی ہے کہ ایک مشہور و معروف برہمن منجم کا نام برہم گپت تھا۔ اس کے برخلاف ڈاکٹر جیسوال کی رائے ہے کہ گپت خاندان کے راجہ اصلاً پنجاب سے آئے ہوئے کارسکر جات تھے [2] لیکن ڈاکٹر جیسوال نے جس شہادت پر اعتماد کیا ہے وہ فیصلہ کن نہیں ہے کیونکہ اس کی جو بنیاد ہے یعنی یہ کہ چندر گپت اول کو مدی مہوتسو والے چنڈسین کے مماثل ہے، وہی سرے سے مشتبہ ہے۔

---

[1] موازنہ کریں۔

शर्मान्तश्च विप्रस्य वर्मा त्राता च भूभुजः ।
भूतिगुप्तश्च वैश्यस्य दासः शूद्रस्य कारयेत ॥

[2] جرنل آف بہار اینڈ اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی (مارچ۔جون ۱۹۳۳)، ص۱۱۵۔ ص۱۱۶۔ جیسوال کا کہنا ہے کہ ککر جاٹ "قدیم گپت خاندان کے جدید نمائندہ ہیں۔"

گپت طاقت کی ابتدا

خاندانی شجروں کی رو سے خاندان کا بانی ایک شخص تھا جس کا نام گپت تھا اُسے مہاراجہ کے سیدھے سادے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک معمولی سردار تھا اور مگدھ میں ایک چھوٹی سی ریاست پر حکومت کرتا تھا۔ اُسے مہاراجہ چے لی کی تو (شری گپت) کے مماثل بتایا گیا ہے۔ جس نے آئی سنگ کے بیان کے مطابق چین کے بعض نیک زائرین کے لیے مرگ شکھاؤں کے قریب ایک مندر تعمیر کرایا تھا اور اس کے اخراجات کے لیے معقول وقف بھی کیا تھا۔ آئی سنگ کے دورے کے وقت تک اُس کے آثار باقیہ کو "چین کا مندر" کہا جاتا تھا، گپت کے عہد کا تعین ۲۷۵ سے ۳۰۰ تک کیا گیا ہے۔ بہرحال آئی سنگ نے لکھا ہے کہ مندر کی عمارت اس کے سفر سے ۵۰۰ سال پہلے تعمیر ہوئی تھی[1] اس بیان سے ان تاریخوں کی تردید ہوتی ہے جو گپت کے عہد کے لیے مندرجہ بالا سطور میں تجویز کی گئی ہیں۔ لیکن آئی سنگ کے بیان کو حرف بہ حرف تسلیم کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس نے محض وہ قدیم روایات نقل کردی ہیں جو اس نے بزرگوں سے سُنی تھیں[2]

گپت کے بعد تخت و تاج کا مالک اس کا لڑکا گھٹوت کچ ہوا۔ اسے بھی مہاراجہ کے لقب سے یاد کیا گیا ہے حالانکہ یہ نام غریب ہے، لیکن اس خاندان کے جانشینوں میں کئی افراد کا یہی نام تھا[3] اُن کے متعلق ہم تقریباً کچھ بھی نہیں جانتے۔

---

[1] ایلن، کیٹلاگ آف دا کوائینس آف دی گپت ڈائنسٹیز، تمہید پندرہ؛ بیل، جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۸۸۱، صفحہ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ انڈین اینٹی کوئیریز، دس، صفحہ ۱۱۰ [2] فلیٹ۔ گپت کے ساتھ آئی سنگ کی تجویز کردہ چے لی کی تو سے مماثلت کو تسلیم نہیں کرتا۔ (کارپس انسکرپشنم انڈ کارم، تیسرا صفحہ ۸ حاشیہ ۲)۔ ملاحظہ ہو ایلن کیٹلاگ اینڈ کوائینس آف دی گپت ڈائی نیسٹیز، تمہید، صفحہ ۱۵۔ شری گپت نام کتبوں میں آیا ہے۔ لیکن شری نام کا جزو نہیں ہے بلکہ صرف احتراماً استعمال کیا گیا ہے

[3] موازنہ کریں مثلاً ایک ویشالی کی مہر میں آیا ہے۔ "श्रीघटोत्कचगुप्तस्य" (بلاک، آرکیلاجیکل سروے آف انڈیا رپورٹ ۱۹۰۳-۱۹۰۴، صفحہ ۱۰۷)

چندر گپت اول

گھٹوت کچ کے بعد اس کا لڑکا چندر گپت اول تخت نشین ہوا۔ اپنے باپ دادا کے برعکس اُس نے "مہاراجا دِھراج" کا بلند آہنگ لقب اختیار کیا اور اس جہت سے وہ پہلا بادشاہ تھا جس نے خاندان کی طاقت اور عظمت کو دو بالا کر دیا۔ اُس نے لچھوی راجکماری کمار دیوی سے شادی کی جیسا کہ "لچھوی دوہترہ" کے لقب سے ثابت ہے جو کتبوں میں سمدر گپت کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ اس شادی کی تائید بعض سونے کے سِکوں سے بھی ہوتی ہے جن کے سیدھے رُخ پر راجا کی استادہ شبیہہ بنی ہوئی ہے جس میں وہ اپنی رانی کو انگوٹھی یا کنگن پیش کر رہا ہے۔ شبیہہ کے داہنی جانب چندر گپت اور بائیں جانب کمار دیوی یا شری کمار دیوی کے الفاظ کندہ ہیں۔ الٹے رُخ پر لچھویہ کندہ ہے اور دیوی (غالباً سنگھ واہنی دیوی) کو شیر پر بیٹھے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ ایلن کی رائے ہے کہ یہ سِکے تمغوں کی قسم کے تھے جو سمدر گپت نے والدین کی یادگار کے طور پر جاری کیے تھے۔[1] لیکن بہت ممکن ہے یہ سکے چندر گپت اول ہی کے جاری کردہ ہوں[2]۔ لچھویوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات کا قیام جو کئی صدیوں تک پردۂ گمنامی میں رہ کر اب یک لخت منصۂ شہود پر آئے تھے، گپت خاندان کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ونسنٹ اسمتھ کی رائے ہے کہ اس ازدواجی رشتے کے نتیجہ میں چندر گپت اول کو وہ تمام مقبوضات ورثہ میں ملے جن پر پہلے اس کی بیوی کے اعزا قابض و متصرف تھے[3] اور اسی سلسلہ میں پاٹلی پترا اس کے قبضہ میں آگیا لیکن یہ رائے قابل قیاس نہیں ہے کیونکہ آئی سنگ کی شہادت کے مطابق یہ شہر مہاراجہ گپت کے مقبوضات میں پہلے سے شامل تھا۔ یہ بات بھی کافی مشتبہ ہے کہ اس شادی کے نتیجہ میں چندر گپت اول کے قبضہ میں ویشالی آیا جو لچھویوں کی راجدھانی تھا۔ بہرصورت پرانوں کی ایک مشہور عبارت ثابت کرتی ہے کہ چندر گپت کی

---

[1] کیٹلاگ اینڈ کوائینس آف دی گپت ڈائنیسٹی، تمہید، ص اٹھارہ

[2] جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، مسکوکاتی ضمیمہ نمبر سرشٹھ، جلد تیسری (۱۹۱۷)، ص ۱۲۵

[3] ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن ص ۲۹۵۔ ص ۲۹۶ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حکومت میں جنوبی بہار، پریاگ، ساکیت، اور ملحقہ اضلاع شامل تھے [1]

چندر گپت اول نے ۳۲۰ء سے تقریباً ۳۳۵ء تک حکومت کی [2] اس کی تاجپوشی سے جس سمبت کی ابتدا ہوئی اس کا سلسلہ اس کے جانشینوں نے بھی جاری رکھا اس سمبت کا پہلا سال ۲۶ر فروری سن ۳۲۰ء سے شروع ہوا اور ۱۵ مارچ سن ۳۲۱ء کو ختم ہوا۔

سمدر گپت

چندر گپت اول کے بعد اس کا لڑکا سمدر گپت سریر آرائے سلطنت ہوا۔ چوں کہ سمدر گپت کو باپ نے اپنی زندگی ہی میں نامزد کر دیا تھا، اس لیے ہو سکتا ہے وہ اس کا سب سے بڑا لڑکا نہ ہو۔ لیکن جو کچھ بھی ہو سمدر گپت گپت راجاؤں میں سب سے قابل حکمراں ثابت ہوا اور اپنی فتوحات سے اس نے اپنے باپ کے انتخاب کو حق بجانب ثابت کر دیا۔ [3] اشوک کے برعکس جو امن وصلح کا حامی تھا، سمدر گپت نے جنگ اور فتوحات کی پالسی اختیار کی۔ اس طرح سمدر گپت اشوک کی ضد تھا۔

الٰہ آباد کا ستونی کتبہ

سمدر گپت کے کارناموں کو درباری شاعر ہری سین نے اپنے ایک باقاعدہ

(حاشیہ بقایا صفحہ گذشتہ) [1] موازنہ کریں - अनुगङ्ग प्रयागं च साकेतं मगधांस्तथा । एतान् जनपदान् सर्वान् भोक्ष्यन्ते गुप्तवंशजाः ॥

[2] بہر حال۔ اگر نالندا کی تختیاں (ایپی گرافیہ انڈیکا، جلد ۲۵ صفحہ ۵۲) اور سمدر گپت کی گیا والی تختی جن پر علی الترتیب سن ۵ اور ۹ پڑھے ہوئے ہیں، اصلی ہیں اور اگر ان سے گپت سن مراد ہے تو چندر گپت اول کا دور حکومت اس سے بھی مختصر ہو جائے گا۔ [3] کاچ کے کچھ سونے کے سکے دستیاب ہوئے ہیں جو سمدر گپت کے جاری کردہ سکوں سے بہت مشابہ ہیں۔ ونسنٹ اسمتھ کا خیال ہے کہ کاچ، سمدر گپت کا حریف بھائی تھا۔ (ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن، صفحہ ۲۹۱، حاشیہ ۱) لیکن ہماری رائے میں "سرو راجوچ چھیتر" کے الفاظ جو سکوں کے اُلٹے رخ پر کندہ ہیں وہ مماثلت کے حق میں ثبوت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کاچ اصلی شخصی نام تھا اور سمدر گپت کا لقب اس کی فتوحات کی طرف کنایہ کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ اس کے برخلاف ڈاکٹر بھنڈارکر کی رائے ہے کہ کاچ (راما) کے سکے رام گپت کے جاری کردہ تھے (مالویہ جی کمیموریشن والیوم ۱۹۴۲ء صفحہ ۲۰۲)

قصیدہ کا موضوع قرار دیا ہے۔ لیکن عجیب تر بات یہ ہے خود سمدر گپت نے اپنی خون آشام فتوحات کی لافانی یادگار قائم کرنے کی غرض سے اس مقام کا انتخاب کیا جس کے قریب اشوک کا ستون اپنے تمام تر اخلاقی پند و نصائح کے ساتھ الہ آباد کے قلعہ میں آج تک موجود ہے۔ بد قسمتی سے اس کتبہ پر تاریخ نہیں ہے لیکن وہ یقیناً کوئی بعد مرگ دستاویز نہیں ہے جیسا کہ فلیٹ نے قیاس کیا ہے [1]۔ ۳۶۰ء کے قرب و جوار میں وہ ضرور کندہ ہو چکا تھا گویا سمدر گپت کی دگ وجے [*] کے بعد لیکن آشومیدھ یگیہ سے پہلے جس کا اس میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

سمدر گپت کی فتوحات

سمدر گپت کے متعلق جتنا مواد ہمارے پاس موجود ہے اس میں جغرافیائی ترتیب تو ہے لیکن تاریخی تسلسل کا فقدان ہے۔ [2] پھر بھی ہمارے اس قیاس میں کافی معقولیت ہے کہ سمدر گپت نے پہلے اپنے پڑوسیوں یعنی آریہ ورت کے راجاؤں سے زور آزمائی کی۔ اس معاملہ میں اس نے بڑی بے دردی کے ساتھ توسیع سلطنت کی پالیسی پر عمل کیا۔ کہتے ہیں کہ اُس نے حسب ذیل نو راجاؤں کا "بڑے جبر و تشدد کے ساتھ استیصال کیا":

(۱) رودر دیو (رودرسین اول واکاٹک؟)

(۲) متل، جسے بلند شہر کی مہر والے متل کے مماثل بتایا گیا ہے

(۳) ناگ دت، غالباً کوئی ناگ راجہ

(۴) چندر ورمن: اس کی مماثلت غیر یقینی ہے۔ بعض نے اسے سوسونیا کے

---

[1] ایضاً، صـ۳ و صـ۱۰ اور حاشیہ نمبر ۲۔ اس عبارت (سطر ۲۹۔۳۰) میں صرف اتنا ذکر ہے کہ سمدر گپت کی شہرت دیوتاؤں کے مالک (اندر) کے مسکن تک پہنچ گئی تھی، [2] ان ناموں کی مماثلت کے لیے ملاحظہ ہو فلیٹ، ایضاً، حاشیے؛ ایلن، کیٹلاگ اینڈ کوائنس آف گپت ڈائنیسٹیز تمہید صـ۲۱۔ صـ۳۰؛ اسمتھ، جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۸۹۷، صـ۸۵۹۔ صـ۹۱۰ ڈبریوئیل، اینشنٹ ہسٹری آف دکن صـ۸۵۔ صـ۹۱۔ رائے چودھری۔ پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا، چوتھا ایڈیشن۔ صـ۴۲۔ صـ۴۴۔ ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر انڈین ہسٹری کوارٹرلی، پہلا۔ دوسرا صـ۲۵۰۔ صـ۲۵۶، جی رام داس، ایضاً، پہلا۔ چوتھا صـ۶۷۹ حاشیہ؛ کے این ڈکشٹ، پروسیڈنگس آف گزٹ اورینٹل کانفرنس پہلا صـ۱۲۴، جیسوال، جرنل آف بہار اینڈ اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی مارچ۔ جون ۱۹۳۲ صـ۱۴۲ حاشیہ۔

چٹانی کتبہ والے پوکھرن کا ہمنام بتایا ہے [1] بعض اس کے قائل ہیں کہ چندر ورمن مہرولی کے آہنی ستون والے کتبہ کے راجہ چندر کے مماثل ہے (فلیٹ کا نمبر ۳۲)۔ لیکن اس رائے کو مشتبہ اور خلاف قیاس قرار دیا گیا ہے۔

(۵) گن پتی ناگ، پدماوتی (ریاست گوالیار میں نرور کے قریب موجودہ پدم پویا) کا ناگ حکمراں۔

(۶) ناگ سین
(۷) نندن } غالباً یہ دونوں بھی نسباً ناگ تھے۔

(۸) اچ یوت: اسے اُن سکّوں والے "اچ یو" کے مماثل بتایا گیا ہے جو ضلع بریلی میں اہچھتر (رام نگر) سے دستیاب ہوئے ہیں۔

(۹) بل ورمن: جسے اب تک شناخت نہیں کیا جا سکا ہے۔ [2]

اس کے بعد سمدرگپت نے اپنی فوجوں کا رُخ "جنگلی ملکوں کے راجاؤں" کی طرف موڑ دیا جنھیں اس نے اپنی اطاعت قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔ ان کے مقبوضات وسط ہندوستان میں واقع تھے۔

سمدرگپت نے پھر دکشناپتھ کے راجاؤں کو زیر کرنے کی مشکل مہم کا بیڑا اٹھایا۔ اُن سب کو اس نے شکست دی اور قید کر لیا۔ لیکن فاتح نے انھیں رہا کر دیا اور اُن کے علاقوں میں انھیں بحال رکھا۔ اس طرح اس نے اپنی اُولوالعزمی کے ذریعہ ان سے اطاعت قبول کروالی۔ یہ حکمراں حسب ذیل تھے۔

---

[1] ایپی گرافیہ انڈکا، بارھواں، ص۳۱۸، پروسی ڈنگس آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۸۹۵، ص۲۷۱ حاشیہ۔

[2] ڈاکٹر جیسوال کے خیال میں "کلیان ورمن۔ حاکم پاٹلی پتر کا دوسرا یا ابھی شیک رتا جیوشی کا) نام بل ورمن تھا جس کا ذکر کومدی مہوتسو میں آیا ہے۔ لیکن الہ آباد کے ستونی کتبہ کے "ساتویں شلوک میں اسے بغیر نام کے چھوڑ دیا گیا ہے۔ (جرنل آف بہار اینڈ بنگال ریسرچ سوسائٹی، مارچ جون ۱۹۳۳، ص۱۲۲)، مسٹر کے این ڈکشت (پروسیڈنگس آف فرسٹ اورینٹل کانفرنس، ۱۹۲۰، جلد ایک، ص۱۲۴) بہرحال، بل ورمن کو آسام کے بھاسکر ورمن کے مورث کے مماثل قرار دیتے ہیں جس کا ذکر ندھن پور کے کتبہ میں آیا ہے (ایپی گرافیہ انڈکا، بارھواں، ص۳، ص۷۶)

(۱) کوشل کا مہیندر (مہا کوشل یا بلاس پور کے اضلاع، رائے پور اور سنبھل پور)

(۲) مہا کانتار کا ویاگھر راج (غالباً گونڈوانا کا جنگلی خطہ[۱])

(۳) کورال کا منت راج (جنوبی ہندوستان میں کوراڈ، یا سون پور کا علاقہ، جس کی راجدھانی مہاندی پر بیاتی نگری تھی)

(۴) پشٹ پور کا مہیندر (گوداوری کے ضلع میں موجودہ پٹھا پورم)

(۵) پہاڑی پر کوٹ تور کا سوامی دت (ضلع گنجم میں کوٹھور)۔ ایک دوسری تشریح کے مطابق یہ عبارت "پشٹ پورک مہیندر گری کوٹ ٹورک سوامی دت" ظاہر کرتی ہے کہ "سوامی دت کا صدر مقام مہیندر گری کے قریب پشٹ پور اور کوٹ تور میں تھا"

(۶) ارنڈ پل کا ڈمن (ضلع گنجم میں چکاکول کے قریب ارنڈ پلی)

(۷) کانچی کا وشنو گوپ (مدراس کے قریب کن جی ورم)

(۸) اوَمکت کا نیل راج: ہاتھی گمپھا کا کتبہ ظاہر کرتا ہے کہ گوداوری کے قریب پتھونڈ اور قبیلہ کی راجدھانی تھا۔

(۹) وینگی (ایلورا میں پیڈو یگی) کا ہتی ورمن

(۱۰) پالک (ضلع نیلور کا اگر سین

(۱۱) دیوراشٹر (ضلع وزاگا پٹم میں یلّ ما نچلی) کا کبیر

(۱۲) کستھل پور (شمالی ارکاٹ میں کٹا لور) کا دھنان جیہ۔

مندرجہ بالا شناختوں کے مطابق معلوم ہوتا ہے سمدر گپت کی مہمیں دکن کے مشرقی ساحل تک محدود رہیں۔ بہرحال، پروفیسر جوویوڈبریوئل کی اس رائے کی تائید میں ایک شہادت بھی نہیں ہے کہ حملہ آور نے کانچی کے وشنو گوپ کی قیادت میں جنوبی ہند کے راجاؤں کی متحدہ فوج سے شکست کھائی اور ایک دم بڑی تیزی کے ساتھ وطن لوٹنے پر مجبور ہو گیا[۲]

---

[۱] ڈاکٹر رائے چودھری کا خیال ہے کہ مہا کان تارا "وسط ہند کے ایک جنگلی خطے کے مماثل ہے جس میں غالباً جاسو ریاست، شامل تھی، (پولیٹیکل ہسٹری آف انشینٹ انڈیا، چوتھا اڈیشن، ص ۴۵۲) جی۔ رام داس بہرحال، اس کی مماثلت گنجم اور وزاگا پٹم کے خطوں سے قائم کرتے ہیں (انڈین ہسٹری کوارٹرلی، پہلا حصہ ۴، ص ۶۸۴)

[۲] اینشنٹ ہسٹری آف دی دکن (۱۹۲۰)، ص ۱۱

اس کے برخلاف اگر ہم اُن توجیہات کو تسلیم کریں جو فلیٹ اور اسمتھ نے پیش کی ہیں یعنی یہ کہ کوُرَل ارنڈپلّ، پالکّ، اور دیو راشٹر، علی الترتیب، کیرلَ (ساحل مالا بار)، خاندیش میں ایرن ڈول، پال گھاٹ یا پالک کاڈو، اور مہاراشٹر کے مماثل ہیں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ سمدرگپت انتہائی جنوب میں چیرا ریاست تک پہنچ گیا اور وہاں سے مہاراشٹر اور خاندیش کے راستہ سے اپنی راجدھانی کو واپس لوٹا۔

سمدرگپت کی فوجی سرگرمیوں نے سرحدی قبیلوں اور اُن کے راجاؤں کو خوف زدہ کردیا۔" انھوں نے ہر قسم کے محصول اُسے ادا کیے، عہد وفاداری کیا اور جبراً و قہراً اس کے احکامات کی تعمیل کی۔" وہ سرحدی ریاستیں (پرتیئنت) یہ تھیں:۔

(۱) سم تٹ (جنوب مشرقی بنگال اس کی راجدھانی کومِلا کے قریب کَرمانتَ یا بڑکمتَ تھا)

(۲) ڈواکَ (ڈھاکہ)؛ یا چٹاگانگ اور تِپرّا کے پہاڑی خطے۔ ونسنٹ اسمتھ نے، بہرحال، اسے موجودہ ضلع بوگرا، دیناج پور اور راج شاہی کے مماثل قرار دیا ہے اور مسٹر کے۔ ال۔ بیروا نے آسام میں وادیٔ کوپلی کے مماثل قرار دیا ہے

(۳) کام روپ (آسام)

(۴) نیپالَ (نیپال)

(۵) کرترپُور (موازنہ کریں کتور یا راج کمایوں گڑھوال اور ضلع روہیلکھنڈ[1] سے یا جالندھر کے ضلع میں کرترپور سے جیسا کہ فلیٹ اور ایلن نے تجویز کیا ہے۔)

وہ قبیلے جنھوں نے ازخود سمدرگپت کی اطاعت قبول کی حسب ذیل تھے:۔

(۱) مالو: یہ کلاسکی مصنفین والے ملّوئی قبیلہ کے مماثل ہیں۔ پہلی صدی عیسوی کے آخر تک وہ پنجاب سے ہجرت کرکے راجپوتانہ آگئے اور نتیجہ میں اُس علاقہ میں آباد ہوگئے جو انھیں کے نام پر آج مالوہ کہلاتا ہے۔

(۲) آرجونا ین: یہ قبیلہ غالباً جے پور کے مشرقی حصہ اور ریاست الور میں آباد ہوگیا۔

(۳) یودھیہ: یہ لوگ شمالی راجپوتانہ میں بس گئے تھے۔ اُن کا نام جوہیاوار کی صورت میں آج تک باقی ہے۔ یعنی وہ خطہ جو ریاست بہاولپور کی سرحد پر واقع تھا۔

۱؎ جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۸۹۸، ص ۱۹۵۔ ص ۱۹۹۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۴) مدرک! یہ قبیلہ یودھیاؤں کے شمال میں آباد تھا اور ساکل یا سیالکوٹ ان کی راجدھانی تھا۔

(۵) ابھیر: ان کا علاقہ وسط ہند میں دریائے پاروتی اور بیتوا کے مابین واقع تھا۔ لے

(۶) پرآرجن: اُن کی حکومت کا مرکز مدھیہ پردیش میں نرسنگ پور یا نرسنگڑھ تھا۔

(۷) سنکانیک: یہ بھیلسہ کے قریب آباد تھے۔ اُدے گری کے ایک کتبہ میں (فلیٹ کا نمبر ۳) سنکانیک قبیلہ کی ایک ریاست کا ذکر ہے جو چندر گپت دوم کے جاگیردار کی حیثیت رکھتی تھی۔

(۸) کاک: یہ لوگ سنکانیکوں کے پڑوسی تھے۔

(۹) کھرپرک: غالباً یہ قبیلہ مدھیہ پردیش کے ضلع دموہ میں سکونت رکھتا تھا۔ اور جیسا کہ ڈاکٹر ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر نے لکھا ہے ٹ تیہنہ گڑھ کے کتبہ والے کھرپروں کے مماثل تھا۔ ٹ

فتوحات کی قسمیں

مندرجہ بالا بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ سمدرگپت کی فتوحات کی کئی قسمیں تھیں۔ پہلی قسم وہ تھی جس میں اس نے ریاستوں کی بالکل جڑیں اکھاڑ دیں اور انھیں اپنی سلطنت میں باقاعدہ شامل کرلیا۔ دوسری قسم میں وہ راجا تھے جنھیں اس نے تسخیر کیا، قید کرلیا اور بعد میں جب انھوں نے اس کی اطاعت قبول کرلی تو انھیں آزاد کردیا۔ تیسری قسم ان سرحدی راجاؤں اور قبیلوں کی تھی جو اس کی فتوحات سے مرعوب ہوگئے اور بہ رضا و رغبت اطاعت

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) ریاست بھرت پور میں بیانہ کے قریب بجے گڑھ کے مقام پر جو کتبہ دریافت ہوا ہے اس میں یودھیاؤں کا ذکر موجود ہے۔ برہت سلمحتا مصنف آر جنا مئینوں اور یودھیاؤں دونوں کو شمالی ہند کا باشندہ قرار دیتا ہے) لے بعض عالم بہرحال، سوراشٹرا اور گجرات کو ابھیروں کا مسکن قرار دیتے ہیں، کیونکہ ان کا ذکر کثیر کتبوں میں اکثر آیا ہے ٹ انڈین ہسٹری کوارٹرلی، پہلا (۱۹۲۵) ص۲۵۴ ٹ ایپی گرافیہ انڈیکا، بارھواں، ص۴۶، ص۴۷، پانچواں، ۵

قبول کی۔

غیر ملکی حکومتوں سے تعلقات

چنانچہ سمدر گپت ایک وسیع و عریض سلطنت کا مالک بن گیا، لیکن حدودِ سلطنت کے ماورا غیر ملکی فرماں روا بھی تھے جو اس سے خوشگوار تعلقات قائم کرنے کے آرزومند تھے۔ ایک چینی ماخذ سے[1] ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سیلونی معاصر میگھ ونّ یا میگھ واَن (۳۵۲۔ ۳۷۹ ر) نے دو بھکشوؤں کو دھرم یاترا کے لیے بودھ گیا بھیجا۔ یہ بھکشو جب وہاں پہنچے تو اُن کے ساتھ کچھ بے توجہی برتی گئی۔ واپسی پر انھوں نے اپنے راجا سے شکایت کی کہ وہاں انھیں رہنے کے لیے جگہ تک نہ مل سکی۔ اس کے بعد میگھ واَن نے ایک باقاعدہ سفارت قیمتی تحفوں کے ساتھ سمدر گپت کے دربار میں بھیجی اور اس متبرک سرزمین پر سیلونی زائرین کے لیے ایک خانقاہ تعمیر کرنے کی اجازت طلب کی۔ واقعہ یہ ہے کہ مطلوبہ اجازت مل گئی اور بہت جلد وہاں ایک عظیم الشان عمارت کھڑی ہو گئی، جو یوان چوانگ کے وقت تک مہا بودھی سنگھا رام کہلاتی تھی۔

الٰہ آباد کے ستونی فرمان سے مزید معلوم ہوتا ہے کہ دیو تیر شاہی شاہانو شاہی شک مرنڈوں، نیز سنہل[2] اور دوسرے جزیروں کے باشندوں نے ہتھیار ڈال دیے اور دوشیزائیں تحفہ میں بھیج کر صلح خریدی اور فرمان حاصل کیے جن پر گرُوڑ مہر لگی ہوئی تھی۔ ان فرامین کے ذریعہ اپنے اپنے علاقہ میں انھیں بحال رکھا گیا تھا، اگرچہ اس قسم کے دعوؤں میں مبالغہ کی رنگ آمیزی پائی جاتی ہے پھر بھی اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ مندرجہ بالا حکومتیں سمدر گپت کی روز افزوں شہرت اور اثرات سے حد درجہ مرعوب تھیں اور اس لیے انھوں نے اس کی دوستی اور

---

[1] موازنہ کریں۔

"दैवपुत्रशाहिशाहानुशाहिशकमुरुण्डैः सैंहलकादिभिश्च सर्वद्वीपवासिभिरात्मनिवेदनकन्योपायनदानगरुत्मदङ्कस्वविषयभुक्तिशासनयाचनाद्युपायसेवाकृतबाहुवीर्यप्रसरधरणिबन्धस्य..."

[2] کیا دوسرے جزیروں کے باشندوں سے مراد ملایا آرچیلاگو کے لوگوں سے ہے؟

ہمدردی حاصل کرنے ہی میں عقلمندی سمجھی۔ ظاہر ہے یہ سب کشنوں اور شکوں کے ورثا تھے جو کبھی پہلے ہندوستان کے بڑے حصہ پر قابض و متصرف تھے۔ بہرحال انھیں قطعی طور پر یہ کہنا کہ وہ کون تھے یا اُن کے سنسکرت کے مرکب الفاظ کا تجزیہ کرنا ایک انتہائی مشکل کام ہے۔ "دیوپتر شاہی شاہانو شاہی" کا لقب اعظم کشن خاندان کے عظیم شہنشاہ اپنے لیے استعمال کیا کرتے تھے لیکن زوال کے بعد سلطنت کے جب حصے بخرے ہوئے تو چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے راجاؤں نے اس لقب کو بھی حسب حیثیت آپس میں تقسیم کرلیا۔ چنانچہ دیوپتر کا مسکن غالباً پنجاب تھا اور شاہی یا شاہی شاہانو شاہی افغانستان اور ملحقہ علاقوں میں حکومت کر رہا تھا۔ اسی طرح شک مرُنڈ کی اصطلاح [1] یا تو یہ ظاہر کرتی ہے کہ یہ دو علیحدہ نسلیں تھیں یا اگر انھیں ایک لفظ مانا جائے تو اس کے معنی محض "شاہان شک" کے ہوجاتے ہیں۔

آشومیدھ یگیہ

سمدرگپت کے جانشینوں کے کتبوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے گھوڑے کی قربانی کا احیا کیا جو ایک عرصے سے متروک ہوگئی تھی (چِرُوت مَنّ آشومیدھاھَرتُوھُ) [2] چونکہ الہ آباد کے ستونی کتبہ میں اس قربانی کا کوئی ذکر نہیں ہے اس لیے یہ قربانی ظاہر ہے ایام جنگ کے اختتام اور اس کتبہ کے کندہ ہونے کے بعد انجام دی گئی [3] رسم کے دوران سمدرگپت نے زر کثیر خیرات میں تقسیم کیا اور اس کی یادگار قائم کرنے کے لیے سونے کے سکے جاری کیے جن کے سیدھے رُخ پر قربانی کے ستون (یُوپ) کے آگے ایک گھوڑا کھڑا ہوا ہے اور اُلٹے رُخ پر رانی کی شبیہ اور یہ سجع کندہ ہے "آشومیدھ پراکرمہ"۔

---

[1] مرُنڈ خاندان کے بارے میں ملاحظہ ہو کیٹلاگ آف دی کوائنیس آف گپت ڈائنسٹیز تمہید، ص ۲۹، ۳۰، جیسوال "مرُنڈ خاندان"، مالویہ جی کمیموریشن والیوم، ص ۱۸۵۔ ۱۸۷۔ [2] اس مقام پر بہرحال ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ بھارشیو، پروَرسین اول واکاٹک اور دوسرے راجاؤں نے سمدرگپت سے تھوڑے عرصے پہلے ہی آشومیدھ یگیہ کیا تھا۔ کیا اس فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ سمدرگپت نے اس رسم کو باقاعدہ شاہی رسم کے طور پر ایک بار پھر زندہ کیا؟ (ملاحظہ ہو ڈاکٹر ایس۔ کے۔ آئینگر اسٹڈیز ان گپت ہسٹری ص ۴۲، ۴۳) [3] ملاحظہ ہو ایچ۔ آر۔ دیوکر، اینلس آف دی بھنڈارکر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ جلد سات (۱۹۲۶) ص ۱۶۲، ۱۶۵

سمدرگپت کے ذاتی کمالات

سمدرگپت ہمہ داں قسم کا نابغہ تھا۔ وہ صرف فنونِ جنگ ہی میں نہیں بلکہ مقدس علوم (شاستروں) میں بھی مہارت تامّہ رکھتا تھا۔ وہ خود بھی عالم و فاضل تھا اور علما اور فضلا کی صحبت پسند کرتا تھا۔ اسے "کوی راج" کہا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کا شاعر بھی تھا۔ اس کے علاوہ اس نے ایک دوسرے فن یعنی موسیقی کی بھی ترقی اور پرورش کی۔ اس میدان میں اس کی صلاحیتوں کی تصدیق اُس کے بعض سکوں سے ہوتی ہے جن میں لیے ایک اونچے تکیہ والے تخت پر بین (وین)، بجاتے ہوئے پیش کیا گیا ہے۔ الہ آباد کے ستونی کتبہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ایک مرتبہ اپنی غیر معمولی ذہانت اور فہم و فراست سے دیوتاؤں کے استاد (یعنی برہسپتی)، کو اور اپنے دلکش گانے سے تمبرؤ اور نارد کو نیچا دکھا دیا تھا۔[1]

سمدرگپت کا مذہب

الہ آباد کے ستونی کتبہ سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شمال و مغرب کے راجاؤں نے سمدرگپت سے درخواست کی تھی کہ فرامین پر گروڑ کی مہر لگا کر ان کے پاس بھیج دے چونکہ گروڑ وشنو کا خدمت گار (واہن) ہے اس لیے ظاہر ہے کہ سمدرگپت وشنو سے خاص عقیدت رکھتا تھا۔ لیکن وشنومت میں اس کا عقیدہ اس کی سپاہیانہ روش کے جو ایک سچے کشتری کا نصب العین ہوتا ہے کسی طرح منافی نہیں تھا۔

اُس کی موت کی تاریخ

سمدرگپت کی موت کی ٹھیک ٹھیک تاریخ کا کوئی دستاویزی ثبوت ہمارے پاس نہیں ہے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا دورِ حکومت کافی طویل ہوا۔ متھرا میں ایک کتبہ کی تازہ تر

---

[1] موازنہ کریں [illegible]

دریافت کے مطابق [1] چندر گپت دوم کی سب سے پہلی تاریخ جو ہمیں معلوم ہے وہ ۳۸۰ ہے اس لیے فی الحال یہ تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ سمدر گپت نے ۳۷۵ء تک حکومت کی۔

رام گپت

سمدر گپت کے کئی لڑکے تھے (موازنہ کریں [2] بہوچیتر پوتر کارپشن انسکرپشنم انڈکارم، تیسرا نمبر ۲، صـ۲ـ صـ۲۱)۔ ان میں سے ایک جس کا نام رام (سرم)گپت تھا اس کے بعد تخت نشین ہوا۔ رام گپت کا نام وساکھ دت کے ایک ڈرامے میں آتا ہے جو دیوی چندر گپتم کے نام سے موسوم ہے۔ یہ اب بالکل معدوم ہو گیا ہے لیکن اس کے جستہ جستہ اجزا ناٹیہ درپن میں محفوظ ہیں جو ڈرامے کے فن پر رام چندر اور گن چندر کی لکھی ہوئی ایک مستقل تصنیف ہے۔ رام گپت ایک بزدل حکمراں تھا۔ کہتے ہیں کہ شک راجہ کے مطالبہ پر وہ اپنی بیوی دھرو دیوی کو بھی اس کے حوالے کرنے پر تیار ہو گیا لیکن دیور یعنی چندر گپت دوم کی مداخلت سے اس کی آبرو رہ گئی جس نے عورت کا بھیس بدل کر شک حکمراں کو مار ڈالا۔ اس کے بعد چندر گپت نے رام گپت کا بھی کام تمام کر دیا۔ اس نے دھرو دیوی سے شادی کر کے اُسے اپنی رانی بنا لیا اور رعایا کے تحسین و آفریں کے نعروں کے درمیان پاٹلی پتر کی گدی پر خود بیٹھ گیا۔ اس کہانی کی طرف اشارے ہمیں بان کی ہرش چرت میں، سنکر آریہ کی ہرش چرت کی شرح میں، نیز بعض بعد کے مصنفین کے یہاں ملتے ہیں، مثلاً بھوج کی سرنگار پرکاش، آموگھ ورش کی سنجن کی تختیاں [1] اور مجمل التواریخ [2]۔ ان شواہد کے باوجود رام گپت کی تاریخیت عالموں کے درمیان اب تک ایک نزاعی مسئلہ بنی ہوئی ہے ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ مندرجہ بالا روایات سب بعد کی ہیں اور انھیں اصلیت کی ہوا نہیں لگی ہے۔ ہمارا شبہ اس لیے اور زیادہ قوی ہو جاتا ہے کہ رام گپت کا جاری کردہ ایک سکہ بھی دستیاب نہیں ہوا ہے۔ [3]

---

[1] دیکھیں آئندہ صفحات

निर्दृउननापजीमानेक काव्य Tकपाम : प्रविष्ठतलविप्रदन्प

[2] ایپی گرافیہ انڈکا، اٹھارواں صـ۲۴۸ صـ۲۵۵۔ اشلوک ۴۸ [3] ایلیٹ اینڈ ڈوسن، ہسٹری آف انڈیا، پہلا صفحہ صـ۱۱۲

[3] ڈاکٹر ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر کی کانچ کے سکوں کو رام گپت سے منسوب کرنے کی کوشش ہرگز اطمینان بخش نہیں رہا لویا جی کمیموریشن والیوم، ۱۹۳۲، صـ۲۰۳، صـ۲۰۶ اور یجنل عبارتوں کے لیے ملاحظہ ہو ایضاً صـ۲۰۶ صـ۲۱۱: نیز رام گپت پر ملاحظہ ہو۔ جرنل آف بہار اینڈ اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی، جون ۱۹۲۸، صـ۲۲۳، صـ۲۵۳ مارچ، جون، ۱۹۲۹، صـ۲۳۳، صـ۱۴۱، صـ۱۴، ۱۹۲۲، مارچ صـ۱۳۶، وغیرہ

دوسرے یہ کہ گپت عہد کی تمام دستاویزات اس سلسلہ میں بالکل خاموش ہیں

چندر گپت دوم وکرما دتیہ (۴۱۴-۳۷۵ء)

تخت نشینی

چندر گپت جسے باپ کے نام سے ممیز کرنے کے لیے عام طور پر چندر گپت دوم وکرما دتیہ کہا جاتا ہے سمدر گپت کا لڑکا اور دتا دیوی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ اپنے بزدل بھائی کے بعد راجا ہوا یا اپنے باپ کے بعد جیسا کہ "مَتْ پَرِی ہِتہ،" کے الفاظ سے مترشح ہے [1]، لیکن یہ بات طے ہے کہ جب ۳۷۵ء اور ۳۸۰ء کے درمیان وہ گدی پر بیٹھا تو اس کی کافی عمر تھی [2]

سلطنت کی کیفیت

سلطنت کی تعمیر کا مشکل کام چندر گپت دوم کے ذمہ باقی رہا۔ اس کے باپ سمدر گپت کی فوجی قابلیت سے یہ کام ایک بڑی حد تک پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔ سمدر گپت نے آریہ ورت کے بہت سے علاقوں کو گپت سلطنت میں شامل کر لیا تھا، سرحدی راجاؤں اور قبیلوں سے اطاعت قبول کروائی تھی اور شمالی مغربی خود مختار حکومتوں کو اپنے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ لیکن مغربی شتترپ ابھی تک سرکشی پر آمادہ تھے۔ اگرچہ واکاٹکوں نے عارضی طور پر ان کو نقصان پہنچایا تھا، لیکن ہم عصر سیاسیات میں وہ اب بھی اہم مقام رکھتے تھے۔

واکاٹکوں سے دوستی

شکوں کے خلاف اپنے منصوبوں کو سختی کے ساتھ عملی جامہ پہنانے کی غرض سے چندر گپت

---

[1] کارپس انسکرپشنم انڈکارم، تیسرا، نمبر۱۲، صفحہ ۵، سطر ۱۹ [2] چندر گپت دوم کی سب سے پہلی تاریخ جو ہمیں معلوم ہے وہ گپت سمبت کے مطابق ۶۱=۳۸۰-۳۸۱ء ہے (موازنہ کریں۔ متھرا والے کتبہ سے، ایپی گرافیہ انڈکا، اکیسواں، صفحہ ۱ حاشیہ)

نے اپنی لڑکی پتربھاوتی کی شادی جوناگ راجکماری کبیرناگا کے بطن سے تھی، ارودرسین دوم واکاٹک کے ساتھ کردی۔ یہ ازدواجی تعلق سیاسی حکمت عملی کا زبردست شاہکار تھا، کیونکہ واکاٹک مہاراجہ کی ریاست "جغرافیائی اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتی تھی۔ اگر شمال کی طرف سے شک شترپ کسی وقت بھی حملہ آور ہوتے تو یہ واکاٹک ریاست انہیں فائدہ پہنچا سکتی تھی اور نقصان بھی۔

شکوں کے خلاف مہم

چندرگپت دوم نے ایک بڑی فوج جمع کی اور مغربی ہندوستان کے شک حکمراں پر خود حملہ آور ہوا۔ اس مہم میں چندرگپت کا وزیر جنگ وامن، شاب ویرسین راجہ کے ساتھ تھا۔ کہتے ہیں کہ راجہ تمام دنیا کو فتح کرنے کی آرزو رکھتا تھا۔[1] اس مہم میں چندرگپت نے جو راستہ اختیار کیا اس کی طرف اشارہ بھیلسہ کے قریب ادے گری کے مقام پر ایک کتبہ میں ملتا ہے اس کتبہ میں اس غار کا ذکر ہے جسے چندرگپت کے وزیر جنگ شاب ویرسین نے مشمبھو (شیو) سے منسوب کیا تھا۔ بدقسمتی سے کتبہ پر تاریخ پڑی ہوئی نہیں ہے، ورنہ ہمیں بڑی آسانی سے چندرگپت کی شکوں سے جنگ کی تاریخ معلوم ہوگئی ہوتی۔ لیکن سکوں کی مدد سے ہم اس کی تاریخ کا تعین کرسکتے ہیں۔ مغربی کشترپوں کے آخری دور کے جاری کیے ہوئے سکے رودڑ۔ سمہا کے ہیں۔ جن پر ۳۱۰ الف" ۲۸۸-۲۹۷ء تاریخ پڑی ہوئی ہے چندرگپت دوم نے کشترپ علاقوں کو فتح کرنے کے بعد چاندی کے جو سکے جاری کیے وہ کشترپوں کے سکوں کی ہو بہو نقل تھے۔ ان سکوں پر جو سب سے پہلی تاریخ پڑی ہوئی ہے وہ ۹۰ الف ۴۰۹-۴۱۳ء ہے اس لیے ہم بجا طور پر قیاس کرسکتے ہیں کہ چندرگپت دوم کو یہ فتح ۳۹۵ اور ۴۰۰ء کے درمیان میں نصیب ہوئی[2] اس واقعہ کا حوالہ بان کی ہرش چرت میں بھی آتا ہے، لیکن اس میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ چندرگپت

---

[1] کارپس انسکرپشنم انڈکارم، جلد تیسری، صفحہ ۳۵۔ ۳۶، موازنہ کریں
"कृत्स्नपृथ्वीजयार्थेन राज्ञैवेह सहागत"

[2] چندرگپت دوم نے اس سال کے قرب و جوار میں وفات پائی[3] نیز ملاحظہ ہو "ے ما ئلیں کیمبرج شارٹ ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۹۳

نے حریف کو دھوکے سے قتل کیا، نہ کہ میدان جنگ میں۔ اس حوالہ نے اس شرمناک روایت کو رواج دے دیا کہ شک راجہ دشمن کے شہر میں جب شخص غیر کی بیوی کے ساتھ عشق بازی میں مصروف تھا تو چندر گپت نے شک راجہ کی محبوبہ کا بھیس بدل کر بڑی شقاوت سے اُسے ذبح کر ڈالا۔ [1]

جنگ کے نتائج

رودر سنہا کی اس شکست کا نتیجہ یہ نکلا کہ صرف مالوہ، گجرات اور سوراشٹر کے زرخیز و مال دار علاقے ہی گپت سلطنت میں شامل نہیں ہو گئے بلکہ مغربی ساحل کے بندرگاہوں سے گپت سلطنت کا براہ راست رابطہ قائم ہو گیا۔ اس سے غیر ملکی تجارت کا زور بڑھ گیا اور اسی کے ساتھ بیرونی ممالک سے خیالات کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ شمالی ہند کے بڑے حصے پر ایک مرکزی اقتدار اعلیٰ کے قیام سے اندرونی تجارت کو بھی فروغ ہوا۔ اب بیوپاریوں کو ہر ریاست کی سرحد پر محصول ادا کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی اور وہ بے تکلفی سے ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سامانِ تجارت لا اور لیجا سکتے تھے۔ اس سے پہلے یہ ریاستی محصول تجارت میں کافی رُکاوٹ ڈالتے تھے۔ اُن کے باعث چیزوں کی کی قیمت چڑھ جاتی تھی اور سامان بنانے والوں اور بیچنے والوں کو نفع بہت کم ملتا تھا۔ اُس زمانے کا سب سے اہم تجارتی مرکز اُجین تھا جہاں مختلف سمتوں سے تجارتی شاہراہیں آ کر ملتی تھیں۔ اُجین کو مذہبی اور سیاسی مرکز ہونے کا بھی اختیار حاصل تھا۔ مغربی ممالک کی فتح کے بعد چندر گپت نے اجین کو اپنی دوسری راجدھانی بھی بنا دیا تھا۔

راجہ چندر کون تھا؟

مہرولی گاؤں میں قطب مینار (دہلی) کے آہنی ستون پر جو کتبہ ہے اس میں ایک چندر نامی راجہ کی مہموں کا ذکر موجود ہے۔ راجہ کے متعلق اس میں کہا گیا ہے کہ اس نے دشمنوں کی متحدہ افواج کو ونگا (بنگال) میں شکست دی؛ اپنے زور بازو کی ہوا سے تمام جنوبی سمندروں

---

[1] ہرش چرت ترجمہ کاول اور ٹامس، ۱۹۴، موازنہ کریں اس عبارت سے۔

अरिपुरे च परकलत्रकामुकं कामिनीवेशगुप्तश्च चन्द्रगुप्तः शकपतिमशातयत् ॥

کو ہٹا دیا" اور سات دہانوں یعنی دریائے سندھ کے معاون دریاؤں کو عبور کر کے واہلیکوں[1] پر قابو پا لیا (یعنی پنجاب پر[2])، چنانچہ تمام دنیا پر اقتدار اعلیٰ حاصل کرنے کے بعد (ایکا دھراجیہ) "اس نے طویل عرصہ تک" (سوچرن) حکومت کی۔ بدقسمتی سے اس چندر کی شناخت کے مسئلہ پر عالموں کے درمیان سخت اختلاف پایا جاتا ہے[3] لیکن اگر یہ "چندر" چندر گپت دوم ہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے پاس ایک قطعی سند اس بات کی موجود ہے کہ گپت شہنشاہ نے بنگال تسخیر کر لیا اور شک اور کشن طاقتوں کے جو باقیات شمال و مغرب میں رہ گئے تھے۔ انھیں نیست و نابود کر دیا، یعنی وہ کام انجام دیا جسے سمدر گپت ادھورا چھوڑ گیا تھا۔

فاہیان کا سفر نامہ (۳۹۹-۴۱۴ء)

چندر گپت دوم کے عہد میں مشہور و معروف چینی یاتری فاہیان خشکی کے راستہ سے ہندوستان آیا۔ اس نے سفر کی صعوبتیں برداشت کیں اور ریگستان گوبی، نیز ختن، پامیر، سوات اور

---

[1] ورآہ مہر کے نزدیک وزہ یک شمالی ہند کے لوگ تھے۔ بعض عالم انھیں پنجاب کے باہیکوں کے مماثل قرار دیتے ہیں (دباسک، ہسٹری آف نارتھ ایسٹرن انڈیا، ص۱۷، حاشیہ نمبر ۱۲) دوسرے عالموں نے انھیں اہل بلخ سے تعبیر کیا ہے۔ بعض جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ وزہ یک کا لفظ عام معنوں میں غیر ملکی حملہ آوروں کے لیے استعمال ہوا ہے، جیسے پہلو، یون، وغیرہ (ملاحظہ ہو ایلن، کیٹلاگ اینڈ کوائنس آف گپت ڈائنسٹیز، تمہید، ص چھتیس[36])

[2] حسب ذیل عبارت سے موازنہ کریں۔ "मस्पोद्वृतयत: प्रतीपमरस्सा
शत्रुन्समेत्यागत न्वङ्गवाहवर्ते नोडी भातारवता खड्गेन कीर्ति भुजे ।
तीर्त्वा सप्तमुखानि येन समेर सिन्धोर्जित वाह्लिका यस्याद्याप्यधिवास्यते
जलनिधिर्वीर्यानिलै दक्षिणः :" کارپس انسکرپشنم انڈیکارم تیسرا نمبر ۳۲، ص۱۴۱، ۵ (۱)

[3] آر۔ جی۔ باسک (ہسٹری آف نارتھ ایسٹرن انڈیا، ص۱۳، ۱۴)، اور فلیٹ (کارپس انسکرپشنم انڈیکارم۔ تمہید ص۱۲) چندر کو چندر گپت دوم کے مماثل بتاتے ہیں۔ ونسنٹ اسمتھ اس کے قائل ہیں کہ چندر وہی ہے جو چندر گپت دوم ہے (جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۸۹۷ء، ص۱۴)؛ آر۔ ڈی۔ بنرجی (ایپی گرافیہ انڈیکا، چودھواں ص۳۶۷) چندر کو چندر ورمن کے مساوی قرار دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف ڈاکٹر رائے چودھری نے چندر کو یا تو سدا چندر کے، یا چندر انش کے، مماثل قرار دیا ہے" بلکہ آخر الذکر کو ترجیح دی ہے" (پولیٹیکل ہسٹری آف انیشینٹ انڈیا چوتھا اڈیشن، ص۴۴۹ حاشیہ ۱)

گندھار کے پہاڑی خطوں کے خطرات کا مقابلہ کرتا ہوا وہ پیشاور پہنچ گیا۔ پھر اس نے راستہ سے ذرا ہٹ کر شمال اور مغرب کی پہاڑیوں کو پار کیا اور پنجاب میں داخل ہوگیا۔ اس کے بعد وہ متھرا، سَن کاشیہ، قنوج، سراوستی، کپل وستو، کشی نگر، ویشالی، پاٹلی پتر اور کاشی وغیرہ مقامات سے گذرتا ہوا تامرلپتی (تملوک، ضلع مدناپور) کی طرف نکل گیا اور وہاں پہنچ کر اس نے وطن واپس لوٹنے کے لیے لنکا اور جاوا کا سفر جہاز میں کیا۔[1] فاہیان حقیقتاً بدھ مذہب کی مقدس کتابوں اور تبرکات کی تلاش میں اس قدر منہمک رہا کہ اسے یہ لکھنے کا بھی خیال نہ رہا کہ اس نے سکون و اطمینان کے یہ چند سال کس راجہ کی قلمرو میں گذارے لیکن کہیں کہیں اس نے یہاں کے لوگوں کی زندگی اور ملک کے عام حالات کے بارے میں تھوڑا بہت لکھنے کی طرف ضرور توجہ کی۔ آیئے دیکھیں کہ اس کے اس ضمنی بیانات سے ہمیں کیا معلومات بہم پہنچتی ہے۔

پاٹلی پتر

فاہیان نے پاٹلی پتر کی راجدھانی میں تین برس قیام کیا اور سنسکرت سیکھی۔ اس نے لکھا ہے کہ پاٹلی پتر میں اس وقت دو دیدہ زیب اور خوشنما خانقاہیں موجود تھیں۔ ایک ہین یان فرقہ کی اور دوسری مہایان فرقہ کی۔ جن پر چھ سَو یا سات سَو سادھو قبضہ کیے ہوئے تھے۔ اُن کے تبحر علمی اور منظم زندگی سے متاثر ہوکر ہزاروں تشنگانِ علم ہندوستان کے ہر حصہ سے اُن کے پاس آکر اپنی پیاس بجھاتے تھے۔ اشوک کا محل فاہیان کے وقت تک باقی رہ گیا تھا۔ اُس کی شان و شوکت دیکھ کر وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ اس کے بارے میں شہرت تھی کہ اس کی تعمیر فوق طاقتوں کے ذریعہ ہوئی ہے۔ چینی یاتری مگدھ کی دولت و خوشحالی دیکھ کر بھی متاثر ہوا اور تعجب سے کہہ اٹھا کہ یہاں کے باشندے فیاضی اور راست بازی میں ایک دوسرے سے سبقت لیجانے کی کوشش کرتے ہیں؛ ہر سال دوسرے مہینہ کے آٹھویں دن بدھا اور بدھ ستوؤں کا ایک عظیم الشان جلوس نکلتا تھا جس میں مورتیوں کو بیش قیمت اشیاء سے آراستہ کیا جاتا تھا۔ یہ مورتیاں "غالباً بیس رتھوں پر" رکھی ہوتی تھیں۔ اُن کی تیاری ایک خاص نمونے کے مطابق ہوتی

---

[1] ملاحظہ ہو خوبکو، ڈکی (فاہیان کا سفرنامہ)، بیل، بدھسٹ ریکارڈس آف دا ویسٹرن ورلڈ، ص تیئس۔ چالیس

تھی لیکن ان پر نقش و نگار بنانے میں رنگ مختلف استعمال کیے جاتے تھے۔ فاہیان کہتا ہے کہ "ویشیہ گھرانوں کے بڑے بوڑھوں نے خیرات خانے اور شفا خانے قائم کر رکھے ہیں" راجدھانی میں ایک بہت عمدہ قسم کا ہسپتال موجود تھا جس کے اخراجات کے لیے امرا اور دیگر صاحب حیثیت لوگ عطیات دیتے تھے، اس میں غریب اور محتاج مریضوں کو حسب ضرورت دوا اور غذا مفت دی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ بڑے بڑے شہروں میں نیز شاہراہوں پر مسافروں کے آرام و آسائش کے لیے قیام گاہیں بھی پائی جاتی تھیں [1]

سماجی حالت

چینی زائر کے بیان سے ہمیں مدھیہ پردیش کے سماجی حالات کی بھی ایک جھلک دکھائی دیتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی اکثریت دال بھارت کھانے کی عادی تھی اور اہنسا کے اصول کی پابند تھی۔ ان کے بازاروں میں "نہ مذبح ہوتے تھے اور نہ شراب خانے" وہ سور اور مرغیاں نہیں پالتے تھے، نہ پیاز کھاتے تھے اور نہ لہسن کھاتے تھے اور نہ شراب پیتے تھے [2] یہ وہ خصوصیت ہے جو آجکل کے اعتدال پسندوں کے لیے بڑی دل خوش کن ہے چنڈالوں کو سب سے حقیر و ذلیل اور سماج باہر سمجھا جاتا تھا۔ صرف یہ وہ لوگ تھے جو شکار کھیلتے اور گوشت کا کاروبار کرسکتے تھے و وہ لوگوں سے الگ تھلگ شہر کے باہر رہتے تھے اور جب شہر میں یا بازار میں داخل ہوتے تو انھیں ڈنکا بجانا پڑتا تھا تاکہ لوگ راستہ سے ہٹ جائیں اور ان سے مس ہونے کا امکان ہی نہ رہے [3] سچ تو یہ ہے کہ اس طریقۂ کار میں چھوت چھات کا رنگ جھلک رہا ہے جو ہندو دھرم پر آج تک ایک بد نما داغ ہے۔

مذہبی حالت

فاہیان محض بدھ مذہب کی مقدس کتابیں جمع کرنے اور ان مقامات کی زیارت کرنے کی

---

[1] ایضاً، باب ستائیس، ص ۵۶ ۔ ۵۴۔

[2] اس بیان کو بہرحال ذرا تکلف ہی سے تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

[3] ایضاً، باب سولہ، ص اڑتیس۔

غرض سے ہندوستان آیا تھا جو بدھا سے منسوب ہونے کے باعث متبرک مانے جاتے تھے۔ اس لیے فطری طور پر وہ بدھ مت اور بدھ سنگھ کی شاخوں کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کرتا ہے۔ اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب اور بنگال میں بدھ مذہب "پورے عروج" پر تھا، نیز یہ کہ متھرا میں جہاں اس نے بیس خانقاہیں دیکھیں، اس کے لیے رفتہ رفتہ زمین ہموار ہو رہی تھی۔ لیکن مدھیہ دیش میں وہ زیادہ مقبول نہیں تھا، مدھیہ دیش کے خاص خاص شہروں میں چینی زائر کو صرف ایک ایک دو دو خانقاہیں ملیں اور بعض مقامات پر کوئی خانقاہ سرے سے تھی ہی نہیں۔ یہاں برہمن مت کا زیادہ زور تھا اور راجہ خود ایک وشنو (پرم بھاگوت) تھا۔ بدعقیدہ برہمنوں اور بودھوں کے درمیان تعلقات عام طور پر خوشگوار تھے اور کسی مذہب پر ظلم و جبر کا کہیں شائبہ نہیں تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ کتبوں سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ چندرگپت کے بعض بلند مرتبہ افسر جیسے شاب ویرسین اور آمرکاردو اشیو اور بودھ معتقدات رکھتے تھے۔[1]

انتظامِ حکومت

فاہیان نے مدھیہ دیش، یعنی چندرگپت دوم کے مقبوضہ علاقوں کی معتدل آب و ہوا اور انتظامِ حکومت کی تعریف کی ہے۔ لوگ خوشحال تھے۔ عام محصول انھیں معاف تھے اور سرکاری ضابطوں کی پابندی سختی سے نہیں کرائی جاتی تھی، نہ انھیں اپنے گھروں کا اندراج کرانا پڑتا تھا۔ نہ کسی حاکم کے اجلاس میں جانے کی ضرورت تھی، نہ کسی قاعدہ قانون کی پابندی اُن پر لازم تھی۔ راجہ اپنی رعایا کی نقل و حرکت پر بھی کوئی پابندی نہیں لگاتا تھا۔ "اگر وہ کہیں جانا چاہتے ہیں تو چلے جاتے ہیں، اگر کہیں ٹھہرنا چاہتے ہیں تو ٹھہر جاتے ہیں۔"[2] رائج الوقت چینی قانون کے مقابلہ میں ہندوستان کا ضابطۂ فوجداری نرم تھا، مجرموں پر جرم کی نوعیت کے مطابق جرمانہ ہوتا

---

[1] اُدیاگری کے ایک کتبہ میں لکھا ہے کہ چندرگپت دوم کے وزیر امن و جنگ شاب ویرسین نے شیو دیوتا کے درگاہ کے طور پر ایک غار کھدوایا تھا (کارپس انسکرپشنم انڈیکارم، تیسرا، نمبر ۶ ص۳۴-۳۶) اسی طرح سانچی کا ایک کتبہ ہمیں بتاتا ہے کہ امرکاردو نے جو گپت دوم کی فوج میں اعلیٰ افسر تھا، ۲۵ دینار نقد اور ایک گاؤں کی آمدنی آریہ سنگھ کی یا بدھ فرقے کی نذر کی تھی (ایضاً نمبر ۵، ص۲۹-۳۴)

[2] فوکوکی، ترجمہ بیل، باب سولہ، ص ۲۰

تھا، کبھی کم کبھی زیادہ، لیکن جسمانی سزا نہیں دی جاتی تھی، یہ بات دلچسپ ہے کہ اُس وقت بہت سخت سزائیں نہیں دی جاتی تھیں اور غداری جیسے جرائم پر بھی صرف داہنا ہاتھ قلم کرنے کی سزا دی جاتی تھی۔ یہ تصویر جو پیش کی گئی اس میں بہرحال شائستگی زیادہ ہے حقیقت کم۔

مالیات کا دار و مدار لگان پر تھا جو کل پیداوار کا مقررہ حصہ یا اس کے بعد نقدی کی صورت میں وصول کیا جاتا تھا۔ سرکاری افسروں کو پابندی کے ساتھ مقررہ تنخواہ دی جاتی تھی۔ روزمرہ کی خرید و فروخت میں کوڑی بطور سکّے کے استعمال ہوتی تھی لیکن سونے کے "سُورن" اور "دینار" کا بھی عام رواج تھا جن کا ذکر کتبوں میں آتا ہے۔

چینی زائر کے مندرجہ بالا اقوال سے واضح ہوجاتا ہے کہ چندر گپت دوم کی حکومت باقاعدہ اور منظم تھی۔ عوام امن کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے، شمالی ہند میں سفر کے دوران فاہیان کو کسی حادثہ سے دوچار ہونا نہیں پڑا۔ عام حالات ضرور اطمینان بخش تھے، لیکن بعض مقامات مثلاً گیا، کشی نگر، کپل وستو، شراوستی، جہاں کبھی پہلے کافی چہل پہل رہتی تھی، اب ان میں خستگی اور ویرانی کے آثار نمایاں تھے۔

لوحی شواہد

چندر گپت کے نظام حکومت کے بارے میں کچھ باتیں جستہ جستہ ہمیں بساڑھ کی مہروں[1] نیز بہت سے دیگر کتبوں سے معلوم ہوتی ہیں۔ راجہ اپنے وزیروں (منتریوں) کی امداد و مشورہ سے حکومت کرتا تھا جن کا عہدہ اکثر موروثی ہوتا تھا[2] اُن میں سے بعض ایسے ہوتے تھے جو فوجی اور غیر فوجی دونوں خدمات انجام دیتے تھے اور راجہ کے ساتھ میدان جنگ میں جاتے تھے۔ انتظامی سہولت کے لیے سلطنت کئی صوبوں (دیشوں یا بھکتیوں)

---

[1] اینول رپورٹ آف آرکیولوجیکل سروے آف انڈیا ۱۹۰۳، ۱۹۰۴، ص۱۰۱ تا ص۱۲۰ اور ویاگری کا خطبہ در کارپس انسکرپشنم انڈیکارم، جلد ۳، نمبر ۶، ص۳۲، ص۳۶) چندر گپت دوم کے وزیر امن و جنگ شاب ویرسین کو ۱۰ اُنویہ پرایت سچیو یعنی بہت سندھی وگرہ کی حیثیت سے پیش کرتا ہے اسی طرح کرم دند کے کتبہ میں (اپی گرافیہ انڈیکا، دسواں ص۷۱ حاشیہ) کمار گپت اول کے وزیر پرتھوی سین کا ذکر ہے جس کا باپ بکھارسوامی چندر گپت دوم کا وزیر تھا۔

میں منقسم تھی جو گورنروں (اُپ رِک مہاراج یا گوپ) کے ماتحت ہوتے تھے۔ گورنر اکثر شاہی خاندان کے راجکمار ہوتے تھے۔ اس کے بعد ضلعے ہوتے تھے (وشیہ) اور اُن کی بھی تقسیم در تقسیم ہوتی تھی۔ صوبائی اور مقامی حکومت کا کام چلانے کے لیے مستقل عمال ہوتے تھے، بساڑھ کی مہروں میں بعض افسروں کے عہدے مندرج ہیں۔ مثلاً کمارا ماتیہ (راجکمار کا مشیر یا لغوی اعتبار سے وہ شخص جو بچپن سے وزیر ہے۔)؛ مہا وَنڈ نایک (رسالار اعلیٰ)؛ وِنے اَستھتی استھاپک (ناظر؟)؛ مہاپرتی ہار (حاجب)؛ بھٹا شو پتی (پیدل اور سواروں کی فوج کا افسر)، وَنڈ پاشا دھکارَن (پولیس کا افسر اعلیٰ)، وغیرہ دمودر پور کی تانبے کی تختی سے معلوم ہوتا ہے کہ ضلع کا افسر اعلیٰ (دوشیہ پتی)، براہ راست صوبائی گورنر کے ماتحت ہوتا تھا اور تنی یک تک کہلاتا تھا۔ اس کا صدر مقام ادھشٹھان میں ہوتا تھا اور وہیں اس کا دفتر (ادھی کرن") رہتا تھا۔ حکومت کے کاروبار میں اسے ایک پنچایت مدد دیتی تھی جو مختلف اغراض و مقاصد رکھنے والی مقامی جماعتوں کے نمائندوں پر مشتمل ہوتی تھی، مثلاً، سب سے بڑا سیٹھ یا ساہوکار (نگر شریشٹھن)، سب سے بڑا بیوپاری (سارتھ واہ)، سب سے بڑا کاریگر (پرتھم کلک) اور سب سے بڑا محرر (پرتھم کائستھ)۔ لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ یہ پنچایتیں محض مشاورتی حیثیت رکھتی تھیں یا مخصوص فرائض ان کے سپرد ہوتے تھے۔ دیگر اہم عہدہ داروں میں محافظ خانہ کا افسر (پُست پال) ہوتا تھا جو تمام حقوق ملکیت، تمسکات اور بیعناموں سے باخبر رہتا تھا۔ "جب کسی کو کوئی زمین وغیرہ خریدنی ہوتی تو خریدار کو پُست پال کے یہاں درخواست دینی پڑتی تھی۔ پُست پال جانچ پڑتال کے بعد حق ملکیت طے کر کے سرکار کو رپورٹ کرتا تھا۔ اس کے بعد افسران بالا خریداری کی منظوری دیتے تھے۔"[1] نظام حکومت کی سب سے چھوٹی اکائی پہلے کی طرح اب بھی گاؤں (گرام) تھا جو ایک مکھیا (گرامک) کے ماتحت ہوتا تھا۔ گرامک ایک پنچ منڈی یا پنچایت کی مدد سے جو گاؤں کے بڑے بوڑھوں (گرام وردھوں) پر مشتمل ہوتی تھی، اپنے حلقۂ اثر میں امن و امان قائم رکھتا تھا۔

کنبہ

کوُبرناگا کے علاوہ، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، چندرگپت کے ایک اور بیوی بھی تھی

---

[1] ایپی گرافیہ انڈکا، پندرھواں ص ۱۲۸

جس کا نام دھرُوَدیوی یا دھرُوَ سوامنی تھا۔ چندر گپت کے کم از کم دو بیٹے تھے۔ کُمار گپت اول اور گووِند گپت۔ آخر الذکر چندر گپت دوم کا ویشالی میں نائب السلطنت تھا،

القاب

کتبوں میں چندر گپت دوم کے لئے مختلف القاب استعمال کئے گئے ہیں۔ مثلاً پرم بھاگوت مہاراج دھراج سری بھٹارک۔ سکّوں میں وہ وکرم دتیہ، وکرمانک، نریندر چندر سنگھ وِکرم، سنگھ چندر وغیرہ بلند آہنگ اختیار کرلیتا ہے، اس کا دوسرا نام دیوراج بھی تھا۔ بعض واکاٹک کتبوں میں اُسے دیوگپت بھی کہا گیا ہے [1]

کمار گپت اول مہیندرادتیہ (۴۱۴ء۔ ۴۵۵ء)

تخت نشینی کی تاریخ

سانچی کے کتبہ (نمبر۔ ۵) کے بموجب چندر گپت دوم ۹۳ گپت سمبت مطابق ۱۲-۴۱۳ء میں حکومت کر رہا تھا، درانحالیکہ بل سَڈ کا کتبہ (نمبر۔ ۱۰) [2] مورخہ ۹۶ گپت سمبت مطابق ۴۱۵ء، اس کے بیٹے اور جانشین کمار گپت (اول) کے زمانہ کا ہے جس کی ماں کا نام دھرُودیوی تھا۔ اس لیے ہم با آسانی قیاس کرسکتے ہیں کہ عصائے شاہی ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں تقریباً ۴۱۴ء میں منتقل ہوا۔

اُس کی طاقت

کمار گپت کی زندگی کے حالات ہمیں زیادہ نہیں معلوم، لیکن اس کے سکّوں کی تعداد اور اقسام نیز اس کے عہد کے کتبوں کا جا بجا بکھرا ہوا ہونا دلالت کرتا ہے کہ اس نے سلطنت کو مستحکم و متحد رکھا جو بنگال سے سوراشٹر تک اور ہمالیہ سے مزیدا تک پھیلی ہوئی تھی۔

---

[1] کارپس انسکرپشنم انڈکارم، تیسرا نمبر۔ ۵، ص ۳۲، ص ۳۳، سطر ۲، [2] چمک کے تختی والے کتبہ سے موازنہ کریں کارپس انسکرپشنم انڈکارم، تیسرا نمبر۔ ۵۵، ص ۲۳۷، ص ۲۴۰، سطر ۱۵

بندھو ورمن دش پور (مندسور، مغربی مالوہ) میں کمار گپت کے جاگیردار کی حیثیت سے حکومت کرتا تھا۔ چراتَ شمالی بنگال (پونڈر وردھن بھکتی) کا گورنر تھا اور گھوٹ کچ گپت ایرکین یا ایرَن کے علاقہ (ضلع سوگور، مدھیہ پردیش) کا گورنر تھا۔

آشومیدھ یگیہ

کمار گپت کے بعض سونے کے سکّے ثابت کرتے ہیں کہ اُس نے آشو میدھ یگیہ کیا۔ بدقسمتی سے کتبے اس کی فتوحات پر کوئی روشنی نہیں ڈالتے، لیکن ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ وہ جنگ میں کامیابی حاصل کئے بغیر یہ شاہانہ رسم ہرگز انجام نہیں دے سکتا تھا۔

پشیامتر سے جنگ

بھٹاری کے ستونی کتبہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ پشیا متروں نے کافی طاقت اور دولت جمع کری تھی۔ نیز یہ کہ کمار گپت کی عمر کے آخری سال ان کے حملوں کے باعث کافی پریشانی میں گذارے [1] کمار گپت اول ضعیفی یا بیماری کی وجہ سے اُن کے مقابلہ کے لئے میدان جنگ میں خود نہ جا سکا اور اس لیے اس نے اپنے یوو راج اسکند گپت کو اس خطرہ کو دفع کرنے کے لئے بھیجا۔ اسکند گپت نے بہادری سے مقابلہ کیا۔ بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں اُسے ایک پوری رات "فرشِ زمین پر" گذارنی پڑی، لیکن اس نے اپنے خاندان کے کھوئے ہوئے وقار کو دوبارہ حاصل کرلیا۔ [2]

---

[1] کارپس انسکرپشنم انڈکارم، جلد ۳، صفحہ ۵۵۔ اس سے موازنہ کریں۔ "समुदितबलकोषान..." فلیٹ نے پشیا متروں کا مسکن دریائے نرمدا کے کناروں کو قرار دیا ہے (انڈین اینٹی کوئریز ۱۸۸۹ء صفحہ ۲۲۸) وشنو پران نے پشیا متروں کو نرمدا کے منبع کے قریب میقل کے علاقہ سے ربط دیتے رہتا تھا، ۴/۲۴/۱۷، پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا، چوتھا ایڈیشن۔ اس کے برخلاف مسٹر دیو کرنے "پدھیامترا" نسخ پڑھا ہے (اینلس آف دی بھنڈارکر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۱۹۔۱۹۲۰ء، صفحہ ۹۹، حصہ ۳) اگر اسے تسلیم کیا جائے تو کیا اَمِتروں سے اسکند گپت کے اندرونی دشمن مراد لئے جائیں گے؟

[2] اس سے موازنہ کریں "विचालितकुललक्ष्मीस्तम्भनायोद्यतेन क्षितितलशयनीये येन नीता त्रियामा....."

مذہبی حالت

اپنے باپ دادا کی طرح کمار گپت ایک بے تعصب حکمراں تھا۔ اپنے طویل دور حکومت میں اس نے بے شمار عطیات خیرات خانوں (ستّروں) اور مندروں کے اخراجات کے لیے دیئے ہم بُدھا اور پارشو کی مورتیوں کے نصب ہونے کا حال بھی سنتے ہیں۔ برہمنی دیوتاؤں میں سب سے زیادہ قابل احترام سُوریہ، شیو، وشنو اور کارتکیہ کو مانا جاتا تھا جن کی پرستش اب خاص طور پر مقبول ہو رہی تھی۔ بعض سونے اور چاندی کے سِکّوں سے پتہ چلتا ہے کہ کمار گپت وشنو کے مقابلہ میں کارتکیہ سے زیادہ عقیدت رکھتا تھا۔[1]

اسکند گپت کرمادتیہ (۴۵۵-۴۶۷ء)

ابتدائی دشواریاں

معلوم ہوتا ہے کمار گپت اوّل پشیامتر سے جنگ کے دوران ہی انتقال کر گیا، کیونکہ دشمنوں پر فتحیاب ہونے کے بعد اسکند گپت فتح کی خوشخبری سنانے اس طرح اپنی ماں کے پاس گیا جو بقید حیات موجود تھی جس طرح کرشن نے دیوکی کو جا کر سنائی تھی۔[2] دراصل بھِتَری کے کتبہ میں صراحتاً لکھا ہے کہ اس جنگ کے فوراً بعد اسکند گپت نے اپنا بایاں قدم مسند شاہی پر رکھا[3] یعنی تخت نشین ہوا، لیکن حالات بتا رہے تھے کہ اس کا دورِ حکومت پُرسکون رہنے والا نہیں ہے۔

---

[1] انڈین ہسٹری کوارٹرلی، پندرہ، نمبر ۱، مارچ، ۱۹۲۹، صہ

[2] اس سے موازنہ کریں
"पितारे दिवमपेत विप्लुता वंशलक्ष्मीम्
भुजवलविजतारिर्यः प्रतिष्ठाप्य भूयः।
जितमिति परितोषान् मातर सास्त्र नेत्राम्
हतरिपुरिव कृष्णी देवकीम भ्युपेतः॥

[3] اس سے موازنہ کریں
क्षितिपचरणपीठ स्थापितो वामपादः"

یہ ترجمہ فلیٹ کے ترجمہ سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔

ہونوں کے حملے

پشیامتر سے مجادلہ کے فوراً بعد سلطنت کو ایک اور خطرہ لاحق ہوگیا اور وہ تھی خانہ بدوش ہونوں کی یلغار جو ٹھیک اسی وقت شمالی مغربی درّوں سے کبھی نہ تھمنے والے طوفان کی مانند اُبل پڑے۔ شروع شروع میں اسکند گپت اس سیلاب پر بند لگانے میں کامیاب ہوا اور بڑی خوں ریز جنگ کے بعد انھیں اندرون ملک میں گھسنے سے روک دیا[1] لیکن ان وحشیوں کے پے در پے حملوں نے آخر کار گپت سلطنت کی بنیادیں ہلادیں۔ اگر بھتری کے ستون والے کتبہ کے ہُون جوناگڑھ کے چٹانی کتبے والے ملیچھوں کے مماثل ہیں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اسکند گپت نے یقیناً انھیں ۱۳۸ گپت سمبت، مطابق ۴۵۷-۴۵۸ء سے پہلے شکست دی، کیونکہ یہی جوناگڑھ کے کتبہ کی آخری تاریخ ہے۔ سوراشٹر اس کی سلطنت کا کمزور ترین پہلو تھا۔ اور دشمنوں سے اس کی حفاظت کے لیے اسے بڑی جی توڑ کوشش کرنی پڑی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ طے کرنے کے لئے کہ اس علاقہ پر حکومت کا اہل سب سے زیادہ کون ہے اسے کئی دن اور کئی رات غور کرنا پڑا۔ آخر کار قرعۂ فال پرنَ دت کے نام نکلا جس کے تقرر سے راجہ کے دل کو سکون حاصل ہوگیا۔

سُدرُشن جھیل

اسکند گپت کے دور حکومت کا ایک اور عظیم الشان واقعہ یہ ہے کہ سدرشن جھیل کے بند کی مرمت کرائی گئی جو بارش کی کثرت کے باعث ٹوٹ گیا تھا۔ اس جھیل کی طویل تاریخ ہے۔ سب سے پہلے چندرگپت موریہ نے ایک پہاڑی چشمہ پر ڈام بنوا کر ایک تالاب تعمیر کرایا۔ اشوک کے زمانے میں آبپاشی کے لئے اس میں پانی رو کنے

---

[1] اس سے موازنہ کریں:

हणैर्यस्य समागतस्य समरे दोर्भ्यां धरा कम्पिता भीमावर्तकरस्य

(کارپس انسکرپشنم انڈیکارم، تیسرا، صفحہ ۵۴-۵۵)

کے پھاٹک بنوائے گئے۔ ۲۰۷ سنک سمبت مطابق ۱۵۰ء میں شدید طوفان سے اسے نقصان پہنچا تو رودر دامن نے اس کی مرمت کروائی[1] پھر ۱۳۶ گپت سمبت، مطابق ۴۵۶ء میں بند میں پھر شگاف پیدا ہو گیا تو پرن دت کے لڑکے چکر پالت نے جو اس وقت گرنر کا گورنر تھا "زرکثیر" خرچ کر کے اُسے خالص پتھر سے ازسرِنو تعمیر کرایا۔ اس کامیاب تعمیر کی یادگار رقائم کرنے کے لئے ۱۳۸ گپت سمبت مطابق ۴۵۸ء چکر بھرت یا وشنو کا ایک مندر تعمیر کرایا گیا۔[2] اب نہ اس جھیل کا کہیں نام و نشان ہے نہ اس مندر کا۔

مذہب

اسکند گپت خود ایک سچا وشنو تھا، لیکن اس نے اپنے آباؤاجداد کی رواداریانہ پالیسی کو برقرار رکھا[3] رعایا نے بھی اپنے بادشاہ کی عمدہ مثال کی پیروی کی۔ مثال کے طور پر، کہوم کے کتبہ (نمبر ۱۵[4]) کی شہادت موجود ہے کہ ایک 'مدر' نامی شخص نے جو برہمنوں مذہبی پیشواؤں اور سادھوں کے لئے اپنے دل میں محبت کا بے پناہ جذبہ رکھتا تھا، جین تیرتھنکروں کی پانچ پتھر کی مورتیاں نصب کرائیں۔ اسی طرح، اندور کی تختی (نمبر ۱۶[5]) میں ایک تحفہ کا ذکر کیا ہے جو کسی برہمن نے سوریہ مندر میں چراغ کے خرچ کے لئے دان کیا تھا۔ یہ مندر دو چھتریوں نے اندرپور (اندور، ضلع بلند شہر) میں تعمیر کرایا تھا۔ معطی نے ایک مستقل رقم تیلیوں کی مقامی بیوپاری انجمن (تیلک شرینی) کے پاس جمع کردی تھی جس کے سود سے چراغ کے لئے تیل کا خرچ نکلتا تھا اور اصل میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی تھی۔

القاب

اسکند گپت کے لئے معمولاً تو "کرمادتیہ" کا لقب استعمال ہوتا تھا، لیکن بعض

---

[1] ۔ رودر دامن کا جوناگڑھ والا کتبہ، ایپی گرافیہ انڈکا، آٹھواں، ص۳۶، ص۴۹[2] اسکند گپت کا جوناگڑھ والا چٹانی کتبہ (کارپس انسکرپشنم انڈکارم، تیسرا، نمبر ۱۴، ص۵۶۔ ص۶۵[3] ملاحظہ ہو میرا مقالہ: ریجنس ثالرشین انڈر دا امپیریل گپتاز، انڈین ہسٹری کوارٹرلی، جلد پندرہ نمبر ۱ (مارچ ۱۹۳۹ء) ص۱۔ ص۱۲ کارپس انسکرپشنم انڈکارم، تیسرا، ص۶۵، ص۶۸[4] ایضاً، ص۶۸۔ ص۲[5]

چاندی کے سکوں میں زیادہ معروف لقب "وکرمادتیہ" بھی استعمال کیا گیا ہے۔ اتفاق سے یہ بات بھی اس مقام پر قابل غور ہے کہ کہوم کے کتبہ میں ملتے کشتی پشت پتیہہ" یا ستلو راجاؤں کا آقا" بھی کہا گیا ہے۔

تاریخ

چاندی کے سکوں کی سند کے مطابق کمار گپت اول اور اسکند گپت کی آخر کا تاریخیں جو ہمیں معلوم ہیں وہ علی الترتیب ۴۵۵ اور ۴۶۷ء ہیں۔ اس لئے قیاس ہے کہ یہ دو حدیں ایسی ہیں جن کے درمیان اسکند گپت کے دور حکومت کا تعین کیا جا سکتا ہے۔

آخری دور کے شہنشاہ

اس میں شک نہیں کہ گپت خاندان کا وجود اسکند گپت کی موت کے بعد بھی باقی رہا۔ لیکن اس کی وہ اگلی شان وشوکت رخصت ہو گئی۔ تقریباً ۴۶۷ء میں اس کے بعد اس کا بھائی، یا سوتیلا بھائی، پورگپت، جو اننت دیوی کے بطن سے پیدا ہوا تھا تخت نشین ہوا۔ اننت دیوی کا نام ہمیں بھتری کی مہر کے کتبہ سے حاصل ہوا ہے[1] لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ اس کتبہ میں جو شجرہ مندرج ہے اس میں اسکند گپت کا نام شامل نہیں ہے۔ اس سے بعض عالم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ دونوں بھائیوں میں دشمنی تھی جس کے باعث دونوں میں آپس میں جنگ ہوئی اور سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ لیکن اس رائے میں کوئی وزن نہیں ہے کیونکہ قدیم ہندوستان کی لوحی دستاویزات میں اس قسم کی بھول چوک کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ اس کے برخلاف دوسری شہادتیں قطعیت کے ساتھ ثابت کرتی ہیں کہ اسکند گپت ایک طاقت ور حکمراں تھا اور تمام گپت سلطنت پر اس کی حکومت تھی۔ پورگپت کے سکوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے شری وکرمہ کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ ہوزن کے کی رائے ہے کہ جن سکوں کے الٹے رُخ پر "شری پرکاشادتیہ" سجع کندہ ہے وہ بھی اُسی سے منسوب ہونے چاہئیں[2] بہرحال اسکی

---

[1] جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۸۸۹ء صفحہ ۸۴۔ ص ۹۱ [2] ایضاً، ص ۹۳۔ ص ۹۴۔ بعد میں ہوزن

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سلطنت کی وسعت یا اس کے دورِ حکومت کا تعین صحت کے ساتھ کرنا مشکل ہے۔

نرسنگھ گپت

پورگپت کا جانشین اس کا لڑکا نرسِنگھ گپت ہوا جو ونس دیوی کے بطن سے تھا۔ اس کا لقب بالادتیہ تھا، لیکن وہ ہونوں کے مشہور و معروف فاتح کے مماثل ہرگز نہیں تھا، جیسا کہ عام طور پر قیاس کیا جاتا ہے۔ نرسنگھ گپت کا دورِ حکومت غالباً بہت مختصر ہوا۔

کمار گپت دوم

نرسنگھ گپت کے بعد اس کا لڑکا کمار گپت جو مہالکشمی دیوی کے بطن سے تھا راجہ ہوا۔ پرداد اسے متمیز کرنے کے لئے اسے کمار گپت دوم کہا جاتا ہے۔ اگر ہم اُسے سارناتھ والے کمار گپت کے مماثل قرار دیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ ۱۵۴ گپت سمبت مطابق ۴۷۳-۴۷۴ء میں "روئے زمین کی حفاظت" کر رہا تھا[1] اسی کے عہد میں (۵۲۹ مالوہ سمبت، مطابق ۴۷۲-۴۷۳ء) ریشمی کپڑ بننے والے جولاہوں کی بیوپاری انجمن نے وِشن پور میں ایک سوریہ مندر کی مرمت کرائی۔ اس مندر کی تعمیر ۴۹۳ مالوہ سمبت، مطابق ۴۳۶-۴۳۷ء، یعنی کمار گپت اول کے زمانے میں عمل میں آئی تھی[2]

بُدھ گپت

سارناتھ ہی کے ایک دوسرے کتبہ کی سند کے مطابق بدھ گپت، ۱۵۷ گپت

باقی حاشیہ پچھلے صفحہ کا: طے نے ان سکوں کو یشودھرمن سے منسوب کیا ہے۔ (جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۰۹، صفحہ ۱۲۵، صفحہ ۱۳۶) بہرحال ملاحظہ ہو ایلن، کیٹلاگ اینڈ کوائنس آف گپتا ڈائنیسٹیز، تمہید ص ایک سو ایک تا ایک سو پانچ

[1] اینول رپورٹ آرکیلاجکل سروے، ۱۹۱۴-۱۹۱۵، نمبر پندرہ، صفحہ ۱۲۴ [2] مندسور کے پتھر کے کتبہ سے موازنہ کریں کارپس انسکرپشنم انڈکارم، تیسرا نمبر ۱۸، صفحہ ۷۹، صفحہ ۸۸

سمبت مطابق ۶-۴۷۵ء۴۷۷ میں تخت شاہی پر موجود تھا[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تخت نشینی کم و بیش ایک سال پہلے عمل میں آئی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان تینوں حکمرانوں کا دورِ حکومت جن کے ناموں کا انکشاف بھتری کی مہر والے کتبہ سے ہوا ہے بہت مختصر یعنی تقریباً آٹھ سال رہا۔ یہ واضح نہیں ہے کہ بدھ گپت کا ان ناموں سے کیا رشتہ تھا۔ یوان چوانگ لکھتا ہے کہ وہ شکرادتیہ کا لڑکا تھا، اور چونکہ سنسکرت زبان میں شکر اور مہیندر دونوں اندر کے مترادف ہیں اس لئے ہوسکتا ہے وہ بدھ گپت اول کا بیٹا ہو جس نے مہیندرادتیہ کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ دمودر پور (ضلع دیناج پور)[2] سارناتھ (ضلع بنارس)، اور ایران (ضلع ساگور، مدھیہ پردیش)[3] میں جو کتبے دریافت ہوئے ہیں اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ بدھ گپت کی حکومت بنگال سے وسط ہند تک تمام ملک میں تسلیم کی جاتی تھی۔ اس وقت شمالی بنگال بدھ گپت کے نائب السلطنت برہم دت اور جے دت کے ماتحت تھا۔ مشرقی مالوہ کا صوبہ دار مہاراجہ ماتری وشنو تھا۔ کالندی (جمنا)، اور نرمدا کے درمیانی علاقہ کا انتظام بدھ گپت کے ایک جاگیردار مہاراجہ، سُرَشمی چندر کے سپرد تھا۔

بھانو گپت

معلوم ہوتا ہے بدھ گپت کا دورِ حکومت ۱۹۵ گپت سمبت، مطابق ۴۹۴-۴۹۵ء کے فوراً بعد ختم ہو گیا، اور یہ وہ آخری تاریخ ہے جو ہمیں اس کے چاندی کے سکوں سے معلوم ہوتی ہے۔ اس کے بعد بھانو گپت گدی پر بیٹھا، لیکن اس کا رشتہ نامعتبر ہے۔ بھانو گپت کے عہد میں ہونوں نے مالوہ گپت خاندان سے چھین لیا۔ کیونکہ ماتری وشنو اگرچہ بدھ گپت کا نائب تھا، لیکن ماتری وشنو کے چھوٹے بھائی دھنیہ وشنو نے تورمان کی فرماں روائی تسلیم کر لی تھی[4] ایرن کا کتبہ ۱۹۱ گپت سمبت مطابق ۱۰-۵۱۰ء ثابت کرتا ہے کہ بھانو گپت کا سپہ سالار گوپ راج ایک[5] بہت مشہور جنگ[6] میں

---

[1] ایضاً، نمبر ۱۵، صفحہ ۱۳۵-۱۳۶ [2] اپی گرافیہ انڈکا، پندرہ، تختی نمبر ۳، ۱۴، ۴، صفحہ ۱۳۲، صفحہ ۱۴۱ [3] کارپس انسکر پشنم انڈکارم، تیسرا نمبر ۱۹، صفحہ ۸۸، صفحہ ۹۰ [4] ایضاً، نمبر ۲، صفحہ ۱۵۸، صفحہ ۱۶۱ [5] ایضاً، ۲، صفحہ ۹۱، صفحہ ۹۳

بظاہر ہونوں سے مقابلہ کے دوران کام آیا۔ اس کے بعد گپت حکومت زوال پذیر ہو گئی اور سوائے ان چند ناموں کے جو سکوں سے ہمیں ملتے ہیں گپت خاندان کے باقی افراد کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے۔ ان کی حکومت ایک چھوٹے سے علاقے میں محدود رہ گئی جس میں صرف بہار اور بنگال شامل تھے۔ صوبوں نے رشتہ توڑ کر خود مختاری اختیار کر لی۔ اور اپنی اپنی ڈفلی اور اپنا اپنا راگ الاپنے لگے۔

ضمیمہ

گپت شہنشاہوں کا سلسلۂ نسب

گپت (تقریباً ۲۷۵ - ۳۰۰ء)

گھٹوٹ کچ (تقریباً ۳۰۰ - ۳۱۹ء)

چندر گپت = اول کمار دیوی (۳۱۹ - ۳۳۵ء)

رام گپت (؟) — چندر گپت دوم = دھرو دیوی (تقریباً ۳۷۵ - ۴۱۴ء)

کمار گپت اول (تقریباً ۴۱۴ - ۴۵۵ء)

اسکند گپت (تقریباً ۴۵۵ - ۴۶۷ء) — پورا گپت = ونس دیوی — بدھ گپت (تقریباً ۴۷۵ - ۴۹۵ء)

نرسنگھ گپت = مہالکشمی دیوی — بھانو گپت (تقریباً ۵۰۰ - ۵۱۰ء)

کمار گپت دوم

آخری دور کے سکوں سے ہمیں وشنو گپت چندرادتیہ[1] گپت دوادشادتیہ اور دوسرے نام دستیاب ہوتے ہیں لیکن ان کا کچھ اور حال یا ان کے باہمی تعلق کے بارے میں کوئی بات ہمیں کہیں نہیں ملتی۔

---

[1] ایک مُہر میں جو حال ہی میں نالندا میں دریافت کی گئی ہے وشنو گپت کو کمار، غالباً کمار گپت دوم کا بیٹا ظاہر کیا گیا ہے۔ لیکن اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ اس کی حکومت کب اور کہاں تھی۔ میں شکر گزار ہوں ڈاکٹر اٹیکر کا جنہوں نے اس مُہر کی طرف مجھے متوجہ کیا۔

تیرھواں باب

گپت عہد میں تہذیب و تمدن اور نئی طاقتوں کا عروج

فصل (۱)

عظیم الشان عہد

گپت شہنشاہوں کے دور حکومت کو اکثر ہندو تاریخ کے عہد زریں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس میں کئی بڑے قابل، ذہین اور طاقت در حکمرانوں کا دور حکومت شامل ہے جنہوں نے شمالی ہند کے ایک بڑے حصہ کو ایک سیاسی چھتری کے نیچے لاکر متحد و مستحکم کردیا اور باقاعدہ حکومت اور ترقی کے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ اُن کی حکومت میں اندرونی تجارت کو بھی فروغ ہوا اور غیر ملکی تجارت کو بھی اور ملک میں دولت کی فراوانی ہو گئی۔ اس اندرونی سکون و اطمینان اور خوشحالی و فارغ البالی کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ مذہب، ادب اور علم و فن کی ترقی کے لئے نئی شاہراہیں کھل گئیں۔

مذہب۔ برہمن مذہب

اس عہد میں برہمن مذہب کا زور کافی بڑھ گیا۔ اس کی وجہ ایک بڑی حد تک تو یہ ہوئی کہ گپت راجاؤں نے جو برہمن مذہب کے پیرو تھے اور وشنو سے عقیدت رکھتے تھے، برہمن مذہب کی سرپرستی کی۔ لیکن خود برہمن مذہب میں جو حیرت انگیز لچک اور اثر پذیری کی داخلی صلاحیت موجود تھی اُسے بھی اس کی کامیابی میں بڑا دخل تھا۔ برہمن مذہب نے ان تمام عقائد، رسوم اور قدیم دیسی توہمات پر جنہیں عام مقبولیت حاصل تھی اپنی چھاپ لگاکر عوام کو اپنی طرف جیت لیا۔ اس کے علاوہ غیر ملکی حملہ آوروں کو جو ذات

بات سے بے نیاز تھے اس نے اپنے وسیع دامن میں پناہ دی جس سے اس کی قوت میں اضافہ ہوگیا اور سب سے بڑھکر یہ کہ پیش بندی کے طور پر اپنے مدمقابل یعنی بدھ مذہب کی بعض لطیف تعلیمات کو اپنے اندر سمو کر اور بدھا کو اپنے دس اوتاروں میں شامل کرکے اس نے بدھ مذہب کے منصوبوں کو مکمل شکست دے دی۔ چنانچہ جب یہ تمام نئی باتیں اس میں داخل ہو گئیں تو برہمن مذہب نے وہ صورت اختیار کر لی جسے آج ہندو دھرم کہتے ہیں۔ مختلف ومتنوع دیوتاؤں کی پرستش اب اس کا شعار ہو گیا۔ جن میں وشنو، جسے چکر بھرت بھی کہا جاتا ہے، گداؔدھر، جنار دَن، نارائنؔ واسودیو، گووند خاص طور پر نمایاں تھے۔ دوسرے دیوتا جنھیں عام مقبولیت حاصل تھی وہ شیو، شمبھو[1] کارتکیہ[2] اور سوریہ تھے۔ دیویوں میں لکشمیؔ درگا یا بھگوتی، اور پاروتی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ برہمن مذہب قربانیوں پر زور دیتا تھا۔ کتبوں میں ان قربانیوں کی طرف جا بجا اشارے ملتے ہیں۔ مثلاً آشومیدھ، واج پیئہ، اگنشٹوم، آپ ترپام، اتی راتر، پنچ مہا یگیہ وغیرہ وغیرہ۔

بدھ مذہب

فاہیان جو ہر چیز کو بدھ مذہب کی عینک سے دیکھتا تھا اپنی سیاحت کے دوران کوئی علامت تنزل کی نہ دیکھ سکا لیکن اس میں کوئی کلام نہیں کہ گپت دورِ حکومت میں بدھ مذہب مدھیہ پردیش میں روبہ زوال ہو چکا تھا۔ گپت حکمرانوں نے کسی قسم کے جبر و تشدد سے کام نہیں لیا۔ وہ وشنو مت کے سچے پیرو تھے لیکن انھوں نے اپنی میزان عدل کو متضاد عقائد کے مابین ہمیشہ متوازن رکھا۔ رعایا کو مکمل طور پر آزادیٔ ضمیر حاصل تھی۔ چندر گپت کے بدھ سپہ سالار آمر کاردو کی مثال تو خیر منفرد ہے لیکن اس طرح مملکت کے تمام اعلیٰ عہدوں کے دروازے بلا امتیاز مذہب و ملت ہر شخص کے لئے کھلے ہوئے تھے۔ موضوع سے ذرا ہٹ کر، بدھ مذہب کے زوال کے اسباب کی بحث میں الجھنے کی بجائے اس مقام پر صرف اتنا کہہ دینا مناسب

---

[1] شیو کو بھوت پتی، شول پانی، مہادیو، پناکین، ہر وغیرہ ناموں سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔
[2] دوسرے نام ہیں اسکند سوامی مہاسین۔

معلوم ہوتا ہے کہ بدھ مذہب کی فرقہ بندیوں اور بدھ سنگھ میں خرابیوں نے اس کی قوتِ حیات کو بالکل سلب کر دیا تھا اس کے علاوہ بدھا اور بودھی ستوؤں کی مورتی پوجا، بودھ دیوتاؤں کی مجموعی حیثیت سے پرستش کے رواج، مذہبی رسوم کی ادائیگی اور مذہبی جلوسوں نے بدھ مت کو اس کی دیرینہ لطافت و پاکیزگی سے اس قدر دور ہٹا دیا تھا کہ عام آدمی کے لئے اس میں اور ہندو مت میں کوئی خاص فرق باقی نہیں رہا تھا۔ چنانچہ اس کے ہندو مت میں ضم ہونے کے لئے زمین خوب ہموار ہوگئی۔ آج اس مشابہت و مماثلت کی بہترین مثال نیپال میں پائی جاتی ہے جہاں بقول ڈاکٹر ونسنٹ اسمتھ "ہندو دھرم کا عفریت اپنے شکار یعنی بدھ مت کو آہستہ آہستہ ہڑپ کئے جا رہا ہے"۔[1]

جین دھرم

کتبوں سے جین مت کے وجود کا بھی پتہ چلتا ہے۔ لیکن جین مت کچھ اس لئے کہ اس میں نظم و ضبط کی پابندیاں زیادہ تھیں اور کچھ اس لئے کہ شاہی سرپرستی اسے حاصل نہیں تھی، زیادہ نمایاں نہیں تھا۔ جین مت اور دوسرے مذہبوں میں اتفاق و اتحاد پایا جاتا تھا، کیونکہ ایک شخص مدر نامی جس نے پانچ مجسمے جین پتر ٹھنکروں کے نام منسوب کیے تھے برہمنوں کے مذہبی پیشواؤں کی محبت کا بے پناہ جذبہ اپنے دل میں رکھتا تھا۔[2]

مذہبی خیراتیں

نیک اور مخیر لوگ دنیا اور عقبیٰ میں سکون و مسرت حاصل کرنے کی غرض سے بڑی فیاضی کے ساتھ برہمنوں کو رہائش کے لئے قیام گاہیں (ستر) دان کرتے اور سونے

---

[1] ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن صفحہ ۳۰۲۔ [2] کہوم کے پتھر کے ستونی کتبہ سے موازنہ کریں۔ کارپس انسکرپشم انڈکارم، تیسرا، نمبر ۱۵، صفحہ ۶۸۔ اس سے موازنہ کریں۔

"द्विजगुरुयतिषु प्रायशः प्रीतिमान यः"

اور دیہی زمینوں (اگرہار) کی نذریں گذارتے تھے۔ مورتیاں اور مندر تعمیر کر کے بھی لوگ اظہار عقیدت کرتے تھے۔ مندروں کے لئے وہ مستقل رقمیں جمع کر دیتے تھے (اکشیہ نی وی) جن کے سود سے مندر میں تمام سال روشنی کا انتظام کیا جاتا تھا۔ اسے پوجا کا ضروری جز سمجھا جاتا تھا اسی طرح بدھ اور جین مذہب والے علی الترتیب بدھا اور تیرتھنکروں کی مورتیاں خیرات کے طور پر نصب کراتے تھے۔ بدھ مذہب کے لوگ بھکشوؤں کے رہنے کے لئے خانقاہیں (وہار) تعمیر کرتے تھے جہاں اُن کے لئے کھانا اور کپڑا مفت فراہم کیا جاتا تھا۔

سنسکرت کا احیا

برہمن مت کی تجدید کے ساتھ ساتھ سنسکرت کا استعمال اور اثر بھی بہت تیزی سے بڑھا۔ اس احیا کی بالکل ابتدائی منزل کی ایک سند جوناگڑھ میں رودردامن کے طویل چٹانی کتبہ میں ملتی ہے جس پر ۷۲ (شک سمبت؟) مطابق ۱۵۰ء پڑا ہوا ہے۔ لیکن اب اُسے مستقل طور پر سرکاری زبان کی حیثیت سے لوحی دستاویزات اور سکوں کی تجویزوں میں وقیع مقام دیا جانے لگا[1] پہلے پالی ذریعہ اظہار تھی لیکن اب بدھ مصنفین بھی مثلاً وسوبندھو اور دگ ناگ سنسکرت کو پالی پر ترجیح دینے لگے[2]

ادبی ارتقا

گپت عہد کا مقابلہ عام طور پر تاریخ یونان میں پیری کلیز کے عہد سے اور تاریخ انگلستان میں ملکہ ایلزبتھ کے عہد سے کیا جاتا ہے۔ گپت دورِ حکومت اس جہت سے ممتاز تھا کہ اس میں بہت سے نامور علما وفضلا موجود تھے جن کی تخلیقات نے ہندوستانی ادب کی مختلف اصناف کو مالا مال کر دیا۔ گپت حکمراں علم وفضل کی ہمت

---

[1] یہ بات قابل غور ہے کہ ایودھیا کا مختصر کتبہ (ایپی گرافیہ انڈیکا، بیس، ص۵۴، ص۵۸) جو پشیامتر کے عہد کا ہے (تقریباً ۱۸۴ ق۔م تا ۱۴۸ ق۔م) کلیتاً سنسکرت میں ہے، یہ سنسکرت زبان میں سب سے قدیم کتبوں میں سے ہے [2] بدھا خود سنسکرت استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ اُن کے وعظ رائج الوقت عوامی زبان میں ہوتے تھے۔

افزائی کرتے تھے اور خود بھی بہت تعلیم یافتہ تھے۔ ہم نے گزشتہ صفحات میں الہ آباد کے ستونی کتبہ کی سند پر سمدرگپت کے شاعری اور موسیقی میں کمالات کی طرف اشارہ کیا اس کے علاوہ وہ آفاقی روایت جس میں "نوہیروں" (نورتن) کو قصّوں کہانیوں والے وکرمادتیہ سے ربط دیا گیا ہے، ظاہر کرتی ہے کہ چندرگپت دوم وکرمادتیہ کے دربار کے اس عظیم الشان ادبی حلقہ نے عوام کے دل و دماغ پر کتنا گہرا اثر مرتب کیا تھا۔ ان میں سب سے زیادہ ممتاز شخصیت بلاشبہ مشہور و معروف شاعر و تمثیل نگار کالیداس کی تھی جو غالباً مالوہ کا ساکن تھا۔ بدقسمتی سے اس کی تاریخ اب تک مشتبہ ہے یہاں تک کہ بعض عالم اس پر بضد ہیں کہ وہ ۵۰ ق.م کی شخصیت ہے۔ لیکن کافی مضبوط قرائن ہمارے پاس اس رائے کے حق میں موجود ہیں کہ کالیداس کا تعلق گپت عہد سے تھا، نیز یہ کہ وہ چندرگپت دوم یا کمارگپت اول کا معاصر تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ چندرگپت دوم کی فتوحات کا ایک حوالہ رگھوونش میں رگھو کی "دِگ وِجے" کی مبالغہ آمیز تفصیلات میں دستیاب ہوتا ہے۔ کالیداس کی ایک اور رزمیہ نظم کمارسمبھو ہے؛ رِتوسنگھار اور میگھ دوت اس کی غنائی شاعری کے بہترین نمونے ہیں۔ اس کے ناٹکوں میں ہم مالوکاگنی مترم، وکرم اُروشی اور شکنتلا کے بارے میں جانتے ہیں۔ آخرالذکر تو اس درجہ دلکش ہے کہ اس نے دنیا بھر کے عظیم ترین ادبی نقادوں سے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔ گپت عہد میں اور بھی بہت سے پایہ کے شعرا موجود تھے لیکن کالیداس کی عظمت نے ان کے فن کو پھیکا کر دیا، ہری شین اور وتس بھٹی، علی الترتیب سمدرگپت اور کمارگپت کے معاصر تھے۔ ان کی تخلیقات پتھر کی سلوں پر کندہ ہیں اور بدستور ہم تک پہنچ گئی ہیں، مدراراکشش کا مصنف، وشاکھ دت، فرہنگ نویس، امرسنگھ جس نے امرکوش مرتب کی، مشہور و معروف طبیب دھن ونتری اور عظیم بدھ عالم جن کا ذکر ہم نے گزشتہ سطور میں کیا، سب اسی عہد سے تعلق رکھتے تھے۔ مزید برآں، برہمنوں

ف ناگپور یونیورسٹی جرنل، نمبر ۵ دسمبر ۱۹۳۹ء، صفحہ ۱۲، مسٹر ڈی بی کیدر نے اپنے فاضلانہ مقالہ "کالیداس اس کا مولد تاریخ" میں اس پر بحث کی ہے کہ کالیداس شنگ عہد کی شخصیت ہے۔ نیز یہ کہ وہ غالباً بھاگ بھدر یا بھاگ وت کا آورده تھا۔ مسٹر کیدر اسکے بھی قائل ہیں کہ کالیداس مالوہ کا باشندہ تھا اور دیوگری میں پیدا ہوا تھا

نے اپنے ادب کو اپنے بے شمار عقیدت مندوں کے جذبات سے ہم آہنگ کرنے اور ان پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کی غرض سے اُس پر اسی زمانے میں نظرثانی کی۔ پُرانوں نے جن میں گپت خاندان کا ذکر ہے اسی عہد میں اصلاح و تصحیح کے بعد وہ شکل اختیار کی جو آج تک موجود ہے۔ اسی طرح منوسمرتی میں بھی ترمیم کی گئی جو تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں انھیں مذہباً جائز قرار دینے کے لئے دوسری سمرتیاں مثلاً یاگیہ ولکیہ سمرتی، بھاسیہ" یا سوتروں کی تفسیریں لکھی گئیں۔ ہیئت اور ریاضیات کے میدان میں بڑے جم کر کام ہوا، اور آریہ بھٹ (ولادت: ۴۷۶ء)، وراہ مہر (۵۰۵-۵۸۷ء) اور برہم گپت (ولادت: ۵۹۸ء) نے سائنسی ادب کی مختلف اصناف میں حیرت انگیز اضافے کئے معلوم ہوتا ہے وہ یونانی ہیئت سے بھی واقف تھے کیونکہ اپنی تصانیف میں انھوں نے بہت سی یونانی اصطلاحیں استعمال کی ہیں۔

تعلیم

اس عہد کی علمی اور ادبی سرگرمیوں کے نتائج کا جائزہ لینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ رائج الوقت نظامِ تعلیم بہت عمدہ اور باقاعدہ تھا۔ بدقسمتی سے اس موضوع پر ہماری معلومات بہرحال مایوس کُن حد تک ناکافی ہے۔ کتبوں سے معلوم ہوتا کہ استادوں کو اس وقت آچاریہ اور اُپادھیائے کہا جاتا تھا، لیکن برہمن عالموں کے لئے بھٹ کا لقب بھی استعمال ہوتا تھا۔ برہمنوں کی امداد کے لئے جاگیر میں گاؤں دیے جاتے تھے اور مخیر لوگ اپنے عطیات سے بھی انہیں نوازتے تھے۔ برہمنوں کے تمام چیلے جو شِشیہ یا برہم چارِن کہلاتے تھے۔ شاکھاؤں اور چرنوں یعنی اُن ویدی مدرسوں میں جمع ہو جاتے تھے جو کسی مخصوص وید کے اصلاح شدہ نسخہ کی تعلیم دیتے تھے[1] ان اصلاح شدہ نسخوں میں سے کتبوں میں میترائے نیئے، تیتری لئے اور واجسَن نیئے اور بعض دوسرے نسخوں کا ذکر آتا ہے۔ رہا مضامین کا سوال تو اُن کے بارے میں ہماری معلومات یہ ہے کہ اس وقت چودہ علوم (چتردشں ودیّا) کی تعلیم دی جاتی تھی۔ یعنی چاروں وید، چھ وید آنگ، پُران، مِی مانُ سا، نیائے، اور دھرم یا قانون۔ کتبوں میں شالاتری یہ (یانیتی)،

---

[1] بہرحال یہ دلیل بھی دی جاتی ہے کہ شاکھا اور چرن اب معدوم ہو گئے تھے۔

کی دِیاکرَن داشٹ آدھیائیٗ)، اور شت ساہسری سَنُ ہتا یعنی مہا بھارت کا بھی ذکر آتا ہے۔ ان مضامین کے علاوہ یقین ہے کہ غیر مذہبی اور دنیاوی ادب کا جو ذخیرہ موجود تھا اس کی ضرور تعلیم دی جاتی تھی۔

زمانہ کے رواداری نہ مزاج کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ بودھ علوم کے عظیم مرکز نالندہ کی بنیاد شکرادتیہ، غالباً کمار گپت اول نے رکھی، جس نے تقریباً پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں ایک خانقاہ وقف کی۔ اس کے بعد بدھ گپت تتھاگت گپتؐ بالادتیہ اور دوسرے گپت حکمرانوں نے مزید عطیات سے اُسے نوازا۔ نالندا میں نصاب تعلیم بہت جامع تھا اور کچھ بعد تو اس کا مقام اتنا بلند ہو گیا کہ نہ صرف ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے بلکہ بیرونی ممالک سے سینکڑوں تشنگان علم یہی علمی و روحانی پیاس بجھانے یہاں آتے تھے۔

گپت عہد کے سکّے

سمدرگپت (یا چندرگپت اول ؟) کے سب سے پرانے سونے کے سکّے ۱۱۸ سے ۱۲۲ گرین تک وزن رکھتے ہیں، شکل و صورت اور وزن میں کشن راجاؤں کے سکّوں سے بہت مشابہ ہیں، سکّوں پر غیر ملکی اثر اس سے ثابت ہے کہ گپت عہد کے کتبوں میں کشن نام "دِینار" استعمال ہوا ہے جو لاطینی ڈنیریَس سے مشتق ہے۔ بہر حال چندرگپت دوم نے جس کے سکّوں کا وزن ۱۲۴ سے ۱۳۲ گرین تک تھا کشن (رومی) سکّوں والے وزن میں تبدیلی کردی ؛ اور بعدازاں اسکندگپت نے اُس وزن کو بالکل ترک کر دیا اور ہندو سُورُون کا معیاری وزن (۱۴۶ گرین) اختیار کر لیا۔ کشترپ علاقوں کی فتح کے بعد گپت راجاؤں نے شک معیار کے مطابق چاندی کے ۳۲ گرین والے سکّے بھی جاری کیے، بعد میں اِسکندگپت نے اُن کا وزن بڑھا کر کارشاپان کی برابر کر دیا۔ اس مقام پر یہ کہہ دینا بھی مناسب ہے کہ گپت راجاؤں کے تانبے کے سکّے بہت کم یاب ہیں اس کی وجہ غالباً یہ ہے جیسا کہ فاہیان نے بھی لکھا ہے کہ چھوٹے موٹے لین دین میں کوڑی بطور سکّہ کے استعمال ہوتی تھی۔

فنِ تعمیر

گپت راجاؤں کے عہد حکومت میں فن تعمیر کو بہت فروغ ہوا، لیکن کئی سبب ایسے جمع ہو گئے جن کے باعث اس دور کے آثارِ باقیہ زیادہ تعداد میں موجود نہیں ہیں۔ گپت عہد کی بہت سی عمارتیں دست برد زمانہ کی نذر ہو گئیں۔ بعض کا ملبہ لوگوں کی تعمیری ضروریات میں کام آ گیا۔ باقی جو مسلم افواج کے راستہ میں آ گئیں، وہ ان کے مذہبی جنون کا شکار ہو گئیں، اس لئے ہماری افواج کا دارومدار اس عہد کے چند باقیات الصالحات ہیں۔ اور وہ بھی سب مذہبی عمارتیں ہیں، غیر مذہبی ان میں کوئی نہیں ہے۔ ڈاکٹر ونسنٹ اسمتھ نے ایسے دو مندروں کا ذکر ہے۔ اُن میں سے ایک جو دیوگڑھ (ضلع جھانسی) میں ہے اس کی دیواروں کی منبت کاری میں نقاشی کے خوبصورت نمونے موجود ہیں دوسرا بھتر گاؤں (ضلع کانپور) میں ہے جو انیٹ اور مسالہ سے بنی ہوئی مورتیوں کے لئے مشہور ہے لے اس مقام پر اجنتا کے غاروں کا تذکرہ بھی ضروری ہے جو گپت عہد کے فنی کارناموں کی بہترین مثال ہیں۔ اُن میں سے اکثر مختلف زمانوں میں ٹھوس پتھر سے تراشے گئے ہیں، لیکن بعض ایسے ہیں جو غالباً زیر نظر عہد میں زمین کھود کر بنائے گئے تھے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ گپت عہد کے انجینئروں کی فنی صلاحیتوں کی زبانِ حال سے شہادت دے رہے ہیں۔

مجسمہ سازی

سارناتھ اور دوسرے مقامات پر جو دریافتیں ہوئی ہیں اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ گپت عہد میں مجسمہ سازی کا فن معراج کمال کو پہنچ گیا تھا۔ اس عہد میں گندھارا فن کے اثرات رفتہ رفتہ زائل ہونے لگے۔ اور اب جو مجسمے بدھا کے بنائے گئے ان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ نورانی بالوں سے مزین ہیں، بدھا کو چست لباس پہنایا گیا ہے جس میں جلدِ بدن جھلکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور بالوں کو خاص انداز سے ترتیب دیا گیا ہے سارناتھ میں جو بے شمار مجسمے گپت دور کے ملے ہیں اُن میں سب سے زیادہ دیدہ زیب اور خوبصورت شاید وہ ہے جس میں بدھا کو وعظ دینے کے انداز میں بیٹھے

ہوئے دکھایا گیا ہے (دھرم چکر مدرا) اپنے آقا کی زندگی کے مختلف مناظر کے علاوہ ہندو دیومالا کے جو واقعات پیش کئے گئے ہیں ان میں غیر معمولی پاکیزگی پائی جاتی ہے۔ مجموعی طور پر گپت عہد کے فنکاروں کی امتیازی شان یہ ہے کہ ان کا عمل حرکت و زندگی سے مملو، آورد کے عیب سے پاک، اور تکنیک کے اعتبار سے مکمل ہے۔

مصوّری

اجنتا (ریاست حیدرآباد) کے غار جن کے اندرونی حصّہ کو بہ افراط دیواری تصویروں سے آراستہ کیا گیا ہے، ظاہر کرتے ہیں کہ مصوّری کے میدان میں بھی فن کاروں نے مہارت کا اعلیٰ معیار حاصل کر لیا تھا۔ اُن غاروں کی تاریخ پہلی صدی عیسوی سے ساتویں صدی عیسوی تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس طرح بعض غار یقیناً اس عہد سے بھی متعلق ہیں۔ ایک صاحب ذوق مُبصر کی رائے میں "اجنتا کی مصوری کمال فن کا بہترین نمونہ ہے، اس میں روایت پسندی ہے مگر وضع داری کے ساتھ۔ اس کے نقش ونگار میں تنوع ہے جن سے شستگی جھلکتی ہے! اور رنگ روپ اور شکل وصورت میں حسن و دلکشی اس قدر نمایاں ہے کہ اسے قدیم دنیا کے بہترین فن کے زمرہ میں شامل کئے بغیر چارہ نہیں ہے"[1] اجنتا کے مدرسۂ فن کا حلقۂ اثر آگے بڑھ کر ریاست گوالیار میں باغ کے غاروں تک پہنچ گیا۔ باغ کے غاروں کی تصویریں بھی اعلیٰ معیار رکھتی ہیں اور بے پناہ تنوع کی مظہر ہیں۔

دھات کا کام

گپت عہد کے کاریگر دھات کے کام میں بھی ماہر تھے۔ یہ بات بدھا کے تانبے سے بنے ہوئے کئی دیوپیکر مجسّموں، نیز دلی کے قریب مہرولی کے آہنی ستون کی دریافت سے ثابت ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گپت عہد کے کاریگر خام دھاتوں کو صاف کرنے کے فن میں مہارت تامّہ رکھتے تھے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ صدیوں

---

[1] ملاحظہ ہو گریفتھس، اوریجنلز آف دی بدھسٹ کیوز آف اجنتا۔

تک دھوپ اور بارش کی زد میں رہنے کے باوجود ستون ابھی تک زنگ آلود نہیں ہوا ہے۔

حرکت و عمل کے اسباب

اب ہم گپت عہد کے تہذیب و تمدن پر تبصرہ ختم کر رہے ہیں اس لئے لازمی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ علمی اور فنی سرگرمیوں کا جو طوفان اٹھا تو اس کے آخر اسباب کیا تھے۔ ڈاکٹر ونسنٹ اسمتھ کی رائے ہے کہ "غیر ملکی تہذیبوں سے ربط و تعلق اس کا خاص سبب تھا" [1] اس حقیقت کو بلا شبہ بڑی آسانی سے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستان اور چین کے درمیان اور ہندوستان اور مغربی دنیا کے درمیان آمد و رفت کا سلسلہ مستقل جاری رہا۔ کیونکہ فاہیان جیسے عقیدت مند زائرین سرزمین بدھا کی زیارت کے لئے پے در پے آتے رہے اور اسی طرح ہندوستان نے بھی کمارجیو جیسے ممتاز دانشوروں کو بدھ مذہب کی تبلیغ کے لئے اس آسمانی بادشاہت میں بھیجا (۳۸۳ء) مزید برآں گپت سلطنت کے حدود بڑھکر جب سوراشٹر اور گجرات کے بندرگاہوں تک پہنچ گئے تو مغرب کے ساتھ ہندوستان کی غیر ملکی تجارت کو فروغ ہوا۔ کہتے ہیں کہ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ خیالات کے بہاؤ کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا جس کا رد عمل ہندوستانی دماغ پر بہت اہم ہوا۔ لیکن ان تمام ترقیوں کے لئے سب سے بڑا محرک وسیع النظر اور کشادہ دل گپت راجاؤں کی حکومت تھی۔ جس میں خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ رہا۔ گپت راجاؤں نے جس والہانہ انداز میں علم و فن کی سرپرستی کی ایک بڑی حد تک اسی کی بدولت اتنے شاندار و کارآمد نتائج برآمد ہوئے۔

---

[1] ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن ص ۳۳۲ چین اور مغربی ممالک کے علاوہ ہندوستان کا تعلق جزائر شرق الہند سے بھی پیدا ہوا اور اس کا سبب تجارت بھی تھی اور یہ بھی تھا کہ ہندوستان کے عالی حوصلہ فرزند نو آبادیاں قائم کرنے کی کوشش کر رہے تھے، جاوا، کمبوڈیہ، سماترا اور دوسرے جزیروں کے آثار قدیمہ پر گپت طرز تعمیر کی چھاپ نظر آتی ہے۔

فصل (۲)

واکاٹک

ان کی اہمیت

حکمراں خاندانوں میں سے ایک بہت طاقتور خاندان واکاٹکوں کا تھا جو گپت راجاؤں کے زمانے ہی میں حکومت کر رہا تھا۔ اُن کے کتبے، نیز پُران تصدیق کرتے ہیں کہ جب ان کا آفتاب اقبال نصف النہار پر تھا تو اپنے کمزور پڑوسیوں پر اقتدار رکھنے کے علاوہ تمام بندیلکھنڈ، مدھیہ دیش، برار، اور ساحل سمندر تک شمالی دکن پر اُن کا مکمل تسلط تھا۔

نام کی اصل

ڈاکٹر جیسوال کی رائے ہے کہ واکاٹکوں نے بندیلکھنڈ میں عروج حاصل کیا اور ریاست اوڑچھا میں "باگاٹ" نامی مقام کے نام پر ان کا نام واکاٹک پڑا۔[۱] یہ بھی قیاس کیا گیا ہے کہ وہ برہمن تھے، لیکن اس نکتہ پر ہمارے پاس شہادت بہت ناکافی ہے، کیونکہ اجنتا کے ایک کتبہ میں خاندان کے مورث اعلیٰ کے لئے "دوج" کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے جس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واکاٹک خاندان چھتری تھا۔

خاندان کے ممتاز حکمراں

۱۔ اس خاندان کا پہلا راجا وندھیہ شکتی تھا جس سے معلوم ہوتا ہے تیسری صدی

---

[۱] واکاٹکوں کے کئی کتبے اجنتا میں پائے گئے ہیں اور ان سے بعض غاروں کی تاریخوں کے تعین میں بھی مدد ملتی ہے۔ برار کے واکاٹکوں پر ملاحظہ ہو ونسنٹ اسمتھ "جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی" ۱۹۱۴ء، صفحہ ۳۱۷ تا صفحہ ۳۳۸، گووند پائی "واکاٹکوں کے شجرے اور ترتیب وار تاریخ" جرنل آف انڈین ہسٹری، جلد ۱۴ (۱۹۳۵ء)، صفحہ ۱۶۵، ۱۶۸، صفحہ ۲۰۶

عیسوی کے ربع آخر میں حکومت قائم کی۔ چونکہ اس کے لڑکے پرور سین اول (پرانوں کا تیروپر) نے سمراٹ کا لقب اختیار کر لیا تھا اس لیے ظاہر ہے کہ وہ قابل ذکر شخصیت کا مالک تھا۔ اس نے چار بار اشومیدھ اور دوسری قربانیاں مثلاً واج پیہ اور برہسپتی سوا انجام دیں۔ اس کے لڑکے گوتمی پتر نے بھارشیو راجہ بھوناگ کی لڑکی سے شادی کی، لیکن وہ تخت نشین نہیں ہوا۔ اگلا حکمراں پرور سین اول کا پوتا، رودر سین اول راجہ ہوا۔ جسے الہ آباد کے ستونی کتبہ والے رودر دیو کے مماثل بتایا گیا ہے جس کے بارے میں اس میں لکھا ہے کہ سمدر گپت کے ہاتھوں اس نے شکست کھائی۔ اس کے بعد وسط ہندوستان گپت راجاؤں کے قبضہ میں چلا گیا اور واکاٹکوں کی توجہ کا مرکز دکن بن گیا۔ رودر سین اول کے لڑکے اور جانشین پرتھوی سین اول نے کنتل (شمالی کناڑی اضلاع) کو تسخیر کیا۔ آخرالذکر کے بیٹے رودر سین دوم کا عہد اس لئے ممتاز ہے کہ اس نے چندر گپت کی لڑکی پربھاوتی گپت سے شادی کی جو کبیر ناگ کے بطن سے تھی۔ اس طرح دونوں خاندان متحد ہو گئے اور اس اتحاد نے گپت راجہ کو مغربی ہندوستان کے شکوں کا مقابلہ کرنے میں تقویت پہونچائی۔ یہ ازدواجی تعلق واکاٹکوں کی ترتیب وار تاریخ میں ایک نکتۂ قائم کی حیثیت رکھتا ہے۔ شوہر کے انتقال کے بعد اپنے بیٹے کے ولی کی حیثیت سے پربھاوتی نے حکومت کی اس کے بعد کئی اور راجہ ہوئے۔ اور آخر میں پانچویں صدی عیسوی کے اختتام پر ہری شین واکاٹک کا رواج شروع ہوا۔ کہتے ہیں کہ اس نے کنتل، اونتی (مالوہ)، کلنگ (یعنی مہاندی اور گوداوری کا درمیانی علاقہ) کوشل (مہا کوشل یا مشرقی مدھیہ پردیش)، تری کوٹ (غالباً کونکن)، لاٹ (جنوبی گجرات) اور آندھرا (گوداوری اور کرشنا کا درمیانی علاقہ) میں بے شمار فتوحات حاصل کیں۔ اگر ان دعووں میں ذرا بھی جان ہے تو یقیناً ہری شین کی فوجیں مغربی ساحلوں سے لے کر مشرقی گھاٹ تک تمام وسط ہند میں پہنچیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مہمیں کچھ زیادہ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئیں۔ آخر کار چھٹی صدی عیسوی کے ربع دوم میں جنوبی ہند کے کلاچوریوں نے واکاٹکوں کی طاقت کو بالکل ختم کر دیا۔

فصل (۲)

ہُون اور یشو دھرمن

ہُونوں کی نقل حرکت

ہیونگ نو یا سنسکرت ادب اور کتبوں کے ہُون یوچیوں کو شکست دینے اور شمالی مغربی چین کے علاقوں سے انھیں بے دخل کرنے کے بعد تقریباً ۱۶۵ ق.م پہلی بار منصّۂ شہود پر آئے۔ کچھ عرصہ بعد ہُونوں نے "تازہ میدانوں اور نئے سبزہ زاروں" کی تلاش میں اپنا رُخ مغرب کی طرف موڑ دیا۔ اُن کی ایک شاخ وادیٔ سیحون کی طرف بڑھی اور یہ تھائی لی یا اِف تھا لائٹس (رومی مصنفین والے سفید ہُون) کہلائی۔ دوسرا گروہ رفتہ رفتہ یورپ پہونچ گیا جہاں وہ اپنے وحشیانہ مظالم کے باعث ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بدنام ہو گئے۔ سیحون سے ہُون تقریباً ۴۴۰-۴۲۰ء کے درمیان جنوب کی طرف چل پڑے اور افغانستان اور شمالی مغربی دروں کو پار کر کے آخرکار ہندوستان میں داخل ہو گئے۔

گپت سلطنت پر حملہ

ہم نے گذشتہ باب میں دیکھا کہ ہُون ۴۵۸ء سے قبل گپت سلطنت کے مغربی حصہ پر حملہ آور ہوئے، لیکن اسکندر گپت نے اپنی فوجی قابلیت سے بڑی ہمت و دلیری کے ساتھ انھیں پیچھے ڈھکیل دیا۔ بھتری کے ستونی کتبہ کی اصل عبارت یہ ہے کہ "جب وہ میدان جنگ میں ہونوں سے دوبدو مقابلہ کے لئے آیا اپنے دونوں بازوؤں سے زمین ہلادی [1]" اس کے بعد چند سال تک ملک ان کے حملوں کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہا۔ بہرحال، ۴۸۴ء میں انھوں نے شاہ فیروز کو شکست دی اور

---

[1] کارپس انسکرپشنم انڈیکارم جلد ۳، ص ۵۵

قتل کر دیا۔ جب قوت مقاوت نے بالکل جواب دے دیا تو یہ بھیانک بادل ایک بار پھر ہندوستان کے اُفق پر منڈلانے لگے۔ ہونوں کے گروہ کے گروہ اب ٹڈی دل کی طرح ہزاروں کی تعداد میں ہندوستان میں اُبل پڑے اور انجام کار گپت سلطنت کے زوال کا باعث ہوئے۔

تورمان

اس نئی یلغار کا رہنما غالباً تورمان تھا جس کا حال ہمیں راج ترنگنی، کتبوں، اور سکوں سے معلوم ہوتا ہے۔ ان شواہد سے واضح ہے کہ گپت سلطنت کے مغربی علاقوں کے کئی بڑے بڑے ٹکڑے انھوں نے جھپٹ لئے اور وسط ہند تک اپنا سکّہ جما لیا۔ اس علاقہ کی فتح ۱۶۵ گپت سمبت، مطابق ۴۸۴ - ۴۸۵ء میں ضرور اس وقت عمل میں آئی جب مہاراجہ ماتری وشنو وہاں بدھ گپت کے باجگذار کی حیثیت سے حکومت کر رہا تھا[1] یہ فتح یقیناً اسی پشت میں مکمل ہو گئی تھی، کیونکہ ماتری وشنو کے چھوٹے بھائی دھنیہ وشنو نے توامان کے دور حکومت کے پہلے سال میں وراہ کا ایک مجسمہ وشنو سے منسوب کیا اور اس طرح تورمان کی سرداری قبول کر لی[2] واقعاً یہ بھی عین ممکن ہے کہ یہ "بہت مشہور جنگ" جس میں ایرن کے ایک کتبہ مورخہ ۱۹۱ گپت سمبت، مطابق ۵۱۰ء[3] کے مطابق، بھانو گپت کا سپہ سار گوپ راج مارا گیا، خود ہون فاتح کے مقابلہ میں لڑی گئی ہو۔ گپت سلطنت سے مالوہ کا نکل جانا ایک عظیم نقصان تھا، کیونکہ اس کے بعد گپت راجاؤں کا اقتدار مگدھ اور شمالی بنگال سے آگے کہیں باقی نہیں رہا۔

مہرکل

تورمان کے بعد اس کا لڑکا مہرکل (مہرکل) راجہ ہوا۔ روایات میں اسے ایک

---

[1] ایضاً، نمبر ۱۹، صـ ۸۸ صـ ۹۰ [2] ایضاً نمبر ۳۶، صـ ۱۵۸ - صـ ۱۶۱

[3] کارپس انسکرپشنم انڈکارم، صـ ۲۰، صـ ۹۱ صـ ۹۳

ایسے ظالم وجابر حکمراں کی حیثیت سے پیش کیا گیا جو لوگوں کے ساتھ بڑی سفاکی اور قسادت کا برتاؤ کرتا تھا اور اس برتاؤ سے حظ حاصل کرتا تھا۔ یوان چوانگ کہتا ہے کہ مہرکل (مو۔ ہی۔ لو۔ کی۔ لو) نے پُرامن بودھوں پر مظالم کیے اور بڑی بے دردی سے اُن کے استوپوں اور خانقاہوں کو تباہ و برباد کیا۔ اس نے مگدھ کے راجا بالادتیہ پر حملہ کیا۔ مگر شکست کھائی۔ اُسے قید کر لیا گیا۔ لیکن بعد میں رہا کر دیا گیا۔ مہرکل نے نے بعد میں کشمیر میں پناہ لی۔ وہاں کے حکمراں نے اُس کے ساتھ بڑا فیاضی کا سلوک کیا۔ مہرکل نے اس مہربانی سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور ریشہ دوانیوں سے اپنے محسن کے تخت و تاج پر قبضہ کر لیا۔ لیکن وہ اپنے اس غاصبانہ قبضہ کا زیادہ دنوں لطف نہ اٹھا سکا اور ایک سال کے اندر انتقال کر گیا۔ اس واقعہ کی خبر بدشگونیوں نے پہلے ہی دے دی تھی۔ چینی زائر کی شہادت میں داستان کے پوست سے حقائق کا مغز نکالنا مشکل ہے۔ ہم یقین کے ساتھ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ بالادتیہ کون تھا۔ بس اتنا جانتے ہیں کہ وہ نرسنگھ گپت بالادتیہ کے مماثل نہیں تھا۔ آخر الذکر ۲۳۰ء گپت سمبت م ۶۱۵ سے پہلے حکومت کر رہا تھا اور یہ وہ تاریخ ہے جو اس کے جانشین کمار گپت دوم کے لئے متعین کی گئی ہے۔ اس عہد میں بالادتیہ کا لقب ہر راجہ کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ جی دت گپت دوم کے بُرنارک[1] والے کتبہ میں، نیز یَرکماو دتیہ[2] کے سارناتھ والے کتبہ میں، اس نام کے راجہ یا راجاؤں کا ذکر آتا ہے۔ آر۔ ڈی بنیرجی اِن کتبوں والے بالادتیہ کو اُس بالادتیہ کے مماثل قرار دیا ہے جس کا ذکر یوان نے چوانگ نے کیا ہے[3] آر۔ ڈی۔ بنیرجی کی اس رائے میں کافی وزن ہے۔ بالادتیہ کے دوسرے کارنامے کچھ بھی ہوں اس حد تک بات یقینی ہے کہ اس نے مہرکل کے حملہ کو کامیابی کے ساتھ دفع کیا۔

یشودھرمن

اس مقام پر ہمیں چاہیے کہ ذرا توقف کر کے اس کتبہ کا جائزہ لیں جو مغربی

---

[1] کارپس انسکرپشنم انڈیکارم، تیسرا نمبر ۴۶ ص ۲۱۳، ص ۲۱۸ [2] ایضاً نمبر ۷۹، ص ۲۸۴، ص ۲۸۶
[3] پری ہسٹارک اینشنٹ انڈیا ہندو انڈیا ص ۴۲

مالوہ میں منڈسور کے ستون پر کندہ ہے اور دیکھیں کہ اس سے ہمیں کیا معلومات فراہم ہوتی ہے۔ اس کتبہ نے جَینندر یشودھرمن کے معرکوں کو زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ اپنی حدودِ سلطنت سے بے نیاز ہوکر.... اس نے ان ممالک کو فتح کرلیا جن پر پہلے گپت راجہ کبھی قبضہ نہ کر سکے تھے.... اور اُن ممالک پر حملہ آور ہوا جن میں ہونوں کے سردار بھی داخل نہ ہو سکے تھے [1] مزید براں، دریائے لوہتیہ (برہم پترا) سے لے کر کوہ مہیندر تک، اور ہمالیہ سے لے کر بحرِ مغربی تک سرداروں نے اسے خراجِ عقیدت پیش کیا۔ اس سے بھی زیادہ اہم یہ بیان ہے کہ مشہور و معروف مہرکل نے "اس کے پاؤں پر اپنا سر رکھ کر" [2] اس سے اظہارِ وفاداری کیا۔ ہوُن راجہ نے یقیناً ۵۲۲-۵۳۳ء کے درمیان اس کے ہاتھوں ہزیمت اٹھائی۔ دلیل یہ ہے کہ منڈسور کے ایک دوسرے کتبہ میں جس پر ۵۸۹ وکرم سمبت پڑا ہوا ہے، عام طور پر یشودھرمن کی قصیدہ خوانی کی گئی ہے اور مہرکل کی بابت کچھ بھی نہیں کہا گیا ہے۔ اب سوال یہ ہے: ہم اس لوحی شہادت کو یوآن چوانگ کے بیان سے کس طرح ہم آہنگ کریں؟ ونسنٹ اسمتھ کا نظریہ کہ یشودھرمن اور بالادتیہ نے ہونوں کے مقابلہ کے لئے ایک اتحادِ سیاسی قائم کرلیا تھا طبعزاد تو ہو سکتا ہے لیکن اعتماد کے قابل ہرگز نہیں ہے اور کلیتاً قیاس پر مبنی ہے۔ اس سے بہتر رائے یہ ہے کہ مہرکل کو دو موقعوں پر شکست فاش ہوئی۔ مگدھ کے علاقہ میں بالادتیہ کے ہاتھوں اور وسطِ ہند میں یشودھرمن کے مقابلہ میں مہرکل کی طاقت کو فنا کرنے کا سہرا بھی اسی کے سر ہے یہ بھی حقیقت ہے کہ یوان چوانگ نے واقعات کو دیدہ و دانستہ مسخ نہیں کیا ہے۔

---

[1] یشودھرمن کا منڈسور والا کتبہ، کارپس انسکرپشنم انڈکارم، تیسرا، نمبر ۳۳، صفحہ ۱۴۶، صفحہ ۱۴۵۔ اس سے موازنہ کریں۔

ये भुक्ता गुप्तनाथैर्न सकलवसुधाक्रान्तिदृष्टप्रतापै-
र्नाज्ञा हूणाधिपानां क्षितिपतिमुकुटाध्यासिनी यान्प्रविष्टा ।
चूडापुष्पोपहारैर्मिहिरकुलनृपेणार्चितं पादयुग्मम् ।

[2] ایضاً، اس سے موازنہ کریں۔

یا تو اُسے واقعات کا صحیح علم نہیں ہوسکا، یا یہ کہ اس کے دل میں بدھ مذہب کا خیال بسا ہوا تھا، اس نے اپنے برادر مذہبی یعنی بالادتیہ کے کارناموں پر زیادہ زور دیا۔

مہرکل کی موت

مہرکل کی موت کا بالکل ٹھیک سن معلوم نہیں، البتہ اگر وہ گولاس "شاہ ہندوستان" کے مماثل ہے، جس کا ذکر ۴۷ھ میں سکندریہ کے راہب کوزمن انڈکا لیسٹیز نے کیا ہے تو ہوسکتا ہے اس کی حکومت کا سلسلہ اب محدود علاقہ پر اس سن تک جاری رہا ہو۔ مہرکل کے بعد ہونوں میں کوئی عظیم رہنما نہیں پیدا ہوا، جو اپنی فرماں روائی ازسرنو قائم کرسکتا۔ لیکن کتبے اور ادبی تصانیف پوری طرح ثابت کرتی ہیں کہ شمالی ہندوستان کے سیاسی ماحول میں وہ ایک زبردست قوت کی حیثیت سے کئی صدی بعد تک باقی رہے۔ یہاں تک کہ بالآخر آہستہ آہستہ ہندو معاشرہ میں ضم ہوگئے۔

فصل (۳)

ولبھی کے راجاؤ

خاندان کی بنیاد

حالانکہ ابتدا میں اسکندگپت نے ہونوں کی مزاحمت کی، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی یلغار نے سوتے ہوئے فتنوں کو جگا دیا۔ ہندوستان میں ہمیشہ یہی ہوا کہ جب کبھی مرکزی طاقت کمزور ہوتی یا اس کی گرفت دور دراز کے صوبوں پر ذرا ڈھیلی ہوتی تو دبی ہوئی مفسدہ پرواز قوتیں فوراً مستعد و متحرک ہو جاتی تھیں۔ سب سے

لہ نیز ملاحظہ ہو این۔ اے ولبھی کے میترک، انڈین ہسٹاریکل کوارٹرلی، جلد چہارم (۱۹۲۸ء) صـ۴۵۳ تا صـ۴۶۴۔

پہلے جس نے گپت سلطنت سے قطع تعلق کیا۔ وہ سوراشٹر تھا، جہاں سینا پتی بھٹارک نے ولبھی (بھاؤنگر کے قریب بمقام والا) میں تقریباً پانچویں صدی عیسوی کے آخری دہوں میں ایک نئے خاندان کی بنیاد رکھی۔

اصل

بھٹارک کا حسب نسب ایک نزاعی مسئلہ ہے خواہ وہ میترک قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا یا میترک قبیلہ اُس کے خاندان کا دشمن تھا، [1] یہ تو علیحدہ بحث ہے لیکن اس میں شک وشبہ کی ذرا گنجائش نہیں ہے کہ بھٹارک اِسی سرزمین کا باشندہ تھا اور ایرانی نژاد نہیں تھا جیسا کہ ونسنٹ اسمتھ نے قیاس کیا ہے۔ [2]

طاقت کا عروج

اس خاندان کے بے شمار کتبے دریافت ہوئے ہیں اور اُن سب پر گپت سمبت یا گپت ولبھی سمبت پڑا ہوا ہے لیکن سوائے ناموں کے ایک سلسلہ کے کوئی کارآمد سیاسی معلومات اُن سے بہم نہیں پہنچتی۔ پہلے تین حکمراں قطعی طور پر خود مختار نہیں تھے [3] کیونکہ سلسلہ کے بانی اور اُس کے جانشین دھروسین اول کو محض سیناپتی کہا گیا ہے اور بھٹارک کے تینوں بیٹے۔ درون سنہا، دھروسین اول، اور دھرسین جنھوں نے یکے بعد دیگر حکومت کی، انھوں نے صرف مہاراجہ کا لقب اختیار کیا۔ لیکن یہ بات واضح نہیں ہے کہ وہ کس کی فرماں روائی تسلیم کرتے تھے۔ کیا انھوں نے تھوڑے عرصے کے لئے برائے نام ہی سہی، گپت اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کیا؟ یا پھر انھوں نے

---

[1] اختلاف رائے کا سبب یہ ہے کہ سنسکرت کے مرکبات کا تجزیہ کرنا دشوار ہے۔ [2] آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا، ص۱۶۲، یہ بات تعجب کی ہے کہ میترک قریب قریب ہونوں کے ساتھ ساتھ اقتدار حاصل کرتے ہیں۔ کیا یہ ہونوں کے کسی ملحقہ قبیلہ کے لوگ تھے؟ [3] مثال کے طور پر کلیہ کی تانبے کی تختی میں تحریر ہے کہ مہاراجہ درون سنہا کو راجہ بنانے کے تمام آداب ورسوم، "حاکم اعلیٰ نے بذات خود انجام" دیں۔ (کارپس انسکرپشنم انڈیکارم، تیسرا، نمبر ۳۸، ص۱۶۵، نمبر ۱۶۸)

ہونوں کی اطاعت قبول کی جو ہندوستان کے مغربی اور وسطی حصوں پر چھائے ہوئے تھے؟

دھرُووسین

خاندان کی طاقت بتدریج بڑھتی گئی، یہاں تک کہ ہم دھرُووسین دوم کے عہد تک پہنچ جاتے ہیں۔ اُسی کے عہد میں یوآن چوانگ ولبھی پہنچا۔ ولبھی کے بارے میں وہ لکھتا ہے "یہاں کا حکمراں نسلاً چھتری۔ مو۔لا۔پو (مالوہ) کے سابق راجہ شیلادِتیہ کا بھتیجا اور کانیہ کبج کے حکمراں شیلادِتیہ کا داماد ہے۔ اُس کا نام تو۔مُو۔پو۔پُو۔ٹا (یعنی دھرو دبھٹ) تھا۔ اس کے مزاج میں جلد بازی اور خیالات میں سطحیت تھی لیکن وہ بدھ مت کا بہت مخلص پیرو تھا۔[1] اگر اس عبارت والا شیلادِتیہ ولبھی کے شیلادِتیہ دھرمادِتیہ (تقریباً ۵۹۵ء ۔ ۶۱۲ء) کے مماثل ہے اور یہ بات قریب قریب یقینی ہے، تو بہ آسانی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ مالوا اور اس کا مغربی حصہ فتح کے بعد اُسی کے زمانے میں اس کی آبائی سلطنت میں شامل کیا گیا۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قنوج کے راجہ ہرش وردھن نے دھرووسین دوم یا دھرو دبھٹ پر حملہ کیا جس میں ابتدا میں ہزیمتیں اٹھائیں اور آخرکار بڑوچ کے دوا کے یہاں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔ بالآخر ولبھی کے راجہ نے دوا کی مدد سے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت پھر سے حاصل کر لی۔ بہر نہج یہ بات یقینی ہے کہ جب یوآن چوانگ اس سے ملنے گیا ہے تو وہ تخت و تاج حاصل کر چکا تھا۔ اپنے سابقہ دشمن دھرو دبھٹ کی لڑکی سے شادی کرنے کے بعد اُس نے بعد میں اس کے حلیف اور داماد کی حیثیت سے پریاگ میں ہرش کی مجلس میں شرکت کی۔[2]

دھرسین چہارم

ولبھی کا اگلا حکمراں دھرووسین دوم کا لڑکا، دھرسین چہارم ہوا چونکہ اس نے

---

[1] واٹرس، دوسرا صفحہ ۲۴۶، بیل، دوسرا صفحہ ۲۶۷، لائف صفحہ ۱۶۹ [2] دیکھیں آئندہ صفحات

تمام شاہانہ القاب پرم بھٹارک مہاراجہ دھراج پرم ایشور اور چکرورتن اختیار کر لئے تھے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک زبردست شخصیت کا مالک تھا۔ اس نے ۳۳۰ گپت سمبت، مطابق ۶۴۹ء میں "اپنی فوجی چھاونی" سے روبجے اسکندھاوار) جو بھاروکچھ یا بڑوچ میں واقع تھی ایک فرمانِ جاگیر جاری کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے گوجروں کو شکست دے کر اقتدار حاصل کیا اور اس کے بعد وہ اسی کی سرداری میں رہے۔ اسی کے عہد حکومت میں بھٹی نامی شاعر نے اپنی مشہور و معروف کاویہ تصنیف کی[1]

تاریخ ما بعد

دھرسین چہارم کے بعد اس خاندان کی حکومت ایک صدی سے زیادہ عرصہ تک باقی رہی۔ خاندان کے آخری راجہ، شیلادتیہ ہفتم کی تاریخ جو ہمیں معلوم ہے وہ ۴۴۷ گپت سمبت مطابق ۷۶۶ء ہے۔ لیکن ان بعد کے حکمرانوں کے حالات ہمیں بہت کم معلوم ہیں۔ البتہ ولبھی کی اہمیت کم نہیں ہوئی اور ساتویں صدی عیسوی کے ربع چہارم میں آئی سنگ نے اُسے نالندا کی طرح مغربی ہندوستان میں علوم و فنون کے ایک عظیم مرکز کی حیثیت میں پایا۔ اگرچہ سلطنت سوراشٹرا اور گجرات اور مالوہ کے کچھ حصوں سے آگے کبھی نہ بڑھ سکی، لیکن اس محدود علاقہ میں تقریباً تین صدیوں تک اس کا ستارۂ اقبال عروج پر رہا اور آخرکار وہ سندھ کی طرف سے ہونے والے عرب حملوں کا شکار ہوگئی۔

فصل (۵)

مگدھ کے آخری گپت راجہ

اَدِتیہ سین[2] کے اَپھْسَڑ (ضلع گیا) والے کتبہ سے، نیز جی دت گپت[3] کے

---

[1] ملاحظہ ہو کھیڑا (کیرا) فرمان: انڈین اینٹی کوئیری، پندرھواں، (۱۸۸۶) ص۳۳۵، ص۳۳۸
[2] حاشیہ ۲-۳ اگلے صفحہ پر دیکھیے۔

دیوبرنارک (ضلع شاہ آباد) والے کتبہ سے منکشف ہوا ہے کہ گپت راجاؤں کے ایک اور سلسلہ کا وجود پایا جاتا تھا جسے آج کل کے مورخین نے آخری گپت راجاؤں کا نام دیا ہے۔ اس خاندان کا بانی کشن گپت تھا، لیکن بدقسمتی سے گپت شہنشاہوں سے ٹھیک ٹھیک تعلق کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ وہ خود اور اس کے دونوں جانشین ہرش گپت اور جی وِت گپت مگدھ میں اس درمیانی وقفہ میں برسرِ حکومت رہے جو بھانو گپت کے مرنے کے بعد شروع ہوا اور ۶۱۱ (مالو سمبت!) مطابق ۵۵۴ء یعنی کمار گپت سوم کے عہدِ حکومت پر ختم ہوا۔ یہ تاریخ ہمیں ایشان ورمن موکھری کے ہڑہ والے کتبہ[1] سے حاصل ہوئی ہے جس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اس نے کمار گپت سوم سے شکست کھائی۔ اس فتح کے بعد کمار گپت نے اپنی حدودِ سلطنت کو پریاگ تک بڑھا لیا۔ کیونکہ ہمیں اس قسم کے اشارے ملتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے مراسم تجہیز و تکفین وہیں انجام دیئے گئے۔[2] اگلے حکمراں داسودر گپت نے اپنے موکھری معاصر[3] سے شکست کھائی اور مارا گیا۔ آخر الذکر نے مگدھ یا اُس کے بڑے حصہ کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ ہرش چرت سے پتہ چلتا ہے کہ دامودر گپت کا لڑکا مہاسین گپت مشرقی مالو کی طرف نکل گیا۔ پَرِیوُراجک مہاراجاؤں کے کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مالوُاب تک گپت راجاؤں کے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کرتے تھے۔[4] یہاں مہاسین گپت نے اپنی طاقت کو مستحکم کیا اور اپنی فوجوں کو شستھت ورمن کے خلاف لوہتیہ

(پچھلے صفحہ کا باقی حاشیہ جات

[1] اس سے موازنہ کریں۔

काव्यं रचितं मया वलभ्यां श्रीधरसेननरेन्द्र पालितायाम्।

[2] کارپس انسکرپشنم انڈکارم، تیسرا نمبر ۴۲، صفحہ ۲

[1] ایپی گرافیہ انڈکا چودھواں، صفحہ ۱۱۰، صفحہ ۱۲۰ [2] کارپس انسکرپشنم انڈکارم، تیسرا صفحہ ۲، نمبر ۳ واقعہ یہ ہے کہ اس دلیل میں بجائے خود زیادہ وزن نہیں ہے۔ [3] اپھسٹر کے کتبہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ دمودر گپت جو مکھری راجہ کے طاقتور ہاتھیوں کی مغرورانہ شان کے ساتھ بڑھتی ہوئی صفوں کو توڑ کر بے ہوش ہو گیا (اور جنگ میں جاں بحق ہو گیا) (کارپس انسکرپشنم انڈکارم تیسرا صفحہ ۲۰۳، صفحہ ۲۰۶، ۸-۱۰) اس میں شک نہیں کہ اس مقام پر دمودر گپت کی فتح کے بارے میں وہی روایتی دعویٰ کیا گیا ہے لیکن لڑائی کا نتیجہ یقیناً اس کے خلاف برآمد ہوا، کیونکہ اس کے متعلق ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ جنگ میں مارا گیا۔ (حاشیہ [4] اگلے صفحہ پر دیکھیے)

دبرہم پتر اتک لے گیا[۱]۔ اس کے لڑکے دیوگپت نے بنگال کے شاشانک کو اپنا حلیف بنالیا۔ اور قنوج کے گرہ ورمن موکھری کے خلاف اپنی فوجیں لے کر بڑھا اور اُسے قتل کردیا۔ اس قتل کا انتقام، بہرحال، بہت جلد راجیہ وردھن نے لے لیا اور دیوگپت کو شکست دی اور قتل کر ڈالا۔ ہرش وردھن نے اسی خاندان کے مادھر گپت نامی لڑکے کو اپنے جاگیردار نائب السلطنت کی حیثیت سے مگدھ کی گدی پر بٹھادیا، تاکہ شاشانک کے حملوں کے وقت اس کی طاقت کو کام میں لایا جاسکے۔ مادھو گپت کے لڑکے اُدیتہ سین نے جس کے بارے میں شاہ پور کے پتھر کے مجسمہ والے کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۶۶ ہرش سمبت، مطابق ۶۷۲ء تک بقید حیات موجود تھا۔ ہرش کی وفات کے بعد کافی لیاقت کا ثبوت دیا اور اپنے خاندان کو آزاد کرایا اور اس کی اہمیت اور عزت ووقار میں اضافہ کیا۔ اس نے تمام شاہانہ القاب اختیار کرلئے اور آشومیدھ یگیہ کیا۔ اس نے بڑے فخر کے ساتھ دعویٰ کیا کہ میری حکومت "تمام روئے زمین پر سمندر کے ساحلوں تک پھیلی ہوئی ہے۔" اس کے بعد کئی کمزور راجہ گدی پر بیٹھے[۲] اور خاندان کے آخری حکمراں جی وِت گپت دوم کی وفات کے بعد مگدھ کی قسمت کا ستارہ کچھ عرصہ کے لئے گردش میں آگیا۔

فصل (۶)

موکھری خاندان[۳]

قدامت

گپت شہنشاہوں کے زوال کے بعد موکھریوں نے شہرت حاصل کی، لیکن اس

(حاشیہ ۱ گزشتہ صفحہ)

۲ مثال کے طور پر ملاحظہ ہوں مہاراجہ سنک شوبھ کی تختیاں جن پر ۲۰۹ گپت سمبت مندرج ہے (کارپس انسکرپشم انڈیکارم، نمبر ۲۵، صفحہ ۱۱۳۔ صفحہ ۱۱۶)، ۲۱۴ گپت سمبت، اُچھ کلپ مہاراجہ سروناتھ کی کھوہ والی تختیاں (ایضاً، نمبر ۳۱، صفحہ ۱۳۵۔ صفحہ ۱۳۹)؛ ایپی گرافیہ انڈیکا، پندرھواں، صفحہ ۱۲۵)۔ ۳ کارپس انسکرپشم انڈیکارم، تیسرا نمبر ۴۲، صفحہ ۲۰۳

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قسم کے اشارے ملتے ہیں کہ موکھری نام ''شاید پانینی کو معلوم تھا اور پتنجلی کو بھی۔
اُن کی قدامت ایک مٹی کی مہر سے بھی ثابت ہوتی ہے جس پر براہمی رسم خط میں جو موریہ راجاؤں کے زمانہ میں رائج تھا۔ یہ سجع کندہ ہے ''موکھ نی نن ''یعنی موکھلیوں (موکھریوں) کا۔[1]

اصل

موکھریوں کی اصل غیر یقینی ہے۔ ہرش چرت نے انھیں مکھر سے مشتق بتایا ہے لیکن ہرہ کے کتبہ کے مطابق وہ ان سو بیٹوں کی اولاد تھے جنھیں راجہ اشوپتی نے وَیوَسوَت (منو) سے حاصل کیا تھا۔[2] ان کا مورث اعلیٰ جو بھی ہو ہرش کے کتبوں کی شہادت سے نیز اس بات سے کہ موکھریوں کے تمام نام ورمن پر ختم ہوتے ہیں، یہ بات واضح ہے کہ وہ کشتری تھے۔[3]

اُن کی شاخیں

ایک طویل عرصے تک شمالی ہند کی سیاسیات میں موکھریوں کو ایک اہم مقام حاصل رہا۔ چھوٹے چھوٹے کتبوں سے جو ریاست کوٹہ میں حال ہی میں دریافت

(سابقہ صفحہ کے بقیہ حاشیے)
ص۲۰۶، ۱۱-۱۰-۱۱ [2] کارپس انسکرپشنم انڈکارم، تیسرا نمبر۔ ۳۴ ص۲۱۹، ص۲۱ [3] ان میں سے ایک راجہ یعنی مہاراجہ دھراج پرم ایشور شری وِشوگپت کا ایک کتبہ حال ہی میں منگراؤہ (بکسر ضلع شاہ آباد) میں دریافت ہوا ہے اس پر اس کے عہد کے سترھویں سال کی تاریخ پڑی ہوئی ہے۔ اسے ڈاکٹر الٹیکر شائع کر رہے ہیں) [4] ملاحظہ ہو میری ہسٹری آف قنوج، دوسرا باب ص۲۰، ص۲۶

[1] آرکیلاجیکل سروے آف انڈیا رپورٹ، پندرھواں ص۱۶۶ [2] ہرش چرت، ترجمہ کاول اور ٹامس ص۱۲۸ [3] ایپی گرافیہ انڈکا، چودھواں، ص۱۱۹ اشلوک ۳ ۔ بہر حال اگر ضلع گیا کے موہری، جو وَیشیہ ہوتے ہیں، انھیں موکھریوں کی اولاد ہیں جیسا کہ جیسوال کا قیاس ہے ملاحظہ ہو واکویری دامو کھریز اینڈ واسنگرایج، ص۴ نمبر۱) تو یقیناً بادشاہت چھوٹ جانے کے باعث یا پیشہ کی تبدیلی کے باعث ان کا سماجی درجہ پست ہو گیا۔

ہوئے ہیں، موکھری سرداروں کے ایک سلسلہ کا پتہ چلا ہے جو مہا سینا پتی لقب رکھتے تھے [1] ان پر سن ۴۹۲ کرت (مالو؟) مطابق ۲۲۰ء (؟) پڑا ہوا ہے۔ تبھر ابر اور ناگارجنی کے پہاڑی کتبوں میں [2] تین موکھری راجاؤں کا ذکر ملتا ہے جن کے نام ایک ہی سلسلے میں مندابک ہیں۔ اس میں وہ رسم خط استعمال کیا گیا ہے جو پانچویں صدی عیسوی میں رائج تھا۔ لیکن اس میں سب سے اہم خاندان قنوج کا تھا۔ اس شاخ کے پہلے تین حکمراں بعد کے گپت راجاؤں سے ازدواجی رشتہ بھی رکھتے تھے اور غالباً سیاسی طور پر بھی ان کے باعث تھے۔ ایشان ورمن اور سرو رامن کے دورِ حکومت میں دونوں گھرانوں میں خوب رسہ کشی ہوئی جس کے نتائج کی طرف سطورِ بالا میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔ ایشان ورمن پہلا شخص تھا جس نے خاندان کی شان کو دوبالا کیا اس نے اندھروں پر فتح پائی۔ سور لکوں کو (جن کی شناخت اطمینان بخش صورت سے نہیں کی جا سکی ہے) شکست دی، اور گوڑوں کو اپنی قلمرو کے حدود میں رہنے پر مجبور کر دیا [3] اس کے لڑکے سرو ورامن نے شمال و مغرب کے ہونوں اور دمودر یہ گپت کو شکست دی [4] اونتی وورمن کے بارے میں ہمیں زیادہ نہیں معلوم اس کے لڑکے اور جانشین گرہ ورمن کو جس کی شادی تھانیشور کے پربھاکر وردھن کی لڑکی راجیشری کے ساتھ ہوئی تھی، مالوہ کے دیو گپت نے قتل کر دیا۔ اس طرح قنوج کے راجاؤں کا سلسلہ ختم ہو گیا لیکن اس کے بعد موکھری

---

[1] ملاحظہ ہو ایپی گرافیہ انڈکا تیسواں نمبر، ص۲۱۴، ص۲۲۵ [2] کارپس انسکرپشنم انڈکارم، تیسرا نمبر ۴۸، ۵۰، ص۲۲۱، ۳، ص۲۳۵ [3] ایپی گرافیہ انڈکا، چودھواں ص۱۱۷، ص۱۲، اشلوک ۱۳ حسب ذیل سے موازنہ کریں۔

जित्वान्ध्राधिपतिं सहस्त्रगणितत्रेधाक्षरद्वारणं
व्यावल्गन्नियुतातिसंख्यतुरगान्भङ्क्त्वा रणे शूलिकान् ।
कृत्वा चायतिमोचितस्थलभुवो गौडान्समुद्राश्रया —
नध्यासिष्ट नतक्षितीशचरणः सिंहासनं यो जिती ॥

[4] کارپس انسکرپشنم انڈکارم، تیسرا نمبر ۴۲، ص۲۰۳، ص۲۰۶، ۱۱-۸-۹

بالکل نابود نہیں ہوگئے۔ ادتیہ سین کے زمانے میں ایک شخص بھوگ ورمن کا نام ہمارے علم میں آتا ہے جسے بہادر موکھری نسل کے .... ہیروں کا سرتاج کہا گیا ہے [1]

قنوج کے موکھری برہمن مت کے سچے پیرو تھے۔ سیاسی طاقت کے اس نئے مرکز کا عروج انھیں کے کارناموں کا نتیجہ تھا۔ قریب قریب تمام اُتر پردیش اور مگدھ کے بڑے حصہ پر مشتمل یہ مرکز ایک واحد طاقت در ریاست میں تبدیل ہوگیا تھا۔ موکھری تاریخ کے سلسلہ وار واقعات کی اہم تاریخیں یہ ہیں۔ ۶۱۱ (مالو؟ ۔ وکرم سمبت) مطابق ۵۵۴ء جس کا ذکر ہرہ کے کتبہ میں آتا ہے [2] اور ۶۰۶ء جو گرہ ورمن کے قتل کی تاریخ ہے۔

---

[1] انڈین انٹی کویریز نواں، ص۱۷۱، ص۱۸۱، اشلوک ۱۳
[2] اپی گرافیہ انڈکا، چودھواں، ص۱۱۵، ص۱۲، پانچواں، ۲۱۔

چودھواں باب

تھانیشور اور قنوج کا راجہ ہرش وردھن[1]

کافی مواد کے باعث اہمیت میں اضافہ

ساتویں صدی عیسوی کے شروع میں ایک نیا ستارہ آسمانِ سیاست پر نمودار ہوا۔ اور وہ تھا ہرش وردھن۔ ہرش وردھن نہ تو اشوک کی سی بلند آہنگ شائستگی رکھتا تھا اور نہ اس میں چندر گپت موریہ کی سی فوجی قابلیت پائی جاتی تھی۔ پھر بھی اس کی شخصیت نے مورخین کو ان دونوں عظیم حکمرانوں کی طرح اس کی طرف متوجہ کر دیا ہے۔ ایک بڑی حد تک اس کا سبب یہ ہے کہ دو ہم عصر تصانیف ہمارے پاس موجود ہیں — یعنی بان کی ہرش چرت اور یوآن چوانگ کی سی یو کی یا اس کا سفرنامہ، جن کی تصدیق جا بجا لوحی شواہد[2] سے، نیز ہوئی لی کی لکھی ہوئی لائف آف یوآن چوانگ سے ہوتی ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو میری ہسٹری آف قنوج، (بنارس، ۱۹۳۷ء)، ص ۶۱-۱۸۶۔

[2] ملاحظہ ہو بانس کھیرا کی تانبے کی تختی (ایپی گرافیہ انڈکا، چوتھا، ص ۲۰۸-ص ۲۱۱)؛ مدھوبن سی۔ پی۔ (ایضاً۔ پہلا، ص ۶۷-ص ۷۵)؛ سون پت کی تانبے کی مہر (کارپس انسکرپشنم انڈکارم تیسرا، نمبر ۵۲، ص ۲۳۱-ص ۲۳۲) اس کے علاوہ نالندا کی مہریں (ایپی گرافیہ انڈکا، اکیس اپریل ۱۹۳۱ء، ص ۷۴-ص ۷۶)؛ نیز ایہول میگوتی کا کتبہ (ایپی گرافیہ انڈکا، چھٹا، ص ۱-ص ۱۲)

ہرش کے مورث

ہرش چرت کی سند کے مطابق ہرش کے آبا و اجداد سب شری کنٹھ (تھانیشور) کے علاقے میں حکومت کرتے تھے۔ ہرش چرت نے اس کا شجرہ ایک بہت قدیم شخصیت نپ بھوتی سے ملایا ہے، جو شیومت کا پیرو تھا۔ لیکن کتبوں میں ہرش سے پہلے اس کے اجداد میں صرف چار پشتوں تک نام ملتے ہیں۔ سلطنت کی بنیاد نرور دھن نے پانچویں صدی عیسوی کے اواخر یا چھٹی صدی عیسوی کے اوائل میں رکھی۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں ہونوں کے حملے ہو رہے تھے۔ اس کا پوتا خاص طور سے اس لیے معروف ہے کہ اس کی شادی مہاسین گپتا کے ساتھ ہوئی جو غالباً بعد والے گپت حکمران مہاسین گپت کی بہن تھی۔ پربھاکر وردھن کی حکمرانی میں سلطنت کی وسعت میں اضافہ ہوا اور اثرات بڑھ گئے۔ خاندانی کتبوں میں مہاراجا دھراج اور پرم بھٹارک کا لقب اختیار کرنے والا وہ پہلا حکمران ہے۔ ہرش چرت نے اسے "ہونوں کے ہرن کے لیے شیر، ملک سندھ کے راجہ کے لیے تیز بخار، گجرات (گرجروں) کی نیند حرام کر دینے والا، اس مست ہاتھی گندھارا کے راجہ کے لیے مہلک طاعون، لاٹوں کی لاقانونیت کا رہزن اور مالوہ کی عظمت کی بیل کے لیے کلہاڑی" کہا ہے[1]۔ لیکن اس سے ہمیں یک لخت یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیے کہ ان سب ریاستوں کو جن کے نام اس عبارت میں آئے ہیں ... نرور دھن نے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔ ہماری رائے میں دوسرے حکمرانوں کے مقابلے میں پربھاکر کی عظمت و جلالت کو محض شاعرانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ جس وقت یوآن چوانگ آیا تو تھانیشور کی سلطنت کا دائرہ ۰۰۰ ، لائی یا ۱۲۰۰ میل سے زیادہ نہیں تھا۔ اس کی شمال مغربی سرحدیں پنجاب میں ہونوں کے علاقے سے ملتی تھیں اور شمال میں غالباً پہاڑیوں تک پھیلی ہوئی تھیں۔ مشرق میں سلطنت

1۔ ہرش چرت ترجمہ کاول اور تھامس ملتا۔ اس سے موازنہ کریں
हूणहरिणकेशरी सिन्धुराजज्वरो गुर्जरप्रजागर गन्धाराधिपगन्धद्विपकूटपाल... लाटपाटवपाटच्चर मालवलक्ष्मीलतापरशु
(ہرش چرت کلکتہ ایڈیشن، صفحہ ۲۴۴)

قنوج کی موکھری ریاست سے ملحق تھی اور مغرب اور جنوب کی طرف اس میں پنجاب اور راجپوتانہ کے ریگستان کا کچھ حصہ شامل تھا۔ ہرش کو ورثہ میں نہ صرف یہ آبائی علاقے ملے، بلکہ قنوج کی گدی بھی ملی جس پر موکھریوں کا قبضہ تھا، اور اس سلسلے میں کچھ ایسے المناک واقعات پیش آئے جن کا ذکر ہم مندرجہ ذیل سطور میں کریں گے۔

ابتدائی حیثیت

جب ۶۰۵ء میں پربھاکر وردھن کا انتقال ہوگیا تو تھانیشور کا تخت و تاج راجیہ وردھن کے حصے میں آیا۔ ہونوں کو شکست دینے کا کام باپ نے اس کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ اس فرض سے سبک دوش ہونے کے فوراً بعد وہ سیدھا راجدھانی کی طرف واپس لوٹا۔ لیکن ابھی اس صدمے کے اثرات پوری طرح زائل نہیں ہونے پائے تھے کہ آسمان سے ایک نئی آفت اُس پر نازل ہوگئی۔ اُسے یہ اندوہ ناک خبر ملی کہ مالوہ کے راجہ نے، جو مدھوبن اور بانس کھیڑا کے کتبوں والے دیوگپت کے مماثل ہے، ان کے بہنوئی گرہ ورمن پر حملہ کر دیا ہے اور اُسے قتل کر ڈالا ہے، نیز یہ کہ ان کی بہن راجیشری کو کانیہ کبج کے ایک تہہ خانے میں قید کر دیا ہے۔ تھانیشور کے خلاف بھی مالوہ کے راجہ کے ارادوں کی شہرت تھی۔ سن واوک نامی قاصد نے دونوں راجکماروں کو اس سے بھی آگاہ کیا[1]۔ یہ سنتے ہی راجیہ وردھن اپنے اس "ناہنجار دشمن" کو پسپا کرنے کی غرض سے اپنی فوجیں لے کر فوراً چل کھڑا ہوا۔ اس نے غالباً عقب لشکر کی حفاظت کے لیے ہرش کو پیچھے پیچھے آنے کی ہدایت کی۔ دونوں راجکماروں کی قسمت کا ستارہ اس وقت گردش میں تھا اور قدم قدم پر ان کے لیے رکاوٹیں پیدا ہو رہی تھیں اور اس کے بعد نوعمر ہرش کی باری آئی اور اُسے بھی سیاست کے اس بحرِ طوفاں خیز میں کودنا پڑا۔ کچھ عرصے کے بعد اُسے معلوم ہوا کہ گو راجیہ وردھن نے مالوہ کی فوج کو "بے حد آسانی" کے ساتھ شکست دے دی ہے، لیکن گوڑ کے راجہ[2] نے، جو

---

[1] ہرش چرت، ترجمہ کاول اور ٹامس، ص ۱۷۳

[2] کہتے ہیں کہ ششانک نے "فرمانبرداری اور دوستی کا ثبوت دینے کے لیے اپنی لڑکی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یوآن چوانگ کے سشی سنگ کیا (شاشانک) کے مماثل ہے، اسے دھوکے سے قتل کردیا۔ گوڑ کا راجہ اپنی دور دراز ریاست سے اپنے حلیف دیوگپت کی امداد کے لیے اتنی دور سے آیا تھا۔ دیوگپت کی شکست کا بدلہ لینے کے بعد شاشانک نے قنوج پر قبضہ کرلیا اور قنوج کی فوج کی توجہ ہٹانے کے لیے، جو اس وقت بھنڈی کی سپہ سالاری میں تھی، گوڑ کے راجہ نے موکھریوں کی بیوہ رانی راجیہ شری کو جو اپنی ہی راجدھانی میں اب تک نظربند تھی، آزاد کردیا۔ حالات نے غیر متوقع طور پر جب یہ رُخ اختیار کرلیا تو اب تنہا ہرش "شبش تھا جو دھرتی کو سنبھال سکتا تھا"؛ چناں چہ تھانیشور کی آبائی راج گدی پر وہ بیٹھ گیا۔ اس کا پہلا اور اہم ترین فرض اپنی بہن کو مصیبت سے نجات دلانا اور اس کے بعد قنوج کو شاشانک کے قبضے سے چھڑا کر اُسے اُس کے کرتوتوں کی سزا دینا تھا۔ ان مقاصد کو پورا کرنے کی غرض سے ہرش نے ایک بڑی فوج کے ساتھ کوچ کیا۔ راستہ میں اس نے آسام کے راجہ بھاسکر ورمن سے دوستانہ تعلقات استوار کیے جس کی تکمیل آخرالذکر کے پیامبر ہنس ویگ کے ذریعے عمل میں آئی۔ ہرش بہت جلد بھنڈی سے جا ملا اور وہاں پہنچ کر اُسے معلوم ہوا کہ راجیہ شری کو رہا کردیا گیا ہے اور یہ کہ رہائی کے بعد اس نے وندھیا بن کی طرف راہِ فرار اختیار کرلی ہے۔ اُسے بہن کی تلاش کے لیے جی توڑ کوشش کرنی پڑی اور آخرکار اُسے عین اس وقت پالیا جب وہ خودکشی پر آمادہ ہو رہی تھی۔ اس کے بعد ہرش اپنی بہن کو لے کر اپنے فوجی کیمپ کو لوٹ آیا۔ اس مقام پر پہنچ کر ہمارا ماخذ ہرش چرت یک لخت خاموش ہوجاتا ہے۔ لیکن اسی اثنا میں معلوم ہوتا ہے کہ شاشانک

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا) کی شادی راجیہ وردھن کے ساتھ کرنے کی پیش کش کردی؛ اور جب راجیہ وردھن اس کی طرف سے غافل ہو کر اس پر اعتماد کرنے لگا اور نہتھا اور تنہا رہ گیا" تو گوڑ کے راجہ (شاشانک) نے اس کا (راجیہ وردھن کا) اس کی اپنی قیام گاہ پر کام تمام کردیا" (ہرش چرت، ترجمہ کاول اور ٹامس، ص ۱۷۸)۔ اس سے موازنہ کریں۔

तस्मात् च हेलानिर्जितमालवानीकमपि गौडाधिपेन मिथ्योपचारोपचितविश्वासं मुक्तशस्त्रं एकाकिनं विश्रब्धं एव भ्रातरं व्यापादितमश्रौषीत्

(ہرش چرت، کلکتہ اڈیشن، ص ۲۳۶)

نے جب ہرش کی فوجوں کی آمد کا حال سُنا تو اُس نے سوچا کہ مصلحتِ وقت سے کام لینا بھی عین شجاعت ہے۔ چنانچہ بجائے اس کے کہ خم ٹھونک کر میدانِ جنگ میں آئے، اس نے قنوج چھوڑ دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تھانیشور اور کام روپ (آسام) کے درمیان اتحاد ہونے کے بعد اس کے لیے پیش و عقب دونوں طرف سے بڑا خطرہ لاحق ہوگیا تھا۔ مالوہ کی شکست اور غالباً دیوگپت کی موت کے بعد بھنڈی نے مالوہ کی فوجوں کو ہر قسم کی امداد سے محروم کر دیا تھا۔ شاشانک نے جب یہ دیکھا کہ اُسے ایک تازہ دم لشکر کا مقابلہ کرنا ہے، تو اس کی فوجی حکمتِ عملی کا تقاضا یہ ہوا کہ اس موقع پر وہ شاندار پسپائی اختیار کرلے۔ اس طرح قنوج حکمراں سے بالکل خالی ہوگیا، اس لیے وہاں سخت افراتفری پھیل گئی۔ کیا راجیہ شری سے درخواست کی جاتی کہ وہ عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے؟ لیکن غالباً اپنے رنج و الم کے سبب، یا پھر اس لیے کہ بدھ مذہب کی تعلیمات کے باعث وہ گوشہ نشینی کی طرف مائل تھی، وہ حکمرانی کی عظیم ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے تیار نہ ہوئی۔ چوں کہ موکھری خاندان کا کوئی اور وارث موجود نہ تھا، اس لیے قنوج کے اربابِ حل و عقد نے پونی کی رہنمائی میں ہرش کو تخت و تاج قبول کرنے کی دعوت دی۔[1] ہرش کو خود اسے قبول کرنے میں کافی تکلف تھا۔ شاید اُسے یہ یقین نہیں تھا کہ وہاں کے عوام کے کیا جذبات ہوں گے اور اُسے ان کی مدد حاصل ہوسکے گی یا نہیں۔ چناں چہ اس نے شگون لیے اور اپنے عاقل مشیر بودھی ستوا و لوکیتیشور سے مشورہ کیا۔ اُسے ہدایت ملی کہ نہ تخت پر بیٹھے اور نہ مہاراجہ کا لقب اختیار کرے۔ اس ہدایت کے بموجب اس نے بادشاہت صرف اس صورت میں قبول کی کہ شیلادتیہ کا لقب اختیار کیا اور اپنے تئیں کمار کہلوایا۔ یہ سیدھا سادا لقب قطعی طور پر ظاہر کرتا ہے کہ حالاں کہ ہرش، جیسا کہ بان نے لکھا ہے، تھانیشور کا راجہ تو تھا لیکن قنوج میں صرف حکومت کا کام چلانا اس کے ذمے تھا اور اس کی سیاسی حیثیت ایک سرپرست یا وقتی نگراں سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مدت کے بعد جب اس نے اپنی حیثیت کو مجتمع کرلیا اور جو تھوڑی بہت مخالفت تھی اس کا زور بھی

---

[1] بیل، پہلا، ص۲۱۱، ص۲۱۳؛ واٹرس، پہلا، ص۳۴۳

گھٹ گیا تو اس نے اپنا دارالسلطنت تھانیشور سے قنوج کو منتقل کر دیا اور تمام شاہانہ القاب کے ساتھ تھانیشور کی طرح قنوج پر بھی حکومت کرنے لگا۔ اس طرح دونوں ریاستیں ایک دوسرے میں ضم ہو گئیں۔ اس اتحاد سے ہرشؔ کو آگے چل کر دوسری آپس میں لڑنے والی ریاستوں پر، جنھوں نے شمالی ہند کے سیاسی توازن کو مستقل طور پر بگاڑ رکھا تھا، اپنی حکومت اور اپنے اثرات قائم کرنے میں بڑی مدد ملی۔

ہرشؔ کی مہمیں

ہرشؔ کی فتوحات کی معتبر تفصیلات ہمیں کہیں نہیں ملتیں۔ یوآن چوانگ کے توصیفی بیانات میں کچھ مبہم سے اشارے ضرور ملتے ہیں، مثلاً ''مشرق کی جانب ہرشؔ نے ان ریاستوں پر حملہ کیا جنھوں نے اس کی اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور مسلسل جنگ وجدال میں الجھا رہا، یہاں تک کہ چھ سال کے عرصے میں اس نے پانچوں ہندوستانوں کا مقابلہ کیا'' (ایک دوسرے مفہوم کے مطابق: پانچوں ہندوستانوں کو اطاعت قبول کرنے پر مجبور کیا)[1]۔ چینی زائر آگے چل کر ایک جگہ لکھتا ہے: ''وہ (ہرشؔ) بہت جلد اس قابل ہو گیا کہ اس کے بھائی کے ساتھ جو بدسلوکی کی گئی تھی اس کا بدلہ لے اور اپنے کو ہندوستان کا مالک بنائے[2]۔'' یوآن چوانگ مزید لکھتا ہے: ''اس وقت تک شِیلا دِتیہ مہاراج نے مشرق سے مغرب تک تمام قوموں کو فتح کر لیا تھا اور اپنی فوجیں دور دور کے اضلاع تک لے گیا تھا[3]۔'' لیکن کسی مقام پر فاضل زائر نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ ہرشؔ نے کیسے اور کون کون سی ریاستوں کو فتح کیا۔ یہ بات بہرحال یقینی ہے کہ وَلبھی کے راجہ دھروؔ بھٹ یا دھروؔ سین دوم کو ہرشؔ کے حملوں کی مکافات بھگتنی پڑی۔ ہرشؔ کو شروع شروع میں کچھ فتوحات ضرور حاصل ہوئیں اور اس کے حریف کو بڑوچ کے دَدّا دوم کی پناہ لینی پڑی۔ دَدّا کی مدد سے دھروؔ بھٹ

---

1. واٹرس، پہلا، ص۳۴۳؛ بِیل، پہلا، ص۲۱۳
2. لائف، ص۸۳
3. واٹرس، دوسرا، ص۲۳۹؛ بِیل، دوسرا، ص۲۵۶، ص۲۵۷

نے اپنی کھوئی ہوئی ریاست پھر سے حاصل کرلی ۔ جب یوآن چوانگ آیا ہے تو اس وقت گدی پر اسی کا قبضہ تھا ۔ اس جنگ سے پُل کیشن دوم جو اپنے تئیں "تمام جنوبی ہندوستان کا مالک" سمجھتا تھا ، بالکل بے تعلق نہیں رہ سکتا تھا ۔ چناں چہ دونوں عظیم حکمرانوں میں طاقت کی آزمائش ناگزیر ہوگئی ۔ لائف کا بیان ہے کہ ہرشن موہالاچا (مہاراشٹر)[1] کے پُلوکی شا (پُل کیشن دوم) کے خلاف میدانِ جنگ میں بہ نفسِ نفیس آیا ، لیکن اس کا کچھ بس نہ چلا اور اپنے جنوبی حریف کے مقابلے میں بڑے نقصانات کے ساتھ ہزیمت اٹھانی پڑی ۔ یہ جنگ یقیناً ۶۳۴ء سے پہلے واقع ہوئی ، کیوں کہ یہی تاریخ ایہول ایپیگوتی کے کتبہ کی ہے جس میں اس کا ذکر بڑے فخریہ انداز میں کیا گیا ہے ۔[2]

بانؔ کی شہادت بھی ہرشن کے فوجی کارناموں پر کوئی واضح روشنی نہیں ڈالتی ۔ حقیقت یہ ہے کہ درباری شاعر ہمیں یہ بھی نہیں بتاتا کہ اس کے مربی اور محسن نے گوڑ کے راجہ کا ، جس پر اس کا غصہ سب سے پہلے اترنا چاہیے تھا ، کس طرح مقابلہ کیا ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شاشانک ہرشن کے قابو سے باہر رہا اور اس کی حکومت گنجم کے ایک کتبہ کی سند سے ۳۰۰ گپت سمبت مطابق ۶۱۹ء تک پورے عروج پر رہی ۔ آگے چل کر ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہرشن نے "سندھ کے راجہ کو کچلنے کے بعد اس کی تمام دولت کو اپنا لیا"،[3] جس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں ضرور ایک دوسرے سے ٹکرائے

---

[1] لائف ، ص ۱۴۲

[2] ایپی گرافیہ انڈکا ، ج ۶ ، ص ۱۴۴ ، ص ۱۴۶

[3] ہرش چرت ، ص ۷۶ ۔ اس سے موازنہ کریں ۔

"अत्र पुरुषोत्तमेन सिन्धुराजं प्रमथ्य लक्ष्मीः आत्मीकृता"

(ہرش چرت ، کلکتہ اڈیشن ، ص ۱۰۱ ، ص ۱۱۲) ۔ ایک اور عبارت ہے جس کا اکثر حوالہ دیا جاتا ہے ۔

"अत्र परमेश्वरेण तुषारशैलभुवो दुर्गाया गृहीतः करः"

اس کا مطلب یہ نکالا گیا ہے کہ ہرشن نے خراج ایسے پہاڑی علاقہ سے وصول کیا جو برفیلا تھا اور جہاں رسائی ممکن نہیں تھی ، یعنی شاید نیپال یا کشمیر ۔ بہرحال اس کا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں حاکم اعلا نے درگا کو حاصل کیا جو برفیلے پہاڑوں میں پیدا ہوئی تھی ۔ یہ اشارہ ہرشن کی شادی کی طرف ہے جو اس نے کسی طاقتور پہاڑی خاندان میں کی تھی ۔

اور ہرش کو اس مقابلے میں نہ صرف یہ کہ بالا دستی حاصل رہی بلکہ وہ اس سے تاوانِ جنگ وصول کرنے میں بھی کامیاب ہوا۔

مہموں کی ترتیب وار تاریخ

یوآن چوانگ کے اس قول کا کہ "ہرش مسلسل جنگ و جدال میں مصروف رہا، یہاں تک کہ چھ سال میں اس نے پانچوں ہندوستانوں سے اطاعت قبول کروالی"[1] بعض عالموں نے یہ بھی مطلب نکالا ہے کہ ہرش کی تمام لڑائیاں ۶۰۶ء میں جو اس کی تخت نشینی کی تاریخ ہے، اور ۶۱۲ء کے درمیانی عرصے میں ختم ہو چکی تھیں۔ یہ بہر حال ایک خواہ مخواہ کا مفروضہ ہے کہ یوآن چوانگ کے وہ چھ سال ٹھیک اسی سال شروع ہوئے جس سال ہرش تخت نشیں ہوا۔ اس کے علاوہ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ شاشانک نے ۶۱۹ء تک حکومت کی اس لیے ہرش نے مشرقی علاقے یقیناً اس کے بعد، یعنی ۶۲۰ء اور ۶۲۵ء کے درمیان میں کسی سال فتح کیے۔ یوآن چوانگ ہی کی شہادت سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پل کیشن دوم سے اس کا مقابلہ اس وقت ہوا جب ہرش اپنی فوجیں "مشرق سے مغرب تک دور و دراز کے اضلاع میں لے جا چکا تھا۔" اس طرح سب سے پرانی اور آخری حد جو ہم قائم کر سکتے ہیں وہ تقریباً ۶۲۵ء اور ۶۳۴ء کے درمیان کی کوئی تاریخ ہے (اور یہی ایہول کے کتبے کی تاریخ ہے)، اور اس جہت سے ہم لگ بھگ ۶۳۰ء اس واقعہ کی تاریخ قرار دے سکتے ہیں[2]۔ اس مقام پر پہنچ کر ہمیں یوآن چوانگ کے دوسرے بیان کی وضاحت بھی کر دینی چاہیے، یعنی یہ کہ "ہرش نے کسی کے خلاف ہتھیار بلند کیے بغیر تیس سال تک امن و امان کے ساتھ حکومت کی"[3] اگر ہم اس ترجمے کو درست مان لیں (حالانکہ

---

[1] واٹرس، پہلا، ص۳۴۳؛ بیل، پہلا، ص۲۱۳

[2] ملاحظہ ہو، بہر حال، مسٹر کے۔ جی چوڑیا دبیاسے، پروسیڈنگ آف انڈین ہسٹری کانگرس، ۱۹۳۹ء تیسرا اجلاس کلکتہ، ص۵۸۶ تا ص۵۹۴ انھوں نے ہرش اور پل کیشن کے درمیان لڑائی کو ۶۱۰ء اور ۶۱۲ء کے درمیان قرار دیا ہے

بیل نے ترجمہ اس طرح کیا ہے: "تیس سال کے بعد اس کی فوجوں نے آرام کیا اور اس نے ہر جگہ پُرامن انداز میں حکومت کی[1]) تو بہ آسانی یہ نتیجہ نکلے گا کہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہرشؔ نے بہت جلد ملک میں امن و امان قائم کر لیا اور گوڑ اور گپت راجاؤں کے حملوں کے بعد جو بدنظمی ملک میں پھیل گئی تھی اُسے ختم کر کے ایک مضبوط و پائدار حکومت قائم کی۔ لیکن اپنے خارجی تعلقات میں ہرشؔ شہنشاہیت کی پالیسی پر کاربند رہا۔ ۶۴۳ء کی کونگودا (ضلع گنجم) کی مہم قطعی طور پر ثابت کرتی ہے کہ ہرشؔ اپنے شان دار دورِ حکومت میں آخر تک فوجی مہموں میں الجھا رہا۔

سلطنت کی وسعت

"سکلوتر پتھ ناتھ" کے لقب سے عام طور پر یہ قیاس کر لیا گیا ہے کہ تمام شمالی ہندوستان پر ہرشؔ کا قبضہ تھا۔ بہر حال، اس قیاس کے لیے بھی کافی گنجائش ہے کہ یہ اصطلاح اکثر بڑے مبہم اور غیر واضح انداز میں استعمال ہوتی تھی اور ضروری نہیں کہ اس کا مطلب یہی ہو کہ ہرشؔ کی سلطنت میں ہمالیہ سے لے کر وندھیا کے سلسلے تک تمام علاقہ شامل تھا[2] یوآن چوانگ کے بیان کا اگر بغور تجزیہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ ہرشؔ کی سلطنت کی وسعت بہت زیادہ نہیں تھی۔ چینی زائر نے کئی ریاستوں اور ان کے متعلقات کا صراحتاً ذکر کیا ہے جن کا وجود اُس کے دورہ کے وقت پایا جاتا تھا۔ وہ ریاستیں یہ تھیں — کپیشہ، کشمیر، جالندھر، بیراٹ، متھرا، متی پور (منڈاور، ضلع بجنور) سوورن گوتر دیس، کپل (دستو بنبال، کام روپ (آسام)، مہاراشٹر، بڑودچ، ولبھی، گرجر دیس، اجین، بندیلکھنڈ، مہیشور پور (علاقہ گوالیار)، اور سندھ۔ ظاہر ہے یہ ریاستیں ہرشؔ کے حدودِ اقتدار سے باہر تھیں۔ دوسری طرف، یوآن چوانگ شمالی ہند کی حسب ذیل علاقوں کی حکومت

---

[1] بیل، پہلا، ص۲۱۳

[2] چالوکیہ وِنیادتیہ کے کتبے میں ایک "سکلوتراپتھ ناتھ" کا ذکر ہے (انڈین اینٹی کویریز، ساتواں، ص۱۱۰، ۱۱۱؛ ایضاً، نواں، ص۱۲۹)، اور اگر وہ بعد کے گپت راجاؤں کے سلسلے والے آدتیہ سین کے مماثل ہے جیسا کہ بعض عالموں نے قیاس کیا ہے، تو یہ بات یقینی ہے کہ یہ سکلوتر پتھ ناتھ تمام شمالی ہندوستان کا حکمراں ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

کے بارے میں بالکل خاموش ہے۔ کُلُو، شَتَ دْرُو دیس (سرہند) تھانیشور، سُرُگھن (سُگھ)، برہم پور (گڑھوال اور کمایوں)، گووِی سَن (موجودہ کاشی پور، رامپور اور پیلی بھیت) اَہِچھتر (مشرقی روہیلکھنڈ)، پلسنڈ (ضلع ایٹہ)، کپتھ (سَن کسَّہ)، اَیوتِی (ایودھیا، یا ضلع فتحپور میں اَپھوئی)، ہیکھو (رائے بریلی اور پرتاپ گڑھ کے اضلاع)، پریاگ، کوسمبی، وشوک (؟)، شراوستی، رام گرام، کشی نگر، وارانسی (بنارس)، ضلع غازی پور، ویشالی، وِرِجی دیس، مگدھ، مُونگھیر، بھاگلپور، راج محل، پُونڈروردھن، سم تٹ، تامرلِپتی، کرن سورن، اڑیسہ جس میں موجودہ گنجم شامل تھا۔[1]

ان تمام علاقوں کی سیاسی حیثیت کے بارے میں یوآن چوانگ کی خاموشی ظاہر کرتی ہے کہ یہ سب کے سب قنوج کی ریاست میں شامل تھے۔ یوآن چوانگ کے علاوہ دوسری اسناد سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ ان میں سے بعض کا شمول واقعتاً ہرش کی سلطنت میں تھا۔ ہم نے گزشتہ صفحات میں دیکھا کہ ہرش کی آبائی سلطنت تھانیشور، دریائے سُرسوتی کی وادی اور مشرقی راجپوتانہ کے کچھ حصوں پر مشتمل تھی۔ بعد میں ہرش نے اس میں قنوج کی موکھری ریاست بھی ملالی جس میں تمام موجودہ اترپردیش اور مگدھ کا کچھ حصہ شامل تھا۔ مگدھ کا ہرش کی حکومت میں شامل ہونا اس سے بھی ثابت ہے کہ اس کی سفارت سے متعلق چینی دستاویزات میں اس کے لیے "مگدھ کا راجہ" کا لقب استعمال کیا گیا ہے۔ بانس کھیڑا اور مدھوبن کے فرامین، جن کے ذریعہ جاگیریں عطا کی گئی ہیں، ثابت کرتے ہیں کہ اہچھتر اور شراوستی اس کی سلطنت کی بھُکتی یا انتظامی اکائیاں تھیں۔ اڑیسہ پر اس کا اقتدار اعلا لائف سے ثابت ہے۔[2] مشرقی ہندوستان میں دورہ کے دوران ہرش نے کجنگل (ضلع راج محل) کے مقام پر دربار منعقد کیا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہرش کی سلطنت وہاں تک پہنچ گئی تھی۔ اس لیے ہم یوآن چوانگ کی

---

[1] اختصار کے خیال سے میں نے ناموں کی چینی ہیئت حذف کر دی ہے۔ ہم نے یوآن چوانگ کی شہادت کا تنقیدی تجزیہ کیا ہے تاکہ اس پیچیدہ اور ما بہ نزاع مسئلہ میں میرا نظریہ واضح ہو جائے۔

[2] لائف، ص۱۵۴۔ شیلادتیہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس نے جے سین کو، جو ایک ممتاز بودھ عالم تھا، اڑیسہ کے اسی بڑے بڑے شہروں کا محصول بطور عطیہ دے دیا تھا۔

شہادت، نیز دوسری لوحی اور ادبی اسناد کی بنیاد پر جدید جغرافیائی مصطلحات کے ذریعے ہرش کی سلطنت کے حدود اس طرح تعین کر سکتے ہیں کہ اس میں مشرقی پنجاب کا کچھ حصہ، تقریباً کل یوپی (سوائے متھرا اور متی پور کے)، بہار، بنگال اور اڑیسہ (مع کونَ گوڈ یا گنجم کے علاقوں کے) شامل تھے[1] " پانچوں ہندوستانوں کا فرمانروا " کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ یوآن چوانگ کی بھی یہی رائے تھی۔ پانچوں ہندوستانوں کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ ان میں سوراشٹر، یا پنجاب (اس موقع پر پنجاب کے مشرقی اضلاع) کانیہ کبج، متھلا یا بہار، گوڑ یا بنگال، اُتکل یا اڑیسہ شامل تھے۔ اس طرح تمام شہادت حیرت انگیز طور پر ہم آہنگ ہے اور اب اس مبالغہ آمیز تصور کو ترک کرنا کہ ہرش کی حکومت کشمیر اور سندھ، سوراشٹر اور جنوب بعید، کام روپ (آسام) اور نیپال تک پھیلی ہوئی تھی، بڑا دشوار ہو گیا ہے۔ یہ نظریہ یوآن چوانگ کی ہم عصر شہادت اور بالکل غیر مشتبہ بیان کی کھلی ہوئی ضد ہے۔ یہ علاقے خود ہی کافی طویل و عریض اور شمالی ہندوستان کی ہر شخصی ریاست سے بڑے تھے اور یہی وجہ ہوئی کہ یہ ماہر قانون ہرش کی طاقت سے اتنا مرعوب ہوا۔

انتظامِ حکومت

مندرجہ بالا بحث سے واضح ہے کہ ہرش کی سلطنت زیادہ تر مشرق کی طرف پھیلی ہوئی تھی۔ ظاہر ہے اس صورت میں اس کی خواہش یہی ہو سکتی تھی کہ وہ اسی علاقہ

---

[1] یہ عجیب و غریب بات ہے کہ قنوج سے ملحق چھوٹی چھوٹی ریاستیں پائی جاتی تھیں۔ اس کی توجیہہ یہ ہے کہ انھوں نے بالکل ابتدائی دور میں ہرش کے فوجی اشتعال سے بچنے کے لیے اس سے دوستی کر لی، اور ہرش نے، جسے اس وقت حلیفوں کی ضرورت تھی، بڑی چالاکی سے ان کے وجود کو گوارا کیا۔ جو ریاستیں اس کے جنوب کے راستے پر واقع تھیں انھوں نے ہرش کی فوجوں کو گزرنے کی اجازت دے کر اپنی داخلی آزادی کو برقرار رکھا، یا اگر انھوں نے اس کی اطاعت قبول کر لی تو پل کیشن کے مقابلے میں ہرش کی شکست کے بعد انھوں نے از سر نو آزادی حاصل کر لی۔

[2] ملاحظہ ہو میری ہسٹری آف قنوج، ص۳۰، ص۱۱۹۔

کی نگرانی کی طرف زیادہ توجہ کرے، کیوں کر جنوبی راستے تمام پُل کیشن دوم کی افواج نے مسدود کر رکھے تھے۔ اس قدیم عہد میں گنگا عام شاہراہ کا کام دیتی تھی اور بنگال سے لے کر "وسط ہند" تک اسی کے ذریعے آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا۔ اس لیے قنوج کی خوش حالی اور تجارتی مفاد کے لیے گنگا کے ان وسیع و عریض میدانوں پر اس کا اقتدارِ اعلیٰ از بس ضروری تھا۔ ہرشن قریب قریب اس تمام علاقے پر اپنا تسلط قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اور جب سلطنت کی وسعتیں حد سے زیادہ بڑھ گئیں تو اس پر کامیابی کے ساتھ حکومت کرنا بھی مشکل سے مشکل تر ہوگیا۔

فوجی قوت

ہرشن نے پہلا کام یہ کیا کہ اس نے اپنی فوجی قوت کو بڑھایا۔ اس کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ وہ ریاستیں جو اس کے قبضے میں نہ تھیں وہ اس سے مرعوب ہو جائیں۔ دوسرا یہ تھا کہ اندرونی خلفشار اور غیر ملکی حملوں کے وقت اسے کام میں لایا جا سکے۔ ہیوآن چوانگ لکھتا ہے "سلطنت کو وسیع کر لینے کے بعد اس نے اپنی فوجی قوت میں اضافہ کیا۔ اس کی فوج میں ۶۰،۰۰۰ ہاتھی اور ۱۰۰،۰۰۰ سوار تھے[1]" نتیجہ میں اس عظیم الشان لشکر پر ہی ہرشن کی تمام سلطنت کا دارومدار تھا۔

سیاسی اتحاد

لیکن فوج انتظام حکومت کا ایک جزو ہوتی ہے۔ ہرشن نے اپنی طاقت کو مضبوط کرنے کے لیے دوسرے طریقے بھی استعمال کیے۔ بالکل ابتدا میں جب وہ اپنی پہلی مہم پر روانہ ہوا تو اس نے آسام کے راجہ بھاسکر ورمن سے "دائمی صلحنامہ" کیا۔ دوسرا اقدام یہ کیا کہ وَلبھی کے راجہ دُھرو سین دوم یا دُھرو بھٹ سے شمشیر آزمائی کے بعد اس کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کر دی۔ اس رشتے سے اُسے نہ صرف ایک کارآمد حلیف حاصل ہوگیا بلکہ جنوبی ہندوستان کے راستے اُس کے لیے

---

[1] واٹرس، پہلا، صفحہ ۳۴۳؛ بیل، پہلا، صفحہ ۲۱۳

کھل گئے۔ آخری قدم یہ اٹھایا کہ ۶۴۱ء میں چین کے تانگ شہنشاہ، تائی شنگ کے دربار میں اپنا ایک برہمن سفیر بھیجا۔ بعد ازاں ایک چینی سفارت ہرش کے دربار میں آئی[1]۔ عرب مورخ طبری ہمیں بتاتا ہے کہ ہرشن کے جنوبی حریف پُل کیشن دوم نے شاہ فارس کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کر لیے تھے[2]۔ غالباً اسی کا وزن برقرار کرنے کے لیے ہرشن نے اپنے سیاسی تعلقات چین سے خوش گوار رکھے۔

ہرشن کی کوششیں

مشرق کی مطلق العنان حکومتوں میں ریاست کا مرکز عام طور پر راجہ ہوتا تھا، اس لیے انتظامِ حکومت میں کامیابی کلیتاً اس کی ذاتی وسیع النظری پر منحصر ہوتی تھی۔ چنانچہ اپنی وسیع سلطنت کی دیکھ بھال کا انتہائی دشوار کام ہرشن نے اپنے ذمّہ لیا۔ وہ اپنا آدھا وقت خداتِ منصبی پر صرف کرتا اور آدھا فرائضِ مذہبی پر۔" وہ ان تھک کام کرنے والا آدمی تھا اور پورا دن اس کے لیے ناکافی ہوتا تھا[3]۔ وہ اپنے راج محل کے پُرتکلف ماحول میں بیٹھے بیٹھے حکمرانی کرنے کا قائل نہیں تھا۔ "بدکاروں کو سزا دینے اور نیکو کاروں کو انعام دینے کے لیے" وہ جگہ جگہ گھومتا تھا۔ ان "معائنوں" کے دوران وہ ملک سے واقفیت حاصل کرتا اور اپنی رعایا سے براہِ راست روابط قائم کرتا تھا اور اس طرح عوام کو اپنی مشکلات اور شکایات اس کے سامنے پیش کرنے کا بخوبی موقع مل جاتا تھا۔

ملکی انتظام

بدقسمتی سے اس وقت کے مروّجہ طرزِ حکومت کے بارے میں ہماری معلومات بہت ناقص ہے۔ غالباً ہرشن کو انتظام میں ایک مجلسِ مشاورت (منتری پریشد) مدد دیتی تھی۔ یوآن چوانگ کہتا ہے کہ پونی کی قیادت میں قنوج کے اربابِ حل وعقد نے

---

1. ارلی ھسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن، ص۳۶۶
2. جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی، نیومسمیٹک سوسائٹی، گیارھواں (۱۸۶۹ء)؛ ص۱۶۵، ص۱۶۶
3. واٹرس، پہلا، ص۳۴۴؛ بیل، پہلا، ص۲۱۵

ہرشؔ کو قنوج کا تخت و تاج قبول کرنے کی دعوت دی تھی[1] اور یہ تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ ہرشؔ کے ترقی و خوش حالی کے دور میں بھی وہ لوگ ہو سکتا ہے انتظامی امور میں تھوڑا بہت دخل رکھتے ہوں۔ چینی زائر بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ "افسروں کا ایک کمیشن ملک پر قابض تھا"[2] مزید برآں اس زمانے میں رسل و رسائل کے وسیلے بہت ناقص اور سست تھے اور ہرشؔ کی سلطنت کافی دور دراز علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی، اس لیے سلطنت کے ان نامربوط حصوں کو مجتمع کرنے کے لیے حکومت کے کئی انتظامی مرکز قائم کرنا ضروری تھے۔ چنانچہ سرحدی صوبوں کا انتظام نائب السلطنت (راج ستھانیہ؟) یا گورنر (لوک پال یا اُپ رِک مہاراج) یا جاگیردار سردار (سامنت یا مہا سامنت) کے سپرد ہوتا تھا۔ آخرالذکر طبقے کا ایک سردار گدھ کا مادھو گپت تھا۔ اس کے علاوہ ہرش چرت نیز کتبوں سے ثابت ہوتا ہے کہ عمالِ حکومت کی یہ تنظیم بہت باقاعدہ تھی۔ ریاست کے ان فوجی یا غیر فوجی اہل کاروں میں سے بعض حسب ذیل تھے ـــ مہا سندھی وِگرہا (حکومت دھکرت) (امن و جنگ کا بڑا وزیر)؛ مہابلا دھکرت (فوج کا افسر اعلیٰ)؛ سینا پتی (سپہ سالار)؛ برہد شوار (سواروں کا افسر اعلیٰ)؛ کٹک (ہاتھیوں کے فوجی دستہ کا افسر)؛ چاٹ بھٹ (مستقل اور عارضی سپاہی)؛ دوت (سفیر یا ایلچی)؛ راجستھانیہ (وزیر خارجہ یا نائب السلطنت)؛ اُپ رِک مہاراج (صوبائی گورنر)؛ وشیہ پتی (ضلع کا افسر)؛ آیکت تک (عام ماتحت افسران)؛ مِمانسک (انصاف؟)؛ مہا پرتی ہار (داروغہ خاص یا نقیب)؛ بھوگک یا بھوگ پتی (پیداوار کے سرکاری حصہ کا وصول کنندہ)؛ دیر گھدوگ (تیز رو قاصد)؛ اکش پٹلک (محافظ خانہ کا نگران)؛ اَدھیکش (مختلف محکموں کے نگران)؛ لیکھک (منشی)؛ کارنِک (محرر)؛ سیوک (عام چھوٹے ملازمین یا چپراسی وغیرہ)۔

علاقائی تقسیم

ہرشؔ کے کتبوں سے ثابت ہے کہ علاقائی تقسیم جوں کی توں باقی رہی، یعنی تمام

---

[1] بیل، پہلا، صفحہ ۲۱۱، صفحہ ۲۱۴، واٹرس، پہلا، صفحہ ۳۴۳۔ [2] بیل، پہلا، صفحہ ۲۱۱

سلطنت بھکتیوں یا صوبوں میں منقسم تھی۔ پھر صوبے کی تقسیم در تقسیم ہوتی تھی، یعنی ہر صوبے میں کئی کئی وِشیے (ضلعے) ہوتے تھے۔ ایک اس سے بھی چھوٹی اکائی ہوتی تھی جسے پتھک کہتے تھے۔ یہ غالباً ہماری آج کل کی تحصیل یا تعلقہ کی برابر ہوتی تھی، اور انتظام کی سب سے چھوٹی اکائی گرام بھی بدستور سابق باقی تھی۔

عام خصوصیات

یوآن چوانگ نے ہرشن کے انتظام حکومت کی بہت تعریف لکھی ہے۔ ہرشن مفادِ عامہ کا ہمیشہ خیال رکھتا تھا اور یہی اس کی حکومت کا بنیادی اصول تھا۔ لوگوں کو کنبوں کا کہیں اندراج وغیرہ نہیں کرانا پڑتا تھا اور نہ کسی سے بیگار لی جاتی تھی۔ اس طرح عوام سرکاری پابندیوں کی زنجیروں میں بہت زیادہ جکڑے ہوئے نہیں تھے اور اپنے مخصوص ماحول میں اپنے خاص حالات کے مطابق رہنے بسنے اور ترقی کرنے میں آزاد تھے۔ محصول نرم تھے۔ سرکار کا سب سے بڑا ذریعۂ آمدنی پیداوار کا روایتی چھٹا حصہ اور دریاؤں کے گھاٹ اور سرحدی ناکوں پر وصول ہونے والا محصول تھا[1] جو ان بیوپاریوں کو ادا کرنا ہوتا تھا جو اپنا مال مبادلہ کے لیے اِدھر اُدھر لے جاتے تھے۔ ہرشن کے انتظامِ حکومت کا مزاج ترقی پسندانہ تھا اس کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ ہرشن مختلف مذہبی فرقوں کی مالی امداد کرتا تھا اور ممتاز عالموں اور فاضلوں کو عطیات سے نوازتا تھا[2]

ضابطۂ فوجداری

چوں کہ حکومت بہت منظم تھی اس لیے عوام بھی آپس میں خوشگوار تعلقات رکھتے تھے۔ اس عہد میں تشدد آمیز جرائم کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں[3] لیکن سڑکیں اور دریائی راستے ڈاکوؤں سے بالکل محفوظ نہیں تھے۔ خود یوآن چوانگ کو ڈاکوؤں نے کئی بار ننگا

---

[1] واٹرس، پہلا، ص۱۷۶

[2] ص۱

[3] ایضاً، ص۱۷۱

کرکے چھوڑ دیا۔ بعض من چلوں نے تو ایک دفعہ اُسے قربانی کا بکرا بنانے کی ٹھان لی تھی۔ قانون فوجداری غیر معمولی طور پر شدید تھا۔ قانون شکنی اور بادشاہ کے خلاف سازش کرنے والوں کی معمولی سزا حبس دوام تھی۔ ہم یہ بھی سنتے ہیں کہ حالاں کہ مجرموں کو کوئی جسمانی سزا نہیں دی جاتی تھی، لیکن انھیں ذات باہر ضرور کردیا جاتا تھا[1] ہرش چرت میں بہرحال اس رواج کا بھی ذکر ہے کہ رنگ رلیوں اور تیوہاروں کے موقع پر قیدیوں کو رہائی دے دی جاتی تھی۔ دوسری سزائیں گپت عہد کے مقابلے میں زیادہ سفاکانہ تھیں۔ "اخلاقی جرائم پر اور حکم عدولی اور ماں باپ کی خلاف ورزی کرنے والے کو ناک، کان ہاتھ، پاؤں کاٹنے کی سزا دی جاتی یا دیس نکالا یا بن باس دے دیا جاتا تھا"[2] معمولی جرائم کا کفارہ روپیہ پیسہ کی شکل میں بھی ادا کیا جاتا تھا۔ یہ جانچنے کے لیے کہ ملزم سے واقعی جرم سرزد ہوا ہے یا وہ بے قصور ہے آگ اور پانی کے ذریعے آزمائش کرنے یا تولنے یا زہر دینے کا طریقہ قانوناً جائز تھا۔ قانون فوجداری میں اس قدر شدت اور سختی کے باعث قانون شکنی بہت کم ہوتی تھی۔ لیکن جرائم میں کمی کا ایک سبب ہندوستان کے لوگوں کا اپنا کردار تھا جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ "طبعاً نیک چلن" واقع ہوئے تھے[3]

قنوج کی عظمتیں

قنوج کی خوش حالی اور اہمیت، جس کی ابتدا موکھریوں کے وقت میں ہی ہو چکی تھی، ہرش کے عہد میں معراجِ کمال کو پہنچ گئی تھی۔ شمالی ہند کا سب سے بڑا شہر اب

---

1 واٹرس، پہلا، ص۱۷۲

2 ایضاً، بیل، پہلا، ص۸۳، ص۸۴

3 یوآن چوانگ کہتا ہے، "وہ لوگ کوئی چیز کسی سے مانگتے ہیں تو اس میں بے ایمانی نہیں کرتے، اور ضرورت سے زیادہ ہی واپس کردیتے ہیں۔ دوسری زندگیوں میں ان سے جو گناہ سرزد ہوئے ہیں ان کی پاداش کے خوف سے وہ اس زندگی میں بھی گناہ سے پرہیز کرتے ہیں۔ وہ عادتاً کسی کو دھوکا نہیں دیتے، اور جس بات کا عہد کرلیتے ہیں اُسے پورا کرکے چھوڑتے ہیں۔" (واٹرس پہلا، ص۱۷۱؛ بیل، پہلا، ص۸۳)

قنوج ہوگیا۔ بدھ کے زمانے سے لے کر اب تک پاٹلی پُتر کو مرکزیت حاصل تھی اور سیاسی زندگی کے تمام دھارے وہیں سے ہوکر گزرتے تھے۔ اب اس کی جگہ قنوج نے لے لی۔ ایک صاحب نظر غیر ملکی کو قنوج یقیناً ایک عظیم و سیع المشرب شہر دکھائی دیا جس کے باشندوں کی نصف تعداد مذہبی معتقدات کے لحاظ سے قدامت پسند تھی اور نصف تعداد آزاد خیال۔ قنوج میں اس وقت سوؔ بودھی خانقاہیں موجود تھیں جن میں دونوں "فرقوں" کو ماننے والے ...... برادرانِ مذہبی سکونت رکھتے تھے۔ "دیومندروں" کی تعداد دو سو کے قریب تھی اور شہر میں بدھ مذہب کو نہ ماننے والے کئی ہزار کی تعداد میں پائے جاتے تھے۔ شہر کی لمبائی بیس لائی یا تقریباً ۵ میل اور چوڑائی پانچ لائی یا ۱ میل تھی اور اس کی حفاظت کا انتظام فطرت اور فن دونوں نے مل کر کیا تھا۔ شہر کی تعمیر مقررہ نقشے کے مطابق ہوئی تھی۔ شہر میں خوب صورت باغات بھی تھے اور شفاف پانی کے تالاب بھی۔ مکانات عام طور پر صاف ستھرے، آرام دہ اور سادہ تھے، یا یوآن چوانگ کے الفاظ میں اندرونی حصہ بیش قیمت و پُرتکلف، اور باہری رُخ کفایت شعاری کا نمونہ" ہوتا تھا۔ لوگوں کی "وضع قطع سے شائستگی" ٹپکتی تھی۔ مال دار لوگ بڑا چمکیلا اور بھڑکیلا لباس" پہننے کے شوقین تھے۔ شہریوں کی تعریف کرتے ہوئے یوآن چوانگ لکھتا ہے۔ "حق گوئی اور راست گفتاری ان کا طرۂ امتیاز ہے۔ اُن کی گفتگو میں دیوتاؤں جیسی لطافت اور شیرینی پائی جاتی ہے، ان کا لب و لہجہ پاکیزہ ہے اور دوسروں کے لیے ایک معیاری نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے۔[1]"

قنوج کی مجلس

حکمران اور فاتح کی حیثیت سے تو ہرشؔ عظیم تھا ہی، لیکن فنونِ امن میں "جس کی عظمتیں جنگ کی فتوحات سے کم اہمیت نہیں رکھتیں"، وہ عظیم تر تھا۔ ان میں سے ایک تھا مہایان فرقے کے اصول کی زیادہ سے زیادہ تبلیغ کے لیے قنوج میں عظیم الشان مجلس کا انعقاد۔ ہرشؔ نے روایتی تزک و احتشام کے ساتھ اپنی چھاؤنی سے کوچ کیا۔

---

[1] واٹرس، پہلا، ص۳۴۱ ؛ بیل، پہلا، ص۲۰۶

یوآن چوانگ اور کام رُوپ کا راجہ بھاسکر وَرمَن اس کا ہم رکاب تھا۔ دریائے گنگا کے جنوبی کنارے کے متوازی چل کر نوّے دن کی مسافت طے کرنے کے بعد وہ منزلِ مقصود پر پہنچا۔ پانچوں ہندوستانوں کے "اٹھارہ راجاؤں[1] نے اور مختلف فرقوں کے کئی ہزار پجاریوں نے جو شاہی احکامات کی تعمیل میں وہاں جمع ہوئے تھے، ہرشَن کا استقبال کیا۔ ہرشَن نے پہلے ہی حکم دے رکھا تھا کہ دو بڑے بڑے ہال بنوائے جائیں جن میں سے ہر ایک میں ایک ایک ہزار آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ اور ایک عظیم الشان بُرج تعمیر کیا جائے جس کے بیچ میں بُدھ کی سونے کی مورتی نصب تھی۔ "مورتی کی اونچائی اتنی ہی تھی جتنی خود راجہ کی۔" مجلس کی کارروائی کا آغاز ایک شاندار جلوس سے ہوا جس میں سب سے زیادہ جاذبِ نظر شے بُدھ کا ایک سونے کا مجسمہ تھا جس کی اونچائی تین فٹ تھی۔ یہ مجسمہ ایک بہت ہی آراستہ پیراستہ ہاتھی پر رکھا ہوا تھا۔ ہرشَن اور بھاسکر وَرمَن دونوں نے اس میں شرکت کی جو علی الترتیب شکرؔ اور برہما کا روپ دھارے ہوئے تھے۔ ان کے پیچھے ہاتھیوں پر سوار قطار در قطار دوسرے راجہ، تمام پجاری اور ممتاز سرکاری افسر تھے۔ جلوس کے اختتام پر ہرشَن نے روایتی انداز میں مورتی کی پوجا کی اور اس کے بعد عوام کو کھانا کھلایا گیا۔ پھر اجلاس شروع ہوا جس میں "مباحثہ کا صدر" یوآن چوانگ تھا۔ یوآن چوانگ نے مہایان کے عقائد کے محاسن پر روشنی ڈالی اور جو دلائل اس نے پیش کیے بعد ازاں انھیں توڑنے کے لیے مجمع کو دعوت دی، مگر کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ اس کے مقابلے پر آئے۔ پانچ دن تک میدان بلا مقابلہ اس کے ہاتھ رہا۔ ہار کر اس کے مذہبی حریف اس کی جان لینے کے لیے ایک سازش میں شریک ہوگئے۔ ہرشَن کو اس کا سُراغ مل گیا اور اس نے فوراً ایک اعلان جاری کیا جس میں یہ دھمکی دی گئی تھی کہ اگر معزز مہمان کا ذرا بھی بال بیکا ہوا تو شرپسندوں کی گردن ماردی جائے گی۔[2] اس اعلان کا خاطر خواہ اثر ہوا اور مناظرہ میں اٹھارہ دن تک کوئی اس کے مقابلے میں

---

[1] لائف، ص۱۷۷۔ سی۔یو۔کی میں لکھا ہے کہ بیس ملکوں کے راجہ وہاں موجود تھے (بیل، پہلا، ص۲۱۸) ہرشَن کی مجلسوں کی تفصیلات ہمیں خاص کر لائف اور سی۔یو۔کی سے معلوم ہوتی ہیں۔

[2] لائف، ص۱۸۱

نہ آیا۔ اس طرح لائف کے بیان کے مطابق مناظرہ بدعقیدہ لوگوں کی شکست اور مہایانیوں کی فتح وکامرانی پر ختم ہوا۔ اس کے برخلاف سی۔ یو۔کی کا دعوٰی ہے کہ اجلاس کے اختتام تک بڑے خطرناک واقعات پیش آئے۔ عظیم الشان برج میں اچانک آگ لگ گئی[1] اور ہرش نے جو "بدعقیدہ" فرقوں کی طرف بے توجہی اور بے رخی برتی تھی اس کے باعث خود اس کے قتل کی کوشش کی گئی۔ اس کے بعد ہرش نے پانچ سو برہمنوں کو گرفتار کرا کے جلا وطن کر دیا، باقی کے ساتھ ترحم خسروانہ سے پیش آیا۔[2]

ان دونوں بیانات میں سے جو بھی درست ہو، ایک بات طے ہے اور وہ یہ کہ اس مجلس میں جو عام مناظرہ ہوا اس سے یوآن چوانگ کی قدر و منزلت ہرش کی نظروں میں کافی بڑھ گئی۔ ہرش نے قیمتی تحفوں سے اسے نوازا، لیکن چینی زائر نے خالص مذہبی جذبے سے بڑے عجز و انکسار کے ساتھ انھیں قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

پریاگ میں پنج سالہ تقسیم خیرات

جب قنوج کا خصوصی اجلاس ختم ہوگیا تو ہرش نے گنگا جمنا کے سنگم پر بمقام پریاگ یوآن چوانگ کو اپنی چھٹی پنجسالہ تقسیم خیرات کی تقریب میں (مہا موکش پریشد) شرکت کی دعوت دی۔ اگرچہ یوآن چوانگ کو اب وطن کی یاد ستا رہی تھی لیکن وہ اس انوکھی تقریب میں شرکت کے لیے بھی راضی ہوگیا۔ اس میں جنوبی ہندوستان کا راجہ "دھرووبھٹ"، آسام کا کمار راج (بھاسکرورمن) اور دوسرے راجہ بھی شریک ہوئے۔ اس کے علاوہ لوگوں کا ایک اژدہام تھا جس میں تقریباً پانچ لاکھ آدمی، شرامن بدعقیدہ لوگ، نرگرنتھ، غریب، یتیم، پانچوں ہندوستانوں کے تمام غم زدہ لوگ شامل تھے۔ ان سب کو شاہی فرمان کے ذریعے طلب کیا گیا تھا۔ تقسیم خیرات کا یہ عظیم میدان" دریاؤں کے درمیان کا وسیع و عریض بالو تھا۔ اس کی کارروائی پچھتر دن تک برابر جاری رہی۔ اس کی ابتدا بھی جلوس سے کی گئی۔ وہاں جس طریقے سے

---

[1] بیل، پہلا، ص ۲۱۹
[2] ایضاً، ص ۲۲۱

پوجا پاٹ کیا گیا اس میں تمام مذہبی فرقوں کے مراسم عبادت کا حیرت انگیز امتزاج پایا جاتا تھا جو ہندو سماج اور ہندو طرزِ عبادت کا طرۂ امتیاز ہے۔ ریت کے کئی عارضی مٹھ تیار کرائے گئے جن میں سے ایک میں بُدھ کی مورتی نصب کی گئی۔ اس پر بیش قیمت تحفے چڑھائے گئے اور دل کھول کر خیرات کی گئی۔ دوسرے دن آدتیہ دیو (سورج) کی پرستش کی گئی اور تیسرے دن ایشور دیو (شیو) کی مورتی کی۔ لیکن جس قیمت کے چڑھاوے پہلے دن بدھ کی مورتی پر چڑھائے گئے تھے اس سے نصف قیمت کے ان دو دنوں میں چڑھائے گئے۔ چوتھے دن بدھ بھکشوؤں کو بڑی فیاضی کے ساتھ تحفے دیے گئے۔ پھر برہمنوں کی باری آئی اور بیس دن تک برابر ہرش نے برہمنوں کو دان دیا۔ اس کے بعد دس دن "بدعقیدہ" لوگوں یعنی جینیوں اور دوسرے فرقوں کی داد و دہش پر اور دس دن بھکاریوں کو بھیک دینے پر صرف ہوئے۔ اس طرح غریبوں، محتاجوں اور یتیموں کو خیرات تقسیم کرنے میں ایک مہینہ صرف ہوگیا۔ اس عرصے میں جتنا خزانہ اس کام کے لیے جمع کیا گیا تھا وہ سب صرف ہوگیا، اس لیے ہرش نے اپنے ذاتی "ہیرے اور سامان" بانٹنا شروع کر دیا۔ اس طرح ہرش نے سخاوت و فیاضی کی ایک ایسی مثال قائم کردی جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔[1]

یوآن چوانگ کی واپسی

پریاگ کا یہ اجتماع جب ختم ہوگیا تو یوآن چوانگ نے ہرش سے وطن واپس لوٹنے کی اجازت مانگی۔ ہرش اسے رخصت کرنے کچھ دور خود گیا، اور شمالی ہند کے اُدھت نامی راجہ کا ایک فوجی دستہ یوآن چوانگ کے ہمراہ کر دیا تاکہ مقدس کتابیں اور مورتیاں گھوڑوں پر لادی جاسکیں۔ بعد ازاں ہرش چینی یاتری سے ایک بار پھر ملا اور اس کے خشکی کے ذریعے چین تک پُرخطر سفر کے ضروری اخراجات کے لیے اس نے کچھ روپیہ بھی بطور امداد بھیجا۔

ہرش کا مذہب اب ہم ہرش کے مذہبی معتقدات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جن کے تقاضے سے وہ تمام ان مسرتوں سے متنفر ہوگیا تھا جو

---

1. واٹرس، پہلا، ص۳۴۴؛ بیل، پہلا، ص۲۱۵

بادشاہوں کے لیے مخصوص ہوتی ہیں اور اپنی رعایا کی اخلاقی اور مادّی بھلائی کے لیے انتھک کام کرتا تھا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ بدھ مت ہرشؔ کو ورثہ میں نہیں ملا تھا۔ اس کے باپ دادا اور پردادا سورج (آدِتیہ) کی پوجا کرتے تھے۔ بانس کھیڑا (ضلع شاہجہاں پور) اور مدھوبن (ضلع اعظم گڑھ) کے کتبوں سے ظاہر ہے کہ ہرشؔ خود ایک "پرم مہیشور" تھا، یا اپنی تخت نشینی کے پچیسویں سال یعنی ۶۳۱ء تک شیومت کا ایک سچا پیرو رہا۔ البتہ آخر عمر میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ بدھ مت کی طرف زیادہ مائل ہو گیا تھا، کچھ تو شاید اس لیے کہ ہیوآن چوانگ نے بڑی کامیابی کے ساتھ اس پر تبلیغ کی تھی اور کچھ اس لیے کہ اس نے اپنی بہن راجیہ شری کا اثر قبول کیا تھا جو بدھ مذہب کی پیرو تھی۔ قنوج کی مجلس میں ہرشؔ نے آزادانہ مباحثہ پر پابندی لگا کر، نیز شنکر اور برہما کو بدھ کے ملازم کی حیثیت سے پیش کر کے ہینایان فرقے کے ساتھ قدرے جانب داری کا ثبوت دیا تھا۔ لیکن اس سے یہ ہرگز نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہرشؔ نے کبھی بھی بادشاہ کی حیثیت سے بُدھ مذہب کی تبلیغ کی۔ اس کے برخلاف اس نے منظرِ عام میں پرستش کا جو طریقہ پریاگ کے اجتماع میں اختیار کیا اس میں وہی مختلف مذہبی فرقوں کے طریقۂ عبادت کا امتزاج پایا جاتا تھا۔ وہاں اس نے سرکاری طور پر برہمن دیوتاؤں آدِتیہ اور شیو کا احترام کیا۔ اس نے برہمنوں کو کھانا کھلایا اور بے کم و کاست انھیں دان دیا۔[1] اس کے بعض اعمال سے بے شک بدھ مت کا رنگ جھلکتا ہے، مثلاً اس نے بدھ کا متبرک دانت کشمیر سے منگوا کر اس پر "زبردستی قبضہ" کر لیا اور بعد میں قنوج کے کسی سنگھارام میں اسے محفوظ کرا دیا۔[2] وہ ہر سال بدھ بھکشوؤں کو جمع کرتا تھا جو آپس میں مباحثہ کرتے اور مسائل پر غور و خوض کرتے تھے۔ اس نے بدھ خانقاہیں اور استوپ تعمیر کرائے۔[3] اس نے گوشت خوری اور ذبیحہ کو ممنوع قرار دے دیا اور خلاف ورزی کرنے والوں کے لیے سخت سزائیں مقرر کیں۔[4] اس نے بہت

---

[1] واٹرس پہلا ۳۴۴،۳۶۱، بیل پہلا
[2] لائف، ص۱۸۱، ص۱۸۳
[3] واٹر پہلا ۳۴۴ [4] ایضاً بیل پہلا ۲۱۴

سے انسان دوستی کے کام انجام دیے اور جگہ جگہ خیرات خانے (پُنیہ شالائیں) قائم کیے، جہاں غریبوں اور محتاجوں کو مفت دوا اور غذا تقسیم ہوتی تھی۔ ممکن ہے بدھ مذہب سے عقیدت اس کی بھی محرک رہی ہو۔[1] اس طرح، حالاں کہ دوسرے علاقوں میں بدھ مذہب انحطاط پذیر ہو چکا تھا، لیکن ہرشؔ کی سرپرستی کے باعث قنوج میں اس کا کافی چرچا ہو گیا۔

عام مذہبی حالات

یوآن چوانگ کی تحریروں، نیز ہرش چرت سے یہ بات واضح ہے کہ ہرشؔ کی سلطنت میں تین خاص مذہب پائے جاتے تھے — بدھ مت، برہمن مت اور جین مت۔ سوائے چند مخصوص علاقوں مثلاً ویشالی، پونڈر وردھن اور سمتٹ کے جہاں دگمبر فرقے کے لوگ زیادہ تعداد میں تھے، جین مت دوسرے مقامات میں اتنا مقبول نہیں تھا۔ جین مت کا دوسرا اہم فرقہ سوتیامبر تھا۔ یوآن چوانگ کو بدھ مت پورے عروج پر دکھائی دیا، لیکن حقیقت میں بعض مقامات مثلاً کوسمبی، شراوستی اور ویشالی میں وہ زوال پذیر تھا۔ بدھ خانقاہیں، جن کا وجود کلیتاً گرہستیوں کے دان پُن پر منحصر تھا، بودھی زندگی اور حرکت وعمل کا مرکز تھیں۔ بدھ مذہب کے دو فرقوں مہایان اور ہینؔ یان میں مہایان فرقے نے کافی زور پکڑ لیا تھا۔ چینی زائر نے ان دو فرقوں کے علاوہ اٹھارہ اور مکاتب فکر کا ذکر کیا ہے جو اپنے مخصوص طریقے پر مذہبی رسوم ادا کرتے تھے اور ذہنی اور علمی اعتبار سے ایک دوسرے پر برتری کے دعوے دار تھے۔[2] اس قسم کے لاطائل اختلافات نے بدھ مذہب کو ضرور نقصان پہنچایا ہوگا اور برہمن مذہب کو، جس میں گپت راجاؤں کے عظیم الشان عہد ہی سے نئی زندگی کے آثار پیدا ہو گئے تھے، یقیناً اس سے تقویت پہنچی ہوگی۔ ہرشؔ کی سلطنت میں برہمن مت کے خاص خاص گڑھ پریاگ اور وارانسی تھے۔ بدھ مذہب کا مہایان فرقہ بدھ اور بودھی ستوں کی صرف پرستش کی تلقین کرتا

---

[1] ایضاً

[2] واٹرس، پہلا، ص

تھا، جین اور بدھ مت کی طرح برہمن مت میں کھلے عام مورتی پوجا رائج تھی۔ برہمنوں کے سب سے زیادہ مقبول دیوتا اَدِتیہ، اشیو اور وِشنو تھے جن کی مورتیاں ہر مندر میں نصب کی جاتی تھیں جہاں تمام آداب و رسوم کے ساتھ ان کی پوجا کی جاتی تھی[1] برہمن یگیہ کی آگ (اگنی) سلگاتے تھے، گائے کو مقدس مانتے تھے، اور خیر و برکت کے لیے مختلف رسوم ادا کرتے تھے[2] برہمن مت کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس میں فلسفے کے متنوع مکاتبِ فکر اور متعدد راہبانہ مسلک پائے جاتے تھے۔ بانؔ نے ان میں سے تین کا ذکر کیا ہے۔ پہلے کپِلؔ اور کنادؔ کے پیرو اور اُپ نِشدوں میں عقیدہ رکھنے والے (یعنی ویدانتی)، دوسرے وہ جو خدا کو خالقِ کائنات مانتے تھے (ایشوَر کرنِک) تیسرے ملحد جیسے لوکائتک[3] اسی طرح سنیاسیوں کے بھی مختلف طبقے تھے ——— کیش لُنچک (سر کے بال اکھاڑنے والے)، پاشوپت، پنچ راترک اور بھاگوت وغیرہ[4] لائف میں بھوت، اکاپالِک، مجتِک، سانکھیہ، وَیشیشکا وغیرہ مسلکوں کا ذکر بھی آتا ہے[5] یہ سب کے سب اپنی پوشاک، رسوم اور عقائد کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ وہ گویا تلاشِ حق میں مصروف رہتے تھے، بھیک مانگ کر گزارا کرتے تھے اور ذاتی ضروریات اور آرام کی مطلق پروا نہیں کرتے تھے[6]

ہرش بحیثیت سرپرست علوم

جن باتوں کی وجہ سے ہرشؔ کا نام ناقابلِ فراموش ہو گیا ہے ان میں سے ایک یہ تھی کہ اس نے بڑی فیاضی سے علم و ادب کی سرپرستی کی۔ یوآن چوانگ کہتا ہے کہ

---

[1] ہرش چرِت، ترجمہ کاول اور ٹامس، ص ۴۲

[2] ایضاً، ص ۴۲، ص ۵۴؛ نیز ملاحظہ ہو ص ۱، ص ۹۰، ص ۱۳۰

[3] ہرش چرت، کاول اور ٹامس، ص ۲۳۶

[4] ایضاً ص ۳۳، ص ۴۹، ص ۲۳۶

[5] لائف، ص ۱۶۱، ص ۱۶۳

[6] واٹرس، پہلا، ص ۱۶۰، ص ۱۶۱

ہرش ہر سال سرکاری آمدنی کا چوتھا حصہ ممتاز عالموں کو انعام و اکرام دینے کے لیے وقف کر دیا کرتا تھا۔[1] لائف میں لکھا ہے کہ ہرش نے "اڑیسہ کے اسی بڑے بڑے گاؤں کا لگان" ایک مشہور بدھ عالم جے سین کو تفویض کر دیا تھا۔ جے سین نے بہر حال شکریے کے ساتھ اس پُرکشش پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔[2] ہرش نے بدھ علوم کے عظیم مرکز نالندا کو بھی بڑے بڑے اوقاف سے نوازا۔ نالندا کی عظیم الشان عمارتیں، وہاں کی پُرتاثیر تعلیم جو مباحثوں کے ذریعہ دی جاتی تھی، اس کا جامع نصاب، نزدیک و دور کے ہزاروں کی تعداد میں طالب علموں کا اجتماع[3]، وہاں کے استادوں نیز فارغ التحصیل طلبا کا اعلیٰ کردار اور علم و فضل، یہ سب باتیں تمام بدھ مذہب والوں کے لیے سرمایۂ افتخار تھیں۔ ہندوستان کے تمام راجہ بڑی فیاضی اور دریا دلی کے ساتھ اس عظیم درس گاہ کو مالی امداد بہم پہنچاتے تھے اور اس سلسلے میں تمام راجہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔[4]

ہرش کا علم و ادب سے شغف اس سے بھی ظاہر ہے کہ اس نے مصنفین کی سرپرستی کی جیسے بانؔ بھٹ تھا جس سے ہرش چرت، کادمبری، حصہ اول اور چنڈی شتک وغیرہ یادگاریں ہیں۔ دوسرا میورؔ تھا جس نے سوریہ شتک لکھی۔ تیسرا ایک گمنام متنی شاعر ماتنگ دواکر تھا۔

ہرش بحیثیت مصنف

ہرش محض عالموں ہی کا قدر دان نہیں تھا بلکہ خود بھی مصنف تھا۔ اگر اس کی تلوار نے جوہر دکھائے تو قلم نے بھی کم جوہر نہیں دکھائے۔ عالموں نے عام طور پر تین ناٹکوں — پریہ درشکا، رتناولی اور ناگانند کی تصنیف کو ہرش سے منسوب کیا ہے۔ بانؔ نے اس کی شاعرانہ صلاحیتوں کی بڑے شاندار الفاظ میں تعریف کی ہے۔[5] بعض قدیم مصنفین

---

[1] واٹرس، پہلا، ص ۱۷۶؛ بیل، پہلا، ص ۲۱۳

[2] لائف، ص ۱۵۴

[3] ایک بیان کے مطابق نالندا میں ...... طالب علم تھے۔ (لائف ص ۱۱۲)

[4] ملاحظہ ہو ایچ۔ ڈی۔ سنکلیہ، دا یونیورسٹی آف نالندا (مدراس ۱۹۳۴ء)

[5] ہرش چرت، کاول اور ٹامس، ص ۵۸، ص ۶۵

مثلاً سوڈھل (گیارھویں صدی عیسوی)[1] اور جے دیو (بارھویں صدی عیسوی)[2] نے ہرش کو بھاس اور کالی داس جیسے سلاطین ادب کے ہم پلہ قرار دیا ہے۔ ان حوالوں سے قطع نظر عہدِ قدیم ہی سے یہ بات بھی مشتبہ چلی آرہی ہے کہ ان ناٹکوں کا مصنف کون ہے۔ گیارھویں صدی عیسوی کا ایک کشمیری مصنف ممٹ اور سترھویں صدی عیسوی کے چند حاشیہ نویسوں کا خیال ہے[3] کہ یہ ناٹک اصلاً دھاوک نامی شاعر نے لکھے تھے اور مالی منفعت کے خیال سے اس نے بعد میں ان ناٹکوں کو ہرش دیو سے منسوب کر دیا۔ ان متضاد روایات کے پیشِ نظر اس سلسلے میں کوئی قطعی حکم لگانا مشکل ہے لیکن ہندوستان کی تاریخ میں بادشاہو کا عالم و ادیب ہونا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے، اس لیے ہرش کا مصنف ہونا بھی فی نفسہٖ کوئی خلافِ قیاس بات نہیں ہوسکتی۔ پھر بھی، یہ ناممکن نہیں ہے کہ ہرش کے کسی ادیبِ خاص نے اپنے مربیٔ محسن کے ناٹکوں پر ادبی رنگ چڑھانے میں ہرش کی مدد کی ہو، کیوں کہ مثل مشہور ہے کہ "راجہ مصنف صرف نیم مصنف ہوتا ہے۔"

ہرش کی موت اور اس کے اثرات

تقریباً چالیس سال کے مہتم بالشان دورِ حکومت کے بعد سن ۶۴۷ یا ۶۴۸ء میں ہرش کا انتقال ہوگیا۔[4] جب اس طاقت ور وجود سے دنیا خالی ہوگئی تو سلطنت میں طوائف الملوکی پھیل گئی۔ ہرش کے اپنے وزیروں میں سے ایک اُولا نا شُن (یعنی اُرنا شُو یا اُرجُن) نامی شخص نے تخت و تاج پر قبضہ کر لیا۔ اس نے چینی سفارت کے داخلے پر پابندی لگادی۔ یہ سفارت شی یُو ٹیُو یا شیلا دِتیہ کی وفات سے پہلے بھیجی گئی تھی۔ غاصب راجہ

---

[1] اُدَے سُندری کتھا، صہ۲۔ سی، ڈی، دلال اور کرشنم آچاریہ کا اڈیشن (گیکواڑ کے مشرقی سلسلے نمبر۱۱ ؛ برودہ، ۱۹۲۰ء)

[2] پرسنّ راگھو، ایکٹ پہلا، بند ۲۲، صہ۱ پرنج پے اور پنسے اڈیشن (پونا ۱۸۹۴ء)

[3] مثال کے طور پر ناگوجی نے کاویہ پردیپ پر دیوت میں، اور پرمانند نے لکھا ہے۔

[4] فلیٹ کے مطابق (صہ۱۵۶) بہرحال، شیلادتیہ کا انتقال یونگ ہوئی دورِ حکومت کے اواخر میں ہوا یعنی تقریباً ۶۵۴ - ۶۵۵ء)

نے اس مسلح دستے کو جو سفارت کے ہمراہ آیا تھا بڑی بے دردی سے قتل کرا دیا۔ لیکن ان کا سربراہ وانگ ہیون تسی خوش قسمتی سے جان بچا کر بھاگ نکلا اور اس کے بعد تبت کے بادشاہ، سرونگ تسان گیمپو اور نیپال کی امدادی فوج کی مدد سے اس نے اس افسوس ناک واقعے کا بدلہ لیا۔ بعد ازاں چین کے شہنشاہ نے دو مہمیں بھیجیں جن کے دوران ارجن کو گرفتار کر لیا گیا اور ہارے ہوئے دشمن کو چین بھیج دیا گیا۔ اس طرح غاصبانہ حکومت ختم ہو گئی اور اسی کے ساتھ ہرش کی حکومت کے آخری آثار بھی مٹ گئے۔[1]

اس کے بعد سلطنت کی لاش کو نوچنے کھسوٹنے کے لیے خوب کھینچا تانی ہوئی۔ آسام کے بھاسکر ورمن نے معلوم ہوتا ہے کرن سورن اور ملحقہ علاقوں پر قبضہ کر لیا، جو پہلے ہرش کی سلطنت میں شامل تھے، اور اپنی چھاؤنی سے ایک مقامی برہمن کے نام فرمانِ جاگیر جاری کیا۔[2] مگدھ میں مادھو گپت کا لڑکا ادتیہ سین جو ہرش کا جاگیردار تھا، خود مختار ہو گیا۔ اس نے تمام شاہانہ القاب اختیار کر لیے اور آشومیدھ یگیہ کیا۔[3] مغرب اور شمال مشرق کی طاقتیں جو ہرش سے خائف رہتی تھیں، انھوں نے بھی زور پکڑ لیا۔ ان طاقتوں میں راجپوتانہ کے گرجر (بعدہٗ اونتی) اور کشمیر کے کرکوٹک شامل تھے جو اگلی صدی میں شمالی ہندوستان کی سیاسیات میں ایک خوفناک طاقت بن گئے۔

---

[1] ملاحظہ ہو جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، چھٹا (۱۸۳۷ء)، ص ۶۹، ص ۷۰؛ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۸۶۹-۱۸۷۰ء (نیومس میٹک سوسائٹی، چوتھا) ص ۵۔ ص ۹۶؛ ایشیاٹک جرنل اینڈ منتھلی رجسٹر فار برٹش اینڈ فارین انڈیا، چائنا اینڈ آسٹریلیا، ۱۸۳۶ء، ص ۲۲۰، ص ۲۲۱ وغیرہ۔

[2] ایپی گرافیہ انڈیکا، بارھواں، ص ۶۵

[3] کارپس انسکرپشنم انڈیکارم، تیسرا، ص ۲۱۲، ص ۲۱۳

پندرھواں باب

شمالی ہندوستان، ہرش کے بعد مسلمانوں کی آمد سے پہلے

(۶۴۷ء سے لے کر تقریباً ۱۲۰۰ء تک)

فصل (۱)

قنوج کی ریاست

۱۔ یشو ورمن[1]

غاصبانہ حکومت کے زوال کے بعد سب سے پہلا راجہ جو گدی پر بیٹھا، اور جس کے متعلق ہم قطعی معلومات رکھتے ہیں، یشو ورمن تھا۔ بدقسمتی سے اس کا سلسلۂ نسب اب تک ایک سربستہ راز ہے۔ بعض جین کتابوں کی سند پر اس کا تعلق موریہ خاندان سے بتایا جاتا ہے لیکن اس کی محکم شہادت بہم نہیں پہنچتی۔ اور نہ اس کا کوئی ثبوت ہے، سوائے اس کے کہ نام کے آخر میں "ورمن" لگا ہوا ہے، کہ وہ موکھری گھرانے کا چشم و چراغ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یشو ورمن کی حکومت تقریباً ۷۲۵ء سے ۷۵۲ء تک رہی۔ وہ کشمیر کے للتادتیہ مکتاپیڈ کا معاصر تھا۔ اُسے "وسط ہند کے راجہ" اِچا فون مو کے مماثل قرار دیا گیا ہے جس نے ۷۳۱ء میں اپنے وزیر سینگ پوٹا کو چین بھیجا۔ ایک ہم عصر تصنیف گوڑ وہو کہتی ہے کہ اس نے دور دراز فتوحات کیں یہاں تک کہ جنوب تک پہنچ گیا۔ ان مہموں کی کہانی مشتبہ ہو سکتی ہے، لیکن یہ روایت کہ "مگھہ ناہ" (مگدھ کے راجہ) کے ساتھ اس کی جنگ ہوئی، حقیقت پر مبنی معلوم ہوتی ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو مصنف کی ہسٹری آف قنوج، ص ۱۹۲، ص ۲۱۳

آخرالذکر کو، جو بہت ممکن ہے جیوت گپت دوم کے مماثل ہو، بڑی گھمسان کی لڑائی کے بعد شکست فاش ہوئی۔ بعد ازاں ۷۳۳ء میں خود یشوورمن کو کشمیر کے للتادتیہ کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانی پڑی۔ یشوورمن کا عہد دو عظیم شاعروں اور ان کی تصانیف کے ذریعے ممتاز ہے۔ پہلا بھوبھوتی، جس سے مالتی مادھو، مہاویر چرت اور اُتررام چرت یادگار ہیں۔ دوسرا واک پتی، جس سے پراکرت میں گوڑ وہو کی تصنیف منسوب ہے۔ یشوورمن کے تین جانشین محض برائے نام تھے جو گوشۂ گمنامی میں دفن ہو گئے۔

۲. ایُدھ خاندان

اس خاندان میں تین بادشاہ ہوئے جنھوں نے بہت تھوڑے عرصے حکومت کی۔ یہ معلوم نہیں کہ ان کا حسب نسب کیا تھا، یا انھوں نے حکومت کیسے حاصل کی۔

وَجر ایدھ

ان میں سب سے پہلے راجہ، وَجر ایدھ کا تذکرہ اتفاقیہ طور پر کرپور منجری میں آتا ہے۔ اس کی تخت نشینی کی تاریخ ۷۷۰ء قرار دی جا سکتی ہے۔ اُسے غالباً کشمیر کے راجہ جیاپیڑ اونے آدتیہ (۷۷۹ - ۸۱۰ء) نے شکست دی۔

اِندر ایدھ

لیکن اگر ونیادتیہ نے یہ مہم آخر عمر میں سر کی، تو قنوج کا شکست خوردہ حکمراں یقیناً وجر ایدھ کا جانشین اندر ایدھ تھا، جو ۷۰۵ شک سمبت، مطابق ۷۸۳-۷۸۴ء میں حکومت کر رہا تھا، جیسا کہ جینیوں کے ہری ونش میں مندرج ہے[1]۔ اسی کے دورِ حکومت میں قنوج کے راجہ، راشٹر کوٹوں اور پالوں کے درمیان سہ طرفہ جنگ چھڑ گئی۔ دُھرو راشٹر کوٹ (تقریباً ۷۷۹ - ۷۹۴ء) نے دوآب پر حملہ کر دیا۔ کہتے ہیں کہ اپنی

---

[1] تیسرا، ۵۲، صف ۳۴، صف ۲۶۶ (کوزنو اور لیین تیمن والا ایڈیشن

[2] بامبے گزیٹیر، ۱۸۹۶، جلد اول، حصہ دوم، صف ۱۹۷، حاشیہ - ۲؛ انڈین اینٹی کویری، پندرھواں، صف ۱۴۱ - صف ۱۴۲

فتح کی یادگار قائم کرنے کے لیے اس نے "اپنے شاہی نشان میں گنگا جمنا کی علامت کا اضافہ" کرادیا۔ بعد ازاں اندر ایدھ کو بنگال کے دھرم پال نے شکست دے دی اور اُسے گدی سے اُتار کر اپنے ایک آوردہ چکر ایدھ کو قنوج کی گدی پر بٹھا دیا۔

چکرایدھ

اس سیاسی گٹھ جوڑ کو اس وقت کی تمام خاص خاص ریاستوں نے تسلیم کر لیا لیکن راشٹر کوٹوں سے یہ برداشت نہ ہو سکا کہ بنگال کا راجہ تمام شمالی ہندوستان میں اقتدارِ اعلیٰ حاصل کرے۔ اس طرح دونوں ریاستوں میں زور آزمائی ناگزیر ہوگئی۔ اس جنگ کا نتیجہ اموگھ ورش اول کی سنجن والی تختیوں میں محفوظ ہے جن میں لکھا ہے کہ "دھرم اور چکر ایدھ نے خود ہی ہتھیار ڈال دیے" اور اپنے تئیں دھرو کے بیٹے اور جانشین گووند سوم (تقریباً ۷۹۴۔۸۱۴ء) کے حوالے کر دیا[1] اس تمام جنگ و جدال اور غارت گری سے عوام کو سخت اذیت پہنچی اور تمام دوآب میں انتشار پھیل گیا۔ ناگ بھٹ دوم پرتی ہار نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور چکر ایدھ کو شکست دے دی۔ "جس کا نیازمندانہ برتاؤ اس سے ظاہر تھا کہ وہ ہمیشہ دوسروں کا دست نگر رہتا تھا"[2] اس فتح کے بعد ناگ بھٹ نے نہایت بے تکلفی سے قنوج کو اپنی ریاست میں شامل کر لیا اور حکمرانوں کے ایک نئے سلسلے کی بنیاد رکھی۔

۳۔ پرتی ہار خاندان کے سلاطین

اصل

ناگ بھٹ دوم پرتی ہار خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ ایک غیر ملکی نسل معلوم ہوتی ہے۔ راجور (الور) کے کتبے کی چوتھی سطر میں یہ الفاظ آئے ہیں — "گرجر پرتی ہار انو یہ"

---

[1] اپی گرافیہ انڈیکا۔ اٹھارھواں، صفحہ ۲۴۵، سطر ۲۵۳، اشلوک ۲۳۔

[2] ایضاً، صفحہ ۱۰۸، سطر ۱۱۲، اشلوک ۹۔

یعنی "گرجروں کا پرتی ہار قبیلہ"۔ ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ یہ قبیلہ مشہور گرجر قبیلہ کی ایک شاخ تھا، یعنی ان وسط ایشیائی قبائل میں سے ایک جو شمال مغربی دروں سے ہونوں کے ساتھ ساتھ یا ہونوں کے فوراً بعد ہندوستان میں اس وقت داخل ہونے شروع ہوئے جب گپت سلطنت کا شیرازہ بکھر چکا تھا اور ملک میں افراتفری پھیلی ہوئی تھی — پرتی ہاروں کے گرجر قبیلہ سے تعلق کی تائید راشٹرکوٹ خاندان کے دستاویزی شواہد نیز ابوزید اور المسعودی جیسے عرب مصنفین کے بیانات سے بھی ہوتی ہے جنھوں نے اپنی تحریروں میں شمال کے "جُزر" یا گرجروں کے حوالے دیے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی اہم ہے کہ کناڑی شاعر پمپ نے مہی پال کو "گھورجر راج" لکھا ہے۔ اس کے برخلاف، پرتی ہار خاندان کے جو کتبے ہیں ان میں ان کا سلسلۂ نسب لکشمن سے ملایا گیا ہے جنھوں نے اپنے بھائی رام کے دربان (پرتی ہار) کے فرائض انجام دیے[1]۔ اس دعوے کی تائید مزید تمثیل نگار راج شیکھر کے بیان سے ہوتی ہے جو اپنے مربی و محسن مہیندر پال کو "رگھو کُل تلک" (رگھو کی نسل کا زیور) یا "رگھو گرامنی" (رگھو کے خاندان کا سربراہ) کے الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ لیکن ان روایات یا اس قسم کے استنباط کو کوئی خاص اہمیت دینے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ حکمراں خاندانوں کی نجابتِ نسبی ثابت کرنے کے لیے ان کے شجرے مشہور و معروف داستانوں کی شخصیتوں سے ملانے کی کوششیں ہمیشہ کی جاتی رہی ہیں۔

سابقہ علاقے

پرتی ہاروں کی سب سے پرانی آبادی راجپوتانہ کے وسط میں مندور (جودھپور) کے مقام پر تھی جہاں ہری چند کا گھرانہ حکومت کرتا تھا۔ پھر ان کی ایک شاخ جنوب کی طرف چلی گئی اور اجین میں اپنی حکومت قائم کرلی۔ یہ گرجروں کا گڑھ تھا۔ یہ بات اُتوگھ ورش اول

---

[1] ایضاً، اٹھارھواں، ص95، ص97، اشلوک 4۔ گوالیار کے کتبے کے مطابق (ایضاً، ص107، ص111، اشلوک 3)، بہرحال لکشمن کو پرتی ہار کہا جانے لگا، کیوں کہ انھوں نے دشمنوں کو پسپا کیا تھا۔ प्रतिहरणाविधे। لد میگھ ناد جیسے دشمنوں کو جنگ میں شکست دی تھی۔

کے سنجن والے کتبوں سے ظاہر ہوئی ہے جن میں راشٹر کوٹ دنتی درگ کے گرجر سردار کو تسخیر کرنے کا ذکر کیا گیا ہے[1] مزید برآں، جینیوں کی ہری ونش میں بڑی وضاحت کے ساتھ وتس راج کو اونتی کا راجہ کہا گیا ہے[2] چوں کہ اس کو متفقہ طور پر ناگ بھٹ دوم کے باپ کے مماثل قرار دیا گیا ہے، اس لیے ہم بڑی آسانی سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ شمالی علاقے فتح کرنے سے پہلے قنوج کا پرتی ہار خاندان اونتی پر بھی قابض تھا۔

حکومت کی ابتدا

خاندان کی حکومت کی ابتدا ناگاولوک یا ناگ بھٹ اول نے بڑے شاندار انداز میں کی۔ اُس نے "طاقت ور ملیچھ راجہ کی فوجوں" کو پیچھے ہٹا دیا، یعنی ان عربوں کو جو ہندوستان کی مغربی سرحدوں پر حملہ آور ہوئے تھے؛ اور بڑوچ تک اپنی فوجوں کو لے گیا[3] اگلے دو حکمران بالکل بے وجود تھے۔ چوتھے حکمران وتس راج نے اپنے کارناموں کے باعث کافی شہرت حاصل کر لی۔ اس نے بھنڈی قبیلہ کو، یا شاید وسطی راجپوتانہ کے بھٹیوں کو شکست دی۔ انھوں نے اس کی فرماں روائی تسلیم کر لی۔ اس نے گوڑ کے راجہ دھرم پال پر بھی فتح پائی۔ اس کا ثبوت ہمیں ونی دِندوری[4] اور رادھن پور کی جاگیروں سے ملتا ہے[5] لیکن نتیجہ میں وتس راج کو دھرو نے شکست دے دی اور وہ "ریگستان کے وسط میں" پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔

---

[1] ایضاً، اٹھارھواں، ص۲۴۳، ص۲۵۲، اشلوک-۹۔

[2] جا بجے گزیٹیر، ۱۸۹۶ء، جلد اول، حصہ دوم، ص۱۹۷، حاشیہ-۲ : نیز ملاحظہ ہو ایپی گرافیہ انڈکا، چھٹا، ص۱۹۵، ص۱۹۶ ؛ جرنل ڈپارٹمنٹ آف لیٹرس (کلکتہ یونیورسٹی)، جلد دس، ص۲۳، ص۲۴

[3] موازنہ کریں، نساٹ گرانٹ، ایپی گرافیہ انڈکا، بارھواں، ص۲۰۳، ص۲۰۴، پہلا، ۳۴

[4] انڈین اینٹی کویریز، نواں، ص۱۵۷، ص۱۶۱، اول، ۱۲

[5] ایپی گرافیہ انڈکا، چھٹا، ص۲۴۳، ص۲۴۸، اشلوک ۸

ناگ بھٹ دوم (تقریباً ۸۰۵-۸۳۳ء)

وتسس راج کے بعد اس کا لڑکا ناگ بھٹ (دوم) تقریباً ۸۰۵ء میں تخت نشین ہوا۔ شروع شروع میں اس نے اپنے خاندان کے بگڑے ہوئے حالات کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ لیکن باپ کی طرح اس کا ستارہ بھی گردش میں تھا اور اسے گووند سوم کے مقابلے میں شکستِ فاش ہوئی۔ ناگ بھٹ دوم کی ابتدائی کوششیں جب اس طرح ناکام ہوگئیں تو اس نے اپنی توجہ قنوج کی طرف مبذول کی جس کے نتائج اوپر بیان کیے گئے۔ ۸۱۴ء میں گووند سوم کے انتقال کے بعد راشٹر کوٹوں کی خانہ جنگی نے ناگ بھٹ دوم کو جنوبی خطرہ سے بالکل نجات دلادی۔ لیکن بنگال کا دھرم پال اس کے آوردہ چکرایدھ کو معزول کرنے اور قنوج پر قبضہ کرنے کے خیال سے اس کے خلاف میدانِ جنگ میں ڈٹ گیا۔ مدگگری (مونگھیر) کے مقام پر بڑے گھمسان کا رن پڑا اور نتیجہ میں پرتی ہار راجہ نے اپنے حریف کو شکست دے دی اور اس کے بعد وہ اتنا طاقتور ہوگیا کہ آندھر، سندھو، ودربھ اور کلنگ کے راجہ اس سے مدد مانگنے لگے اور اس سے دوستی کے خواہش مند ہوگئے۔ گوالیار کا کتبہ مزید بتاتا ہے کہ ناگ بھٹ دوم نے آنرت (شمالی کاٹھیاواڑ)، مالوہ یا وسط ہند، (مشرقی راجپوتانہ کے) متسیہ، (ہمالیہ کے علاقے کے) کرات، (مغربی ہندوستان کے عرب) ترشک، (کوسمبی کے) وتس خاندانوں کے خلاف فتوحات حاصل کیں[1]

مہر بھوج (تقریباً ۸۳۶-۸۸۵ء)

گدی پر بیٹھتے ہی مہر بھوج نے پرتی ہار طاقت کو مجتمع کرنے کی کوشش کی جسے اس کے باپ رام بھدر کے کمزور دورِ حکومت میں زبردست صدمہ پہنچا تھا۔ تخت نشینی کے فوراً بعد مہر بھوج نے بندیلکھنڈ میں اپنے خاندان کا اقتدار قائم کیا۔ ناگ بھٹ دوم کی جاری کردہ ایک جائداد کی تجدید کی جو رام بھدر کے عہد میں معطل ہوگئی تھی[2] اسی طرح مہر بھوج نے ۸۴۳ء

---

1. ایپی گرافیہ انڈیکا، اٹھارہ، صفحہ ۱۰۱، صفحہ ۱۱۲، اشلوک ۱۱
2. ایپی گرافیہ انڈیکا، انیسواں، صفحہ ۱۵، صفحہ ۱۹ (برہ کی تانبے کی تختی)

میں ایک اور جاگیر کا احیا گرجرترابھومی (مارواڑ) میں کیا۔ یہ اصلاً وتس راج کا عطیہ تھی۔ اور ناگ بھٹ دوم نے اس کی توثیق کی تھی۔ اور یہ بھی غالباً رام بھدر کے عہد سے تعویق میں پڑی ہوئی تھی اور مہر بھوج کے ابتدائی زمانے تک یونہی پڑی رہی[1] شمال میں اس کا تسلط یقیناً ہمالیہ کے دامن تک قائم ہوگیا تھا، جیساکہ ضلع گورکھپور میں گنان بودھی دیو کے نام ایک زمین کی پیش کش سے ثابت ہے[2] تمام مدھیہ دیش میں جب اس نے اقتدار حاصل کرلیا تو مہر بھوج بنگال کے پال خاندان سے شمشیر آزمائی کی طرف متوجہ ہوا جس نے راجہ دیو پال (تقریباً ۸۱۵ء ۔ ۸۵۵ء) کے متحرک وفعال دور میں توسیع سلطنت کی پالیسی پر عمل درآمد شروع کردیا تھا۔ دیو پال ایک ایسا دشمن تھا جس کا تمام دنیا لوہا مانتی تھی۔ کہتے ہیں کہ اس نے گرجروں کے راجہ کے سر پُر غرور کو خم کردیا[3] اس طاقت ور مزاحمت سے مرعوب ہوئے بغیر جو مشرق کی جانب سے اس کے راستے میں حائل تھی، مہر بھوج پوری قوت کے ساتھ جنوب کی طرف بڑھا۔ اکثر جنوب ہی سے آکر راشٹر کوٹوں نے قنوج کے لہلہاتے ہوئے کھیتوں کو تاراج کیا تھا۔ اس نے جنوبی راجپوتانہ اور اجین کے اطراف میں نرمدا تک کے ملحقہ علاقوں کو تاخت وتاراج کیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے خاندان کے دیرینہ دشمنوں سے زور آزمائی کی۔ لیکن ۸۶۷ء سے کچھ قبل راشٹر کوٹوں کی گجرات والی شاخ کے دھرو دوم دھارا ورش نے اسے شکست دے دی[4] بعد ازاں مہر بھوج کی مڈبھیڑ خاندان کے اصل فرد کرشن دوم (۸۷۵ ۔ ۹۱۱ء) سے ہوگئی۔ لیکن ان کی یہ جنگ، بہرحال، فیصلہ کن ثابت نہیں ہوئی۔ اس قیاس کی بھی کافی گنجائش نکلتی ہے کہ مہر بھوج کی افواج پیہوا (ضلع کرنال) تک[5]، بلکہ مغرب میں اس سے بھی آگے[6] اور جنوب مغرب میں سوراشٹر

---

[1] ایپی گرافیہ انڈکا، پانچواں، ص ۲۰۸، ص ۲۱۳ (دولت پورہ۔ سی۔پی)

[2] ایپی گرافیہ انڈکا، ساتواں، ص ۸۵، ص ۹۳ (کہل کی تختی KAHLA PLATE)

[3] ایضاً، دوسرا، ص ۱۶۳، ص ۱۶۵، اشلوک ۳۸۔ اس سے موازنہ کریں स्वीकृतद्रविडगुर्जरनाथदर्प

[4] انڈین اینٹی کویریز، بارھواں، ص ۱۸۴، ص ۱۹۹، اشلوک ۳۸

[5] پیہوا کے کتبے میں بھوج دیو کے کامیاب دورِ حکومت میں، کی گئی خرید و فروخت کا ذکر ہے جو ایک مقامی میلے میں گھوڑوں کے بیوپاریوں نے کی تھی (ایپی گرافیہ انڈکا، اول، ص ۱۸۴، ص ۱۹۰)

[6] ملاحظہ ہوں آئندہ صفحات۔

تک پہنچ گئیں[1]

عرب سیاح سلیمان نے اپنی ۸۵۱ء کی تحریر میں راجہ بھوج کے انتظام حکومت اور فوجی قوت خاص کر سواروں کی بہت تعریف لکھی ہے۔ "عربوں کے ساتھ اس نے دوستانہ سلوک نہیں کیا۔" عربوں نے اسے "اسلام کا سب سے بڑا دشمن" قرار دیا ہے۔ اس وقت ملک خوشحال اور ڈاکوؤں سے محفوظ تھا، اور ملک میں ضرورت کی تمام اشیا کی بہتات تھی۔[2]

مَہِنْدرَپال اول (تقریباً ۸۸۵-۹۱۰ء)

مہر بھوج کے بعد اس کا لڑکا مہندر پال اول یا نربھیہ راج[3] ۸۸۵ء میں تخت نشیں ہوا۔ کتبوں سے ثابت ہے کہ اس کا سب سے اہم کارنامہ یہ تھا کہ اس نے اپنے عہد کے ابتدائی زمانے میں شمالی بنگال اور مگدھ کے بڑے حصے کو فتح کر لیا۔ ہمیں دو کتبوں سے جو اُنا (ریاست جوناگڑھ) میں دستیاب ہوئے ہیں، مزید معلوم ہوتا ہے کہ ۸۹۳ء اور ۸۹۹ء میں اس کی قلم رو سوراشٹر تک تسلیم کی جاتی تھی جہاں اس کے جاگیردار بَلْ وَرمن اور اَوَنی ورمن حکومت کرتے تھے[4] لیکن شمال و مغرب کی جانب ریاست۔ کی حدود میں جو کمی واقع ہوئی اس کی وجہ سے مہندر پال کی عظمت میں قدرے کمی آگئی۔ راج ترنگنی کے ایک شعر سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ جس زمانے میں شنکر ورمن بیرونی ممالک کی مہموں پر گیا ہوا تھا، اس زمانے میں وہ علاقے جن پر اَدِھی راج بھوج نے قبضہ کر لیا تھا، تھکیہ گھرانے کو پھر مل گئے۔[5] شاید مہندر پال اول کی مشرق میں مصروفیات کے باعث یہ ممکن ہو سکا کہ کشمیری حکمران (۸۸۳-۹۰۲ء) اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ پنجاب میں جتنے مقبوضات بھی اس کے ہاتھ سے نکلے ہوں، پہوا کے ایک کتبے کی سند سے کم از کم اتنی بات طے ہے کہ جس طرح کرنال پر باپ کا قبضہ

---

[1] انڈین ہسٹری کوارٹرلی، پانچواں (۱۹۲۹ء)، صفحہ ۱۲۹، صفحہ ۳۳

[2] ایلیٹ، ہسٹری آف انڈیا، جلد اول، صفحہ ۴

[3] اس کے نام کی دوسری صورتیں یہ تھیں — مہندرا یدھ، مہیش پال دیو، نربھے نریندر، وغیرہ

[4] ایپی گرافیہ انڈیکا، نواں، صفحہ ۱، صفحہ ۱۰

[5] جلد ایک، کتاب پنجم، اشلوک ۱۵۱ (اسٹین، صفحہ ۲۰۶)

رہا، اسی طرح اس کا بھی رہا۔[1]

مہیندر پال نے شائستہ ادب کی بڑی فیاضی کے ساتھ سرپرستی کی۔ اس کے زمانے کا سب سے بڑا ادبی ہیرا راج شیکھر تھا جس سے مختلف معیار کی کئی کتابیں یادگار ہیں، مثلاً کرپور منجری بال راماین، بال بھارت، کاویہ میمانسا وغیرہ۔

مہی پال (تقریباً ۹۱۲-۹۴۴ء)

۹۱۰ء میں مہیندر پال کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد سلطنت میں تھوڑا بہت فساد ہوا۔ اول اس کے لڑکے بھوج دوم نے کوکلا چیدی کی مدد سے تخت حاصل کر لیا[2] لیکن بہت جلد اس کے سوتیلے بھائی مہی پال نے ہرش دیو چندیلہ کی مدد سے بھوج دوم کو تخت سے اتار دیا۔[3] مہی پال، معلوم ہوتا ہے کشتی پال، وِنایک پال اور ہیرمب پال وغیرہ ناموں سے بھی موسوم تھا۔ اپنے عہد کے بالکل شروع میں اسے راشٹرکوٹوں کے حملوں کی مکافات بھگتنی پڑی۔ گووند چہارم کی کھمبات والی تختیوں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اندر سوم نے مہودیہ (قنوج) کو جو اس کا مخالف شہر تھا "مکمل طور پر تباہ و برباد کر دیا۔"[4] اپنے جاگیردار نرسنگھ چالوکیہ کو ساتھ لے کر اس نے مشرق میں پریاگ تک تمام ملک تاخت و تاراج کر ڈالا۔ پال خاندان کے راجہ نے اس حملہ سے، جس کی تاریخ تقریباً ۹۱۶-۹۱۷ء ہے، خوب خوب فائدہ اٹھایا اور دریائے سون تک اپنے بعض آبائی مقبوضات از سرِ نو حاصل کر لیے۔

اس طرح اگرچہ سرحدی علاقوں کی بعض ریاستوں نے علیٰحدگی اختیار کر لی، لیکن مہی پال نے اپنی ابتدائی مشکلات پر بہت جلد قابو پا لیا اور اپنے باپ کے مقبوضات کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں مصروف ہو گیا۔ پرچنڈ پانڈو کی تمہید میں ایک بڑا بلند آہنگ شعر آیا ہے[5] جو

---

[1] ایپی گرافیہ انڈیکا، اول، ص۲۴۲، ص۲۵۰ (پیہوا پرشستی)

[2] ایضاً، اول، ص۲۵۶، ص۲۶۴، اشلوک ۷؛ ایضاً، دوسرا، ص۳۰۶، اشلوک ۷

[3] ایضاً، اول، ص۱۲۲، سطر ۱۰

[4] ایضاً، ساتواں، ص۳۸، ص۴۳، اشلوک ۱۹

[5] سطر ۶، کاڈل کا پڑکا اڈیشن (۱۸۸۵ء)، ص۲ اسے ملاحظہ کریں۔

(بقیہ فٹ نوٹ دوسرے صفحے پر)

ظاہر کرتا ہے کہ اس کے اثرات مؤرَلَ (علاقہ نرمدا کے باشندوں)، میکھل (امرکنٹک کی کی پہاڑیوں والے)، کلنگ، کیرل، کلوت، کُنتل، اور رَمَٹھ (پرِتھوِرک کے ماورا رہنے والے) خاندانوں نے محسوس کر لیے تھے۔ اس قسم کے اشارے بھی ملتے ہیں کہ مہی پال کا آخری زمانہ شمال کی طرف سے کرشن سوم راشٹرکوٹ کے حملوں کی وجہ سے ایک بار پھر افراتفری اور پریشانی میں گزرا[1] ۳۰۳-۳۰۴ھ؛ مطابق ۹۱۵-۹۱۶ء میں المسعودی وادی سندھ میں پہنچا اور ۳۳۲ھ مطابق ۹۴۳-۹۴۴ء میں اس نے اپنا سفرنامہ مرتب کیا۔ چناں چہ اس کی بہت واضح شہادت ہمارے پاس موجود ہے کہ بوؤَر کی فوجی طاقت بہت زبردست تھی۔ ظاہر ہے عربوں نے پرتی ہار یا پڈی ہار کو بگاڑ کر بوؤر لکھا ہے۔ عرب مورخ نے راشٹرکوٹوں اور پرتی ہاروں کی باہمی دشمنی کا ذکر بھی کیا ہے جو اس عہد کی امتیازی خصوصیت تھی[2]

مہی پال کے جانشین (۹۴۴ - ۱۰۳۶ء؟)

دِنایک پال (مہی پال) کے لڑکے اور جانشین، مہیندر پال دوم نے معلوم ہوتا ہے پرتی ہار حکومت کو جیوں کا تیوں مضبوط و مستحکم رکھا۔ لیکن دیو پال کے عہد کی جو ۹۴۸ء سے کچھ ہی قبل گدی پر بیٹھا، خصوصیت یہ ہے کہ اس کے عہد میں چندیلوں نے زور پکڑ لیا[3] یہ سلطنت کے زوال و انتشار کی علامت تھی جس کا سلسلہ وجے پال کے دور میں بھی جاری رہا، یہاں تک کہ سلطنت کئی حصوں میں منقسم ہو گئی — یعنی (ا) انہل واڑ کے چالوکیہ، (ب) جے جک بھکتی کے چندیلہ، (ج) گوالیار کے کچھ چھپ گھات، (د) ڈاہل کے چیدی، (ہ) مالوہ کے پرمار، (و) جنوبی راجپوتانہ کے گہولہ (ز) شاکمبھری کے چاہ مان۔ دسویں صدی عیسوی کے اواخر میں جب راجیہ پال

(گزشتہ سے پیوستہ)

नमितमुरलमौलिः पाकलो मेकलानां,
रणकलितकलिङ्गः केलितटकेरलेन्दोः ।
अजनिजितकुलूतः कुन्तलानां कुठारः
हठहृतरमठश्रीः श्रीमहीपालदेवः ॥

[1] ملاحظہ ہو ہسٹری آف قنوج، ص ۲۶۷ - ص ۳۶۸

[2] ایلیٹ۔ ہسٹری آف انڈیا، جلد اول، ص ۲۱، ص ۲۳

[3] موازنہ کریں کھجوراہو کے کتبے سے۔ ایپی گرافیہ انڈیکا، اول، ص ۱۲۲، ص ۱۲۸، ص ۳۲، ص ۱۳۳۔ اشلوک ۲۳-۲۹۔ یشودرمن چندیل کو اس میں "گرجروں کے لیے آتشی سوزاں" اور "کالنجر کے قلعہ کا فاتح" کہا ہے۔

گدی پر بیٹھا تو پرتی ہار خاندان کی شان وشوکت خاک میں مل گئی۔ اس کے دورِ حکومت میں ہندوستان کے میدانوں کو شمال و مغرب کے مسلمان للچائی نظروں سے دیکھنے لگے تھے۔ اُدبھانڈپور (بھٹنڈہ) کے شاہی خاندانوں نے مسلمانوں کو اندرونِ ملک میں گھسنے سے روکا۔[1] راجیہ پال نے بھی دوسرے ہندو حکمرانوں کی طرح شاہیوں کا ہاتھ بٹایا۔ اس نے ۹۹۱ء میں پہلا فوجی دستہ سلطان سبکتگین کے مقابلے میں جے پال کی مدد کے لیے بھیجا۔ جب ۳۹۹ھ مطابق ۱۰۰۸ء میں جے پال کے لڑکے اور جانشین انند پال کو محمود کے حملوں کا خطرہ لاحق ہوا تو اس نے دوسرا دستہ روانہ کیا۔ متحدہ افواج کو دونوں موقعوں پر شکست ہوئی۔ آخر کار دسمبر ۱۰۱۸ء میں راجیہ پال کی باری آئی لیکن محمود سے مقابلے کے لیے اس کی ہمت نہ بندھی اس لیے اس نے پسپائی اختیار کی اور گنگا پار کرکے باری کی طرف نکل گیا۔ پرتی ہار راجہ کی اس بزدلانہ حرکت پر چندیلہ سردار گنڈ بہت برہم ہوا اور اس نے ایک فوج اپنے یوُوراج ودیادھر دیو کی کمان میں بھیجی جس نے راجیہ پال کو قتل کر دیا اور اس کے لڑکے ترلوچن پال کو گدی پر بٹھا دیا۔[2] جب محمود کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو وہ ۴۱۰ھ مطابق ۱۰۱۹ء کے موسم خزاں میں قنوج کی طرف بڑھا۔ ترلوچن پال سے جو مقابلہ اس کا ہوا اس میں ترلوچن پال کو بُری طرح شکست ہوئی۔ ترلوچن پال بڑی مشکل سے جان بچا سکا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۰۲۷ء تک زندہ رہا۔ اس خاندانی سلسلہ کا آخری تاجدار یش پال تھا جس کا ذکر ۱۰۳۶ء کے ایک کتبے میں موجود ہے۔[3]

---

[1] برگس، فرشتہ (ہسٹری آف دی رایز آف دی محمڈن پاور)، جلد اول، ص۲۰، ص۴۶

[2] ہسٹری آف قنوج ص۲۸۵ ص۲۸۶

[3] قنوج کے پرتی ہار خاندان کا زوال تو ضرور ہو گیا لیکن ان کا نام و نشان قطعی طور پر بہرحال نہیں مٹا۔ کافی عرصہ بعد تک مختلف مقامات پر پرتی ہار سرداروں کی حکومت رہی۔ موازنہ کریں، مثال کے طور پر مٹھیہ دیو کی گرنٹ کتھ (ریاست گوالیار) کی تختیوں سے جن پر ۱۲۰۷ بکرمی پڑا ہوا ہے، نیز اس کے بھائی ہری راج کی تختیوں سے جن پر ۱۲۰۴ بکرمی پڑا ہوا ہے (پراگرس رپورٹ آف دی آرکیلاجیکل سروے آف ویسٹرن سرکل ۱۹۱۵ء - ۱۹۱۶ء، ص۵۹؛ بھنڈارکر کی فہرست نمبر ۵۰۴ اور ۵۴۱) بنارس ہندو یونیورسٹی کے ڈاکٹر اے۔ ایس۔ الیکر نے حال ہی میں مالیہ ورمن کے ایک کتبہ کا جزوی حصہ ریاست کوٹہ میں دریافت کیا ہے۔ وہ اسے اپی گرافیا انڈکا کے لیے شایع کر رہے ہیں۔

۴۔ گاہڑوال خاندان

طوائف الملوکی

پرتی ہار سلطنت کا شیرازہ بکھر جانے کے بعد گنگا کے دوآبے پر تواتر کے ساتھ حملے ہوئے۔ ۴۲۴ھ مطابق ۱۰۳۲ء میں پنجاب کے گورنر احمد نیالتگین نے اس پر حملہ کیا۔ وہ اپنی فوجیں بنارس تک لے گیا جو اس وقت گنگیا گانگییدیو چیدی کے قبضے میں تھا۔ یہ ثابت کرنے کے لیے ہمارے پاس کافی شواہد موجود ہیں کہ گنگا چیدی اور اس کے لڑکے کرن (تقریباً ۱۰۴۱۔ ۱۰۷۲ء) نے شمال میں اپنی طاقت کافی بڑھالی تھی۔ بسہی کی تختی کے ایک اشلوک[1] سے مزید ظاہر ہوتا ہے کہ بھوج پرمار (تقریباً ۱۰۰۰۔ ۱۰۵۰ء) نے قنوج کے علاقے کو تباہ و برباد کیا۔ تباہ کن حملوں سے جب "دھرتی" تنگ آگئی تو گاہڑوال خاندان کا ایک من چلا جس کا نام چندر دیو تھا، اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے اپنے "قوتِ بازو" سے "لوگوں کی تمام تکالیف کا خاتمہ کردیا"[2]

اصل

گاہڑوال خاندان اس قدر تیزی کے ساتھ ابھر کر تاریخ کی روشنی میں آتا ہے کہ یہ حکم لگانا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ کون تھے۔ بعض عالموں کا خیال ہے کہ وہ راشٹر کوٹوں یا راٹھوروں ہی کی ایک شاخ تھے۔ لیکن یہ بات اہم ہے کہ ان کے بے شمار فرمانوں میں سے ایک بھی ان کا تعلق سوریہ (سورج) اور چندر (چاند) کے مشہور و معروف گھرانوں سے ظاہر نہیں کرتا۔ اور ان کی روایات ان کا سلسلۂ نسب یَیاتی کے ایک بالکل غیر معروف وارث سے ملاتی ہیں۔ ان کا واسطہ مقبول عام دیومالا کے کسی بھی ہیرو سے کہیں ظاہر نہیں ہوتا۔ تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جائے کہ یہ کوئی بہت قدیم اور غیر اہم قبیلہ تھا جو اس وقت نمایاں ہوا جب کشتریوں نے

---

[1] انڈین اینٹی کویریز، چودھواں، صفحہ ۱۰۳، سطر ۳

[2] ایضاً، اٹھارہواں، صفحہ ۱۵، ۱۶، سطر ۴

سیاسی طاقت حاصل کرنے کے بعد برہمن مت کی حمایت شروع کی؟

چندر دیو

معلوم ہوتا ہے گاہڑوال خاندان کا بانی چندر دیو تھا جس نے ۱۰۸۰ء اور ۱۰۸۵ء کے مابین گوپال نامی سردار کو شکست دینے کے بعد کانیہ کبج میں حکومت قائم کی۔[1] کتبوں میں وہ تمام شاہانہ القاب "پرم بھٹارک، مہاراجہ دھراج، اور پرمیشور" اختیار کر لیتا ہے۔ اور اپنے کو کاشی (بنارس)، اترکوشل (ضلع فیض آباد)، کشک (قنوج)، اور اندرستھان وغیرہ مقدس مقامات کا محافظ و نگہبان قرار دیتا ہے۔[2] اس طرح اس کی عملداری پورے اترپردیش میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس قیاس کی بھی کافی گنجائش ہے کہ اس نے بنگال کے وجے سین کے جارحانہ حملوں کے انسداد کی کوشش کی۔ تقریباً ۱۱۰۰ء میں چندر دیو کا انتقال ہو گیا۔ اس کے عہد کی آخری تاریخ جو ہم جانتے ہیں ۱۰۹۹ء ہے۔

گووند چندر

چندر دیو کے بیٹے اور جانشین مدن پال کے بارے میں ایک بات بھی ایسی معلوم نہیں جو مورخ کے لیے کار آمد ہو۔ ۱۱۱۴ء سے کچھ ہی پہلے مدن پال کا لڑکا گووند چندر[3] گدی پر بیٹھا۔ وہ اپنے باپ کی زندگی ہی میں حکومت کے کاروبار میں کافی حد تک دخیل ہو گیا تھا۔ یوراج ہی کی حیثیت سے ۱۱۰۹ء سے قبل اس نے ایک مسلم فوج کو پیچھے ہٹا دیا جو غزنوی بادشاہ مسعود سوم (۱۰۹۸ – ۱۱۱۵ء) نے حاجب تغاتگین کی ماتحتی میں بھیجی تھی۔

ہمیں مزید معلوم ہوتا ہے کہ گووند چندر نے پال ریاست کے معاملات میں، جو دم توڑ رہی تھی، مداخلت کر کے اس کا کچھ حصہ مگدھ میں شامل کر لیا۔ اس کی تصدیق اس کے

---

[1] موازنہ کریں "گادھی پُرا دھپ" گوپال کے شہیت مہیشور الاکتبہ (انڈین اینٹی کوئیریز، سترھواں، ص ۶۱، ص ۶۴؛ ایضاً، چوبیسواں، ص ۱۷۶؛ جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، اکتیس، اضافی نمبر ۱، ص ۶۰ حاشیہ)

[2] انڈین اینٹی کوئیریز، پندرھواں، ص ۷، ص ۸ اشلوک ۵؛ اٹھارھواں، ص ۱۲، ص ۱۸، سطر ۴

[3] ملاحظہ ہو ہسٹری آف قنوج، ص ۳۰، ص ۳۱۶۔

دو فرمانوں سے ہوتی ہے ۔ ایک فرمان کے ذریعہ اس نے ضلع پٹنہ میں ایک گاؤں بطور جاگیر ۱۱۲۶ء میں منظور کیا[1] دوسرے فرمان کے ذریعہ ۱۱۴۶ء میں ایک اور گاؤں اس وقت منظور کیا جب وہ مُدگِری (مونگھیر) میں قیام پذیر تھا[2] اس نے دشارن یا مشرقی مالوہ بھی فتح کر لیا[3] غرضکہ وہ ایک اہم اور قابلِ ذکر طاقت بن گیا اور اس کی شہرت دور دراز ملکوں میں پھیل گئی۔ کشمیر کے راجہ جے سنگھ (۱۱۲۸ - ۱۱۴۹ء) نیز گجرات کے راجہ سِدّھ راج جے سنگھ (تقریباً ۱۰۹۵-۱۱۴۳ء)، اور شاید جنوب کے چول خاندان سے اس کے تعلقات دوستانہ تھے۔ گووند چندر کا دورِ حکومت اس کے وزیر امن و جنگ لکشمی دھر کی ادبی سرگرمیوں کے لیے ممتاز ہے، جس نے کِرتیہ کلپ ترو (کل پدرم) تصنیف کی جو ضابطۂ قانون پر ایک اہم کتاب ہے۔ اس میں دوسرے دل چسپ موضوعات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

وجے چندر

۱۱۵۴ء کے فوراً بعد گووند چندر کا جانشین اس کا لڑکا وجے چندر ہوا۔ پرتھوی راج راسو میں بڑے تعریفی انداز میں اس کی بے شمار فتوحات کا ذکر کیا گیا ہے، لیکن اس قسم کی شاعرانہ حکایتوں پر زیادہ اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ باپ کی طرح وجے چندر بھی مسلمانوں کے حملوں کے خلاف پشت پناہ بن گیا[4] علاء الدین غوری نے جب امیر خسرو یا اس کے لڑکے خسرو ملک کا غزنی سے بالکل استیصال کر دیا تو آخرالذکر نے لاہور پر قبضہ کر لیا۔ وجے چندر نے ان کی فوجوں کو پیچھے ہٹا دیا۔ مشرق کی جانب جنوبی بہار میں وجے چندر نے گاہڑوال طاقت کو بدستور مستحکم و مضبوط رکھا۔ لیکن ایک کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ مغرب میں یقیناً اس کا مقابلہ وِگرہ راج ویسل دیو سے ہوا جس نے دہلی اس سے چھین لی تھی[5]

---

[1] جرنل آف بہار اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی، جلد ۲، حصہ ۴ (۱۹۱۶) ص ۴۴۱ - ص ۴۴۷

[2] ایپی گرافیہ انڈیکا، ساتواں، ص ۹۸، ص ۹۹

[3] دشبھا منجری، بمبئی اڈیشن (۱۸۹۹)، ص ۲

[4] انڈین اینٹی کویریز، پندرھواں، ص ۸، ص ۹، ااشلوک ۹۔ اس سے موازنہ کریں۔

भुवनदलनहेलाहर्म्यहम्मीरनारीनयनजलदधाराधौतभूलोकतापः ।

[5] جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، ۱۸۸۶ (جلد ۵۵، حصہ اول) ص ۴۲، اشلوک ۲۲۔ اس طرح یہ روایتی

(باقی حاشیہ دوسرے صفحے پر)

جے چندر

وجے چندر کا جانشین اس کا لڑکا جے چندر ہوا، جس کی تخت نشینی ۲۱ رجون ۱۱۷۰ء کو اتوار کے دن عمل میں آئی۔ کہتے ہیں کہ اس نے دیوگری کے یادو راج پر حملہ کیا، دو مرتبہ انہل واڑے کے سِدّھ راج کو شکست دی، آٹھ باجگذار راجاؤں کو قید کیا اور کئی بار یَوَن (مسلم) حکمران شہاب الدین پر غلبہ حاصل کیا۔ لیکن یہ سب شاعرانہ روایات ہیں جن کی تائید ادبی اور لوحی شواہد سے نہیں ہوتی، اس لیے ہم انھیں یک قلم مسترد کر سکتے ہیں۔ جے چندر کی حدودِ سلطنت زیادہ وسیع نہیں تھیں کیوں کہ ٹھیک اسی زمانے میں کئی اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں چوہانوں اور چندیلوں کی موجود تھیں۔ ایک کتبے سے ثابت ہے کہ مشرق میں اس کی حکومت علاقۂ گیا تک تسلیم کی جاتی تھی[1] اور بنارس گاہڑوالوں کی دوسری راجدھانی کی حیثیت میں پہلے کی طرح اب بھی باقی رہا۔ جے چندر نے اپنی بیٹی سنیوگتا کا سُوَیمور منعقد کیا۔ رسموں کے دوران پرتھوی راج سنیوگتا کو اُڑا لے گیا۔

جے چندر کے عہد کا سب سے اہم واقعہ شہاب الدین غوری کا حملہ تھا۔ ۱۱۹۱ء میں شہاب الدین غوری کو ترَوڑی (تراوڑی) کے مقام پر پرتھوی راج کے مقابلے میں شکست ہوئی۔ اس ہزیمت کی خلش سلطان کے دماغ میں باقی رہی اور وہ اگلے ہی سال پھر آیا اور چوہان راجہ کو شکستِ فاش دی اور قتل کر دیا۔ جے چندر بڑے مغرورانہ انداز میں علیحدگی اختیار کیے رہا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کا سب سے بڑا دشمن تباہ و برباد ہو جائے گا تو شمالی ہند میں مکمل طور پر اُسے اقتدارِ اعلیٰ حاصل ہو جائے گا۔[2] وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کا اپنا انجام اس کا منتظر ہے۔ ۱۱۹۰ء

(گزشتہ سے پیوستہ) عقیدہ کہ پرتھوی راج سوم کے زمانے میں دہلی چاہمانوں کے قبضے میں آگیا، بالکل بے بنیاد ہے۔ مقبول عوام قصوں کہانیوں میں اننگ پال تومر کو دِھلّک یا دہلی کے بانی کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ یہ تومر غالباً قنوج کے راجاؤں کے جاگیردار تھے۔

[1] انڈین ہسٹری کوارٹرلی، جلد پانچ (۱۹۲۹)، صفحہ ۱۴، نیز ملاحظہ ہوں پروسیڈنگس آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ۱۸۸۰، صفحہ ۷۶

[2] یہ عام خیال کہ شہاب الدین غوری کو حملہ کرنے کی دعوت جے چندر نے دی تھی، بہرحال غلط ہے۔

مطابق ۱۱۹۴ء میں شہاب الدین نے قنوج کی طرف کوچ کیا اور چندا وَر اور اِٹاوہ کے درمیان میدان میں اس کا اور جے چَندر کا مقابلہ ہوا۔ اس لڑائی میں جے چَندر ہار گیا اور مارا گیا، لیکن اس کی ریاست کو شہاب الدین نے اپنی سلطنت میں شامل نہیں کیا۔

ہرِیش چَندر

شہاب الدین نے جے چَندر کے لڑکے ہرِیش چَندر کو قنوج کی گدی پر بحال رکھا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہرِیش چَندر کا انجام کیا ہوا، کب اور کیونکر ہوا۔ یہ بات بہر حال یقینی ہے کہ ۶۲۳ھ مطابق ۱۲۲۶ء تک گنگا اور جمنا کا دوآبہ مکمل طور پر مسلمانوں کے قبضے میں آچکا تھا۔

شری ہرش

اس موضوع کو ختم کرنے سے پہلے یہ ظاہر کرنا مناسب ہے کہ جے چَندر کا نام سنسکرت ادب کی تاریخ میں آج تک زندہ ہے کیوں کہ اس نے شری ہرش کی سرپرستی کی جس نے مشہور و معروف نَیشَدھ چَرِت، کھنڈن کھنڈ کھادیہ اور کئی دوسری کتابیں تصنیف کیں۔

فصل (۲)

نیپال[1]

رقبہ

نیپال کی موجودہ ریاست ہمالیہ کے دامن میں خاصے وسیع و عریض علاقہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی لمبائی مغرب میں ضلع الموڑہ سے لے کر مشرق میں دارجیلنگ کی پہاڑیوں تک ۵۰۰ میل کے قریب ہے۔ لیکن قدیم زمانے میں نیپال کی ریاست ۲۰ میل لمبے اور ۱۵ میل چوڑے

---

[1] ملاحظہ ہو سلوین لیوی، لانیپال (پیرس ۱۹۰۵)؛ پرسی وَل لنڈن، نیپال (لندن ۱۹۲۸)؛ ڈی۔ رائٹ، ہسٹری آف نیپال (کیمبرج ۱۸۷۷)؛ انڈین اینٹی کویٹیز، لواں، چودھواں وغیرہ؛ ڈائنیسٹک ہسٹری آف نارتھ انڈیا، (اول، باب چہارم، ص ۱۸۵-ص ۲۳۴)

اس ناہموار میدان میں موجود تھی جو گنڈک اور کوسی دریاؤں کے درمیان میں واقع تھا۔ اس چھوٹے سے رقبے میں، جہاں کٹھمنڈو اور دوسرے شہر آباد ہیں، نیپال کے لوگ الگ تھلگ زندگی گزارتے تھے اور اگر وہ تھوڑا بہت ربط کسی ملک سے رکھتے تھے تو وہ تبت اور چین تھے۔

بیرونی روابط

نیپال کو ہندوستان کے ساتھ روابط قائم کرنے کے مواقع بہت کم ملے۔ تیسری صدی ق م کے درمیان میں ہو سکتا ہے نیپال کی وادی اشوک کی قلمرو میں شامل ہو کیوں کہ کہتے ہیں کہ اشوک اپنی لڑکی چارومتی اور اپنے داماد دیوپال کھتری (کشتریہ) کے ساتھ وہاں گیا اور کئی استوپ اور مٹھ وہاں تعمیر کرائے۔ اس کے علاوہ ایک شہر للت پتن وہاں آباد کیا۔ الہ آباد کے ستونی کتبے سے ظاہر ہوتا ہے کہ چوتھی صدی عیسوی کے وسط میں نیپال ایک خود مختار سرحدی ریاست تھی اور دوسری ریاستوں کی طرح سمدر گپت کو خراج ادا کرتی تھی[1]۔ اشوک اور سمدر گپت کے درمیانی وقفہ کی تاریخ کے بارے میں ہماری معلومات بہت ناقص ہے۔ ونشاولیاں یا مقامی تاریخیں آبھیروں، کراتوں، سوم ونشیوں اور سوریہ ونشیوں کی حکمرانی کی تصدیق کرتی ہیں لیکن ان کی سلسلہ وار تاریخ بالکل ناقابل اعتبار ہے۔

انشو ورمن

لیکن جب ہم چھٹی صدی عیسوی کے اواخر اور ساتویں صدی عیسوی کے اوائل میں یعنی ٹھاکری انشو ورمن کے عہد تک پہنچتے ہیں تو ہماری معلومات کی بنیادیں نسبتاً مضبوط ہو جاتی ہیں[2]۔ انشو ورمن کو یوآن چوانگ کی تحریروں والے انگ شو فانا کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔ وہ لچھوی راجہ شیو دیو کا وزیر تھا لیکن چوں کہ تمام اختیارات اُسے حاصل تھے اس لیے کچھ عرصہ بعد تمام وادی پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ اس نے کم از کم ۴۵ سال حکومت کی۔ اس نے ایک سمبت کی بنیاد رکھی جس کے متعلق عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ ۵۹۵ء میں شروع ہوا۔

---

[1] دیکھیں گزشتہ صفحات۔

[2] ونشاولیاں، بہرحال، انشو ورمن کو سات صدی قبل کی شخصیت قرار دیتی ہیں (انڈین اینٹی کویریز۔ تیرھواں، ص ۴۱۳)

بعض عالموں کی رائے ہے کہ نیپال ہرش وردھن کی قلمرو میں آگیا تھا۔ لیکن ہمارے پاس جو شواہد موجود ہیں ان سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی[1]۔ اس کے برخلاف اس وقت نیپال پر تبت کا اقتدار تھا۔ نیپال کے راجہ انشو ورمن نے اپنی لڑکی کی شادی تبت کے راجہ شرونگ ہشن گیمپو (تقریباً ۶۲۹ – ۶۵۰ء) کے ساتھ کردی۔

نیپال کی اگلی دو صدیوں کی تاریخ تاریکی میں ہے۔ بس ہم اتنا جانتے ہیں کہ غالباً لچھوی حکومت وہاں پھر سے قائم ہوگئی، اور ملک میں تبت کا اقتدارِ اعلیٰ بدستور برقرار رہا۔ ۸۷۹ – ۸۸۰ء میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا جس کا مقصد شاید غیر ملکی طوقِ غلامی سے نجات دلانا تھا۔ اس کے بعد سوا سو سال کے لیے نیپال کی تاریخ پر تاریکی ایک بار پھر چھا جاتی ہے۔ لیکن دربار لائبریری اور دوسرے مقامات پر جو قلمی دستاویزات محفوظ ہیں اُن کے تحت گیارھویں صدی سے راجاؤں کے سلسلے وار ناموں کا پتہ دیتے ہیں۔ ان راجاؤں نے کوئی قابلِ تعریف کام انجام نہیں دیا۔ نیپال کی تاریخ کا سلسلہ ہندوستان، تبت اور چین کے ساتھ بدستور جاری رہا اور اہلِ نیپال کی خوش حالی اور دولت مندی میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ ہمیں مزید معلوم ہوتا ہے کہ بارھویں صدی کے نصف اول میں نیپال پر ترہت کے کرناٹک سردار نانیہ دیو نے اپنا اقتدار قائم کر لیا تھا۔ اس کے بعد ۱۷۶۸ء تک نیپال کی تاریخ یعنی جب گورکھوں نے اسے فتح کر لیا، عام قاری کے لیے دل چسپی سے خالی ہے۔

بُدھ مَت

بُدھ مَت کی ابتدا نیپال میں غالباً اس وقت ہوئی جب اشوک وہاں پہنچا، لیکن اس کی ترقی کی رفتار کا حال ہمیں کچھ نہیں معلوم، اور نہ یہ معلوم ہے کہ تانتری مہایان عقاید وہاں کیوں کر پھیلے۔ ایک زمانے کے بعد بدھ مذہب اختلاط پذیر ہوگیا اور نظم و ضبط کی پابندی میں اس درجہ بے پروائی اور نرمی برتی جانے لگی کہ دنیا دار اور ازدواجی زندگی گزارنے والوں کو بھی پاک باطن اور صاف ضمیر بھکشو سمجھا جانے لگا۔ نیپالی بدھ مذہب کی خصوصیت

---

[1] ملاحظہ ہو ہسٹری آف تنوبیا، ص۳۲ – ص۹۹۔ اس سے موازنہ کریں — अत्र परमेश्वरेण तुषार-
शैलभुवो दुर्गाया गृहीतः करः (ہرش چرت، کلکتہ کا ایڈیشن، ص۱۱۲، ص۱۰۲)

یہ ہے جسے آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ بُدھ مذہب آہستہ آہستہ ہندو دھرم میں ضم ہوتا جارہا ہے۔ نیپال کا خاص ہندوانی دیوتا پشوپتی (شیو) ہے۔

فصل (۳)

شکمبھری کے چاہمان

اصل

ہم سیر مہاکاویہ اور پرتھوی راج وجے کی سند کے مطابق چاہمان خاندان (چوہان) اس مشہور و معروف چاہمان کی اولاد تھا جسے سورج کا بیٹا بتایا جاتا ہے اور اسی کے نام سے پورا خاندان منسوب ہے۔ اس کے برخلاف روایات انھیں اگنی کلوں کی چار میں سے ایک شاخ قرار دیتی ہیں۔ جس کے معنی غالباً یہ ہیں کہ پرتی ہاروں کی طرح ان کی اصل بھی غیر ملکی تھی اور آگ (اگنی) کی رسم ادا ہو جانے کے بعد انھیں بھی ہندو سماج میں کافی اونچا مقام دے دیا گیا[1]

خاص خاص حکمران

چاہانوں نے ہندوستان کے سیاسی میدان میں بڑا نمایاں کام انجام دیا۔ قبیلہ کی کئی شاخوں میں سب سے اہم شاکمبھری یا سام بھر قبیلہ تھا۔ ہرشں کے پتھر والے کتبہ سے جس پر ۱۰۳۰ وکرم سمبت، مطابق ۹۷۳ء مندرج ہے ہمیں خاندان کی سب سے پہلی تاریخ معلوم ہو جاتی ہے[2] یہ سن ہمیں بہت پہلے گووَک اول تک پہنچا دیتا ہے جو ناگ بھٹ دوم پرتی ہار کا معاصر تھا لیکن ادبی تصانیف ان کا شجرہ ایک اور قدیم ترشخصیت واسودیو سے ملاتی ہیں۔ اس شاخ کے جو راجہ ہوئے ان پر ہمیں یہاں زیادہ توجہ کی ضرورت نہیں ہے۔

---

[1] اگنی کلوں کے بارے میں اس داستان کے مفہوم کو بعض عالموں نے مشتبہ قرار دیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ رسم ان کے تزکیۂ روحانی کو ظاہر نہیں کرتی جو غیر ملکی قبیلوں کو انجام دینی ہوتی تھیں۔

[2] ایپی گرافیہ انڈیکا، دوم، صلالا۔ صد۱۳۰۔

اَجے رَاج

بارھویں صدی عیسوی کے شروع میں اَجے رَاج نے اَجے میرؤ یا اَجمیر شہر کی بنیاد رکھی اور اسے خوب صورت محلوں اور مندروں سے آراستہ کیا۔

وِگرَہ رَاج چہارم وِیسَل دِیوَ

خاندان کا ایک اور مشہور رکن وِگرَہ راج چہارم وِیسل دیو (۱۱۵۳-۱۱۶۴ء) تھا۔ اس نے ہمالیہ اور وندھیا پہاڑوں کے درمیانی علاقے کو اپنا باجگزار بنالیا[1] بلاشبہ یہ ایک مبالغہ ہے اور حرف بحرف صحیح نہیں ہے، لیکن بجُولیہ (میواڑ) میں جو کتبہ دریافت ہوا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ دہلی فتح کرنے کا سہرا اسی کے سَر رہا اور ہماری رائے میں دہلی کو اس نے وجے چندر گاہڑوال سے حاصل کیا۔[2] ایک کامیاب سپہ سالار ہونے کے ساتھ ساتھ وِگرَہ رَاج وِیسل دیو ایک باکمال شاعر بھی تھا اور علم و ادب کا سرپرست بھی۔ "اڑھائی دن کا جھونپڑا[3]" نامی مسجد کی دیوار میں لگے ہوئے ایک تراشیدہ پتھر پر ہرَکلی ناٹک کے کچھ حصے کندہ ہیں جن کے بارے میں دعویٰ ہے کہ یہ وِگرَہ رَاج کے مصنفہ ہیں۔ اسی طرح ایک اور ناٹک لَلِتَا وِگرَہ رَاج جو اسی طرح کہیں سے دریافت ہوا ہے مہاکَوِی سوم دیو کی تصنیف ہے جو اس نے وِگرَہ رَاج کی شان میں لکھا تھا۔

پرتھوی رَاج سوم

اس گھرانے کا سب سے بڑا حکمران مسلمان مورخین کا رائے پتھورا یا پرتھوی رَاج سوم (۱۱۷۹-۱۱۹۲ء) تھا۔ اس کی شخصیت کے اردگرد رومان کا ایک عجیب و غریب ہالہ ہے جس نے اُسے شمالی ہندوستان میں مقبول عوام بے شمار گیتوں کا ہیرو بنادیا ہے۔ قنوج کے جے چندر سے

---

[1] انڈین اینٹی کوئریز، انیسواں، ص۲۱۹

[2] جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ۵۵، حصہ اول (۱۸۸۶)، ص۴۲، اشلوک ۲۲

[3] کہتے ہیں کہ پہلے یہ ایک درسگاہ تھی جسے وگرہ راج نے قائم کیا تھا۔

اس کے تعلقات دوستانہ نہیں تھے۔ روایات اس کی تصدیق کرتی ہیں کہ جب جے چندر نے اپنی لڑکی سنیوگتا کا سوئمبر (دولھا کے انتخاب کی رسم) منعقد کیا تو پرتھوی راج ٹھیک رسموں کی ادائیگی کے دوران بڑی جرأت کے ساتھ وہاں پہنچ گیا اور سنیوگتا کو اپنے ساتھ بھگا کرلے گیا۔ پرتھوی راج نے چندیلہ راجہ پرماردی یا پرمل (۱۱۶۵-۱۲۰۳ء) پر بھی حملہ کیا اور مہوبہ نیز بندیلکھنڈ کے دوسرے قلعوں پر قبضہ کرلیا۔ پرتھوی راج کا دوسرا معاصر جس سے اس کے دو دو ہاتھ ہوئے گجرات کا بھیم دوم چالوکیہ (تقریباً ۱۱۷۹-۱۲۴۰ء) تھا۔ پرتھوی راج چونکہ سانبھر اور دہلی کے علاقوں کا حکمراں تھا اس لیے جب شہاب الدین غوری ہند کے سرسبز و شاداب میدانوں کی طرف بڑھنے لگا تو اس کا مقابلہ کرنا پرتھوی راج کے لیے ضروری ہو گیا۔ پہلی مڈبھیڑ تراوڑی کے مقام پر ۵۸۷ھ مطابق ۱۱۹۱ء میں ہوئی جس میں قسمت نے پرتھوی راج کا ساتھ دیا اور مسلم فوجوں کو ایسی زبردست شکست ہوئی کہ چوہانوں کے شدید حملوں کی تاب نہ لاکر شہاب الدین بڑی مشکل سے اپنی جان بچا سکا۔[1] یہ ہزیمت اٹھانے کے بعد سلطان مسلسل بے چین رہا۔ اس نے اپنی فوجوں کو از سر نو منظم کیا اور اگلے ہی سال ۵۸۸ھ مطابق ۱۱۹۲ء میں اس ہزیمت کا بدلہ لینے ہندوستان پھر آیا۔ پرتھوی راج نے اپنے پڑوسی حکمرانوں سے مدد کے لیے اپیل کی۔ ان سب نے اپنے ہم وطن کی آواز پر بڑے جوش کے ساتھ لبیک کہا۔[2] جے چندر بہرحال اس خطرے کے خلاف جس سے فوراً بعد اسے خود دوچار ہونا پڑا، اس زبردست کوشش میں شامل نہ ہوا جنگ میں مسلمانوں نے "موت اور تباہی" کا ایسا بازار گرم کیا کہ غروبِ آفتاب تک ہندو لشکر میں بالکل ابتری پھیل گئی۔ پرتھوی راج نے جانِ عزیز کو بچانے کے لیے میدانِ جنگ سے فرار اختیار کیا، لیکن سرسوتی (سرسوتی) کے قریب اسے پکڑ لیا گیا اور قتل کر دیا گیا۔ اجمیر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور فوراً بعد دہلی بھی فاتحین کے ہاتھ میں چلا گیا۔ شہاب الدین نے خاندان کا استیصال نہیں کیا اور دوراندیشی سے کام لے کر اس وعدے پر اجمیر کا ملک پرتھوی راج کے ایک بیٹے کے[*] حوالے کر دیا کہ وہ "شہاب الدین کو ایک بھاری رقم بطورِ خراج پابندی سے ادا کرتا رہے گا۔"[3]

---

1. برگس۔ فرشتہ (ہسٹری آف دی رائز آف محمڈن پاور)، جلد ۱، صہ۱۷۳
2. ایضاً، صہ۱۷۵
3. برگس۔ فرشتہ صہ۱۷۵، صہ۱۷۵۔ نیز ملاحظہ ہو تاج المآثر، ایلیٹ، ہسٹری آف انڈیا، دوسرا، صہ۲۱۴، صہ۲۱۵، صہ۲۱۹۔

[*] پرتھوی راج کے اس لڑکے کا نام گولا یا کولا تھا۔

لیکن اپنے چچا ہری راج کی سرگرمیوں کے باعث رانجمبور چلا گیا جہاں چاہانوں کی ایک شاخ حکومت کرتی رہی تاآں کہ علاء الدین خلجی نے ۱۳۰۱ء میں اسے تسخیر کر لیا۔ بہرحال قطب الدین نے سرکش ہری راج کو شکست دے دی اور چوہانوں کے تمام علاقے کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

فصل (۴)

سندھ

رقبہ

جنوبی وادیٔ سندھ یعنی ملتان سے لے کر نیچے سمندر تک کا علاقہ سندھ کہلاتا تھا۔ مغرب میں بعض اوقات اس میں بلوچستان کے کچھ حصے شامل ہو جاتے تھے اور مشرق میں اس کے حدود ہندوستان کے ریگستان تک پھیلے ہوئے تھے۔

ناقص معلومات

اس کی قدیم تاریخ کے بارے میں ہماری معلومات حد درجہ ناقص ہے اور جو کچھ عرب مورخین نے لکھ دیا ہے اس سے زیادہ ہمارے پاس تقریباً کچھ نہیں ہے۔ ان سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کے حملوں کے وقت سندھ پر ایک خاندان حکومت کر رہا تھا جس کا بانی چچھ نامی برہمن تھا۔

رائے خاندان

اس سے پہلے رائے خاندان کی حکومت تھی جس میں پانچ راجہ ہوئے۔ کہتے ہیں کہ انھوں نے ۱۳۷ سال حکومت کی الور (موجودہ روہڑی کے قریب) ان کی راجدھانی تھی۔ جب ہندوستان میں یوآن چوانگ سفر کر رہا تھا (۶۲۹ - ۶۴۵ء) سندھ پر شوذر (شو ٹولو) ذات[1] کے ایک بدھ حکمراں کا راج تھا، اور اگر یہ حکمراں سہرس رائے کے مماثل ہے جو کافی حد تک قرین قیاس ہے، تو گویا

---

[1] واٹرس دوم، ص ۲۵۳

رائے خاندان کی اصل کے بارے میں ہمیں کافی معلومات فراہم ہو جاتی ہے۔ اغلب یہ ہے کہ یہی وہ حکمراں تھا جس نے ہرش وردھن کا مقابلہ کیا۔[1]

چچ کا سلسلہ

آخری رائے ساہسی کے انتقال کے بعد اس کے چچ نامی برہمن وزیر نے بیوہ رانی سے شادی کرلی اور خود گدی کا مالک بن گیا۔ اس کے چالیس سال کے طویل دور میں ریاست کے حدود اختیارات میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ کہتے ہیں کہ اس کی سرحدیں کشمیر سے جا ملیں۔

مسلمانوں کی آمد

چچ کے لڑکے داہر کو جو چچ کے بھائی چندر یا چندر کے بعد گدی پر بیٹھا، عربوں کے ایک زبردست حملے کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ لنکا کے راجہ نے ایران کے گورنر حجاج کے لیے ایک جہاز پر بیش قیمت تحفے بھیجے تھے۔ اہل دیبل نے اس پر قبضہ کرلیا تھا اور داہر نے انھیں کوئی سزا نہیں دی۔ داہر کے خلاف جو فوج بھیجی گئی تھی اس کا سالار محمد بن قاسم تھا۔ اس نے ۹۳ھ مطابق ۷۱۲ء میں دیبل پر چڑھائی کی، بہمن آباد پر قبضہ کرلیا اور ۷۲۳ء میں ملتان کو تسخیر کرلیا۔ اس طرح فتح سندھ بالکل مکمل ہوگئی۔ یہ گویا عربوں کی غارت گری کا نقطۂ آخر تھا جس کی ابتدا بہت پہلے ۱۵ھ مطابق ۶۳۶ـ۶۳۷ء میں عمرؓ کی خلافت کے دوران ہوئی تھی۔ سندھ پر قابو پانے کے بعد عربوں نے سختی کے ساتھ توسیع سلطنت کی پالیسی پر عمل درآمد شروع کردیا۔ جنید جو خلیفہ ہشام کے زمانے میں سندھ کا گورنر تھا، خصوصیت کے ساتھ سرگرم عمل ہوگیا۔ اس نے اُبّیٖن مُل (بھِن مُل؟)، جُرز (مغربی ہندوستان کی گُرجر ریاست) اور دوسرے علاقوں کو فتح کرلیا۔ لیکن اجین کے خلاف وہ صرف ایک یلغار کرسکا۔ اس میدان میں اُسے غالباً ناگ بھٹ اول نے پیچھے ہٹا دیا۔ اس کے بعد پرتی ہار راجہ مستقل طور پر مسلمانوں اور ان کے مذہب کے سب سے بڑے دشمن قرار پائے۔ اس سبب سے مسلمان بلہروں (وَلّبھ راجاؤں)

---

[1] ہرش چرت، ترجمہ کاول اور ٹامس، ص۷۶۔ اس سے موازنہ کریں — अत्र पुरुषोत्तमेन सिन्धु- राजं प्रमथ्य लक्ष्मीः आत्मीकृता (ہرش چرت، کلکتہ ایڈیشن، ص۲۱۰، ص۲۲)

یعنی مانیہ کھیت کے راشٹر کوٹوں سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے پر مجبور ہوگئے۔ اگر پرتی ہار جم کر مخالفت نہ کرتے تو عجب نہیں مسلمان ہندوستان کے اندرونی حصہ میں اور زیادہ کامیابیاں حاصل کرتے۔

ربط کے نتائج

سندھ میں فاتحین نے رواداری کی دوراندیشانہ پالیسی پر عمل کیا[1] اس میں شک نہیں کہ اسلام پھیلا، لیکن عیسائیوں کے مندروں، یہودیوں کے عبادت خانوں اور آتش پرستوں کی قربان گاہوں کی طرح ہندو مندر بھی محفوظ و مستحکم رہے۔ برہمنوں کو یہ بھی اجازت تھی کہ وہ چاہیں نئے مندر تعمیر کریں چاہیں پرانے مندروں کی مرمت کرائیں۔ یہ ضرور تھا کہ عرب فوجی دستے فوجی مرکزوں پر تعینات تھے، لیکن اندرونی انتظام زیادہ تر دیسی لوگوں کے ہاتھوں میں رہا جنھیں خراج اور جزیہ ادا کرنا ہوتا تھا۔ بعض باتوں میں عربوں نے ہندوستانی ماحول کے لطیف اثرات قبول کیے۔ مثال کے طور پر انھوں نے ہندوؤں سے ہیئت اور ریاضی سیکھی، اور چرک کی تصنیف اور پنچ تنتر کی حکایتوں کا عربی میں ترجمہ کیا[2]

تاریخ مابعد

سندھ کے بعد کی تاریخ مقامی اہمیت رکھتی ہے۔ ہمیں بڑی خوں ریز جنگوں اور ملتان اور منصورہ جیسی چھوٹی چھوٹی عرب ریاستوں کے عروج و زوال کا حال معلوم ہوتا ہے۔ گیارھویں صدی عیسوی میں رفتہ رفتہ عربوں کی جگہ غزنویوں نے لے لی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ محمود غزنوی

---

[1] عرب فاتحین نے یہ پالیسی واضح طور پر عوام کو راضی رکھنے اور سندھ میں اپنی حکومت کی بنیادیں مضبوط کرنے کے لیے اختیار کی۔ اس کے علاوہ خون کی آمیزش نے بھی ان کے طرز فکر پر کسی حد تک ضرور اثر ڈالا اور یہ ضروری تھا کیوں کہ فاتحین اپنے ساتھ عورتیں نہیں لائے تھے۔

[2] ڈائنیسٹک ہسٹری آف ناردرن انڈیا، جلد اول، صفحہ ۲، صفحہ ۲۳۔ میں نے بڑی احتیاط سے دونوں جلدوں سے استفادہ کیا ہے۔ ان سے عہد وسطی کے ہندو خاندانوں کی تاریخ کے بارے میں مجھے بڑی مفید اور کارآمد معلومات بہم پہنچی ہے۔

کی فتوحات جتنی مکمل شمالی سندھ میں رہیں اتنی جنوبی سندھ میں نہیں رہیں۔ چنانچہ جنوبی سندھ اس کے مرنے کے فوراً بعد بالفعل خود مختار ہو گیا اور ہندو شمروں کے قبضے میں چلا گیا جنھوں نے تین صدیوں تک وہاں حکمرانی کی اور چوتھی صدی کے وسط میں وہ شمروں کے قبضے سے نکل کر سُمّوں کے قبضے میں چلا گیا۔

فصل (۵)

کابل اور پنجاب کے شاہی

ترکی شاہی

کُشن سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا لیکن ان کا وجود صفحۂ تاریخ سے قطعی طور پر نہیں مٹا۔ سُمدرگپت کے الہ آباد والے ستون کتبہ میں "دیو پُتر شاہی شاہانُ شاہی" کی اصطلاح کا مطلب یہ نکالا گیا ہے کہ کُشن نسل کے راجاؤں کا وجود پنجاب اور وادیٔ کابل میں تقریباً چوتھی صدی عیسوی تک باقی رہا۔ عظیم مسلم عالم البیرونیؒ ہمیں کچھ اس سے زیادہ معلومات بہم پہنچاتا ہے۔ اس کی سند کے مطابق بَرہَتِگین کے ورثا، جن میں سے ایک کَنِک (کنشک) تھا، جنھیں وہ ہندو ترکوں سے تعبیر کرتا ہے، ساٹھ پشتوں تک کابل پر حکومت کرتے رہے۔ وہ شاہیۂ لقب رکھتے تھے جو واضح طور پر سنسکرت کے شاہی یا کُشن "شاہ" کی دوسری شکل ہے۔ البیرونی کا یہ قول کہ تمام حکمران ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، یا یہ کہ ان کی تعداد ٹھیک ساٹھ ہی تھی ممکن ہے درست ہو ممکن ہے نہ ہو، لیکن یہ بات قرینِ قیاس ہے کہ وہ نسلاً کُشن تھے اور شاہیۂ (شاہی) لقب رکھتے تھے۔ عام طور پر عالموں کا خیال ہے کہ ان میں سے ایک "کپیا پشیٔ" (کپیشہ) کے راجہ کے مماثل تھا جو نسلاً کشتری

ے　البیرونیز انڈیا، زخاؤ کا انگریزی ترجمہ، جلد دوم، ص۱۰ ـ ص۱۱۔ اس کا پورا نام ابوریحان محمد تھا۔ اس نے مکمل طور پر سنسکرت میں مہارت حاصل کی۔ اس کتاب میں ادب اور سائنس کے میدان میں ہندوؤں کی کارگزاریوں کا تفصیلی حال ملتا ہے۔ اس کا زمانہ ۹۷۳ء - ۱۰۴۸ء ہے۔

اور مذہباً بدھ تھا۔ اس کا ذکر یوآن چوانگ نے بھی کیا ہے۔ چینی زائر نے جو اشارہ راجہ کی ذات کی طرف کیا ہے اس سے مندرجہ بالا نظریے کی کسی طرح بھی تردید نہیں ہوتی۔ اس سے صرف یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اُس کے دورے کے وقت تک غیر ملکی کُشن ہندسماج میں مکمل طور پر ضم ہو گئے تھے۔ اس موقع پر یاد کیجیے بعض بڑے بڑے کُشن راجاؤں کا وہ رجحان کہ وہ ہندو دیوتاؤں سے عقیدت رکھتے تھے اور ہندو نام اختیار کرتے تھے۔ ترکی شاہیوں کے متعلق ہمیں اس سے زیادہ نہیں معلوم کہ وہ حملہ آوروں کے ساتھ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ساتویں صدی سے لے کر نویں صدی عیسوی کے وسط تک جنگ میں مصروف رہے[1] کہتے ہیں کہ خاندان کے آخری رُکن لگ تورمان کو اس کے برہمن وزیر کلر نے گدی سے اتار دیا[2]

ہندو شاہی

گدی پر غاصبانہ قبضہ کرنے کے بعد کلر نے ایک نئے خاندان کی بنیاد رکھی جسے البیرونی نے "ہندو شاہیہ" سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے بعد سلسلے وار سامند (سامنت) اکلو بھیم (بھیم) جے پال، انند پال، تروجن پال (ترلوچن پال) اور بھیم پال گدی پر بیٹھے[3] سکوں سے البیرونی کی اس فہرست کی جزوی طور پر تائید ہوتی ہے لیکن شاہیوں اور کشمیر کے راجاؤں کے درمیان لڑائیوں کے سلسلے میں کلہن نے کئی اور ناموں کا ذکر کیا ہے۔ چناں چہ اُس کا "للی یہ" جس نے شنکر ورمن (۸۸۳-۹۰۲ء) کے گُرجر حریف کو مدد پہنچائی تھی، غالباً متذکرہ بالا کلر کے مماثل ہے۔

سامنت دیو

آگے چل کر ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ گوپال ورمن (تقریباً ۹۰۲-۹۰۴ء) کے وزیر پربھاکر دیو نے ایک "باغی شاہی" کو جس کا نام معلوم نہیں، زبردست شکست دی۔ اس "باغی شاہی" کو

---

[1] عرب مورخین نے ان حکمرانوں کو "رت بیل" کہا ہے جس کا مطلب واضح نہیں ہے (دی اُنیسٹک جیوگرافی آف قدیم انڈیا، جلد اول، ص ۹۰)

[2] البیرونیز انڈیا، ترجمہ زخاؤ، جلد دوم، ص ۱۳

[3] ایضاً

سامنّد یا سامنت کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔ اس کا ذکر "اُدْ بھانڈ پور کے شاہی" کی حیثیت سے کیا گیا ہے، کیوں کہ ۲۵۶ھ مطابق ۸۷۰-۸۷۱ء میں یعقوب ابن لیثِ صفار نے کابل فتح کرنے کے بعد اپنا دارالسلطنت وہاں منتقل کر دیا تھا۔ سامنت کے سکّے بہت بڑی تعداد میں افغانستان اور پنجاب سے دریافت ہوئے ہیں۔ ان سب پر بیل اور سوار کی ضرب ہے اور سیدھے رُخ پر شری سامنت دیو[1] کا سجع کندہ ہے[2]۔ راج ترنگنی کا دعویٰ ہے کہ فتح یاب ہونے کے بعد کشمیری وزیر نے شاہی ریاست تورمان کے سپرد کر دی۔ یہ تورمان وہی ہے جس کا ذکر البیرونی نے کملو کے نام سے کیا ہے۔ اگلا تاج دار بھیم، کشمیر کی رانی دِدّا کا نانا تھا جس نے کشمیر میں کشیم گپت (۹۵۰-۹۵۸ء) کے عہد میں بھیم کیشو نام کا مندر تعمیر کرایا۔ بھیم کا حال ہمیں اس کے سکوں سے بھی معلوم ہوتا ہے۔

جیپال

جیپال کے وقت سے مسلمان برابر شاہیوں کو دباتے رہے۔ شاہیوں کے ہاتھ سے رفتہ رفتہ افغانستان کے تمام علاقے نکل گئے اور وہ بھٹنڈا کو (جو اب ریاست پٹیالہ میں ہے) اپنی راجدھانی بنانے پر مجبور ہو گئے۔ جب جیپال، سُبکتگین کی غارت گری سے تنگ آگیا تو اس نے دشمن کے علاقے پر حملہ کرنے کے لیے ایک فوج تیار کی۔ ہندو لشکر کو پسپائی ہوئی اور جیپال کو شرمناک شرائط کے ساتھ صلح کرنی پڑی[3]۔ لیکن جب وہ اپنی راجدھانی میں پہنچ کر محفوظ ہو گیا تو اس نے شرائطِ صلح سے روگردانی اختیار کر لی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس نے سلطان کے افسروں کو قید کر لیا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان نادیبا اس پر پھر حملہ کرنے پر مجبور ہو گیا۔ جیپال نے اس بار تمام بڑی بڑی ہندو ریاستوں — مثلاً دہلی، اجمیر، کالنجر اور قنوج کو روپیہ پیسہ اور فوجوں کے ساتھ مدد کے لیے بُلایا۔ وہ سب مقابلے میں شریک ہوئے لیکن اس کے باوجود لمغان (ضلع جلال آباد) کے قریب انھیں شکستِ فاش ہوئی[3]۔ اگلا حملہ ۳۹۲ھ مطابق ۱۰۰۱ء میں

---

[1] اس قسم کے سکّے کئی صدی بعد تک جاری کیے جاتے رہے۔

[2] ایلیٹ، ہسٹری آف انڈیا، دوسرا، ص۲۱؛ برگس، فرشتہ، پہلا، ص۱۸

[3] اس کے برخلاف ریورٹی کا خیال ہے کہ کاذ جنگ وادیٔ قرم تھی (نوٹس آف افغانستان، ص۳۲۱) فرشتہ نے لمغان یا ملتو کے جنگ کا ذکر کیا ہے (برگس جلد اول، ص۱۸) لیکن العتبی نے تاریخ یمینی میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے (ایلیٹ، دوسرا، ص۲۳)

محمود نے کیا۔ اس مرتبہ بھی جنگ کا فیصلہ "شاہی" حکمراں کے خلاف ہوا۔ اس ہزیمت کے بعد وہ اس قدر مایوس ہوگیا کہ اس نے راج پاٹ کا کام اپنے بیٹے انند پال کے سپرد کر دیا اور خود آگ میں جل کر فنا ہوگیا[1]

آنند پال

حوصلہ مند محمود نے نئے حکمراں کو بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ آخر کار ۳۹۹ھ مطابق ۱۰۰۸ء میں دونوں کا باہم مقابلہ ہوا۔ باپ کی طرح انند پال نے بھی معاصر ہندو راجاؤں سے مدد مانگی۔ لیکن متحدہ افواج کا کچھ بس نہ چلا اور محمود کی فوجیں پہلے کی طرح ظفریاب ہوئیں۔ چھ سال بعد انند پال کا انتقال ہوا تو اس کا لڑکا ترلوچن پال گدی پر بیٹھا اور اُسے بھی ہمیر (محمود) کے خلاف شکست ہوئی۔ اس کی خاص وجہ یہ ہوئی کہ اس کے کشمیر کے حلیف سے فوجی ترتیب میں غلطیاں سرزد ہوگئیں۔ آخر کار ترلوچن پال ۴۱۲ھ مطابق ۱۰۲۱ء میں مارا گیا۔ پانچ سال بعد ۱۰۲۶ء میں اس کے بیٹے اور جانشین بھیم پال کا بھی یہی انجام ہوا۔ اس طرح ہندوستان کے دروازے پر غیر ملکی حملہ آوروں کا بہادری کے ساتھ مقابلہ کرتے کرتے "شاہی" خاندان نیست و نابود ہوگیا اور بہت جلد لوگ اسے بالکل بھول گئے۔

فصل (۶)

کشمیر

جغرافیائی حدود

قدیم زمانے میں کشمیر کا رقبہ بہت مختصر علاقے میں محدود تھا بمقابلہ موجودہ ریاست کے رقبے کے جو شمال میں پامیر سے لے کر جنوب میں پنجاب تک اور مشرق میں تبت کی سرحد سے لے کر مغرب میں دریائے یارخون تک پھیلا ہوا ہے۔ سچ پوچھیے تو اس وقت کشمیر کی ریاست

---

[1] فرشتہ نے ہندوؤں کی ایک رسم کا ذکر کیا ہے کہ "جس راجہ کو غیر ملکی دشمن دو بار مغلوب کر لیتے تو اس سے حکومت چھین لی جاتی تھی" (برگس، پہلا، ص۳۸) العتبی اس سے ذرا مختلف بات کہتا ہے (ملاحظہ ہو الیٹ، دوسرا، ص۲۷)

وِتستا (جہلم) کی شمالی وادی اور اس کے معاون دریاؤں کے میدانوں پر مشتمل تھی۔ البتہ بعض راجاؤں کے زمانے میں ان علاقوں میں اضافہ ضرور ہوا۔ چوں کہ کشمیر اور باقی تمام ملک کے درمیان پہاڑوں کی اونچی اونچی دیواریں حائل ہیں اس لیے کشمیر ہندوستانی تاریخ کی رفتار سے عام طور پر متاثر نہیں ہوا۔ چناں چہ وہاں مخصوص اداروں اور اپنے جداگانہ کلچر کا نشوونما ہوا۔

ابتدائی تاریخ

وادیٔ کشمیر کے حالات و واقعات کے بارے میں ہماری معلومات کی بنیاد کلیتاً کلہنؔ کی راج ترنگنیٔ[1] اور اس کے ضمیمے ہیں جن کا بعد میں اضافہ کیا گیا ہے[2] لیکن کلہنؔ کبھی جس نے اپنی عظیم کتاب ۱۱۵۰ء میں مکمل کی، ساتویں صدی سے پہلے کی تاریخ پر ہمیں کوئی مدد نہیں پہنچاتا۔ یہ یقینی بات ہے کہ اشوکؔ کے زمانے میں کشمیر موریہ سلطنت کا جزو تھا، کیوں کہ وہاں بے شمار استوپ اور مٹھ بنوانے نیز سری نگر شہر کی بنیاد رکھنے کا سہرا اسی کے سر ہے۔ درحقیقت یوآن چوانگ تو یہاں تک کہتا ہے کہ اشوکؔ نے "کشمیر کی کُل ریاست بدھ مذہب کے لیے وقف کر دی تھی"[3]۔ اشوکؔ کے بعد کشمیر خود مختار ہو گیا اور اس کا بیٹا جالوکؔ وہاں حکومت کرنے لگا۔ کئی صدیوں کے بعد کشمیر پر کُشن راجاؤں کنشکؔ اور ہوشکؔ نے حکومت کی لیکن گپت راجاؤں کا تسلط اس پر کبھی نہیں ہوا۔ البتہ مہرکُل کو جب اندرون ملک سے معزول کر کے نکال دیا گیا تو اس نے وہاں اپنی ریاست قائم کر لی۔

کرکوٹک خاندان

درلبھ وردھن

تسلسل کے ساتھ کشمیر کی تاریخ ساتویں صدی عیسوی کے اوائل یعنی اس وقت سے شروع

---

[1] راج ترنگنی، شایع کردہ درگا پرشاد (بمبئی، ۱۸۹۲)؛ انگریزی ترجمہ از آرل اسٹین، لندن، ۱۹۰۰۔ تفصیلی حوالوں کے لیے اس کتاب کو ملاحظہ کریں۔ نیز ڈائنیسٹک ہسٹری آف نارتھ انڈیا، اول، باب سوم، ص ۱۰۷۔ ص ۱۸۴ بھی دیکھیں۔

[2] مثال کے طور پر ملاحظہ ہو جون راج کی دوسری تتمیہ راج ترنگنی، شایع کردہ پیٹرسن (بمبئی ۱۸۹۶ء)

[3] بیل، اول، ص ۱۵۰؛ واٹرس، اول، ص ۲۶۷

ہوتی ہے جب دیومالا کے خیالی گونند خاندان کا خاتمہ ہوگیا اور دُرلبھ وَرَدھن تخت نشین ہوا۔ وہ ناگ کرکوٹک کی اولاد ہونے کا دعوے دار تھا اور اسی جہت سے خاندان کا نام کرکوٹک پڑگیا۔ دُرلبھ وَرَدھن کا عہدِ حکومت ایک طویل عرصہ یعنی ۳۶ سال باقی رہا۔ اس نے بدھ کے متبرک دانت کا بیش قیمت تحفہ ہرش وردھن کو پیش کیا تاکہ وہ اسے قنوج میں محفوظ کرے اور اس طرح اس نے ہرش کی دوستی حاصل کر لی۔ اگر درلبھ وَرَدھن وہی راجہ ہے جس کے دربار میں ہیوان چوانگ نے دو سال (۶۳۱-۶۳۳ ء) بڑے آرام و آسائش کے ساتھ گزارے اور یہ بات کافی قرینِ قیاس ہے، تو اس کے یہ معنی ہیں کہ کشمیر اس وقت ایک اہم ریاست تھی اور کئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں مثلاً سِنگھ پور (کیتش)، اُرشا (ہزارہ)، پنچ اور راجپور (راجوری) اس کے ماتحت تھیں۔

لِلتادِتیہ مُکتاپیڈا

اس سلسلے کا سب سے طاقتور حکمراں دُرلبھک کا تیسرا بیٹا لِلتادِتیہ مُکتاپیڈا (تقریباً ۷۲۴-۷۶۰ ء) تھا۔ لِلتادِتیہ کی دِگ وِجے کا حال ہو سکتا ہے مبالغہ آمیز ہو۔ لیکن قنوج کے یشووَرمن کے خلاف ۷۳۳ ء میں اس کی کامیابی و کامرانی، پنجاب کے ایک حصّے کی فتح، اور تخارستان (سیحون کی بالائی وادی) اور دَرَدَدیش (دَردِستان شمالی کشمیر) میں اس کی مہمیں یقیناً حقیقت پر مبنی ہیں۔ لِلتادِتیہ کے بارے میں مزید معلوم ہوتا ہے کہ اس نے گوڑ کے ایک راجہ کو جس کا نام معلوم نہیں، شکست دی تھی اور اپنی فوجیں بھوٹوں (اہلِ تبت) کے ملک میں لے گیا تھا۔ للتادِتیہ مُکتاپیڈا یا چینی مورخ کے موتوآ پی نے شہنشاہ ہیوان سُنگ (۷۱۳-۷۵۵ ء) کے دربار میں ایک سفارت بھی بھیجی تھی۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ اس وقت چین کو کشمیر پر اقتدارِ اعلیٰ حاصل تھا۔ تانگ تاریخ کی تاریخوں سے یہ بات ثابت ہے کہ چین تُو لو پی لی یا چندراپیڈا نے جو مُکتاپیڈا سے دوپشت اول اس کا پیش رو تھا ۷۲۰ ء میں چین کے شہنشاہ سے بحیثیت کشمیر کے راجہ کے سندِ تقرری حاصل کی تھی۔ لِلتادِتیہ نے بدھوں کے لیے ہُشک پور اور دیگر مقامات میں وِہار تعمیر کرائے اور برہمن دیوتاؤں — بھوتیش (شیو) اور پَری ہاس کیشو (وِشنو) کے نام مندر منسوب کیے۔ اس کی سب سے مشہور تعمیر سورج کا مارتنڈ مندر تھا جس کے

ا۔ ملاحظہ ہو ہسٹری آف قنوج، ص ۱۹۴، ص ۲۰۵

کھنڈر آج بھی زبانِ حال سے اس کی اگلی شان و شوکت کی گواہی دے رہے ہیں۔

جیاپیڈا وِنے آدِتیہ

لِلتا دِتیہ کا پوتا جیا پیڈا وِنے آدِتیہ (۷۷۹ء - ۸۱۰ء) اس گھرانے کا ایک اور نامور رکن تھا۔ اس نے قنوج کے ایک راجہ کو شکست دی اور اُسے گدّی سے اتار دیا۔ یہ راجہ وِجرآیُدھ یا اندرآیُدھ کے مماثل ہے۔ لیکن کلہن نے نیپال اور پونڈر وردھن (شمالی بنگال) کے جینت نامی ایک بالکل غیر معروف راجہ کے خلاف کشمیری حکمراں کی مہموں کا جو ذکر کیا ہے وہ افسانہ معلوم ہوتا ہے، وہ خالص تاریخ ہرگز نہیں ہے۔ جیا پیڈا علم و ادب کا ایک زبردست سرپرست تھا، اور اُدبھٹ، وامن اور دامودر گپت (کُٹنی مَت کا مصنف) جیسے عالم و فاضل اس کے دربار کی زینت تھے۔ آخر عمر میں جیا پیڈا غالباً اپنی لڑائیوں کی وجہ سے یا خزانہ خالی ہونے کے باعث حرص و طمع اور ظلم و تشدد کی طرف مائل ہو گیا۔ جیا پیڈا کے بعد کئی کمزور حکمراں گدّی پر بیٹھے۔ ان کے عہد میں کرکوٹکوں کی طاقت زوال پذیر ہو گئی، یہاں تک کہ نویں صدی کے وسط تک ان کی جگہ اُتپل خاندان نے لے لی۔

اُتپل خاندان

اَونتی وَرمن

اَونتی ورمن نے ۸۵۵ء میں اُتپل خاندان کی بنیاد ڈالی۔ اس کے حالات ایسے نہ تھے کہ وہ فتوحات کی طرف متوجہ ہوتا، کیوں کہ آخری کرکوٹک راجاؤں کے دور میں ریاست مالی اور سیاسی پریشانیوں میں مبتلا رہ چکی تھی۔ اس لیے اونتی ورمن نے بڑی سختی کے ساتھ انتظامِ حکومت میں اصلاح، ریاست میں امن و امان قائم کرنے اور ریاست کے ذرائع آمدنی کو مستحکم بنانے کی کوشش کی۔ اس نے پہلا کام یہ کیا کہ ڈامروں کی طاقت کو بڑھنے سے روکا، یہ دیہاتی امرا کا ایک سرکش طبقہ تھا۔ اس کے بعد اُس کے رفاہِ عامہ کے وزیر سیا کے انجینئری کے کاموں کا ذکر کیا جا سکتا ہے جس کا نام موجودہ شہر سوپور (سُیّاپور) کی وجہ سے آج تک زندہ ہے۔ اس نے آبپاشی کے لیے نہریں نکلوائیں اور طوفانوں کی روک تھام کے لیے دریائے وِتستا (جہلم)

کے بہاؤ کا رُخ تک بدل دیا۔ اس کے بعد بڑے بڑے دلدلی علاقوں میں خوب کاشت ہونے لگی۔ ان تمام رفاہِ عام کے کاموں سے ملک کی خوشحالی میں اضافہ ہوگیا۔ چناں چہ چاول کی ایک کھاری ۳۶ دینار کو ملنے لگی، جب کہ اس سے پہلے ۲۰۰ دینار میں ملتی تھی۔

اَونتی وَرمَن نے مندر تعمیر کرائے، ان کے لیے اوقاف قائم کیے اور برہمنوں کو بڑی بڑی رقمیں دان کیں۔ اس نے ادیبوں کی بھی سرپرستی کی۔ ان میں سب سے نمایاں آنند وَردھن تھا جس نے دَھونیہ لوک تصنیف کی۔ اَونتی ورمن کا نام موجودہ شہر وَنت پور یا اَونتی پور کی وجہ سے آج تک زندہ ہے۔

شَنکر وَرمَن

۸۸۳ء میں اونتی ورمن کے انتقال کے بعد ریاست میں خانہ جنگی کے ہنگامے شروع ہوگئے۔ اس خانہ جنگی کا فیصلہ بالآخر اس کے بیٹے شنکر ورمن کے حق میں ہوا۔ شنکر ورمن نے اپنے باپ کی پُرامن پالیسی کو بالکل تبدیل کردیا اور دوسری ریاستوں سے لڑائیوں میں الجھ گیا۔ اُس نے دَروابھسار (وِتَستا اور چندر بھاگا کے درمیان کے علاقے) پر حملہ کیا، تری گرت (کانگڑا) کے علاقہ میں اپنا اثر قائم کیا اور گُرجر راجہ آلکھان کو شکست دی جسے لَلیہ شاہی نے مدد پہنچائی۔ شنکر ورمن نے بھینڈپال پر تی بار سے وہ علاقے بھی از سرِنو حاصل کرلیے جن پر کبھی پہلے میر بھوج نے قبضہ کرلیا تھا اور انھیں تھکیہ راجہ کے حوالے کردیا۔ جب وہ ہزارہ کے علاقے (اُرشا) کے راستے سے ایک مہم سے لوٹ رہا تھا تو ۹۰۲ء میں اس کا انتقال ہوگیا۔

شنکر ورمن کی فوجی مہموں نے خزانے کو بالکل خالی کردیا۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے اس نے روپیہ وصول کرنے کے عجیب عجیب طریقے اختیار کیے۔ اس نے یہاں تک کیا کہ بعض مندروں کو لوٹ لیا اور مذہبی رسوم پر محصول لگا دیا۔ اس قسم کے جارحانہ محصول عاید کرنے کا انجام یہ ہوا کہ لوگ رفتہ رفتہ بالکل مفلس ہوگئے۔ اس دور میں چوں کہ علم و فن سرپرستی سے محروم رہے اس لیے وہ بھی مضمحل ہوگئے۔

اتپل خاندان کے بعد والے راجہ

شنکر ورمن کے لڑکے گوپال ورمن کا عہد خاص طور سے اس لیے یاد رکھنے کے قابل

ہے کہ اُس کے وزیر پربھاکر دیو نے شاہی راجہ کو شکست دی، جسے البیرونی کے سامنت (سامنت دیو) کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔ ہمیں مزید معلوم ہوتا ہے کہ فاتح نے اپنے حریف کو معزول کر دیا اور شاہی راج گدّی پر تورمان کملوک (کملو) کو بٹھا دیا۔ ۹۰۴ء میں گوپال ورمن کے انتقال سے لے کر ۹۳۹ء میں اتپل خاندان کے زوال تک جو زمانہ گزرا اس میں زیادہ تر تنتریوں کا اقتدار رہا۔ یہ پیدل سپاہیوں کی ایک جماعت تھی جو ایکانگوں (ایک قسم کی فوجی پولس) سے رقابت رکھتی تھی، لیکن اس رقابت کے باوجود تنتریوں نے بادشاہ گر کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ اس صورت حال کی ذمہ داری ایک بڑی حد تک اتپل راجاؤں کی اپنی نااہلی اور ان کے حرص و طمع پر تھی۔ مثال کے طور پر نابالغ راجہ پارتھ کے وقت میں جب ۹۱۷-۹۱۸ء میں کشمیر میں قحط پڑا تو رعایا کی تکلیف و پریشانی دور کرنے کے لیے حکومت نے کچھ بھی نہیں کیا۔ کلہن بڑے افسوس کے ساتھ کہتا ہے کہ اِدھر لاکھوں آدمی بھوکے مر رہے تھے اور اُدھر شاہی خاندان کے لوگ مزے اڑا رہے تھے اور وزرا اور تنتری بڑی بے دردی کے ساتھ "دولت جمع کر رہے تھے اور اپنے چاول کے ذخیرے انتہائی گراں قیمتوں پر فروخت کر رہے تھے۔" آخری سے پہلا راجہ اُنمتّا ورمن (۹۳۷-۹۳۹ء) حقیقتاً حد سے زیادہ بدکار و بداعمال تھا۔ اس نے اپنے باپ پارتھ کو، جب وہ جیندر وہار سے واپس لوٹ رہا تھا، قتل کر دیا اور اپنے تمام سوتیلے بھائیوں کو بھوکا مار دیا۔ اُنمتّا ورمن کی طینت میں سفاکی تھی۔ وہ ظالمانہ سلوک کر کے حظ حاصل کرتا تھا۔ وہ حاملہ عورتوں کا رحم نکلوا ڈالتا تھا۔ خوش قسمتی سے وہ بہت جلد مر گیا، اور اُس کے فرضی لڑکے شور ورمن دوم کے مختصر دور کے ساتھ ۹۳۹ء میں اتپل خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

پرُوگُپت

شور ورمن دوم کے بعد برہمنوں نے گوپال ورمن کے وزیر پربھاکر دیو کے بیٹے یشسکر کو راجہ چن لیا۔ اس کے نو سال (۹۳۹-۹۴۸ء) کے کامیاب دورِ حکومت میں امن و امان اور خوش حالی ملک میں پھر لوٹ آئی۔ اس کے بیٹے اور جانشین سنگرام کو ۹۴۹ء میں پرُوگُپت نامی وزیر نے قتل کر دیا اور گدی پر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ اس سلسلے کی سب سے زیادہ دل چسپ شخصیت بھیم شاہی کی پوتی اور لوہار (ریاست پونچھ) کے راجہ سنگھ راج کی

کی بیٹی دِدّا تھی۔ وہ ایک حوصلہ مند اور جوشیلی عورت تھی۔ اس کی شخصیت کو تقریباً پچاس سال ـــ اول راجہ کشیم گپت (۹۵۰ - ۹۵۸ء) کی بادشاہ بیگم کے روپ میں، پھر ولی کے طور پر اور آخر میں حکمراں کی حیثیت سے (۹۸۰ - ۱۰۰۳ء) ـــ کشمیر کی سیاسیات میں سب سے بلند و بالا مقام حاصل رہا۔ اس زمانے میں درباری ریشہ دوانیوں کا سلسلہ مستقل جاری رہا۔ لیکن ڈامروں (جاگیردار امرا) اور برہمنوں کی مخالفت کے باوجود اُس نے تُنگا نامی ایک نیچ ذات کھس کی مدد سے، جس سے وہ عشق کرتی تھی، اپنا اقتدار قائم رکھا۔

لوہار خاندان کے راجہ

۱۰۰۳ء میں مرنے سے پہلے دِدّا نے جانشینی کے مسئلے کا فیصلہ اپنے بھتیجے سنگرام راج کے حق میں کر دیا۔ یہ لوہار راج کمار وِگرہ راج کا بھائی تھا۔ سنگرام راج (۱۰۰۳-۱۰۲۸ء) ایک کمزور حکمراں ثابت ہوا۔ اس کے عہد کے ابتدائی دور میں ریاست کی تمام طاقت تُنگا کے ہاتھ میں رہی۔ ۱۰۱۴ء میں محمود کے خلاف جس نے بہر حال ہندوؤں کی متحدہ افواج کو شکست فاش دے دی، ترلوچن شاہی کی امداد کے لیے تُنگا ہی گیا تھا۔ ۴۱۲ھ مطابق ۱۰۲۱ء میں سلطان نے وادی کشمیر کو فتح کرنے کی کوشش کی۔ وہ دامنِ کوہ تک بڑھا چلا گیا، لیکن چوں کہ وہ لوہ کوٹ کے قلعے پر قبضہ کرنے میں ناکام رہا اس لیے وہ لاہور کو واپس لوٹ گیا۔ عمدہ انتظامِ حکومت کے مختصر وقفوں کو چھوڑ کر، کشمیر کی بعد کی تاریخ ہوا و ہوس، ظلم و تشدد، بدنظمی اور جابرانہ محاصل کی طویل داستان ہے۔ اتنا خوب صورت ملک اپنے اگلے حکمرانوں کے دور میں اتنا بدقسمت شاید کبھی نہیں رہا تھا۔ ان میں سے ایک ہرش تھا (۱۰۸۹ - ۱۱۰۱ء) جس نے ایک اچھے منتظم، فوجی رہنما اور موسیقی اور شاعری جیسے فنونِ لطیفہ کے سرپرست کی حیثیت سے بڑی عمدہ ابتدا کی تھی، لیکن بعد میں وہ بگڑ گیا اور ایک عیاش، ظالم اور لا مذہب انسان میں تبدیل ہو گیا۔ اس کی بے انتہا فضول خرچی اور بے حد بدکاری نے بہت جلد سر سے اونچا پانی کر دیا۔ اس نے اپنی فوج میں "تُرُشک" (مسلم) سپہ سالار مقرر کیے اور مندروں کو لوٹنے کھسوٹنے اور مورتیوں کی بے حرمتی کرنے کی ایک باقاعدہ پالیسی پر عمل درآمد شروع کر دیا۔ اس نے لوگوں سے روپیہ وصول کرنے کے دوسرے طریقے بھی استعمال

کیے۔ آخر کار طاقت ور ڈامروں نے عَلمِ بغاوت بلند کر دیا اور کچھ عرصے کے لیے ریاست میں طوائف الملوکی پھیل گئی۔ بالآخر کشمیر کی راج گدّی پر اُچھل نے قبضہ کر لیا۔ عصائے شاہی، بہر حال، بڑی تیزی سے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہوتا رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام خانہ جنگیوں، بدانتظامیوں اور امرا کی سازشوں کے دباؤ سے چیخ اٹھے۔ اس طرح ہندو حکومت ریاست میں ۱۳۳۹ء تک کسی نہ کسی طرح گھسٹتی رہی۔ ۱۳۳۹ء ہی میں شاہ میر نامی ایک مسلم جانباز نے اپنے خاندان کی حکومت قائم کی جو شری سمس دین یا شمس الدین کے لقب سے مشہور ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ابتدائی مسلمان بادشاہوں کے زمانے میں برہمنوں کی سیاسی اہمیت باقی رہی اور ریاست کی اہم ترین زبان سنسکرت رہی۔

سولھواں باب

قرونِ وسطیٰ میں شمالی ہند کے ہندو خاندان

فصل (۱)

آسام[1]

کام روپ کے حدود

آسام کے مرکزی علاقہ، یعنی اس خطۂ ملک کو جو گوال پارا سے گوہاٹی تک پھیلا ہوا ہے، آج کام رُپ (کام روپ) کا نام دیا جاتا ہے۔ قدیم زمانے میں، بہرحال، اس میں تمام صوبۂ آسام نیز شمالی اور مشرقی بنگال کے بعض حصّے بھی شامل تھے۔ اس ریاست کی راجدھانی پراگ جیوتش پور تھا جو غالباً موجودہ گوہاٹی کی جائے وقوع سے کچھ زیادہ دور نہ تھا۔

داستانوں کے فرضی حکمراں

کتبے اور ادب یکساں طور پر اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ راجہ روپ کے دیومالا والے نرک کی اولاد تھے جن کے بیٹے بھگ دت نے کورُوؤں کی طرف سے مہابھارت کی جنگ میں نمایاں حصّہ لیا تھا۔ ان روایات کی اصلیت کچھ بھی ہو، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ عوام

---

[1] سرایڈورڈ گیٹ، ہسٹری آف آسام، دوسرا ایڈیشن (کلکتہ ۱۹۲۶ء) بی کے۔ ایل۔ بیرُوا، ہسٹری آف آسام؛ ڈائنیسٹک ہسٹری آف نارتھ انڈیا، جلد ۱، بارہواں باب، صـ۲۳۵ ـ صـ۲۷۰

کے نزدیک اس گھرانے کی قدامت مسلمہ تھی۔ ساتویں صدی کے وسط میں یوآن چوانگ بھی کہتا ہے کہ اس کے ہم عصر آسام کے راجہ، اور خاندان کے بانی کے درمیان ایک ہزار ... کا فصل تھا[1]

قدیم لوحی اسناد

کام روپ کا قدیم ترین حوالہ، جس کی تاریخی اہمیت ہے، الٰہ آباد کے ستونی کتبہ میں ملتا ہے جس میں مندرج ہے کہ یہ ایک سرحدی ریاست تھی جس نے سمدر گپت کی اطاعت قبول کرلی تھی۔ اپھساد کے کتبے سے ہمیں مزید معلوم ہوتا ہے کہ آخری دور کا گپت راجہ مہاسین گپت اپنی فوجیں دریائے لوہتیا، یا لوہتیا (برہم پتر) کے کنارے تک لے گیا اور سستھت ورمن کو اس نے شکست دی[2]، جسے بجا طور پر کام روپ کے ہمنام کے مماثل قرار دیا گیا ہے جس کا ذکر ندمن پور کی تختیوں میں آیا ہے[3]

بھاسکر ورمن

سستھت ورمن کے لڑکے بھاسکر ورمن کا دورِ حکومت اس لیے یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اسی زمانے میں یوآن چوانگ، ۶۴۳ء میں کام روپ پہنچا۔ بھاسکر ورمن کو اپنے پڑوسی کرن سورن کے راجہ شاشانک سے مستقل خطرہ رہتا تھا، اس لیے اس نے (بھاسکر ورمن نے) بالکل ابتدائی زمانے میں ہرش سے "دائمی دوستی" کرلی۔ بھاسکر ورمن یا کمار راج (جو اس کا دوسرا نام تھا) نے اپنے عظیم حلیف کی طلبیدہ دو ان مجلسوں میں شرکت کی، قنوج میں بھی اور پریاگ میں بھی۔ اس بات سے کہ اس نے ان بدھ اجتماعات میں شرکت کی، نیز اس بات سے کہ وہ یوآن چوانگ کے ساتھ جو بدھ مذہب کا ماننے والا تھا، عزت و احترام کے ساتھ پیش آیا، ظاہر ہوتا ہے کہ بھاسکر ورمن، اگرچہ ذات کا برہمن تھا، لیکن ایک

---

[1] اس بیان کو بہت احتیاط سے جانچنے کی ضرورت ہے

[2] کادپس انسکرپشنم انڈکارم، تیسرا، ص ۲۰۳، ص ۲۰۶، اشلوک ۱۳۔

[3] ایپی گرافیہ انڈکا، بارھواں ص ۶۵، ۷۹۔ ندمن پور کی تختیوں کے مطابق اس سلسلے کا بانی پشیا ورمن تھا (ایضاً، ص ۳، ص ۷۲)

وسیع القلب آدمی تھا۔ بعض عالموں کا خیال ہے کہ چینی زائر کی شہادت سے کام روپ کے راجہ کا برہمن مذہب ظاہر ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس نے وانگ ہیون سُنگ کی بھیجی ہوئی سفارت کو مدد پہنچائی۔ ہرش کے تخت کے غاصب اُول ناشُن یا ارجُن نے ۶۴۸ ء میں اسی کا مقابلہ میدانِ جنگ میں کیا تھا۔ ندھن پور کی تختیاں بھاسکرورمن کو سینکڑوں راجاؤں کے فاتح کی حیثیت سے پیش کرتی ہیں، اور ایک فرمانِ جاگیر کا ذکر کرتی ہیں جو اس نے اپنی راجدھانی کرن سوُرن کی چھاؤنی سے جاری کیا تھا[1] کرن سوُرن کو اس نے اپنی قلمرو میں یقیناً اس وقت شامل کیا جب ہرش کے مرنے کے بعد سلطنت میں بدنظمی پھیلی۔ اس طرح بھاسکرورمن کا دورِ حکومت ساتویں صدی کی ابتدا سے لے کر تقریباً درمیان تک رہا۔

بعد کی تاریخ

بھاسکرورمن کے اگر کوئی جانشین ہوئے تو ان کا حال ہمیں کچھ نہیں معلوم۔ اس خاندان کے سالستمبھ نامی ایک مقامی جانباز نے، معلوم ہوتا ہے اس خاندان کا بہت جلد خاتمہ کر دیا۔ سالستمبھ نے ایک نئے خاندان کی بنیاد ڈالی جس کی جگہ نویں صدی عیسوی کے اوائل میں ایک دوسرے خاندان نے لے لی۔ سوائے ایک دو حکمرانوں کے کسی ایک کا دائرۂ حکومت آسام کی حدود سے باہر نہیں پہنچا۔ کہتے ہیں کہ آٹھویں صدی کے وسط میں شری ہرش نامی حکمراں نے، جو نیپال کے جے دیو کا خسر تھا، گوڑ، اُودر (اڑیسہ) کلنگ، کوشل، اور دوسرے ملک فتح کیے[2] اسی طرح گیارھویں صدی کے نصف اوّل میں ایک دوسرے راجہ رتن پال بن برہم پال کے قبضے میں کافی علاقہ آگیا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ گرجر سردار، گوڑ کا (پال) حکمراں، اور داکشناتیہ راجہ (یعنی وکرمادتیہ ششم، چالوکیہ)، سب اس کا لوہا مانتے تھے۔ آخرالذکر نے اپنے باپ سوم ایشور اول کے دورِ حکومت میں کام روپ، کیرلیش (غالباً راجندر اول چول[3] ؟)، باہکوں اور تاکوں (تاجکوں ؟) وغیرہ یا ستوں پر حملہ کیا[4]

---

[1] ایضاً، نیز ص ۴۳، ص ۳۶ [2] انڈین اینٹی کوئریز، جلد ۹، ص ۱۷۹، سطر ۱۵ [3] دیکھیں اگلے صفحات

[4] جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۸۰ء، ص ۱۱۵، ص ۱۱۳۔ کیا ان تاکوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو محمود غزنوی اور مسعود کی قیادت میں شمالی ہندوستان پر حملہ آور ہوئے؟ یہ لوگ، بہرحال، مشرق کی جانب بنارس سے آگے نہیں بڑھے۔

پالوں کے حملے

کام روپ پال حکمرانوں کے دلیرانہ حملوں سے محفوظ نہ رہ سکا۔ بھاگلپور کے کتبے کی سند کے مطابق دیو پال (تقریباً ۸۱۵-۸۵۵ء) نے اپنے عمزاد جے پال کی سرکردگی میں ایک مہم بھیجی، جس میں جے پال کو پراگ جیوتش کے راجہ کے خلاف تھوڑی بہت کامیابی ہوئی (اشلوک ۶)۔ یہ ثابت کرنے کے لیے کافی شواہد موجود ہیں کہ بارھویں صدی کے تیسرے دہے میں آسام نے کمار پال کی اطاعت قبول کر لی تھی، اور اس کا وزیر وَیدیہ دیو وہاں کافی بااختیار تھا۔

غیر ملکی یورشیں

کام روپ کی تاریخ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کے شدید حملوں کے خلاف ہتھیار نہیں ڈالے باوجودیکہ مسلمانوں نے اسے فتح کرنے کے لیے پے دَر پے کوششیں کیں۔ ان کوششوں کی ابتدا ۶۰۱ھ مطابق ۱۲۰۵ء میں محمد بختیار کے تبت پر حملے سے ہوئی تھی جس میں اُسے سخت ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ آسامیوں نے فوجی مصلحت سے ایک پُل بنا دیا تھا۔ وہ پُل تباہ ہو گیا اور اس کے ساتھ محمد بختیار کی تمام سپاہ تباہ ہو گئی۔ ان کی انتہا ۱۶۶۲ء میں اورنگ زیب کے مشہور سپہ سالار میر جملہ کے حملے پر ہوئی۔ بہرحال آسام پر تیرھویں صدی میں اِہُوں نے تسلط قائم کر لیا جو شَن قبیلہ کی ایک شاخ تھے۔ ۱۸۲۵ء تک آسام پر انھیں کا قبضہ رہا اور اسی سال وہ انگریزوں کے قبضے میں چلا گیا۔ آسام کا نام غالباً انھیں اِہَم فاتحین کے نام پر آسام پڑا ہے۔

مذہب

آسام بدھ مذہب کا اور ہندو تانتری فرقہ، دونوں کا مرکز ہے۔ وہاں جادو ٹونے

لہ انڈین اینٹی کوئریز، پندرھواں، ص۳۰۵، ص۳۰۶، اشلوک-۶- ڈاکٹر ایچ. سی. رے نے جے پال کا آسامی معاصر ہرجر یا اس کے بیٹے ون مال کو قرار دیا ہے (ڈائنسٹک ہسٹری آف نارتھ انڈیا، جلد اول، ص۲۴۵)

کا رواج عام ہے۔ گوہاٹی کے قریب کاماکھیہ کی خانقاہ کو وہاں سب سے مقدس مانا جاتا ہے جہاں شاکت فرقے کے ہندو دیوی کی پوجا کرتے ہیں۔ آسام کا ملک اس کی بہترین مثال ہے کہ ہندو دھرم وہاں کے قدیم باشندوں میں اور ان منگول قبیلوں میں جو وقتاً فوقتاً وہاں آکر آباد ہوئے، رفتہ رفتہ کیوں کر پھیلا۔

فصل (۲)

پال خاندان[1]

بنگال کی ابتدائی تاریخ

قدیم زمانے میں بنگال کی قسمت مگدھ سے وابستہ رہی۔ نند خاندان جسے پرسی آئی اور گنگری دائی قوموں کا حکمراں بتایا گیا ہے، جنوبی وادیٔ گنگا پر اقتدار رکھتا تھا، اور اسی طرح بعد میں موریہ خاندان کا وہاں اقتدار رہا۔ کشن سلطنت وہاں تک کبھی نہیں پہنچی، البتہ گپت خاندان کا قبضہ بنگال پر ضرور رہا۔ گپت سلطنت کا شیرازہ بکھرا تو وہاں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہو گئیں۔ موکھری اِشان ورمن کا ہَرہا والا کتبہ چھٹی صدی عیسوی میں "ساحل سمندر پر بسنے والے گوڑوں" کی فوجی سرگرمیوں کا پتہ دیتا ہے[2] ساتویں صدی کے اوائل میں بنگال پر شاشانک کی حکومت تھی جس نے تھانیشور کے راجیہ وردھن کو قتل کر دیا اور کچھ عرصے کے لیے موکھری راجدھانی قنوج پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ ہیوان چوانگ نے شاشانک کو کرن سُوَرن کا راجہ لکھا ہے۔ دراں حالیکہ ایک کتبے کے مطابق جس پر ۳۰۰ گپت سمبت، مطابق ۶۱۹ء مندرج ہے گنجم کے علاقے کا حکمراں سیلُو دبھَو اُس کی سرداری تسلیم کرتا تھا[3]۔ اس طرح "مہاراجہ

---

[1] ری۔ اے۔ اسمتھ "بنگال کا پال خاندان"، انڈین اینٹی کوئریز ارتیس (۱۹۰۹)، صہ ۲۳۳ تا صہ ۲۴۸؛ آر۔ ڈی۔ بنرجی، "بنگال کے پال"، میموائرس آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، جلد ۵، نمبر ۳؛ آر۔ سی مجمدار، ارلی ہسٹری آف بنگال (ڈھاکہ ۱۹۲۴)؛ ایچ۔ سی رے، ڈائنسٹک ہسٹری آف ناردرن انڈیا، پہلا باب چھٹا، صہ ۲۷۱ تا صہ ۳۹۰

[2] دیکھیں اگلے صفحات

[3] ایپی گرافیہ انڈکا، چھٹا، ۱۴۱، حاشیہ۔ اصل مقام جہاں سے یہ کتبہ دریافت ہوا ہے معلوم نہیں ہے۔ لیکن یہ ضرور معلوم ہے کہ کچھ عرصے یہ گنجم کے کلکٹر کے دفتر میں پڑا رہا۔

دھراج، شاشانک کافی طویل و عریض علاقے کا حکمراں تھا۔ وہ شیومت کا پیرو تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے بدھوں پر مظالم کیے۔ اس کے زوال یا انتقال کے بعد بنگال جس میں پونڈر وردھن، سم تٹ، تامر لپتی (تملوک) اور کرن سُورن شامل تھے، ہرش وردھن کے قبضے میں چلا گیا۔ ۶۴۷ء میں ہرش کے انتقال کے بعد گڑبڑ پھیل گئی اور بیرونی حملوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اندازہ ہے کہ بھاسکر ورمن نے کرن سُورن کو اسی وقت اپنی قلم رو میں شامل کیا۔ آٹھویں صدی کے ربع دوم میں قنوج کے یشو ورمن نے مگدھ اور گوڑ کے راجہ کو شکست دے دی۔ کشمیر کے لِلتا دتیہ، کام روپ کے شری ہرش اور دوسرے حملہ آوروں نے بھی اسے تاخت و تاراج کیا۔ جب اس طرح ملک میں طوائف الملوکی پھیل گئی تو لوگ ایک جگہ جمع ہوئے اور انھوں نے گوپال کو اپنا راجہ چُن لیا۔

پال کون تھے؟

یہ بات معنی خیز ہے کہ پال اپنا سلسلۂ نسب کسی قدیم ہیرو سے نہیں ملاتے۔ پال خاندان کا نام "پال" اس لیے پڑا ہے کہ اس کے افراد کے ناموں کے آخر میں "پال" لگا ہوا ہے۔ ایک کتبہ سے جو کھلیم پور سے دستیاب ہوا ہے، ہمیں صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ اس خاندان کا بانی دَے اِت وِشنو تھا جس کا بیٹا وَپ یٹ تھا۔ غالباً اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ کوئی عالی نسب خاندان نہیں تھا۔ ابتدا میں اس کی حیثیت معمولی تھی لیکن بعد میں اس نے ترقی کر لی۔ بہرحال ان کا شجرہ سمندر اور سُوریہ سے ملانے کی کوششیں بھی بعد میں کی گئیں۔

گوپال

اگرچہ گوپال کی زندگی کی تفصیلات ہمیں نہیں معلوم لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس نے ریاست میں امن و امان قائم کر دیا اور مستقبل میں اپنے خاندان کی عظمت کی بنیاد رکھ دی۔ تبتی لاما تارا ناتھ کے بقول گوپال نے اُودَنت پور (موجودہ بہار) کی مشہور و معروف خانقاہ تعمیر کرائی اور پینتالیس سال حکومت کی۔ ہمیں مسٹر ایلن کی اس رائے سے بہرحال اتفاق ہے کہ اس مدت سے اس کے پورے عروج کا دور مراد نہیں ہے۔ غالباً اس کی

تاریخیں تقریباً ۷۶۵ء - ۷۷۰ء ہیں[1]

دھرم پال

گوپال کا لڑکا اور جانشین دھرم پال ایک جوشیلا نوجوان تھا۔ باپ نے ریاست کے داخلی انتظامات مکمل و مستحکم کر ہی دیے تھے، اس لیے اُسے خارجی مہیں سر کرنے کا خوب موقع ملا۔ اُس کا سب سے مشہور کارنامہ یہ تھا کہ اس نے اندر راج (اندرایدھ) کو شکست دی۔ اُسے گدّی سے اُتار دیا اور اُس کی جگہ قنوج کی گدی پر چکرایدھ کو بٹھایا۔ گوڑ کے راجہ نے معاملے کو جس طرح طے کر دیا اُسے شمالی ہند کی تمام معاصر ریاستوں۔ مثلاً بھوج، متسیہ، مدر، کرو، یدو، یون، اونتی، گندھار، اور کیرا۔ نے "بخوشی تسلیم کر لیا"[2] دوسرے معاصرین سے دھرم پال کی لڑائیاں معلوم ہوتا ہے اس کی فوج کے حق میں بہر حال تباہ کن ثابت ہوئیں۔ کتبے شاہد ہیں کہ وتس راج، پرتی ہار اور دھرو، راشٹر کوٹ۔ دونوں دھرم پال کے شاہانہ عزائم کو برداشت نہ کر سکے اور دونوں نے الگ الگ اسے شکست دی۔ کہتے ہیں کہ جب گوڑ کے راجہ نے "گنگا اور جمنا کے درمیان میں فرار اختیار کیا"[3] تو اس وقت دھرو غالب آیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دھرو سے اس کا مقابلہ گنگا کے دوآبہ میں ہوا۔ سنجن کی تختیاں مزید تصدیق کرتی ہیں کہ گووند سوم راشٹر کوٹ (تقریباً ۷۹۴ء - ۸۱۴ء) کے خلاف "دھرم (دھرم پال) اور چکرایدھ نے از خود ہتھیار ڈال دیے"۔ آخر میں، جب ناگ بھٹ دوم پرتی ہار نے چکرایدھ سے قنوج چھین لیا، تو دھرم پال کے شمالی ہند میں اقتدار حاصل کرنے کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔ اپنے آوردہ کی معزولی پر دھرم پال کو بہت غصہ آیا، مگر وہ کیا کر سکتا تھا۔ مدگگری (مونگھیر) کے مقام پر بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں دھرم پال کو شکست ہوئی[4]

---

۱ کیمبرج شارٹ ہسٹری آف انڈیا، ص ۱۴۲

۲ ایپی گرافیہ انڈیکا، چوتھا، ص ۲۴۸، ص ۲۵۲

۳ ایضاً، اٹھارہواں ص ۲۴۴، ص ۲۵۳، سطر ۱۴

۴ ایضاً، ص ۲۱، ص ۱۲، اشلوک ۱۰

دھرم پال بدھ مذہب کا پیرو تھا۔ کہتے ہیں کہ وِکرَم شِلا (پتھر گھٹ، ضلع بھاگلپور) کا مشہور و معروف دارالعلوم اسی نے قائم کیا تھا۔ اس کے عظیم الشان مندر اور خانقاہیں زبانِ حال سے دھرم پال اور دوسرے معطیوں کی فیاضی کی شہادت دے رہی ہیں۔

دیو پال

دھرم پال نے طویل مدت[1] تک حکومت کی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا دیو پال گدی پر بیٹھا۔ دیو پال کا شمار پال خاندان کے سب سے زیادہ جلیل القدر حکمرانوں میں کیا جاتا ہے۔ لوحی شواہد پتہ دیتی ہیں کہ اسے بے شمار فتوحات کا فخر حاصل ہوا۔ کہتے ہیں کہ اس نے ریوا کے مورث (وِندھیا) اور گوری کے باپ (ہمالیہ) کے درمیان تمام "روئے زمین کو باجگزار بنالیا"، اور جنوب میں رام کے پُل تک اس سے استفادہ کیا[2]۔ یہ بلاشبہ بے بنیاد مبالغہ ہے، لیکن بَدَل کا ستونی کتبہ[3] شاہد ہے کہ دیو پال نے اپنے دانش ور وزیروں یعنی دربھپانی اور کیدار مشر کے مشورے سے "اُتکلوں کے قبیلے کا استیصال کیا، ہُولوں کے گھمنڈ کو باطل کیا، اور دراوڑ اور گُرجر حکمرانوں کے غرور کو پاش پاش کردیا"۔ بھاگلپور کے کتبے (اشلوک ۔ ٦)[4] سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اتکل (اڑیسہ) اور پراگ جیوتش (آسام) سے اطاعت قبول کروانے کا ذمہ دار دیو پال کا عمزاد جے پال تھا۔ دیو پال کے گرجر حریف کو مہر بھوج (۸۳۶ ۔ ۸۸۵ء) کے مماثل قرار دیا جاسکتا ہے۔ مہر بھوج ہی نے مشرق کی طرف اپنی طاقت بڑھانے کی کوشش کی تھی۔ ابتدا میں اُسے کامیابی نصیب ہوئی، لیکن گوڑ کے راجہ نے اُسے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ ایک تانبے کی تختی جو نالندا سے دریافت ہوئی ہے، نشان دہی کرتی ہے کہ دیو پال نے پانچ گاؤں — چار راج گرہہ

---

[1] کھلیم پور کی تختی کے مطابق دھرم پال کا دورِ حکومت ۳۲ سال رہا۔ اس کے برخلاف تارا ناتھ نے ۶۴ سال متعین کیے ہیں۔ اس لیے ہم اندازاً حقیقت سے قریب قریب نزدیک پہنچنے کے لیے دونوں مدتوں کی درمیانی مدت ۴۸ سال قرار دے سکتے ہیں۔

[2] ملاحظہ کریں مونگھیر کے فرمان کے پندرھویں اشلوک سے ایپی گرافیہ انڈیکا، اٹھارواں، ص ۳۰۴ ۔ ص ۳۰۸

[3] ایضاً، دوم، ص ۱۶۰ ۔ ص ۱۶۷

[4] ملاحظہ کریں نارائن پال کے بھاگلپور والے فرمان سے، انڈین اینٹی کوئریز، پندرھواں، ص ۳۰۵ ۔ ص ۳۱۰

دِشیپکو ضلع) اور ایک گیا دِشیہ میں — بھکشوؤں کے "آرام و آسائش"، "دھرم تنل کی تصنیف، اور بدھ خانقاہ کے مصارف کے لیے وقف کیے تھے۔ یہ خانقاہ سُوزندوپ اور یوبھوی کے راجہ بال پُتر دیو نے تعمیر کرائی تھی۔ ایک رائے یہ ظاہر کی گئی ہے کہ یہ دونوں نام ساترا اور جاوا کے مماثل ہیں۔ اگر یہ درست ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ ہمارے پاس قطعی شہادت اس بات کی موجود ہے کہ پال ریاست مشرق بعید کے ان جزائر سے روابط رکھتی تھی۔[1]

ایک عظیم فاتح ہونے کے علاوہ، دیو پال بدھ مت کا سرپرست بھی تھا اور اس نے مگدھ میں مندر اور خانقاہیں تعمیر کرائیں۔ اس طرح فنِ تعمیر اور دیگر فنون میں تازہ روح پیدا ہو گئی۔ نالندا بدھ علوم و فنون کے مرکز کی حیثیت سے بدستور پھلتا پھولتا رہا۔ دیو پال کے عہدِ حکومت کی حدیں تقریباً ۸۱۵ اور ۸۵۵ء کے درمیان میں قائم کی جا سکتی ہیں۔

نارائن پال

دوسرا قابلِ ذکر حکمران نارائن پال تھا جس نے ۵۴ سال حکومت کی (تقریباً ۸۵۸ — ۹۱۲ء) وہ ہے بیتہ (چیدی) نسل کی راج کماری لجّا کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ بھاگلپور کا کتبہ[2] نشان دہی کرتا ہے کہ اپنے عہدِ حکومت کے سترھویں سال میں اس نے مُدگری (مونگھیر) سے ایک گاؤں تیر بھکتی (ترہٹ) میں شیو کی خانقاہ کے لیے وقف کیا، اور شیو ہی کے اعزاز میں ایک ہزار مندر تعمیر کرائے۔ نارائن پال کے ابتدائی دَور میں مگدھ پالوں کے قبضے میں رہا، لیکن بعض کتبے جن پر مہیندر پال اول کا سنِ جلوس مندرج ہے، ثابت کرتے ہیں کہ بعد میں مگدھ شمالی بنگال کے ساتھ پرتی ہاروں کے قبضے میں چلا گیا۔[3] ان علاقوں پر مہیندر پال کا قبضہ یقیناً اس کی تخت نشینی کے فوراً بعد عمل میں آیا، کیوں کہ اس کے پیشرو مہر بھوج کی فتوحات یا اس کے کتبوں کے مقاماتِ دریافت اس رائے کی تائید نہیں کرتے کہ اُسے

---

[1] ایپی گرافیہ انڈیکا، سترھواں، ص ۳۱۰ — ص ۳۲۷ (ملاحظہ ہو دیو پال دیو کی نالندا والی تانبے کی تختی)

[2] انڈین اینٹی کوئریز، پندرھواں، ص ۳۰۴: ص ۳۱۰

[3] ملاحظہ ہو ہسٹری آف قنوج، ص ۲۴۸، اور ص ۲۵۰

شرقی مُہموں میں کوئی نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ اس طرح جب مگدھ اور شمالی بنگال پرتی ہاروں کے قبضے میں چلا گیا اور مشرقی بنگال چندروں کے قبضے میں تو پالوں کی حکومت مغربی اور جنوبی بنگال تک محدود رہ گئی۔ لیکن نارائن پال کے عہدِ حکومت کے اواخر میں بھوج دوم اور مہی پال دونوں بھائیوں میں آپس میں جنگ چھڑ گئی۔ نارائن پال نے اس سے فائدہ اٹھاکر اُدنڈ پور (موجودہ شہر بہار) پر از سرِ نو قبضہ کرلیا۔ ۹۱۶-۹۱۷ء میں راشٹرکوٹ اندر سوم کے حملے کے باعث پرتی ہاروں نے جب ایک اور جھٹکا اٹھایا تو راجیہ پال (تقریباً ۹۱۲-۹۳۶ء) نے دریائے سون سے مشرق کی طرف کے تمام آبائی مقبوضات پھر حاصل کرلیے۔

مہی پال اوّل

وِگرہ پال دوم کا لڑکا مہی پال اس خاندان کا ایک اور طاقت ور حکمراں تھا۔ اس کے کتبوں کے مقاماتِ دریافت سے ظاہر ہوتا ہے کہ پال خاندان کی حکومت کا ایک بار [illegible] ہوا۔ اس کی ریاست میں پٹنہ، گیا اور ٹپرا شامل تھے؛ نیز دِناج پور اور مظفر پور جیسے مقامات بھی شامل تھے جو ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر واقع تھے۔ گوپال دوم کے عہدِ حکومت کے تقریباً اواخر میں کمبوج خاندان کے ایک "گوڑ راجہ" نے (جو اصلاً منگول تھا) شمالی بنگال اس سے چھین لیا تھا۔[۱] مہی پال اوّل نے اُسے پھر فتح کرلیا۔ کمبوج خاندان کے اس غاصب حکمراں نے، جس کا نام معلوم نہیں، بن گڑ (ضلع دیناج پور) میں شیو کا ایک مندر بنوایا۔ مہی پال کے ایک کتبے سے ہمیں وکرم سموت یعنی ۱۰۸۳ (وکرمی) مطابق ۱۰۲۶ء حاصل ہوا ہے، اور یہ سَن پال خاندان کی سلسلہ وار تاریخ کی ایک اہم کڑی ہے۔[۲] یہ کتبہ سارناتھ میں دریافت ہوا ہے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکالنا چاہیے کہ یہ علاقہ پال ریاست میں شامل تھا۔ اس کے ذریعے سے صرف گندھ کُٹی کی تعمیر کو، نیز دَھرم راجک استوپ اور دھرم چکر کی مرمت کو ضبطِ تحریر میں لایا گیا ہے۔ مرمت کا کام مہی پال نے دو بھائیوں استھر پال اور وسنت پال کے ذریعے مکمل کروایا۔ یہ سب خالص مذہبی کام تھے، کوئی سیاسی اہمیت ان کی نہیں تھی۔ ادبی تصانیف میں کرناٹوں سے مہی پال کی لڑائیوں اور

---

[۲] سارناتھ کا پتھر کا کتبہ، انڈین اینٹی کوئریز، جز ھواں (۱۸۸۵)، صـ۱۳۹، صـ۱۴۰: نیز ملاحظہ ہو جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۹۰۶، صـ۴۴۵، صـ۴۴۷: گوڑ لیکھ مالا، صـ۱۰۴، صـ۱۰۹

تیرہُھکتی (ترہُت) کے اس کے ہاتھ سے نکل جانے کی طرف جو اشارے ملتے ہیں وہ بہت مبہم ہیں۔ تیرہُھکتی میں ۱۰۷۶ وکرمی مطابق ۱۰۱۹ء گانگیہ دیو حکومت کر رہا تھا جسے اسی کے ہم نام کلاچوری گانگیہ دیو کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔[1] مہی پال کے عہد حکومت کا سب سے اہم واقعہ یہ تھا کہ ۱۰۲۱ اور ۱۰۲۵ء کے درمیان کسی سال میں راجیندر چول نے شمال کی طرف سے حملہ کیا۔[2] کہتے ہیں کہ وہ اڑیسہ، جنوبی کوشل، دنڈ بھکتی (بلسور اور مدنا پور کے اضلاع) سے گزرتا ہوا آگے بڑھا اور تکن لاڈم نیز رن شور (جنوبی رادھا، اوڑہ اور ہگلی کے اضلاع) اور ونگال دیش شرقی بنگال) میں گووند چندر وغیرہ مقامات فتح کر لیے۔ اس کے بعد حملہ آور نے شمال کا رخ کیا اور مہی پال سے ٹکرلی جسے اس نے شکست دے دی۔ بہرحال، پال راجہ اس میں کامیاب ہوگیا کہ اس نے فاتح کو گنگا سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ اگر یہ بات درست ہے کہ مشرقی اور مغربی بنگال کی ریاستیں الگ الگ تھیں، جس کی تائید ترم نے (شمالی ارکاٹ کا ضلع) کے چٹانی کتبہ سے ہوتی ہے تو یہ بات بھی طے ہے کہ مہی پال کے دور حکومت کے اواخر میں اس کے علاقوں میں ضرور کمی واقع ہو گئی تھی۔

نیہ پال

مہی پال کے بعد اس کا لڑکا نیہ پال گدی پر بیٹھا جس کا عہد خاص کر اس لیے یادگار ہے کہ اس کے جلوس کے پندرھویں سال میں وشو روپ نے، جو گیا میں اس کا گورنر تھا، گدادھر کا مشہور و معروف مندر اور دوسری چھوٹی چھوٹی خانقاہیں تعمیر کرائیں۔[3] تبتی ماخذ سے پتہ چلتا ہے کہ نیہ پال نے لکشمی کرن (تقریباً ۱۰۴۱ - ۱۰۷۲ء) سے اسی دوران میں جنگ کی۔ جنگ میں کبھی ایک کا پلّہ بھاری ہوا کبھی دوسرے کا۔ لیکن جب مغرب کے کرنیہ کے سپاہی مولی گاجر کی طرح کٹنے لگے تو نامور بھکشو دیپ انکر شری گیان یا اتیشن نے جو اس وقت مہابودھی وِہار میں رہتے تھے، اپنی جان کے خطرے سے بے نیاز ہو کر مداخلت کی اور فریقین

---

[1] ڈائنسٹک ہسٹری آف نادرن انڈیا، جلد اول، ص ۳۶۷

[2] ایضاً ص ۳۱۸ - ص ۳۲۲

[3] میموائرس آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، جلد پانچ، نمبر ۳، ص ۵۹ - ص ۹۱

میں صلح کرادی۔ اگرچہ اس لڑائی میں فتح کسی کی نہیں ہوئی تھی، لیکن تعجب ہے کہ چیدی دستاویزات میں بڑے فخریہ انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ گوڑ کے راجہ نے کرن کی اطاعت قبول کرلی۔

نیہ پال کے جانشین

اس کے برخلاف ایسے اشارے بھی ملتے ہیں کہ نیہ پال کے بیٹے وِگرہ پال سوم نے کرن کو شکست دی اور غالباً جب جنگ ختم ہوگئی اور دوستانہ تعلقات بحال ہوگئے تو وِگرہ پال نے کرن کی لڑکی یَوون شری کے ساتھ شادی کرلی۔ لیکن بہت جلد پال راجہ پر ایک اور مصیبت نازل ہوگئی۔ کہتے ہیں کہ سومیشور اول چالوکیہ (تقریباً ۱۰۴۲ – ۱۰۶۸ء) کے بیٹے وِکرمادتیہ نے اپنے شمالی حملوں کے دوران گوڑ اور کام روپ کے راجاؤں کو زیر کرلیا[ؔ1] وِگرہ پال کی موت کے بعد پھر گڑبڑ کا زمانہ آگیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وِگرہ پال کے تینوں بیٹوں میں آپس میں رقابت تھی اور تینوں میں ہر ایک اپنے لیے گدی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ ہر ایک نے باری باری گدی حاصل کی۔ اِدھر یہ آپس میں لڑرہے تھے اور اُدھر مشرقی بنگال اور پال علاقوں میں درمن اپنی طاقت بڑھا رہے تھے۔ یہ علاقے خود ہی گھٹ کر بہار اور شمالی بنگال کے کچھ حصوں تک محدود رہ گئے تھے، بلکہ اس سے بھی کم رہ گئے تھے۔ واریندر میں کیورت نامی ایک دیسی قبیلے کے سردار نے جس کا نام دِوّیہ یا دِوّوک تھا، بغاوت کردی۔ اسے فرو کرنے کی کوشش میں مہی پال مارا گیا۔ اس طرح یہ باغی سردار شمالی بنگال میں ایک خودمختار ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

رام پال

اپنے سوتیلے بھائی سورپال کے مختصر دور کے بعد رام پال گدی پر بیٹھا۔ اس نے اپنے آپ کو بہت نازک حالات سے دوچار پایا۔ کیورتوں کے خطرے کے علاوہ اسے سرکش جاگیرداروں کا مقابلہ کرنا پڑا جو پال راجاؤں کی ناکامیوں سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ سندھیاکرنندی[2]

---

[1] ملاحظہ ہو گذشتہ صفحات ۔ [2] اینچ پی۔ شاستری، میموائرس آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، جلد ۳، نمبر ۱

کی ۱۳ چرت کے مطابق رام پال بذات خود ان کے پاس گیا اور عالی ظرفی سے کام لے کر بڑی چابکدستی کے ساتھ ان پر قابو پایا۔ ان جاگیرداروں نیز اپنے ماموں راشٹر کوٹ متھن کی مدد سے اس نے کیورتوں پر چڑھائی کر دی۔ اس کے سپہ سالار شیورانج نے اول قراول دستہ کے ذریعے جائزہ لیا اور اس کے بعد پال فوجوں نے گنگا پار کر لی اور کیورتوں کے سردار بھیم کو جو اپنے باپ دِوّوُک کا جانشین تھا، شکست دے دی اور اُسے قید کر لیا۔ قیدی کو بعدازاں قتل کروا دیا گیا اور رام پال نے شمالی بنگال میں اپنے آبائی علاقے پھر سے حاصل کر لیے۔ اس کامیابی نے اس کے حوصلے بڑھا دیے اور اس کے بعد ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کلنگ اور کام روپ کو بھی تاخت و تاراج کیا۔ مشرقی بنگال کے یادو ورمن نے بھی اس کے حفظ و امان میں آنے کی کوشش کی۔

خاندان کا خاتمہ

پال خاندان کے اقتدار کا یہ احیا بہرحال عارضی ثابت ہوا۔ تقریباً ۴۵ سال حکومت کرنے کے بعد رام پال فوت ہو گیا اور اس کے ساتھ خاندان کی طاقت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اس کے بیٹے کمار پال کے زمانے میں کام روپ میں بغاوت ہو گئی۔ اس بغاوت پر کمار پال کے وزیر دیدیہ دیو نے قابو تو پا لیا لیکن وہ خود اس کے بعد فی الواقع خود مختار ہو گیا۔ کمار پال کے جانشین سب اسی کی طرح کمزور تھے اور وہ خاندان کے تنزل کی رفتار کو روکنے میں ناکام رہے۔ تمام جاگیردار رفتہ رفتہ زور پکڑ گئے۔ شمالی بنگال میں وجے سین نے اپنا سکہ جما لیا اور مدن پال کو معزول کر دیا۔ پال خاندان کی ریاست بہار کے کچھ حصوں پر محدود رہ گئی، اور وہاں بھی کچھ عرصہ ان کی حالت ڈانواڈول رہی۔ پھر اُسے مشرق میں سینوں نے اور مغرب میں گہڑ والوں نے گھیر لیا۔ آخری پال حکمراں کی ایک جھلک ہمیں ایک کتبے میں دکھائی دیتی ہے جس پر ۱۲۳۲ وکرمی مطابق ۱۱۷۵ء مندرج ہے۔ یہ کتبہ گووند پال کے جلوس کے چودھویں سال کا ہے، لیکن گووند پال کے بارے میں ہمیں اس سے زیادہ کچھ نہیں معلوم ہے۔[1]

پال خاندان کے کارنامے

چناں چہ کافی نشیب و فراز کے ساتھ ۴۰۰ سال سے زائد عرصے بہار و بنگال پر حکومت کرنے کے بعد پال خاندان تاریخ

---

[1] جرنل آف بہار اینڈ اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی، دسمبر ۱۹۲۸، ص ۵۳۲

کے اسٹیج سے غائب ہو گیا۔ تاریخ کے عالم اب تک ان کی راجدھانی کا پورے یقین کے ساتھ تعین کرنے میں ناکام رہے ہیں، لیکن قیاس ہے کہ مُدگری (مونگھیر) ان کی راجدھانی تھی کیوں کہ پال راجاؤں نے کئی فرمان وہیں سے جاری کیے۔ خاندان کے سب سے زیادہ طاقت ور افراد دھرم پال اور دیو پال تھے۔ براہِ راست ان کے تصرف میں جو علاقے تھے وہ تو تھے ہی، لیکن ان کے اثرات اور سرگرمیوں کا حلقہ وسیع تر تھا۔ پال خاندان کے راجہ علوم و فنون کے بڑے سرپرست تھے۔ وِنسینٹ اسمتھ نے دو فنکاروں کے ناموں کا ذکر کیا ہے — دِھمان اور اس کا لڑکا وِت پال — جنھوں نے "مصوری، مجسمہ سازی اور کانسہ ڈھالنے کے فن میں بڑی مہارت حاصل کرلی تھی اور ان فنون میں بڑا نام پیدا کرلیا تھا"[1] بدقسمتی سے اس زمانے کی کوئی عمارت آج باقی نہیں ہے لیکن ان کے عہد میں جو بے شمار تالاب اور نہریں بنوائی گئی تھیں وہ شہادت دیتی ہیں کہ پال خاندان کے راجہ رفاہِ عام کے کاموں سے کس قدر دلچسپی رکھتے تھے۔ وہ بدھ مت کے سچے پیرو تھے۔ ان کے عہد میں بدھ مت میں تنتری طرز کی جدتیں پیدا ہوگئیں اور ان کی سرپرستی نے مذہب میں تازہ روح پھونک دی۔ انھوں نے بدھ مذہب کے لیے فیاضی کے ساتھ خانقاہیں وقف کیں جو اس وقت علم و فن اور مذہب کی توسیع و ترقی کا بہترین ذریعہ ثابت ہوئیں۔ کہتے ہیں مشہور بھکشو اَتیشا بدھ مذہب کی تبلیغ کے لیے گیارھویں صدی کے وسط میں تبت گیا۔ پال خاندان کے راجہ ہندو دھرم کے بھی مخالف نہیں تھے۔ وہ برہمنوں کو بھی کھلے عام دان دیتے تھے اور انھوں نے ہندو دیوتاؤں کے اعزاز میں مندر تعمیر کرائے۔

فصل (۳)

سینؔ خاندان

اصل

سین جنھوں نے بنگال میں پالوں کی طاقت کا خاتمہ کردیا، غالباً جنوبی اصل رکھتے تھے۔ بعض

---

[1] ارلی ھسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن، صفحہ ۴۱۴

[2] جی۔ ایم سرکار، "ارلی ھسٹری آف بنگال" (سین عہد) جرنل ڈپارٹمنٹ آف لیٹرس، مولھالی (۱۹۲۴) صفحہ ۸۲

عالموں کی رائے ہے کہ سومیشور اول (تقریباً ۱۰۴۲ - ۱۰۶۸ ء) کے بیٹے وکرمادتیہ چالوکیہ کی شمالی مشرقی مہم کے بعد جو گڑبڑی پھیلی اس کے نتیجے میں سینوں نے رادھا (مغربی بنگال) میں اپنی ایک چھوٹی سی ریاست علیٰحدہ قائم کر لی۔[1] خاندان کے بانی سامنت سین کو ویرسین کی اولاد میں بتایا گیا ہے جو "چندر ونش" میں پیدا ہوا تھا۔ سامنت سین کو "کرناٹ کشتریوں (یا برہم کشتریوں) کا سرتاج" بھی کہا گیا ہے۔ اس اصطلاح کا مطلب شاید یہ ہے کہ سین خاندان والے پہلے برہمن تھے لیکن بعد میں انھوں نے فوجی پیشہ اختیار کر لیا اور چھتری کہلانے لگے۔

وجے سین

سامنت سین کے پوتے وجے سین نے ۶۲ سال سے کچھ زیادہ حکومت کی (تقریباً ۱۰۹۵ - ۱۱۵۸ ء) اور اس عرصے میں خاندان کے نام کو چار چاند لگا دیے۔ اس نے فن جنگ میں ممتاز مقام حاصل کیا اور بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ کہتے ہیں کہ اس نے گوڑ کے راجہ پر "بڑی تیزی سے حملہ کیا"۔ گوڑ کے راجہ کو عام طور پر مدن پال کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔ وجے سین نے پالوں کو شمالی بنگال سے بے دخل کر دیا تھا۔ یہ بات اس کتبے سے ثابت ہوتی ہے جو راج شاہی ضلع میں دیوپاڑا کے مقام پر دریافت ہوا ہے۔[2] نیز اس تختی سے بھی ثابت ہے جو بارک پور سے ملی ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ اس نے پونڈر وردھن بھکتی میں ایک گاؤں دان کیا تھا۔[3] چوں کہ یہ فرمان وکرم پور سے اس کے جلوس کے باسٹھویں سال میں جاری ہوا اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ حکومت کے آخری دنوں میں مشرقی بنگال بھی وجے سین کے تصرف میں آ گیا تھا۔ ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کسی زمانے میں اس کا بیڑا مغربی علاقوں کی کھیل کھیل میں فتح کے لیے دریائے گنگا کے بہاؤ پر ادھر سے اُدھر تک تیرا کرتا تھا۔[4] اس نے اپنے بہت سے معاصرین کو شکست دی جن میں ترہٹ کا نانیہ دیو اور کام روپ

---

[1] ملاحظہ ہو ڈائنیسٹک ہسٹری آف نارتھ انڈیا، جلد اول، ص ۳۳۱، ص ۳۵۶

[2] ایپی گرافیہ انڈیکا، اول، ص ۳۰۵، ص ۳۱۵

[3] ایضاً، پندرھواں، ص ۲۷۸ - ص ۲۸۶

[4] ایضاً، اول، ص ۳۰۹، ص ۳۱۰، ص ۳۱۱

اور کلنگ کے راجہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں[1]۔ قیاس ہے کہ آخرالذکر، کامارنو (تقریباً ۱۱۴۷-۱۱۵۶ء) یا راگھو (تقریباً ۱۱۵۶-۱۱۷۰ء) کے مماثل ہے، کیوں کہ ہمارے پاس اس کی تھوڑی بہت شہادت موجود ہے کہ اُن کا باپ اننت ورمن چوڑ گنگا (تقریباً ۱۰۷۷-۱۱۴۷ء) وجے سین سے دوستانہ تعلقات رکھتا تھا۔ وجے سین شیومت کا سچا پیرو تھا اور فیاضی کے ساتھ شرو تریوں کی سرپرستی کرتا تھا۔ اس نے ایک مصنوعی جھیل کھدوائی اور دیو پاڑا میں ایک عالی شان مندر پردیومنیشور شیو کے اعزاز میں تعمیر کرایا۔

ولال سین

وجے سین کا جانشین اس کا بیٹا ولال سین ہوا جس کی ماں ولاس دیوی تھی جو مغربی بنگال کے شور خاندان کی راجکماری تھی۔ اس نے اپنی ریاست کو جیوں کا تیوں برقرار رکھا لیکن خود کوئی قابلِ ذکر فتوحات حاصل نہیں کر سکا۔ روایات بتاتی ہیں کہ اس نے بنگال میں "کلین" رسوم کا اجرا کیا اور ذاتوں کی ازسرِنو ترتیب کی۔ اس کی ان سماجی اصلاحات کی تائید بہرحال لوحی شواہد سے نہیں ہوتی۔ باپ کی طرح ولال سین شیومت کا پیرو تھا۔ دو مشہور تصانیف — دان ساگر اور ادبھت ساگر اس سے یادگار ہیں جو اس نے اپنے گرو کی رہنمائی میں تصنیف کیں۔

لکشمن سین

لکشمن سین یا رلنے لکھمنیا، خاندان کا آخری اہم رکن تھا۔ اُسے بہت سی فتوحات نصیب ہوئیں۔ بہت ممکن ہے کہ اس نے اپنے ابتدائی دَور میں کام روپ اور کلنگ کے پڑوسی علاقوں کو تاخت وتاراج کیا ہو۔ لیکن اس کے دوسرے فوجی کارنامے اور بنارس اور الٰہ آباد میں[2] اس کے "ستونِ فتح مندی" نصب کرنے کی روایتیں محض ڈینگیں ہیں اور حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان دونوں شہروں پر گاہڑوالوں کا قبضہ تھا اور یہ بات بالکل خلافِ

---

[1] ایپی گرافیہ انڈیکا، اول ص۳۰۹-ص۳۱۰، ص۳۱۴ (دیوپاڑا کا چٹر کا کتبہ)

[2] موازنہ کریں کیشو سین کے بیکر گنج والے کتبے سے، جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، نیو سیریز، ایشیاٹک سوسائٹی، دسواں (۱۹۱۴)، ص۱۰۱؛ مدھیانگر کا فرمان، ایضاً، نیو سیریز ایشیاٹک سوسائٹی، پانچواں (۱۹۰۹)، ص۴۷۳، ص۴۷۶، اشلوک ۱۔

قیاس ہے کہ لکشمن سین نے ان شہروں کو بے چندر جیسے طاقت ور حکمراں سے، جس کی ریاست مشرق میں کم از کم گیا تک پھیلی ہوئی تھی، چھین لیا ہو۔ اس کے علاوہ اگر مسلم مورخین کا اعتبار کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ لکشمن سین انتہائی بزدل آدمی تھا۔ ان کے بیانات ہمیں پتہ دیتے ہیں کہ محمد بختیار خلجی کی آمد کی خبر سن کر لکشمن سین اپنے محل کے چور دروازے سے نکل کر بھاگ گیا اور تھوڑی بہت مقاومت بھی نہ کر سکا۔ محمد بختیار خلجی غالباً ۱۱۹۷ء میں بہار فتح کرنے اور "سر منڈے برہمنوں" (بدھ بھکشوؤں) کا قتل عام کرنے کے بعد، ایک قلیل فوج کے ساتھ ۱۱۹۹ء کے اواخر میں ندیا کی طرف بڑھ گیا۔ لکشمن سین کی حکومت ظاہر ہے بالکل ہی از کار رفتہ ہو چکی تھی، ورنہ بختیار کی مجال نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ دارالسلطنت تک پہنچ جائے اور کل اٹھارہ سو سواروں کی مدد سے اچانک اس پر قبضہ کر لے۔[۱] لکشمن سین پھر گنگا پار کر کے مشرقی بنگال کی طرف نکل گیا، جہاں اس نے تقریباً ۱۲۰۶ء تک حکومت کی۔ منہاج الدین کا بیان ہے کہ اس کا دورِ حکومت ۸۰ سال رہا لیکن یہ بات یقیناً غلط ہے۔ بڑے مضبوط شواہد ہمارے پاس اس کے موجود ہیں کہ لکشمن سین کی تخت نشینی ۱۱۸۰ء میں ہوئی تھی۔[۲] اس کے انتقال کے بعد سین خاندان کی حکومت مشرقی بنگال (بنگ) میں تقریباً نصف صدی اور رہی اور اس کے بعد وہ بھی مسلمانوں کے قبضے میں چلا گیا۔

بہت سے قدیم راجاؤں کی طرح لکشمن سین نے ادب لطیف کی ہمت افزائی کی۔ ان ادبی ہستیوں میں جو اس کے دربار کی رونق تھے، دھوئیک جس نے پَوَنَ دُوتَ تصنیف کی اور گیت گووِند کا نامور مصنف جے دیو خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ لکشمن سین خود بھی تھوڑا بہت شاعر تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے اپنے باپ کی شروع کی ہوئی اَدبھوت ساگر کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

---

۱ اس تعداد کی صحت سے قطع نظر، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ بختیار نے سینوں کی راجدھانی پر ست قلیل فوج کے ساتھ حملہ کیا۔ ۱۱۱۹ء والے سمبت کا بانی لکشمن سین نہیں تھا۔ اس کے نام سے یہ سمبت بعد میں منسوب کر دیا گیا۔ نیز ملاحظہ ہو "لکشمن سین کا سمبت" سر آشوتوش مکرجی سلور جوبلی والیوم، جلد ۳، اورینٹیلیا، ص۱۔ ص۵

فصل (۴)

کلنگ اور اُوڈر[1]

وسعت

کلنگ کے حدود ہمیشہ گھٹتے بڑھتے رہے ہیں۔ اندازاً کلنگ گوداوری اور مہاندی کے درمیان والے ساحلی علاقے سے مطابقت رکھتا تھا۔ اکثر اسے اوڈر سے علیٰحدہ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن ایسے اشارے موجود ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ وسیع معنوں میں قریب قریب تمام موجودہ اڑیسہ کے صوبے کا نام کلنگ تھا۔

ناکافی معلومات

زیرِ غور دور میں ہندوستان کے اس حصۂ ملک کی تاریخ انتہائی تاریکی میں ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اس وقت کوئی مضبوط مرکزی طاقت موجود نہیں تھی اور دوسری یہ تھی کہ سلسلہ وار تاریخ کی ترتیب غیر یقینی ہے۔ کلنگ اور اوڈر پر جن خاندانوں نے مختلف نشیب و فراز کے ساتھ حکومت کی ان میں بھونیشور کے کیشریٹی اور کلنگ نگر (ضلع گنجم میں کلنگ پٹن یا مکھ لنگم؟) کے مشرقی گنگ سب سے اہم تھے۔

کیشریوں کے فنی کارنامے

بدقسمتی سے کیشریوں کے مستند سیاسی حالات ہمیں زیادہ نہیں معلوم۔ وہ شیومت کے سچے پیرو تھے۔ بھونیشور میں بہت سے عالی شان مندر تعمیر کرکے انھوں نے اپنے عہد کو زندہ جاوید بنادیا۔[2] انسانی، حیوانی اور نباتی زندگی کے نقش ونگار کی افراط ان مندروں کی

---

[1] آر ڈی. بنرجی. ہسٹری آف اڑیسہ؛ بی. سی. مزمدار. اڑیسہ ان دی میکنگ ڈبلیو. ڈبلیو. ہنٹر. اڑیسہ (لندن ۱۸۷۲) ایچ. سی. رے ڈائنسٹک ہسٹری آف نارتھ انڈیا، اول، باب ساتواں، ص۳۹۱، ۴۶۸

[2] ان کا نشان شیر تھا۔

امتیازی خصوصیت ہے" لنگ راج کا عظیم الشان مندر (تقریباً گیارھویں صدی) جو فی الحقیقت سنگتراشی اور نقاشی کا ایک نادر شاہ کار ہے، آج بھی ان کی شان وشوکت کی یاد تازہ کر رہا ہے دنیا میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔[1] اس کا مینار اونچا اور لوکدار ہے، جس کے پہلو چوٹی کو چھوڑ کر، اوپر سے نیچے تک عمودی ہیں بیش دہلیز کی مخروطی چھت قدیم مندروں کے مقابلے میں زیادہ اونچی ہے۔ لیکن ستون آج بھی غائب ہیں۔ اس مقام پر یہ کہنا غالباً بے محل نہ ہوگا کہ اڑیسہ کا طرزِ تعمیر کچھ امتیازی خصوصیات کا حامل ہے۔ ہر مندر میں ایک وِمان (مینار والا مٹھ)، جگ موہن (دیوانِ عام)، نٹ منڈپ (ناچ گھر)، اور بھوگ منڈپ (رسوئی) ضرور ہوتے تھے۔ آخر الذکر دو کا اضافہ بعد کی بات ہے۔ بہرحال اونچا کلس (شکھر) اور منبت کاری کی افراط اڑیسہ کے مندروں کی نمایاں خصوصیت ہے۔

مشرقی گنگ[2]

مشرقی گنگوں نے کلنگ میں اپنی حکومت آٹھویں صدی عیسوی کے اوائل میں قائم کی، اصلاً وہ کولاہل (کولر) سے تعلق رکھتے تھے اور اس طرح میسور کے گنگوں کی ایک شاخ تھے قدیم گنگوں کے متعلق ہمیں مشکل ہی سے کوئی بات معلوم ہے جن کے زمانے میں کلنگ نے بیرونی حملوں کے کئی جھٹکے برداشت کئے۔ مثال کے طور پر آٹھویں صدی کے وسط میں آسام کے شری ہرش نے کلنگ اور اوڈر کو فتح کیا؛ اور نویں صدی میں مشرقی چالوکیہ راجہ وجے آدتیہ (۸۴۴ - ۸۸۸ء) نے اسے تاخت وتاراج کیا۔ بہرحال گیارھویں صدی کے ربع آخر کے قریب آننت ورمن چوڑ گنگا کے عہد حکومت میں گنگ خاندان معراج کمال پر پہنچ گیا۔ آننت ورمن کا نام چوڑ گنگا اس لیے پڑا کہ وہ راجہ راج کی چول بیوی راج سندری کے بطن سے پیدا ہوا تھا جو راجیندر چوڑ کی بیٹی تھی۔ چوڑ گنگا نے ۷۰ سال حکومت کی۔ اس کے دورِ حکومت کی صدیں جو معلوم ہیں ۹۹۹ - ۱۰۶۹ شک سمبت مطابق ۱۰۷۷-۱۱۴۷ء

---

[1] ملاحظہ ہو آر۔ایل۔ مترا دی اینٹی کوئیٹیز آف اڑیسہ؛ ایم۔ایم۔ گنگولی اڑیسہ اینڈ ھر ریمینس۔

[2] ملاحظہ ہو ایم۔ایم۔ چکرورتی، "اڑیسہ کے مشرقی گنگ راجاؤں کی سلسلہ وار تاریخ" جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ۱۹۰۳، ۲، صفحہ ۹۵ سے ۱۴۰

ہیں۔ روایات پوری کے مشہور مندر کی تعمیر اسی سے منسوب کرتی ہیں۔ اس نے اپنی ریاست کی حدود میں بھی کافی اضافہ کیا۔ اس نے اُتکل کے راجہ کو شکست دی، اور "گوداوری اور گنگا کے تمام علاقے سے خراج وصول کیا" آننت ورمن کا وینگی کے حکمراں سے بھی تصادم ہوا، لیکن وہ سین خاندان کے معاصر وجے سین کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتا تھا۔[1] اس کے باوجود وجے سین نے اپنے حلیف کے لڑکے کامدنو یا راگھو کے عہد میں کلنگ پر حملہ کر دیا۔ اس کے بعد لکشمن سین نے اُسے لوٹا کھسوٹا۔ تیرھویں صدی کے اوائل میں مسلمانوں نے شرقی گنگوں کو پریشان کرنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں کی تباہ کاریوں کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ "جاج نگر" یا اڑیسہ آخر کار سولھویں صدی میں مسلمانوں کے قبضے میں چلا گیا۔

فصل (۵)

تری پوری کے کل چوری

ان کا سلسلۂ نسب

کہتے ہیں کہ کل چوری یا کٹ چوری کارت ویریہ آرجن کی اولاد تھے۔ اس طرح وہ عظیم ھَیَہ نسل کی ایک شاخ تھے جو رزمیہ نظموں اور پرانوں کی روایات کے مطابق وادیٔ نرمدا میں حکومت کرتی تھی اور ماہشمتی یا مان دھاتا ان کی راجدھانی تھی۔

کوکلّ اوّل

کل چوریوں[2] نے کوکلّ اوّل کے عہد میں شہرت حاصل کی۔ اس نے ڈہال، یعنی

---

[1] اگر رام پال کی اس سیمی میں کوئی اصلیت ہے تو چوڑ گنگا نے یقیناً اس کا لوہا مانا۔

[2] بعض مقامات پر انھیں چیدی کہا گیا ہے کیوں کہ ان کی حکومت چیدی دیس میں تھی۔ چیدی خاندان کی تاریخ کے لیے ملاحظہ ہو ہیرالال کی "تری پوری کے کل چوری"، اینلس آف دی بھنڈارکر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۲۷، ص ۲۸۰-۲۹۵؛ آر۔ ڈی۔ بنرجی "تری پوری کے ھَیَہ اور ان کے آثار قدیمہ"، میموائرس آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا، نیشنل (۱۹۳۱)؛ راجندر سنگھ "تری پوری کا انہاس" (ہندی)؛ ایچ۔ سی۔ رے، ڈائنیسٹک ہسٹری آف نادرن انڈیا، دوسرا، بارھواں باب، ص ۷۳۵-۸۴۰۔

علاقہ جبل پور میں تری پُوری (موجودہ تیوار) کے مقام پر ایک ریاست کی بنیاد ڈالی۔ نویں صدی کے آخری دہوں میں اور دسویں صدی کے اوائل میں اس کی حکومت پورے عروج پر تھی۔ اس کے ازدواجی رشتوں اور سیاسی سرگرمیوں نے خاندان کی عظمت کو دوبالا کر دیا۔ اس نے نٹا دیوی نامی ایک چندیل راجکماری سے شادی کی،[1] اور اپنی لڑکی کو کرشن دوم (تقریباً ۸۷۵ - ۹۱۱ء) کے ساتھ بیاہ دیا۔ کتبوں[2] سے ہمیں مزید معلوم ہوتا ہے کہ کوکل اول کے راشٹر کوٹ داماد اور غالباً وینگی کے چالوکیہ حکمراں وجے آدتیہ سوم کے درمیان لڑائی چھڑی تو کوکل نے اپنے داماد کی حمایت کی اور اُسے مدد پہنچائی۔[3] اسی طرح جب اس کے سوتیلے بھائی مہی پال اور راجہ بھوج کے درمیان، جسے بھوج دوم کے مماثل قرار دیا گیا ہے، پرتی ہار تخت کے لیے جھگڑا ہوا تو اس نے راجہ بھوج کی حمایت کی۔[4] کوکل کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس نے "تمام روئے زمین کو فتح کر لیا تھا" اور اپنے بہت سے معاصر راجاؤں کے خزانوں کو لوٹ لیا تھا لیکن اس قسم کی شیخیوں کا کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

گانگیہ دیو

کوکل اول کے ورثا میں گانگیہ دیو تک ہمیں کوئی اہم بات نہیں ملتی۔ گانگیہ دیو کی تاریخیں ۱۰۱۹ سے ۱۰۴۱ء تک کوئی بھی ہو سکتی ہیں۔ اس نے "وکرمادتیہ" کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ ایک چندیل کتبے میں جو مہوبا سے دریافت ہوا ہے، اسے "فاتح عالم" کہا گیا ہے[5] حالاں کہ یہ مبالغہ ہے لیکن اس خیال کے لیے کافی گنجائش ہے کہ اس نے کیر دلیس یا وادی کانگڑہ تک تمام شمالی ہندوستان کو تاخت و تاراج کیا اور پرتی ہاروں کے زوال کے بعد پریاگ (الٰہ آباد) اور وارانسی (بنارس) کو اپنی ریاست میں شامل کر لیا۔ تاریخ السبکتگین کا مصنف البیہقی

---

[1] بلہری کے کتبے سے موازنہ کریں۔ ایپی گرافیہ انڈکا، اول، ص۲۵۶، ص۲۶۴، اشلوک ۱۷؛ بنارس کی تانبے کی تختی، ازان، ایضاً، دوم، ص۳۰۰، ص۳۰۶، اشلوک ۔

[2] میوائرس آف آرکیولاجیکل سروے آف انڈیا، نمبر ۲۳ - (۱۹۳۶)، ص۸

[3] ہسٹری آف قنوج، ص۲۵۵، ص۲۵۶

[4] ایپی گرافیہ انڈکا، اول، ص۲۹۰، ص۲۳۲، سطر ۱۷

وضاحت کے ساتھ تائید کرتا ہے کہ جس وقت پنجاب کے گورنر احمد نیالتگین نے مسعود اول (تقریباً ۱۰۳۱ - ۱۰۴۰ء) کے زمانے میں ۴۲۴ھ مطابق ۱۰۳۳ء میں حملہ کیا تو بنارس گنگ (گانگیہ) کے قبضے میں تھا[1] مزید برآں، سنسکرت زبان میں رامائین کے ایک نیپالی نسخے کے تحرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ گانگیہ نے ۱۰۷۶ وکرمی مطابق ۱۰۱۹ء سے کچھ پہلے تیر بھکتی (ترہُت) پر قبضہ کر لیا تھا[2] ایک اور کتبے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اُتکل (اڑیسہ) اور کنتل (کناڑی علاقہ) کو بھی تسخیر کر لیا تھا[3] جب بھوج پرمار کی طاقت کو عروج ہوا اور بھوج نے گانگیہ دیو پر فتح پائی تو گانگیہ دیو کی حکومت گہن میں آگئی۔

لکشمی کرن

گانگیہ دیو کا فرزند و جانشین، لکشمی کرن یا کرن، کل چوری حکمرانوں میں سب سے زیادہ با اثر اور طاقت ور راجہ تھا۔ اس کے طویل دورِ حکومت میں (۱۰۴۱ - ۱۰۷۲ء) شمالی ہند پر زیادہ تر اسی کا اقتدار رہا، اور اس نے اپنے حدودِ سلطنت کو کافی وسعت دے دی۔ اس کی حکومت بنارس میں تسلیم کی جاتی تھی جہاں اس نے شیو کا عالی شان مندر تعمیر کرایا جسے کرن میرُو کہتے تھے[4] ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی فوجیں شمال و مغرب میں کافی دور کیردیس (کانگڑا) تک بھی پہنچ گئی تھیں۔ چناں چہ کرن نے اپنے باپ کی طرح یقیناً شمال میں خوب غارت گری کی اور شمال کی پرتی ہار ریاست میں جو منتشر ہو چکی تھی، اپنا اثر قائم کیا۔ یہ بات اہم ہے کہ بسہی کی تختی میں گاہڑ والوں کے عروج سے پہلے "دھرتی کے دکھ" کے سلسلے میں بھوج کے ساتھ اس کا نام بھی مندرج ہے[5] کرن نے اپنے چندیل معاصر کو بھی شکست دی جسے وجے پال

---

[1] ایلیٹ، ہسٹری آف انڈیا، دوسرا، ص۱۲۳، ص۱۳۳

[2] ڈائنسٹک ہسٹری نارتھ انڈیا، جلد ۲، ص۷۴۴

[3] موازنہ کریں گوہرواکی تختیوں سے، ایپی گرافیہ انڈیکا، گیارھواں، ص۱۴۳، اشلوک ۱۰

[4] ایپی گرافیہ انڈیکا، دوسرا، ص۳، ص۵، اشلوک ۱۲۔ کرن نے تعلی پہی کے قریب اپنی راجدھانی کرن وتی بنائی (موجودہ کرن بیل)

[5] انڈین اینٹی کوئریز، اٹھارھواں، ص۲۱۶، سطر ۱۱

[6] ایضاً، چودھواں، ص۱۴۳، سطر ۳

یا دیو ورمن کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔ مشرق میں کل چوری حکمراں نے نیہ پال اور اس کے لڑکے وگرہ پال سوم سے جنگ کی لیکن اس مقابلے میں معلوم ہوتا ہے وگرہ پال کا پلہ بھاری رہا۔ اس کے بعد کرن نے گجرات کے بھیم اول چالوکیہ (تقریباً ۱۰۲۲-۱۰۶۴ء) کی مدد سے دھارا کے بھوج پرمار کو شکست فاش دی۔ چوڑ، کلنگ، پانڈیہ وغیرہ کے راجہ سب اس کا لوہا مانتے تھے۔ لیکن آخر عمر میں کرن کو ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑا۔ بھیم اول نے اس سے دوستانہ تعلقات منقطع کر لیے اور اسے زک پہنچائی۔ اُدے آدتیہ کے زمانے میں مالوہ بھی خود مختار ہو گیا۔ کرن کو چالوکیہ سومیشور اول آہومل (تقریباً ۱۰۴۲-۱۰۶۸ء) اور کیرتی ورمن چندیل کے ہاتھوں بھی ہزیمتیں اٹھانی پڑیں۔

کرن کے جانشین

لکشمی کرن غالباً آخر عمر میں جب حکومت کا بوجھ سنبھالنے سے معذور ہو گیا تو اپنے بیٹے یشہ کرن کے حق میں جو ہون نسل کی آول دیوی کے بطن سے تھا، تخت و تاج سے دست بردار ہو گیا۔ اس کا عہد تقریباً ۱۰۷۳ سے ۱۱۲۰ء تک رہا۔ کہتے ہیں کہ اس نے چمپارنیہ (ضلع چمپارن) کو تاخت و تاراج کیا اور آندھرکے حکمراں کو جسے بجا طور پر وینگی کے مشرقی چالوکیہ وجے آدتیہ ہفتم (تقریباً ۱۰۶۰-۱۰۷۶ء) کے مماثل قرار دیا گیا ہے "بڑی آسانی سے نیست و نابود کر دیا۔"[1] یشہ کرن خاندان کے زوال کی رفتار کو بہرحال نہ روک سکا۔ لکشم دیو پرمار نے کل چوریوں کی راج دھانی تری پوری پر اچانک دھاوا کر کے ان سے بھرپور انتقام لے لیا۔ شمال میں گاہڑوالوں نے کانیہ کبج اور بنارس میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ اور چیدیوں کو نقصان پہنچا کر اپنی طاقت کو بڑھایا۔ اسی طرح یشہ کرن کے بیٹے اور جانشین گیا کرن کے عہد میں چندیل مدن ورمن (تقریباً ۱۱۲۸-۱۱۶۴ء) نے کئی فوجی کامیابیاں حاصل کیں اور جنوبی کوشل میں کل چوریوں کی رتن پور والی شاخ خود مختار ہو گئی۔ گیا کرن کے جانشین سب کمزور اور بودے تھے۔ ان کے زمانے میں تری پوری کا کل چوری خاندان ہمیشہ کے لیے گوشۂ گمنامی میں چلا گیا۔

1۔ دائنسٹک ہسٹری آف نارتھ انڈیا، دوسرا، ص ۷۹۱، ص ۷۹۳

فصل (۶)

جیجاک بھکتی (بندیلکھنڈ) کے چندیل

اصل

چندیلوں کی اصل اب تک ایک سربستہ راز بنی ہوئی ہے۔ ایک حکایت یہ ہے کہ چندیل چاند (چندما) اور ایک برہمن دوشیزہ کے وصل کا نتیجہ ہیں۔ یہ سب خرافات ہے اور خاندان کو شرافتِ نسبی سے متصف کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے۔ بہرحال ونسنٹ آسمتھ کی رائے ہے کہ چندیل دیسی قبیلوں بھر یا گونڈ کی اولاد ہیں اور ان کا اصل مسکن ریاست چترپور میں دریائے کین کے کنارے منیاگرامہ نامی مقام تھا۔[1]

حکومت کی ابتدا

نویں صدی کے اوائل میں چندیلوں نے ننک نامی سردار کی قیادت میں جنوبی بندیلکھنڈ میں شہرت حاصل کی۔ اس کے پوتے کا نام جیجا یا جے شکتی تھا۔ اسی کے نام پر ریاست کا نام جیجاک بھکتی پڑگیا۔ روایات نیز لوحی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ خاندان کے پہلے چند سردار قنوج کے عظیم پرتی ہار راجاؤں کے جاگیردار کی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن ہرش دیو چندیل نے اپنے بھائی یا سوتیلے بھائی بھوج دوم کے مقابلے میں مہی پال (کشتی پال) کو راج گدی پر بٹھا کر خاندان کی عظمت و طاقت کو دوبالا کر دیا۔ یشوورمن کے عہد میں چندیلوں نے یک گونہ آزادی حاصل کر لی اور اپنی پڑوسی ریاستوں چیدی، مالو اور کوشل وغیرہ کو زک پہنچا کر اپنی قوت کو بڑھایا۔ کھجراہو میں پائے گئے ایک کتبے کے مطابق یشوورمن "گرجروں

---

[1] ونسنٹ اسمتھ "تاریخ بندیلکھنڈ پر مقالات"، جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۸۸۱، جلد اول، حصہ اول، ص ۱-۵۔ "بندیلکھنڈ کے چندیل (جیجاک بھکتی) خاندان کی تاریخ اور سکے"، انڈین اینٹی کوئریز ۳۷ (۱۹۰۸)، ص ۱۳۰-۱۳۸؛ ایچ سی رے، ڈائناسٹک ہسٹری آف ناردرن انڈیا، جلد دوم، باب گیارہ، ص ۶۶۵۔

[2] انڈین اینٹی کوئریز ۳۷ (۱۹۰۸)، ص ۱۳۵، ۱۳۶۔

کے لیے جلانے والی آگ ثابت ہوا[۶]، نیز یہ کہ اس نے "کالنجر کا قلعہ، جو پرتی ہاروں کا ایک مضبوط گڑھ تھا، بڑی آسانی سے فتح کر لیا[۷]"۔ کہتے ہیں کہ اس نے دیوپال پرتی ہار کو ویکنٹھ (وشنو) کی ایک نامی گرامی مورتی اس کے حوالے کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس مورتی کو یشوورمن نے کھجوراہو کی ایک شان دار خانقاہ میں نصب کرا دیا[۸]۔

دھنگ

تعجب کی بات یہ ہے کہ یشوورمن کا بیٹا اور جانشین دھنگ (تقریباً ۹۵۰ - ۱۰۰۲ء) ۱۰۱۱ وکرمی مطابق ۹۵۴ء میں پرتی ہار راجہ (وِنایک پال دوم) کا نام لے کر اپنے حاکم اعلیٰ کی حیثیت سے دہائی دیتا ہے[۹]۔ اس لیے جاننا چاہیے کہ دکن کے نظام یا اودھ کے نوابوں کی طرح، جو فی الحقیقت خود مختار تھے لیکن دہلی کے شہنشاہِ مغلیہ کی فرماں روائی برائے نام تسلیم کرتے تھے، چندیل راجہ نے بھی قنوج کے کمزور راجہ کی حکومت سے سیاسی تعلقات یکسر منقطع نہیں کر لیے، بلکہ کچھ عرصہ ظاہر داری کے لیے اس کی اطاعت قبول کیے رہا۔ دھنگ کا دورِ حکومت ریاست جیجاک بھکتی کے لیے خوش حالی اور فارغ البالی کا دور ثابت ہوا۔ ایک کتبے سے جو مئو سے دریافت ہوا ہے، پتہ چلتا ہے کہ دھنگ نے "کانیہ کبج کے راجہ کو شکست دینے کے بعد اقتدارِ اعلیٰ حاصل کر لیا[۱۰]"۔ چندیلوں کی کامیابی کی تصدیق کھجوراہو کی ایک لوح سے ہوتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ دھنگ ساری زمین پر حکومت کرتا تھا جس نے "کھیل کے طور پر اپنی فوجی قوت سے کالنجر تک اور بھاس وت تک، جو دریائے مالو کے کنارے پر واقع تھا، اور یہاں سے دریائے کالندی (جمنا) کے کنارے تک، اور یہاں سے چیدی دیس کی سرحد تک، بلکہ اس سے بھی آگے اس پہاڑ تک جو گوپاچل کا مسکن ہے، تمام[۱۱]

۶۔ ایپی گرافیہ انڈیکا، اول، ص ۱۳۲؛ اشلوک ۲۳، ص ۱۳۳، اشلوک ۳۱

۷۔ ایضاً، ص ۱۳۴، اشلوک ۴۳

۸۔ ایپی گرافیہ انڈیکا، اول، ص ۱۳۵

۹۔ ایضاً، ص ۱۹۷، ص ۲۰۳، اشلوک ۳۔

۱۰۔ ایپی گرافیہ انڈیکا، ص ۲۲۲، ص ۱۳۳، اشلوک ۴۵۔ یہ عبارت اس لیے اہم ہے کہ اس سے دھنگ کی سلطنت کے حدود ظاہر ہوتی ہیں۔

ملک حاصل کر لیا۔[1] پرتی ہاروں کے ہاتھ سے گوالیار کے نکل جانے سے ان کی قوت کو سخت نقصان پہنچا کیوں کہ چندیلوں کے قبضے میں فوجی اہمیت کا ایک ایسا مقام آگیا جسے وہ اپنی آئندہ پیش قدمیوں کے لیے بہ آسانی محاذ کے طور پر استعمال کر سکتے تھے۔ دراصل عین ممکن ہے کہ اپنے عہد کے اواخر میں دھنگ نے بنارس پر فوج کشی کی ہو، کیوں کہ وہاں سے اس نے ۱۰۵۵ وکرمی، مطابق ۹۹۸ء میں ایک گاؤں برہمنوں کو دان کیا۔[2] ۹۸۹ یا ۹۹۰ء میں جب شاہی راجہ جے پال نے ممتاز ہندو ریاستوں کو سبکتگین کے مقابلے کے لیے دعوت دی تو دوسرے راجاؤں کے ساتھ دھنگ بھی سپاہ اور روپیہ پیسہ کے ساتھ بر وقت اس کی مدد کے لیے پہنچ گیا اور متحدہ افواج کو جو نقصان پہنچا اس میں برابر کا شریک رہا۔

گنڈ

اسی طرح دھنگ کا بیٹا گنڈ اس ایتلاف میں شریک ہوا جو شاہی راجہ آنند پال نے ۱۰۰۸ء میں محمود کے حملے کو دفع کرنے کے لیے ترتیب دیا تھا۔ لیکن ہندوؤں کے کچھ کام نہ آیا اور سلطان نے ان کی افواج کو بری طرح شکست دی۔ اس کے بعد گنڈ نے اپنے ولی عہد ودیا دھر کی سرکردگی میں ایک مہم قنوج کے راجیہ پال کو سزا دینے کے لیے بھیجی جس نے ۱۰۱۸ء میں بڑی بزدلی کے ساتھ محمود کی اطاعت قبول کر لی۔ پرتی ہار راجہ کو قتل کر دیا گیا۔ لیکن جب یہ خبر غزنی پہنچی تو سلطان اتنا غضب ناک ہوا کہ نند (گنڈ)[2] کی اس گستاخی کا جواب دینے کے لیے اس نے فوج کو فوراً کوچ کا حکم دے دیا۔ ۴۱۰ھ مطابق ۱۰۱۹ء میں دونوں حریف ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئے۔ بہرحال عین وقت پر مسلم لشکر کی دلیری اور طاقت نے چندیل راجہ کے چھکے چھڑا دیے اور رات کی تاریکی میں وہ "اپنے تھوڑے سے ساز و سامان کے ساتھ میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔"[3] ۴۱۳ھ مطابق ۱۰۲۲ء میں محمود نے چندیل

---

[1] انڈین اینٹی کویریز، سولھواں، ص ۲۰۳ ـ ۲۰۴

[2] اس کے برخلاف ڈاکٹر ایچ۔ سی۔ رے کی رائے ہے کہ بید (ودیادھر) نہ کہ گنڈ کو غلطی سے نند پڑھ لیا گیا ہے (ڈائنسٹک ہسٹری آف ناردرن انڈیا، جلد اول، ص ۶۰۶)

[3] ایلیٹ۔ ہسٹری آف انڈیا، جلد ۲، ص ۴۶۴

علاقوں پر ایک بار پھر فوج کشی کی۔ ۱۰۲۳ء میں گوالیار پر قبضہ کرنے کے بعد اس نے کالنجر کا محاصرہ کر لیا۔ تنڈ یا گنڈ نے بڑی بزدلی کے ساتھ حملہ آور کی پھر اطاعت قبول کر لی۔ محمود نے مفتوحہ قلعے اُسے واپس کر دیے اور کثیر مالِ غنیمت کے ساتھ وطن واپس لوٹ گیا۔

کیرتی ورمن

اگلا ممتاز فردِ خاندان کیرتی ورمن تھا۔ اس نے چندیل طاقت کا احیا کیا جو کل چوری راجاؤں گانگیہ دیو اور لکشمی کرن کی فوجی سرگرمیوں کے باعث اس کے آباواجداد کے زمانے میں گہن میں آ گئی تھی۔ ابتدا میں کیرتی ورمن کو لکشمی کرن نے شکست دی۔ لیکن کتبوں سے نیز پربودھ چندرودیہ پر کرشن مشر کے پیش لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ چندیل حکمراں کو نتیجہ میں اپنے زبردست چیدی حریف کے مقابلے میں فیصلہ کن فتح حاصل ہوئی۔ واضح رہے کہ پربودھ چندرودیہ ایک مجازی تمثیل ہے جو وشنو کے اعزاز اور ویدانت فلسفے کی توصیف میں لکھی گئی ہے۔

مدن ورمن

ایک اور قابلِ ذکر شخصیت مدن ورمن کی تھی جس کی پہلی تاریخ جو ہمیں معلوم ہوئی ہے ۱۱۲۹ء ہے اور آخری ۱۱۶۳ء ہے۔ اس نے "گرجر کے راجہ" کو شکست دی جسے گجرات کے سدھ راج جے سنگھ (تقریباً ۱۰۹۵ ـ ۱۱۴۳ء) کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔ مہوبے دریافت کیا گیا ایک کتبہ مزید تصدیق کرتا ہے کہ مدن ورمن نے چیدی حکمراں (غالباً گانگیہ کرن) پر قابو پا لیا، اپنے پرمار معاصر یعنی مالوے کے حکمراں کا استیصال کیا؛ اور "کاشی کے راجہ" کو جو غالباً وجے چند گاہڑوال کے مماثل ہے، مجبور کیا کہ وہ اس کے ساتھ "اپنا وقت دوستانہ طریقے سے گزارے"۔

پرماردی

پرماردی یا مقبول عوام روایات کا پرمل، آخری چندیل راجہ تھا جس نے ممتاز مقام حاصل

ابھی گرا ضیافہ ۱۷ ، اول ، ۱۶۵ ، ۲۳۷

کیا۔ اس نے تقریباً ۱۱۶۵ء سے ۱۲۰۳ء تک حکومت کی۔ ہمیں مدن پور کے کتبے[۱] سے نیز چاند کی سراسوئے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسے پرتھوی راج چوہان کے ہاتھوں، جو مہوبہ اور بندیلکھنڈ کے دوسرے قلعوں پر قابض تھا ۱۱۸۲ - ۱۱۸۳ء میں ہزیمت اٹھانی پڑی۔ لیکن پرمار دی مکمل تباہی سے بچ گیا اور بعد میں اس نے کھوئے ہوئے علاقے پھر حاصل کر لیے۔ ۵۹۹ھ مطابق ۱۲۰۳ء میں کالنجر کے محاصرے کے دوران اس نے قطب الدین ایبک کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ یہ دیکھ کر کہ دشمن کا پلّہ بھاری ہے، پرمار دی نے ہتھیار ڈال دیے۔ لیکن مقررہ شرائط پوری کرنے سے پہلے اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے وزیر اَج دیو نے دفاع کا سلسلہ جاری رکھا، لیکن بہت جلد اس نے بھی ہتھیار ڈال دیے۔ اس کے بعد قطب الدین نے مہوبہ فتح کیا اور مفتوحہ علاقے کا انتظام اپنے مسلمان گورنر کے سپرد کر دیا۔ اس طرح چندیل خاندان ذلیل و خوار ہو گیا، حالاں کہ چھوٹے چھوٹے سرداروں کی حیثیت میں اس کے افراد کا وجود سولھویں صدی تک باقی رہا۔

چندیلوں کے شہر اور جھیلیں

چندیل ریاست میں تین شہر بہت اہم تھے ــ کھجراہو، کالنجر اور مہوبہ۔ ونسنٹ اسمتھ کہتا ہے کہ "پہلے شہر میں عظیم الشان مندر بھرے ہوئے تھے اس لیے اُسے مذہبی مرکز کی، دوسرے میں مضبوط قلعے تھے اس لیے اسے فوجی چھاؤنی کی اور تیسرے میں راج محل تھا اس لیے اُسے راجدھانی کی حیثیت حاصل تھی[۲]"۔ چندیل راجاؤں نے بندیلکھنڈ کو خوب آراستہ کیا اور اس کی رونق بڑھادی۔ انھوں نے بے شمار عالی شان مذہبی عمارتیں تعمیر کرائیں اور کافی تعداد میں جھیلوں پر بند لگوائے اور پشتے بنوائے۔ ان میں سے ایک مَدن ساگر تھا جس کی بنیاد مَدن ورمن نے مہوبہ میں رکھی تھی۔

فصل (۷)

مالوہ کے پرمار[۱]

پرمار کون تھے؟

روایت میں ہے کہ پرمار (جنھیں بعض اوقات پرمر یا پوار بھی کہا جاتا ہے) مشہور ہیرو

(اس صفحے کے فٹ نوٹ اگلے صفحے پر دیکھیے)

پرمار کی اولاد تھے جسے وِشِشٹھ نے اپنی ارزانی کی گائے نندنی کو وشوامتر سے بچانے کے لیے آبو پہاڑ پر اپنے اگنی کنڈ سے خلق کیا تھا۔ آگ (اگنی کل) کے اس افسانوی استنباط کا ایک ممکن مفہوم یہ ہوسکتا ہے کہ پرتی ہاروں اور دوسرے قبائل کی طرح پرمار بھی غیر ملکی اصل رکھتے تھے اور اگنی کی رسمیں ادا کرنے کے بعد وہ بھی اس قابل ہوگئے کہ انھیں ہندو ذات پات میں داخل کر لیا گیا۔ لیکن حال ہی میں ایک کتبہ کی بنیاد پر جو ہرسول (ضلع احمد آباد[۴]) سے برآمد ہوا ہے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ "پرمار راشٹر کوٹ نسل کے لوگ تھے"، نیز یہ کہ ان کا تعلق دکن سے تھا۔ جو "کسی زمانے میں راشٹر کوٹ راجاؤں کا مسکونہ و مقبوضہ علاقہ تھا"[۵]

حکومت ابتدائی منزل میں

کسی دوسرے مقام پر ہم اس موضوع پر روشنی ڈال چکے ہیں کہ کانیہ کبج کی فتح سے پہلے، پرتی ہاروں کا صدر مقام اجینی (اُجین) تھا۔ یہ علاقہ درحقیقت پرتی ہاروں اور ان کے دیرینہ دشمن مانیہ کھیٹ (مل کھید) کے راشٹر کوٹوں کے درمیان متنازعہ فیہ مسئلہ تھا۔ راشٹر کوٹوں نے اس علاقے کو دھرُو دَ برِزہم، گووند سوم، اندر سوم، اور کرشن سوم کے شمالی حملوں کے درمیان فتح کرلیا تھا۔ بہرحال مستقل طور پر اجین پر قبضہ ان میں سے کوئی قائم نہ کرسکا۔ کیوں کہ ایسے شواہد ہمارے پاس موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ پرتی ہار راجہ — ناگ بھٹ دوم، مہر بھوج، مہیندر پال اول، مہی پال، اور مہیندر پال دوم کم ازکم اپنی زندگی میں اس پر ضرور قبضہ رکھتے تھے۔ بہر نیج پرتاپ گڑھ کا کتبہ[۶] واضح طور پر ہمیں بتاتا ہے کہ ان میں سے آخر الذکر راجہ نے

(پچھلے صفحے کے فٹ نوٹ) [۱] پروگرس رپورٹ آف ارکیالوجیکل سروے آف انڈیا ۱۹۰۳ - ۱۹۰۴، ص ۵۵

[۲] انڈین اینٹی کوئٹیز اسپیشل (۱۹۰۸) ص ۱۳۲

[۳] ملاحظہ ہو سی۔ ای۔ لوئرڈ اور کے۔ کے۔ لیلے، پرمارس آف دھار اینڈ مالوہ (بمبئی ۱۹۰۸)؛ ڈی۔ سی۔ گنگولی ہسٹری آف دی پرمار ڈائنسٹی (ڈھاکا ۱۹۳۳)؛ ایچ۔ سی۔ رے ڈائنسٹک ہسٹری آف ناردرن انڈیا، دوسرا، باب چودھواں، ص ۸۳۱ ص ۹۳۲ (نوٹ صفحہ ہذا)

[۴] اپی گرافیہ انڈیکا، انیسواں، ص ۲۳۶، ص ۲۴۴

[۵] ڈی۔ سی۔ گنگولی ہسٹری آف دی پرمار ڈائنسٹی (ڈھاکا ۱۹۳۳) ص ۹

[۶] اپی گرافیہ انڈیکا، چودھواں، ص ۱۷۶ - ص ۱۸۶

۱۰۰۲ وکرمی مطابق ۹۴۶ء میں اپنے "سب سے بڑے جاگیردار راجہ اور گورنر" کو اجین میں تعینات کیا تھا۔ اور ایک دوسرا افسر شری شرمن مُنڈپکا (مانڈو) میں حکومت کا کام انجام دے رہا تھا۔ اس طرح پرمار خاندان کا بانی اُپیندر یا کرشن راج اور اس کا جانشین پرتی ہاروں یا راشٹر کوٹوں کے، اس وقت باجگذار رہ چکے تھے جب انھوں نے یکے بعد دیگرے مالوہ (قدیم اونتی) میں اقتدار حاصل کیا۔ ان میں پہلی اہم شخصیت سی یک ہرش کی تھی جس کے دورِ حکومت کی مدیں، جو ہمیں معلوم ہو سکی ہیں، ۰۵... مطابق ۹۴۹ء اور ۱۰۲۹ وکرمی مطابق ۹۷۲ء ہیں۔ یہ پرتی ہار بادشاہت کے انحطاط کا دور تھا۔ سی یک ہرش نے اپنی طاقت بڑھانے کے لیے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ لیکن سی یک ہرش کے عروج سے اس کا راشٹر کوٹ معاصر بالکل بے تعلق نہیں رہ سکتا تھا، اس لیے دونوں کے درمیان جنگ ناگزیر ہوگئی۔ اُدے پور کے کتبے کے مطابق سی یک ہرش نے "جنگ میں کھوٹنگ کی دولت چھین لی"[۱] کھوٹنگ کو اسی نام کے راشٹر کوٹ راجہ (تقریباً ۹۴۰ - ۹۵۵ء) کے مماثل قرار دیا گیا ہے، جو کرشن سوم (تقریباً ۹۴۰ - ۹۵۵ء) کے بعد گدی پر بیٹھا۔ ڈاکٹر بیوہکر نے مزید ثابت کیا ہے کہ مانیہ کھیٹ کی غارت گری کی تائید ایک پراکرت تصنیف دھن پال کی پائیہ لچھی سے ہوتی ہے[۲] دوسری قابلِ ذکر فتح سی یک ہرش کو ایک سردار کے مقابلے میں حاصل ہوئی جو ہوُن نسل سے تعلق رکھتا تھا۔

واک پتی مُنج

سی یک ہرش کے بعد اس کا نامور فرزند واک پتی عرف مُنج گدی پر بیٹھا، جسے اُت پل راج، شری ولبھ، پرتھوی ولبھ اور امو گھ ورش وغیرہ ناموں سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ آخری دو نام راشٹر کوٹوں کے امتیازی لقب تھے۔ اس کی سب سے پہلی تاریخ جو ہمیں معلوم ہے وہ ۱۰۳۱ وکرمی، مطابق ۹۷۴ء ہے۔ اس لیے ہم بجا طور پر اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ وہ ایک سال پہلے تخت نشین ہوا۔ وہ ایک بہادر سپاہی تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے تری پوری کے کلچوری

---

۱ ایضاً، اول، ص ۲۳۵، ص ۲۳۴ شلوک

۲ ایضاً، ص ۲۳۶

حکمراں یوراج دوم پر فتح پائی۔ اس کے علاوہ اُدے پور کی لوحی شہادت سے مزید ثابت ہوتا ہے کہ واک پتی منج نے لاٹوں، کرناٹوں، چولوں اور کیرلوں سے اپنا لوہا منوالیا۱۔ دوسرے حکمراں خاندانوں سے بھی اس کی ٹکر ہوئی۔ لیکن اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے چالوکیہ تیلپ دوم کو کم از کم چھ بار شکست دی۔ میرُتنگ کہتا ہے کہ ساتویں مہم میں وہ اپنے وزرا کے معقول مشورے کو نظرانداز کر کے آگے بڑھتا چلا گیا اور گوداوری کو پار کر کے چالوکیہ ریاست میں داخل ہو گیا جہاں اُسے مصیبت میں مبتلا ہونا پڑا۔ اسے قید کر لیا گیا اور بعد ازاں تہ تیغ کر دیا گیا۔ ڈاکٹر ایچ۔ سی۔ رے کی رائے ہے کہ یہ سانحہ جس کی تائید چالوکیہ کتبوں سے ہوتی ہے یقیناً ۱۰۵۰ وکرمی مطابق ۹۹۳-۹۹۴ء (جو واک پتی منج کی آخری مستند تاریخ ہے) اور ۹۱۹ شک سمبت، مطابق ۹۹۷-۹۹۸ء (جو تیلپ دوم کی موت کی تاریخ ہے) کے درمیان میں پیش آیا۲۔ واک پتی منج نے زمانۂ امن کے فنون کو بھی نظرانداز نہیں کیا۔ اس نے بہت سی مصنوعی جھیلیں بنوائیں، جن میں سے ایک یعنی منج ساگر کے باعث جو بمقام دُھر (دھارا) واقع ہے، اس کا نام آج تک باقی ہے۔ اس نے اپنی سلطنت کے خاص خاص شہروں میں عالی شان مندر بھی تعمیر کرائے۔ ہمیں مزید معلوم ہوتا ہے کہ وہ اعلیٰ درجے کا شاعر بھی تھا اور عالموں کی بڑی فیاضی کے ساتھ سرپرستی کرتا تھا۔ پدم گپت، دھننجے، جس نے دش روپ لکھی دش روپاولوک کا مصنف دھنک، بھٹ ہلایدھ۳ اور دیگر نامور ہستیاں اس کے دربار کی زینت تھیں۔

سندھوراج

بعض جین تصانیف مثلاً میرُوتنگ کی پربندھ چنتامنی، ظاہر کرتی ہیں کہ واک پتی منج کے فوراً بعد بھوج گدی پر بیٹھا، لیکن لوحی شہادت کے مطابق، جو زیادہ معتبر ہے ان دونوں کے درمیان میں بھوج کے چھوٹے بھائی سندھول، یعنی سندھوراج یا نوساہ سانک

---

۱ ایضاً اشلوک ۔۳

۲ ڈائنیسٹک ہسٹری بی ناف ناردرن انڈیا، جلد دوم، صفحہ ۸۵۲ تا ۸۵۳

۳ ابھی دھان رتن مالا اور مرت سنجیونی کا مصنف

نے حکومت کی۔ اس کے کارناموں کو پدم گپت نے اپنی نوساہ ساںک چرت میں غیر فانی بنا دیا ہے۔ نوساہ ساںک چرت تصدیق کرتی ہے کہ سندھو راج کو ہون راجہ، کرشن یا کشنا کوشل کے (یعنی چھتیس گڑھ کے کل چوری) راجہ، لاٹ کے چالوکیہ راجہ، اور دوسرے پڑوسی راجاؤں کے مقابلے میں فوجی کامیابیاں نصیب ہوئیں۔

بھوج[1]

سندھو راج کے مختصر دورِ حکومت کے بعد اس کا لڑکا بھوج، راجہ ہوا۔ پرمار حکمرانوں میں یہ سب سے زیادہ نمایاں اور ہمہ گیر شخصیت کا مالک تھا۔ اس نے اپنی راجدھانی دھارا کی رونق کو دوبالا کر دیا۔ وہ ایک کامیاب سپاہی بھی تھا اور ایک چابک دست مدبر بھی۔ یہ دونوں صلاحیتیں اس میں بیک وقت موجود تھیں جو بہت کم لوگوں میں بہم ہوتی ہیں اس لیے ہندوستان کے بیشتر حصہ میں اس کا اثر قبول کیا جاتا تھا۔ ایک کتبے میں اُسے سارو بھوم (شہنشاہ) کا لقب دیا گیا ہے۔ اُدے پور کی پرشستی (لوح) ظاہر کرتی ہے کہ وہ کیلاش سے مالیہ پہاڑ تک زمین پر قبضہ رکھتا تھا۔[2] حقیقت میں دیکھا جائے تو یہ مبالغہ ہے؛ لیکن اس کا کافی ثبوت ہمارے پاس موجود ہے کہ بھوج نے بڑے بڑے علاقے فتح کیے، اور اپنی عالی حوصلگی کی وجہ سے وہ معاصر ریاستوں کے ساتھ مسلسل جنگ میں مصروف رہا۔ غالباً سب سے پہلے اس نے اپنی توجہ کرناٹوں، یعنی کلیانی کے چالوکیوں کی طرف مبذول کی جن سے وہ واک پتی منج کے قتل کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ بھوج نے اپنے جنوبی حریف جسے وکرما دتیہ پنجم (جلوس ۱۰۰۸ء)[3] کے مماثل بتایا گیا ہے، بڑی آسانی سے شکست دے دی اور قتل کر دیا۔ پرمار راجہ نے تمام دکن کی دفاعی قیادت حاصل کرنے کے لیے جو کوشش ۹۴۱ شک سمبت مطابق ۱۰۱۹ء سے کچھ پہلے، یعنی اس وقت کی جب چالوکیہ جے سنگھ (تقریباً ۱۰۱۶ – ۱۰۴۲ء) نے مالو کی

---

[1] پروفیسر پی۔ ٹی۔ ایس۔ آئنگر، بھوج راج (مدراس ۱۹۳۱)؛ بی۔ این۔ ریو، راجا بھوج (ہندی میں: الہ آباد ۱۹۳۲)

[2] ایپی گرافیہ انڈیکا، اول، ص ۲۳۷، ص ۲۳۵

[3] سر آر۔ جی۔ بھنڈارکر نے وکرما دتیہ کنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ ارلی ہسٹری آف دی دکن (۱۹۲۸) ص ۱۱۳، حاشیہ ۔ ۱۵۔ اس کے برخلاف دوسرے عالموں کا خیال ہے کہ بھوج نے چالوکیہ ریاست پر جے سنگھ دوم کے زمانے میں حملہ کیا (ہسٹری آف دی پرمارس ڈائنیسٹی، صفحہ ۹۰، ص ۹۱)

متحدہ ریاستوں" کو "نیچا دکھایا" (یا "مار بھگایا") وہ بہرحال ناکام ہوگئی[1] مزید برآں بھوج کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس نے چیدی کے راجہ یعنی تری پوری کے گانگیہ دیو اور دوسرے سرداروں اِندرَرتھ اور توگل کو جن کی شناخت نہیں ہوسکی ہے، شکست دی۔ اس کے علاوہ بسہی کی تختی[2] سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نے شمال میں بھی غارت گری کی اور کچھ مدت تک کانیہ کبج کے علاقے پر اس کا قبضہ بھی رہا۔ اس نے تُرشکوں یعنی شمالی ہند کے مسلمان قزاقوں پر بھی فتح پائی، لیکن وِدیا دھر چندیل اور گوالیار کے کچھپ گھاٹ راجہ، کیرتی راج سے جو اس کی جھڑپیں ہوئیں اُن سے اُسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ آخر میں، بھوج، لاٹ (جنوبی گجرات) کے راجہ، جو ایک دوسرے کیرتی راج کے مماثل ہے[3] اور گجرات کے بھیم اول (تقریباً ۱۰۲۲ء — ۱۰۶۴ء) پر حاوی ہوگیا۔ ان تمام معرکوں کے باوجود اس کا انجام بخیر نہیں ہوا۔ مسلسل جنگ و جدال نے اس کا خزانہ خالی کر دیا۔ اس کے علاوہ، چالوکیہ سومیشور اول آہَوَمل (تقریباً ۱۰۴۲ — ۱۰۶۸ء) کے ہاتھوں اُسے بڑی شرمناک ہزیمت اٹھانی پڑی۔ سومیشور نے مالوہ اور اس کے دارالسلطنت کو تاخت و تاراج کیا اور بھوج کو میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ بہرحال بھوج نے بہت جلد واپس آکر اپنے مقبوضات پھر حاصل کر لیے۔ تھوڑے عرصے بعد بھوج کے جین سپہ سالار کُل چند نے اَنہِل واڑہ کے راجہ کی عدم موجودگی میں اَنہِل واڑہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت اَنہِل واڑہ کا راجہ مسلمانوں کے خلاف مہم پر گیا ہوا تھا۔ چناں چہ بھیم اول نے کل چوری راجہ لکشمی کرن کے ساتھ ایتلاف قائم کیا اور دونوں راجاؤں کی متحدہ فوجوں نے دو طرف سے پرمار ریاست پر بڑی شد و مد کے ساتھ حملہ کیا۔ جنگ کے دوران بھوج کا انتقال ہوگیا۔ میروتنگ کے بیان کے مطابق بھوج نے "پچپن سال، سات ماہ اور تین دن" حکومت کی۔ اس کی موت نے حالات متحدہ طاقتوں کے حق میں سازگار کر دیے۔ انھوں نے دھارا کی راجدھانی پر قبضہ کر لیا اور مالوہ کو خوب تاخت و تاراج کیا۔

معلوم ہوتا ہے بھوج نے سیف و قلم کے یکساں جوہر دکھائے۔ ایک کتبے میں اُسے کَوی راج

---

[1] انڈین اینٹی کوئریز، پانچواں، ص۱۱

[2] ایضاً، چودھواں، ص۱۰، سطر ۳–۴

[3] یہ کیرتی راج گوجَنی راج چالوکیہ کا لڑکا تھا۔

کہا گیا ہے، اور تقریباً دو درجن کتابوں کا نام نہاد مصنف اُسے ٹھہرایا گیا ہے۔ یہ کتابیں مختلف موضوعات پر ہیں، مثلاً طب، ہیئت، مذہب، قواعد، فنِ تعمیر، النکار (شعریات) فرہنگ نویسی اور فنونِ لطیفہ وغیرہ۔ اس مقام پر ہم ان میں سے چند کا ذکر کرتے ہیں:۔ آیورویدسَروَسْوَ، سَماج رمِری ٗکا نَکَ، وِیُوَھار سَمُچیہ، شَبْدَ انُوشاسَن، سَمرانگَنَ سوتر دھارَ، سَرَسْوَتِی کَنْٹھا بھَرَنْ، نامْ مالِکا، یُکتی کَل پَتَرُوْ، وغیرہ۔ یہ بات بہرحال مشتبہ ہے کہ اس قدر مسلسل فوجی سرگرمیوں کے درمیان بھوج نے اتنی کتابیں خود تصنیف کرنے کے لیے کیسے وقت نکالا۔ اس لیے اس کا قوی امکان ہے کہ ان میں سے بعض تصانیف جو اس سے منسوب کی گئی ہیں وہ اصلاً اس کے درباری متوسلین کی ہیں۔ مزید برآں بھوج نے علم و فضل کی بڑی فیاضی کے ساتھ سرپرستی کی۔ اس نے دھارا میں ایک مدرسہ قائم کیا جہاں دور دور سے طالبِ علم اپنی ذہنی پیاس بجھانے جمع ہوتے تھے۔ پتھر کی سلوں پر جو دیواروں میں جڑی ہوئی دستیاب ہوئی ہیں بڑی اہم تحریریں کندہ ہیں۔ اس کے تعمیر کردہ "بھوج شالہ" کو جسے عوام اب بھی اسی نام سے جانتے ہیں مالوہ کے مسلمان حکمرانوں نے مسجد میں تبدیل کردیا تھا۔

بھوج شیومت کا سچا پیرو تھا۔ وہ عمارتیں بنوانے کا بھی شوقین تھا۔ اُدے پور کا کتبہ ہمیں بتاتا ہے کہ اس نے ملک کو بے شمار عالی شان مندروں سے آراستہ کیا[1] دھارا کے شہر کی اس نے توسیع کی اور موجودہ بھوپال کے جنوب میں بھوج پور کا شہر آباد کیا۔ اسی کے قریب ایک لمبی چوڑی جھیل اس کے حکم سے تعمیر ہوئی۔ بھوج کے انجینئروں کی یہ شاندار یادگار پندرھویں صدی کے اوائل یعنی اُس وقت تک باقی رہی جب مانڈو کے شاہ حسین نے اس کی بنیادوں سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے جھیل کے پشتوں کو مسمار کرا ڈالا۔

خاندان کی تاریخ مابعد

بھیم اول اور لکشمی کرن کا اتحاد زیادہ دنوں باقی نہیں رہا کیوں کہ ایسے شواہد موجود ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ ان میں مالِ غنیمت کی تقسیم پر آپس میں اختلاف ہوگیا۔ جے سنگھ نے

---

[1] ایپی گرافیہ انڈیکا، اول، ص۲۳۵، اشلوک ۲۰

موقع سے فائدہ اٹھایا اور خاندان کے دیرینہ دشمن سومیشور اول چالوکیہ سے امداد طلب کی۔ چناں چہ سیاسی توازن قائم کرنے کے لیے سومیشور اول نے مالوہ کو فاتح فوج سے پاک کیا اور پرمارگدی پر جے سنگھ کو بٹھا دیا۔ نئے حکمراں کا دور بہت مختصر رہا۔ اس کے دور کی ابتدائی تاریخ جو ہمیں معلوم ہے ۱۱۱۲ وکرمی، مطابق ۱۰۵۵ء اور آخری تاریخ ۱۱۱۶ وکرمی، مطابق ۱۰۵۹ء ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس کی ان ریشہ دوانیوں سے اُسے کچھ حاصل نہیں ہوا، بلکہ الٹا کرناٹکوں اور گجرات کے چالوکیوں سے وہ بڑی خوں ریز جنگ میں الجھ گیا۔ جے سنگھ کے جانشین اُدیادِتیہ (۱۰۵۹ - ۱۰۸۸ء) نے جسے بھوج کا بَندھو' (رشتہ دار) بتایا گیا ہے[1]، اپنے خاندان کے بگڑے ہوئے حالات کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ اس نے کرن کو شکست دی جسے عام طور پر کل چوری لکشمی کرن کے مماثل کہا جاتا ہے، لیکن ڈاکٹر گنگولی نے اسے بھیم اول کے اسی نام کے ایک بیٹے (تقریباً ۱۰۶۴ - ۱۰۹۴ء) کے مماثل قرار دیا ہے۔ عظمت کی اس ہلکی سی رمق کے بعد پرماروں کی اہمیت اور اثر رفتہ رفتہ بالکل زائل ہو گیا۔ بارھویں صدی میں انحطاط کی رفتار پے در پے کمزور جانشینوں کے دور میں بدستور جاری رہی۔ ان کے مقامی تنازعات اور معمولی رقابتوں سے عام قاری کو کوئی دل چسپی نہیں ہو سکتی۔ عالی حوصلہ حملہ آور بار بار مالوہ کی رعایا کو آزار پہنچا رہے تھے، یہاں تک کہ ۱۳۰۵ء میں علاء الدین خلجی کے ایک سپہ سالار عین الملک کے حملے نے، جو فتوحات کرتا ہوا مانڈو، اجین، دھارا اور دوسرے شہروں کی طرف بڑھتا چلا گیا، ہندو حکومت کا بالکل خاتمہ کر دیا۔

فصل (۸)

انھل[2] واڑہ کا چالوکیہ خاندان

بانیٔ خاندان کا نسب اور حالاتِ زندگی اَنھل واڑہ یا انھل پاٹک کے چالوکیہ (سولانکی)

[1] قیاس ہے کہ مادتے آدتیہ پرمار خاندان کی کسی نئی شاخ سے تعلق رکھتا تھا۔ اودے پور (ایپی گرافیہ انڈیکا، اول، ص۲۳۲، ص۲۳۸) اور ناگپور (ایضاً، دوسرا، ص۱۸۰، ص۱۸۵) کے کتبوں کے مطابق وہ بھوج کا پہلا جانشین تھا۔

[2] ہسٹری آف دی پرمار ڈائنیسٹی، ص۱۲۷، ص۱۳۳

[3] بمبئی گزیٹیر ۱۸۹۶، جلد اول دوم؛ ٹاڈ کی اینلس اینڈ اینٹی کوئٹیز آف راجستھان، شائع کردہ کروک؛ بیلی ہسٹری آف گجرات (لندن ۱۸۸۶)؛ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد ۳؛ ایچ۔ سی۔ رے ڈائنیسٹک ہسٹری آف ناردرن انڈیا، دوسرا، پندرھواں باب ص۹۳۲-۱۰۳۵۔

خاندان کا بانی مول راج تھا۔ بدقسمتی سے ہماری موجودہ معلومات ناقص ہے اور ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ مول راج کے خاندان کا دکن کے قدیم چالکیوں سے کیا تعلق تھا، جن کی اصل اور تاریخ پر اگلے باب میں روشنی ڈالی جائے گی۔ اور نہ ہمارے پاس اس کا کوئی ثبوت ہے کہ مول راج سوراشٹر (کاٹھیاواڑ) کے چالوکیہ سرداروں کی اولاد تھا، جن کا ذکر اُنا کے فرمانوں میں آیا ہے۔ ان میں سے ایک پر گپت ولبھی سن ۵۷۴، مطابق ۸۹۳ء اور دوسرے پر وکرمی سن ۹۵۶ مطابق ۸۹۹ء پڑا ہوا ہے اور مہیندر پال پرتی ہاروں کے جاگیرداروں کی حیثیت سے ان کا نام آیا ہے[1] گجرات کی تاریخیں بہرحال یہ بتاتی ہیں کہ مول راج کے باپ کا نام راجی تھا اور وہ قنوج میں کلیان کنک[2] کے راجہ کا بیٹا تھا۔ نیز یہ کہ اس کی ماں چاوڑ یا چاپوت کٹ خاندان سے تعلق رکھتی تھی جو چالوکیوں کے عروج سے پہلے گجرات کے ایک حصہ پر حکومت کرتا تھا۔ ان روایات کی جو کچھ بھی اہمیت ہو، یہ بات طے ہے کہ مول راج پستی اور گمنامی سے یکلخت ابھر کر عروج پانے والے جانبازوں میں نہیں تھا، بلکہ عالی نسب اور شریف النسل تھا۔ اس کی تائید کتبوں سے ہوتی ہے جن میں اس کے باپ کو "مہاراجہ دھراج" کہا گیا ہے۔ مول راج کی تخت نشینی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے ماموں کو قتل کیا اور اس کے بعد چاپوت کٹ گدی پر قبضہ کیا۔ یہ واقعہ یقیناً ۹۹۸ وکرمی، مطابق ۹۴۱ء میں پیش آیا۔ سانبھر کی لوح[3] سے اس کے عہد کی یہ پہلی تاریخ ہمیں معلوم ہوتی ہے۔ بعض عالموں نے میروتنگ کی وچارشرینی کی بنیاد پر ۹۶۱ء جو تجویز کی ہے وہ غلط ہے[4] اپنی فوجی طاقت سے سارسوتی منڈل حاصل کرنے کے بعد اس نے فتوحات کی زندگی کا آغاز کیا۔[5]

---

1. ایپی گرافیہ انڈیکا، نواں، ص۱-ص۱
2. کلیان کنک کی شناخت ابھی تک اطمینان بخش طور پر نہیں کی جاسکی ہے
3. انڈین اینٹی کوئیٹیز ۱۹۲۹، ص۲۳۵، ص۲۳۶۔ اشلوک ۸۔ اس سے مولازنہ کریں۔

वसुनन्दनिधौवर्षे व्यतीते विक्रमार्कत:
मूलदेवनरेशस्तु चूडामणिरभूद्भुवि ।

4. بمبئی گزیٹیر، جلد اول، حصہ اول، ص۱۵۶
5. انڈین اینٹی کوئٹیز، چھٹا، ص۱۹۱، سطر-۶-۷۔

اس نے کچھ (کچھ) کے لکھ (لکھ راج) کو شکست دی اور قتل کیا، اور سوراشٹر میں وامنستھلی (موجودہ ونتھلی) کے چوڑاسم سردار گرہ ریپو کو قید کیا۔ مول راج نے لاٹ (جنوبی گجرات) کے حکمراں بارپ، شاکم بھری کے راجہ وگرہ راج چاہ مان، اور دوسرے چھوٹے چھوٹے حریفوں پر چڑھائیاں کیں۔ مول راج شیومت کا سچا پیرو تھا۔ اس نے اپنی عمر کے آخری سال مذہبی خدمات انجام دینے میں صرف کیے۔ اس نے مندر تعمیر کرائے اور برہمنوں سے اعزاز واحترام کے ساتھ پیش آیا۔ تانبے کی تختی پر ایک فرمان کندہ ہے جس میں اس کے عہد کی آخری تاریخ ۱۰۵۱ وکرمی، مطابق ۹۹۴ء–۹۹۵ء مندرج ہے۔ اس طرح ہم بجا طور پر قیاس کر سکتے ہیں کہ اس کا انتقال ایک دو سال بعد ہوا۔

بھیم اوّل

اگلی اہم شخصیت بھیم اوّل کی تھی جو مول راج کے بیٹے دُرلبھ راج کا بھتیجا تھا۔ بھیم نے تقریباً ۱۰۲۱ء سے ۱۰۶۳ء تک ۴۲ سال حکومت کی۔ ۴۱۶ھ مطابق ۱۰۲۵ء میں محمود کی کبھی سیر نہ ہونے والی ہوس نے ریاست کی بنیادیں ہلا دیں۔ محمود نے سومناتھ کے مشہور مندر کو جس میں برسوں کی جمع کی ہوئی لاتعداد دولت کا خزانہ بھرا ہوا تھا، لوٹنے کی غرض سے ریگستانِ سندھ کو پار کیا۔ حملہ آور پہلے انہل واڑہ کے شہر پناہ پر پہنچا، لیکن بھیم اوّل اس درجہ خوف زدہ تھا کہ اس نے مقاومت کی بجائے فرار میں عافیت سمجھی۔ اس کے بعد محمود سومنات (سومناتھ) کی طرف بڑھا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ دن بھر کے سخت مقابلے کے بعد، شہر والوں نے ہتھیار ڈال دیے اور بیچارے پراگندہ و پریشان اِدھر اُدھر جان بچانے کے لیے بھاگے۔ ہندوؤں کی بڑی تعداد کا اس نے قتلِ عام کیا، مندر کو لوٹا کھسوٹا، اس کی بے حرمتی کی، اور اس کے بعد محمود کثیر مالِ غنیمت اور شکستہ بُت کے ساتھ کامیاب و کامراں غزنی واپس لوٹا جہاں اس بت کو مسجد کی سیڑھیوں پر دروازہ میں نصب کر دیا گیا۔

سلطان کے واپس چلے جانے کے بعد بھیم اوّل نے راجدھانی پر پھر قبضہ کر لیا اور چالوکیہ حکومت کا احیا کیا۔ اس نے آبو کے پرمار سردار کو تسخیر کیا، لیکن جب وہ شمالی سندھ میں مہم پر گیا ہوا تھا تو بھوج پرمار کے سپہ سالار کُل چندر نے انہل واڑہ پر حملہ کر دیا۔ اس پر بھیم اوّل اس قدر برہم ہوا کہ اس نے لکشمن کرن کل چوری کے ساتھ اتحاد قائم کیا اور کہتے ہیں کہ دونوں

کی متحدہ فوجوں نے مالوہ کو مکمل طور پر تباہ و برباد کردیا۔ جنگ کے دوران ہی میں بھوج کا انتقال ہوگیا اور اس کے مرنے کے کچھ عرصے بعد یہ اتحاد بھی ختم ہوگیا۔ اس کے بعد حلیفوں میں جنگ چھڑ گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لکشمی کرن کو بھیم اول کے مقابلے میں ہزیمت اٹھانی پڑی۔ پرماروں نے اس لڑائی سے فائدہ اٹھایا اور مالوہ کو خارجی اقتدار سے آزاد کرادیا۔

کرن

بھیم اول کے بعد اس کا لڑکا کرن گدی پر بیٹھا۔ باوجودیکہ اس نے طویل دور پایا (تقریباً ۱۰۶۳ – ۱۰۹۳ء) لیکن وہ کوئی ٹھوس کام انجام نہ دے سکا۔ اس عہد میں پرماروں کی حکومت ایک بار پھر ڈانواڈول ہوگئی کیوں کہ اُدیادِتیہ کو کرن پر ایک فتح نصیب ہوئی، اور یہ وہی چالوکیہ اُدیادِتیہ ہے جس کا ذکر ہم گزشتہ صفحات میں کسی دوسرے مقام پر کرآئے ہیں[1] اس نے متعدد مندر تعمیر کرائے تالاب کھدوائے اور اپنے نام پر ایک شہر کی بنیاد رکھی جس کی نمائندگی آج موجودہ احمدآباد کر رہا ہے۔

جے سنگھ سِدھ راج

کرن کا جانشین اس کا لڑکا جے سنگھ سدھ راج ہوا جو میَنَل دیوی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ انھل واڑہ کے حکمرانوں میں یہ سب سے ممتاز نظر آتا ہے۔ اس نے لگ بھگ نصف صدی تقریباً ۱۰۹۵ – ۱۱۴۳ء تک حکومت کی۔ راجہ کی کم سنی کی وجہ سے ابتدا میں حکومت کے کام کی دیکھ بھال بڑی قابلیت اور سوجھ بوجھ کے ساتھ راج ماتا نے کی۔ جب جے سنگھ بالغ ہوگیا تو اس نے پڑوسی ریاستوں کو فتح کرنے کا سلسلہ شروع کردیا۔ اس نے ندُول (ریاست جودھپور) اور سوراشٹر کے چوڑاسَمہ سردار کو شکست دی اور سوراشٹر کو اپنی ریاست میں شامل کرلیا۔ بعد ازاں، جے سنگھ پرمار راجاؤں ـــ نرورمن اور یشوورمن کے ساتھ طویل عرصے تک جنگ وجدال میں مصروف رہا۔ نتیجہ میں دھارا والوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ تسخیر مالوہ کی یادگار قائم کرنے کے لیے فاتح نے "اونتی ناتھ" کا لقب اختیار کرلیا۔ لیکن بندیلکھنڈ کے مدَن ورمن کے خلاف اس کی مہم ناکام ہوگئی۔ حقیقتاً معلوم ہوتا ہے کہ اس کشمکش کا انجام چندیل حکمراں کے حق میں مفید

---

[1] جو کرن مغلوب ہوا اسے عام طور پر لکشمی کرن کلچوری کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔

ثابت ہوا۔ پربندھ چنتامنی کی سند کے مطابق جے سنگھ ڈاہل کے راجہ (یعنی تری پوری کے کلچوری حکمراں) اور کاشی کے راجہ غالباً گووند چندر کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتا تھا۔ اپنے باپ کی طرح جے سنگھ نے اپنی ریاست میں متعدد مذہبی ریاستیں تعمیر کرائیں۔ مزید برآں اس نے علم و فن کی سرپرستی کی۔ متضاد مذہبی عقاید میں رواداری کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے وہ مختلف فرقوں کے درمیان مباحثے منعقد کرواتا جس میں لوگ آزادی سے حصہ لیتے تھے۔ وہ خود غالباً شیومت کو مانتا تھا، لیکن اس کے باوجود اس نے اپنے دربار میں ایک نامور جین آچاریہ ہیم چندر کو عزت کا مقام دے رکھا تھا۔

کمار پال[1]

جے سنگھ کی کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی اس لیے اس کے مرنے کے بعد راج گدی اس کے ایک دور کے رشتہ دار کمار پال کو ملی تخت نشینی کے وقت مخالفت پر قابو پانے کے بعد اس نے فوجی مہموں کا سلسلہ بڑی سرگرمی کے ساتھ شروع کردیا۔ اس نے سامبھری کے چاہ مان راجہ ارنوراج پر حملہ کیا اور اس کے لشکر کو شکستِ فاش دی۔ کمار پال نے آبو کے پرمار راجہ کی بغاوت کو بھی فرو کیا جس نے اس کی ابتدائی مشکلات کے زمانے میں علم بغاوت بلند کردیا تھا۔ کمار پال نے مالوہ میں چالوکیہ اقتدار از سر نو قائم کردیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی فوجوں کا رخ سوراشٹر کے ایک سردار کی طرف موڑ دیا اور کامیابی حاصل کی۔ لیکن اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے کونکن کے ملی کارجن کو شکست دی۔

کہتے ہیں کہ کمار پال نے سومناتھ کا مندر دوبارہ بنوایا اور حالاں کہ کتبوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شیومت کو مانتا تھا، لیکن جین تصانیف ظاہر کرتی ہیں کہ ہیم چندر کی فاضلانہ تشریحات کے بعد وہ جین معتقدات کو ماننے لگا تھا۔ غالباً جین اثرات ہی کے ماتحت کمار پال نے اپنی ریاست میں جانوروں کے ذبیحہ کو ممنوع قرار دینے کے لیے سخت احکامات نافذ کیے[2]۔ ہیم چندر کی فاضلانہ

---

[1] ملاحظہ ہو کمار پال چریت از جے سنگھ، شائع کردہ کشتی وجے گنی (بمبئی ۱۹۲۶)

[2] ملاحظہ ہو کمار پال پرتی بودھ از سوم پربھا چاریہ (گیکواڑ کا سلسلۂ مشرقیہ، نمبر ۱۴) ؛ نیز مہاراجہ پراجیہ (گیکواڑ اورینٹل سیریز، نمبر ۹)

کاوشوں نے اس کے عہد کو چار چاند لگا دیے ۔ہیم چندر نے مذہب اور دوسرے موضوعات پر کتابیں لکھ لکھ کر ڈھیر لگا دیا۔ کمار پال وکرم سمبت ۱۲۲۹، مطابق ۱۱۷۲ء سے کچھ ہی پہلے انتقال کر گیا کیوں کہ اس کے جانشین اجے پال کا یہ پہلا سن ہے جو ہمیں معلوم ہو سکا ہے ۔

گجرات کی تاریخ مابعد

گجرات کے بعد کے حکمرانوں کے بارے میں ہمارے پاس کارآمد مواد بہت کم ہے معمولی لڑائیوں اور درباری ریشہ دوانیوں کا سلسلہ بے شک جاری رہا لیکن ان کے نتائج زیادہ دور رس ثابت نہیں ہوئے۔ ۱۱۷۸ء میں بھیم دوم (بھولا بھیم) کی تخت نشینی کے بعد جس نے ساٹھ سال سے زیادہ حکومت کی گجرات کو مسلمانوں کے حملے کا سامنا کرنا پڑا جس کی قیادت غور کے سلطان نے کی۔ بھولا بھیم نے بڑے شدید مقابلے کے بعد سلطان کو پیچھے ہٹا دیا۔ اگلی کوشش قطب الدین نے ۵۹۳ھ مطابق ۱۱۹۷ء میں کی۔ انہل واڑہ پر قطب الدین کا قبضہ ہوگیا ۔ لیکن یہ قبضہ، جیسا کہ آئندہ واقعات سے ظاہر ہوا، عارضی ثابت ہوا۔ اس کے علاوہ گجرات کو مالوہ کے راجہ کے اور دیوگری کے یادو حکمراں کے حملوں کی ٹکر جھیلنی پڑی ۔جب چالوکیوں کی قوت نے بالکل جواب دے دیا تو وگھیل خاندان نے، جو اپنے تئیں کمار پال کی بہن کی اولاد بتاتا تھا موقع سے خوب خوب فائدہ اٹھایا اور بہت جلد اہمیت حاصل کرلی کیوں کہ معلوم ہوتا ہے کہ لون پرشاد جو بھولا بھیم کا وزیر اور جاگیر دار تھا، جنوبی گجرات میں خود مختار ہو گیا۔ رفتہ رفتہ وگھیلوں نے انہل واڑہ حاصل کرلیا اور پورے گجرات کو اپنے قبضے میں کرلیا[1]۔ ۱۲۹۷ء میں علاء الدین خلجی نے ایک مضبوط لشکر اپنے سپہ سالاروں الغ خاں اور نصرت خاں کی ماتحتی میں اس طرف بھیجا۔ اس کی آمد کی خبر سن کر کرن یا کرن دیو وگھیل پیٹھ دکھا کر راجدھانی سے بھاگ گیا اور حملہ آوروں نے اسے خوب لوٹا۔ انھوں نے بہت جلد دوسرے فوجی اہمیت کے مقامات بھی فتح کر لیے اور اس طرح گجرات میں ہندو حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

---

[1] دل وارا (آبو پہاڑ کے قریب) اور شترنجے کے سنگ مرمر کے مندر جن کی تعمیر دو بھائیوں — وستو پال اور تیجا پال نے وگھیل حکمرانوں میں سے کسی ایک کے دورِ حکومت میں کرائی اپنی خوب صورت منبت کاری اور نمونوں کے لیے مشہور ہیں۔ اس نمونہ کے معبدوں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں ستون بکثرت ہیں جن پر بڑی افراط کے ساتھ منبت کاری کی گئی ہے، چھت کو جو سنگ مرمر کی ہے سہارا دینے کے لیے کھنیاں (بریکٹ) استعمال کی گئی ہیں اور اسے ہلالی آویزوں سے مزین کیا گیا ہے ۔

حصہ چہارم

سترھواں باب

دکشنا پتھ کے خاندان

فصل (۱)

واتاپی (بادامی) کے چالکیہ

دکشنا پتھ کی وجہ تسمیہ

سنسکرت نام دکشنا پتھ یا دکشن کا جغرافیائی تصور جسے آج کل دکن کہا جاتا ہے، ہمیشہ یکساں نہیں رہا ہے۔ عہد قدیم میں نرمدا سے جنوب کے تمام جزیرہ نمائے ہند کے لیے یہ اصطلاح وسیع معنوں میں استعمال ہوتی تھی، جس طرح نرمدا سے شمال میں ہمالیہ اور وندھیا کے درمیانی علاقے کو مبہم انداز میں اُترپتھ کہا جاتا تھا۔ بہرحال، عام طور پر دکن اس پلیٹو کو کہتے ہیں جو نرمدا سے کرشنا تک پھیلا ہوا ہے۔ جس میں مغرب میں مہاراشٹر اور مشرق میں تلگو علاقے شامل ہیں۔

قدیم تاریخ

جنوبی ہندوستان ویدک آریوں کے لیے عرصۂ دراز تک اجنبی ملک کی حیثیت سے رہا

جس کی وجہ یہ ہوئی کہ درمیان میں وندھیا پہاڑ اور مہاکان تار کا وسیع و عریض بن حائل تھا، جنھیں پار کرنا انتہائی دشوار تھا۔ برہمنی عہد میں[2] بہرحال آریوں نے فتوحات کے خیال سے، یا پُرامن طریقے سے دراوڑ قبائل میں اپنا کلچر پھیلانے کی غرض سے، ان قدرتی رکاوٹوں کو عبور کیا۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ وندھیا پار کے ملک کی تاریخ اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب آریہ گروہ در گروہ ہجرت کر کے جنوب کی طرف پہنچنے لگے، لیکن دکن کی تہذیب کی امتیازی خصوصیات کی بنیادیں قرونِ اولیٰ ہی میں رکھی جا چکی تھیں۔ بدقسمتی سے ہمیں ایسا مواد دستیاب نہیں ہوتا جس سے معلوم ہو سکے کہ آریہ تہذیب دکن میں کب اور کیوں کر پھیلی۔ رزمیہ روایات بتاتی ہیں کہ مشہور اگستیہ مُنی پہلا شخص تھا جس نے آریائی مذہب، زبان اور کلچر پھیلانے کے لیے وندھیا کے اس پار ایک بستی بسائی۔ اس کے بعد فاتحین، مہاجرین اور مبلغین (رشیوں) کی آمد کا تانتا بندھ گیا جو مشرقی راستوں سے اور اونتی کے ذریعے وہاں پہنچتے رہے یہاں تک کہ کلنگ، ودربھ (برار)، دنڈکارنیہ (مہاراشٹر) بلکہ پورا جنوبی ہندوستان آریائی تہذیب کے بڑھتے ہوئے زور سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ یہ نتیجہ نکلتے نکلتے سینکڑوں برس کی مدت نکل گئی جس پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے، لیکن اس مقام پر قابلِ غور بات یہ ہے کہ پانینی کے جغرافیائی حدود میں، جس کی تاریخ ڈاکٹر بھنڈارکر نے تقریباً ۷۰۰ ق.م متعین کی ہے[3] صرف کلنگ شامل ہے اور قدیم بدھ مذہب کی تصنیف سوُت نپات میں گوداوری کے جنوب میں باوارِن کے آشرم کا ذکر ہے۔ درآنحالیکہ پانینی کی قواعد کے شارح کاتیاین (تقریباً چوتھی صدی ق.م) نے ماہشمتی اور ناسکیہ (ناسک) کے علاوہ چوڑوں اور پانڈیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ علاوہ بریں، اشوک کے کتبوں سے واضح طور پر تصدیق ہوتی ہے کہ اس کی حکومت تیسری صدی ق.م کے وسط میں میسور کے چیتل درگ ضلع تک پھیلی ہوئی تھی اور چوڑوں، پانڈیوں، ستیہ پتروں اور کیرل پتروں کی ریاستیں جو جزیرہ نما کی

---

[2] یہ بات اہم ہے کہ ایتریہ براہمن (ساتواں، ۱۸؛ ارلی ہسٹری آف دکن ۱۹۲۸، ص۱) میں اندھروں، پنڈروں، سبروں، پلندوں اور مُتیبوں کا ذکر آتا ہے، جنھیں ویدی رشی وشوامتر کے بیٹوں کی اولاد ظاہر کیا گیا ہے۔

[3] ارلی ہسٹری آف دی دکن، تیسرا اڈیشن (۱۹۲۸)، ص۱۲

آخری حد پر واقع تھیں، یہاں تک کہ تامرپرنی (لنکا) بھی اب اجنبی علاقے نہیں رہے تھے۔ شمالی اور جنوبی ہند کو علیحدہ کرنے والی حدِ فاصل کو مکمل طور پر عبور کیا جاچکا تھا، اور دونوں حصوں کے سیاسی اور سماجی رشتے استوار ہوگئے تھے۔ یہ واضح نہیں ہے کہ موریہ سلطنت کے زوال کے بعد اشوک کی سلطنت کے وندھیا پار کے علاقوں پر کیا گزری۔ لیکن جب پردہ پھر اٹھتا ہے تو اسٹیج پر سات واہن نمودار ہوتے ہیں اور جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں دیکھ آئے ہیں،[1] انھوں نے اپنی حکومت دکن کے بیشتر حصے پر نیز اس سے ملحقہ علاقوں میں قائم کرلی۔[2] کچھ عرصے کے لیے مہاراشٹر اور مالوہ میں شکوں نے ان کی طاقت کو نقصان پہنچایا۔ گوتمی پتر کے عہد میں سات واہنوں نے اگلی سی شان وشوکت پھر حاصل کرلی، لیکن تیسری صدی عیسوی کے وسط میں ایک آبھیر سردار ایشور سین نے مہاراشٹر ان سے پھر چھین لیا۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وسط ہند میں اور دکن کے کچھ حصوں پر واکاٹکوں کی حکومت رہی۔[3] دوسری طرف یہ کہ دکن کے مشرقی حصے میں سات واہنوں کی جگہ اکشواکوؤں اور پلّووں نے لے لی۔ یہاں چھوٹے چھوٹے خاندان سرسبز ہو رہے تھے ــــ مثلاً کدُوُر کے بَرہَتْ پھلاینَ، وینگی پُرا کے سالنکاین، اور بِنڈو۔ لوُر (وینگی کے قریب ڈِنڈلورُو) کے وِشنوکُندِن۔[4] چند خاص خاص کو چھوڑ کر باقی سب برائے نام ہی رہ گئے ہیں۔

دکن کی قدیم تاریخ کے اس سرسری جائزے کے بعد اب ہم چالکیہ خاندان کی تاریخ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

چالکیہ کون تھے؟

چالکیوں کی اصل[5] داستان کے کہر میں گم ہے۔ ایک روایت تو یہ ہے کہ وہ ہریتی

---

[1] ملاحظہ ہوں گزشتہ صفحات، باب دسواں، فصل (۳)

[2] ایضاً، باب تیرھواں (فصل ۲)

[3] ملاحظہ ہو کے۔ آر۔ سُبرامانیم، بدھسٹ ریمینس اِن آندھرا اینڈ ہسٹری آف اندھرا بیٹوین ۲۲۵ اینڈ ۶۱۰ء، باب ۷ تا ۱۰۔

[4] نام کی دوسری شکلیں یہ ہیں ـــ چالکیہ، چالیہ، چلکیہ اور سولانکی۔

کے گھڑے سے ٹھیک اس وقت پیدا ہوئے جب وہ دیوتاؤں کی بھینٹ کے لیے اس میں سے پانی انڈیل رہا تھا۔ ایک دوسری روایت جس کا ذکر بلہن نے اپنی وکرمانک دیوچرت میں کیا ہے، یہ ہے کہ وہ اس سورما کی نسل سے تھے جسے برہما نے دنیا کو بے ایمانی اور دغابازی سے پاک کرنے کے لیے اپنی ہتھیلی سے پیدا کیا تھا۔ ہمیں مزید معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاندان اصلاً ایودھیا سے تعلق رکھتا تھا اور وہاں سے وہ بعد میں جنوب کی طرف چلا گیا۔ ان روایات میں سے اگر تخیلی عنصر نکال دیا جائے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ چالکیہ شمالی ہند کی کشتری نسل سے تعلق رکھتے تھے[1] نیز یہ کہ مشہور ہیرو ہریتی ان کا مورث تھا۔ ونسنٹ اسمتھ نے بہرحال اس استنباط کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ "چالکیہ یا سولانکی چاپوں سے تعلق رکھتے تھے جو ایک غیرملکی قبیلہ تھا، اور اس جہت سے وہ غیرملکی تھے اور عین ممکن ہے کہ وہ راجپوتانہ سے ہجرت کر کے دکن پہنچے ہوں[2]۔" لیکن اس کا کوئی محکم ثبوت ہمارے پاس نہیں ہے۔

ان کا عروج

جنوبی ہند میں چالکیہ حکومت کی ابتدا جے سنگھ اور اس کے لڑکے رن راگ کے زمانے میں بہت معمولی حالات میں ہوئی۔ رن راگ کا جانشین پلکیشن اول[3] قابل ذکر شخصیت کا مالک تھا۔ وہ چھٹی صدی کے وسط میں گدی پر بیٹھا[4] اس نے واتاپی (موجودہ بادامی ضلع بیجاپور) کو اپنی راجدھانی بنایا، اور اشومیدھ یا گھوڑے کی قربانی انجام دے کر باقاعدہ راجہ بن گیا۔ خاندان کا اگلا رکن کیرتی ورمن تھا۔ اس نے کونکن کے موریوں، نیز بن واسی (شمالی کنارا) کے کدمبوں اور نلوں کو جن کا مسکن اب تک غیریقینی ہے شکست

---

[1] نیز ملاحظہ ہوں یوآن چوانگ کے نسخے (واٹرس، دوسرا ۲۳۹) جن میں پلکیشن دوم کو نسلاً کشتریہ ظاہر کیا گیا ہے

[2] ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن ص۴۴۰

[3] جسے ستیا شریہ شری ولبھ بھی کہتے ہیں

[4] ایک کتبہ سے جو حال ہی میں بادامی کے پہاڑی قلعے سے دریافت ہوا ہے، ہمیں پلکیشن اول کا شک سن ۴۶۵ مطابق ۵۴۳ء حاصل ہوا ہے۔ اس میں اسے ولبھ ایشور کہا گیا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اشومیدھ یگیہ کیا۔ (دا لیڈر، ۱۹، جون، ۱۹۴۱ء)

دی[1] بعض لوحی اسناد کے مطابق وہ اپنی افواج کو شمال میں بہار (مگدھ) اور ونگ (بنگال) تک، اور جنوب بعید میں چول اور پانڈیہ علاقوں تک لے گیا، لیکن چوں کہ دیگر شواہد سے اس بیان کی تصدیق نہیں ہوتی اس لیے یہ بات مشتبہ ہے کہ یہ بھی حقائق پر مبنی ہیں۔ جب کیرتی ورمن کا انتقال[2] ہوا تو اس کے چھوٹے بھائی نے اپنے نابالغ بھتیجوں کو دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیا اور خود گدی پر قبضہ کر لیا۔ اس مبہم دعوے سے قطع نظر کہ منگل راج یا منگلیش نے مشرقی یا مغربی سمندروں کے درمیانی علاقے کو تسخیر کر لیا تھا، کہتے ہیں کہ اس نے ریوتی دویپ (موجودہ ریڑی ضلع رتن گیری) کو حاصل کر لیا تھا اور شمالی دکن کے کلچوریوں پر بھی قابو پا لیا تھا[3]۔ اسی زمانے میں ایک غار کے اندر وشنو کا شاندار مندر بادامی میں تعمیر کرایا گیا۔ منگل راج کی زندگی کے آخری ایام میں درباری ریشہ دوانیوں کے بادل چھائے رہے جن کا نتیجہ خانہ جنگی کی صورت میں برآمد ہوا۔ آخر کار اس کے بیٹے کو گدی پر بٹھانے کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں اور اپنے جوشیلے اور چابک دست بھتیجے سے مقابلے کے دوران اس نے داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔

پلکیشن دوم

پلکیشن دوم کی تخت نشینی بے شک عمل میں آ گئی لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں تھے کہ اس کی ابتدائی مشکلات بھی ختم ہو گئیں۔ گدی کے لیے کشمکش نے ریاست کو انتشار کے ایسے بھنور میں پھانس دیا کہ ان ریاستوں نے جنھوں نے سابقہ راجاؤں کے زمانے میں اطاعت قبول کر لی تھی، اپنی جارحانہ سرگرمیوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ پلکیشن دوم کے لیے

---

[1] فلیٹ کا خیال ہے کہ نل خاندان نل وادی (موجودہ بلاری اور کرنول کے اضلاع) میں حکومت کرتا تھا۔ لیکن حال ہی میں ان کا مسکن جنوبی کوشل اور ریاست بستر میں متعین کیا گیا ہے (جرنل آف نیومسمیٹک سوسائٹی آف انڈیا، جلد اول، صہ ۲۹)

[2] سر رام کرشن بھنڈارکر کی رائے میں کیرتی ورمن ۵۶۷ء میں تخت نشین ہوا اور تقریباً ۲۵ سال اس نے حکومت کی (ارلی ہسٹری آف دکن، صہ ۵۸-صہ ۵۹)

[3] اس خاندان کے دو مشہور راجہ شنکر گن اور بدھ راج ہوئے۔

کتبوں میں "پرمیشور شری پرتھوی ولبھ ستیا شریہ" کا لقب استعمال کیا گیا ہے۔ چناں چہ نئے حکمراں نے بڑی ہمت، عزم اور کامیابی کے ساتھ اس طوفان کا مقابلہ کیا اور خاندان میں عزت کا مقام حاصل کرلیا۔ اس نے پہلے بھیمرتی (بھیما) کے مادرا، اپاینک اور گووند[1] کے حملوں کو دفع کیا۔ کدمبوں کی راجدھانی وَن واسی (شمالی کنارا میں) کو تسخیر کیا اور گنگ واڑی موجودہ میسور کا حصہ) کے گنگوں[2] اور مالابار (؟) کے الوپوں کے دلوں پر ہیبت بٹھادی؛ اور "مغربی سمندروں کی شان" یعنی پوری پر قبضہ کرنے کے بعد شمالی کونکن کے موریوں کو زیر کیا اس کے بعد کہتے ہیں کہ جنوبی گجرات کے لاٹوں، مالوؤں اور بھرگو کچھ؟) کے گرجروں نے پلکیشن دوم کی اطاعت قبول کی۔ لیکن اس کا سب سے زیادہ جرأت آمیز کارنامہ یہ تھا کہ اس نے کانیہ کبج کے ہرش وردھن اعظم کو شکست دی[3] ہرش نے فوج کی سپہ سالاری خود کی، لیکن چالکیہ راجہ کی فوجی تدابیر کے مقابلے میں ہرش کی سپہ سالاری ناکام ثابت ہوئی۔ ان تمام فتوحات سے سرفراز ہونے کے بعد پلکیشن دوم (جیسا کہ ایہول گپھا کے کتبہ مورخہ ۵۵۶ شک سمبت، مطابق ۶۳۴ء میں مندرج ہے) تینوں مہاراشٹروں پر جس میں ۹۹ ہزار گاؤں شامل تھے، مسلمہ طور پر قابض و متصرف ہوگیا۔ اس کے علاوہ کوشل (مہاکوشل) اور کلنگ کے راجہ اس کی آمد کی خبر سن کر خوف زدہ رہنے لگے، اور پشٹ پور (موجودہ پٹھاپرم) کا قلعہ بغیر مقابلہ کے اسے مل گیا۔ جب سلطنت کے حدود غیر معمولی طور پر بڑھ گئے، پلکیشن دوم نے تقریباً ۶۱۵ء میں مشرقی علاقوں کا انتظام اپنے چھوٹے بھائی کبج وشنو وردھن وشم سدھی کے سپرد کردیا۔ آخرالذکر نے اپنے زیر انتظام علاقوں میں فتوحات کے ذریعہ کچھ اور اضافے

---

[1] ان کی شناخت غیر معین ہے

[2] اندازاً گنگ سردار وردنیا کے مماثل تھا۔

[3] اس سے موازنہ کریں ــــ "ہرش جس کے کنول چرنوں پر صاحبِ اقبال و دولت جاگیرداروں کے تاجوں کی کرنیں پڑتی تھیں، اس کے خوف میں مسرت سے محروم ہوگیا، اور اپنے شاندار ہاتھیوں سمیت جو جنگ میں کام آگئے ذلیل و خوار ہوا۔"

अपरिमितविभूतिस्फीतसामन्तसेना
मुकुटमणिमयूखाक्रान्तपादारविन्दः
युधिपतितगजेन्द्रानीकबीभत्सभूतो
भयविगलितहर्षो येन चाकारि हर्षः ॥ (ایپی گرافیہ انڈیکا، چھٹا، صفحہ ۱، اشلوک ۲۳)

کر لیے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس نے واتاپی پور سے بھی تعلقات بالکل منقطع نہیں کیے۔ غالباً اس کے بیٹے اور جانشین جے سنگھ اول کے زمانے میں مناسب موقع پاکر خاندان کی یہ شاخ خود مختار ہوگئی[1]۔ جنوب میں پُلکیشن دوم نے پَلّو راجہ کے ساتھ جسے مہیندر ورمن اول کے مماثل قرار دیا گیا ہے، زور آزمائی کی اور اس کی راجدھانی کانچی پور (کنجی ورم) پر حملہ کر دیا۔ جب چالکیہ افواج کاویری سے آگے پہنچ گئیں تو چول، پانڈیہ اور کیرل کی ریاستوں نے پرانی دشمنی ختم کرکے پلکیشن دوم سے دوستانہ تعلقات قائم کر لیے۔

سفارتی روابط

پلکیشن دوم نے صرف فنِ جنگ ہی میں امتیاز حاصل نہیں کیا بلکہ اپنے مقام اور اپنی حیثیت کو مضبوط کرنے کے لیے ایک اور فنِ لطیف یعنی فنِ سفارت کو بھی ترقی دی۔

---

[1] وینگی کے راجہ جنھیں مشرقی چالکیہ کہا جاتا ہے، آندھر دیش اور کلنگ کے ایک حصے پر حکومت کرتے تھے۔ انھوں نے تقریباً ۵۰۰ سال حکومت کی جس میں مختلف نشیب و فراز آئے۔ اس قدر زرخیز اور فوجی اہمیت کے علاقوں پر قبضے نے دکن کے سیاسی معاملات میں خاندان کو کافی اہمیت دے دی۔ لیکن خاندان کے بعض افراد اپنی فوجی صلاحیتوں کے لیے بھی مشہور تھے؛ مثلاً وجے آدتیہ دوم (تقریباً ۷۹۹-۸۴۳ء) اور وجے آدتیہ سوم (تقریباً ۸۴۴-۸۸۸ء) جنھوں نے کہتے ہیں کہ راشٹرکوٹوں، گنگوں اور دوسری معاصر ریاستوں کے خلاف جنگ کی اور فتوحات حاصل کیں۔ دسویں صدی عیسوی کے ربع آخر کے قریب وینگی کی ریاست کو زبردست صدمہ پہنچا، اور راج راج اول چول نے اسے تاخت و تاراج کیا۔ شکتی ورمن (تقریباً ۹۹۹-۱۰۱۱ء) نے جزوی طور پر نقصان کی تلافی کی۔ لیکن اگلا راجہ وِمل آدتیہ (تقریباً ۷۹۹-۸۴۳ء) اور اس کے جانشین تجور کے چولوں ہی کے زیر اثر تھے ایک حد تک اس کا سبب دونوں خاندانوں کے درمیان ازدواجی رشتے تھے، کیوں کہ وِمل آدتیہ نے چول راجکماری کُندوا سے شادی کی۔ ان دونوں سے جو لڑکا پیدا ہوا اس کا نام راج راج وشنو وردھن تھا۔ اس نے راجندر اول کی لڑکی سے شادی کی۔ ان کے میل سے جو بچہ پیدا ہوا اس کا نام راجندر چول دوم تھا جو بعد میں کلوتنگ کہلایا۔ ۱۰۷۰ء میں دونوں گدیوں کا وہی مالک تھا۔ اس نے وینگی سے اپنے چچا وجے آدتیہ ہفتم کو نکال باہر کیا اور اپنے بیٹوں راج راج ممدی چوڑ اور ویر چوڑ کو باری باری اس علاقے میں اپنا نائب السلطنت مقرر کیا۔ اس طرح مشرقی چالکیہ اور چول حکومتیں باہم مخلوط ہوگئیں اور اس مخلوط خاندان نے تقریباً دو سو سال تک بڑی کامیاب حکومت کی۔ بالآخر ورانگل کے کاکتیوں، ہوئسلوں اور دوسرے مخالف پڑوسیوں کے حملوں کی وجہ سے ان کی حالت سقیم ہوگئی (ملاحظہ ہو ڈی۔ سی۔ گنگولی: ایسٹرن چالکیاز، بنارس ۱۹۳۷ء)

عرب مورخ طبری کی سند کے مطابق[1] پلکیشن دوم نے ایران یا فارس کے بادشاہ خسرو دوم سے دوستانہ تعلقات قائم کیے اور ۶۲۵ء میں اس کے دربار میں خطوط اور تحائف کے ساتھ ایک سفارت بھیجی۔ شاہ فارس نے بھی ایک سفارت چالکیہ دربار میں بھیجی۔ عالموں نے عام طور پر خیال کیا ہے کہ اجنتا کے غار کی ایک تصویر میں فارسی سفارت کے استقبال کا ایک منظر پیش کیا گیا ہے۔ اِسٹن کونوو نے بہر حال اس رائے کے بارے میں شبہ ظاہر کیا ہے[2]۔

یوآن چوانگ کی شہادت

پلکیشن دوم کے دورِ حکومت میں نامور چینی زائر یوآن چوانگ اپنی سیاحت کے دوران، غالباً سن ۶۴۱ء میں موہو لاچھا (یا لاٹا) دیش یا مہاراشٹر پہنچا۔ وہ ہمیں بتاتا ہے کہ "وہاں کی زمین زرخیز ہے۔ اس میں پابندی سے کاشت اور بکثرت پیداوار ہوتی ہے"[3]۔ علاوہ بریں وہاں کے "باشندے بڑے غیور و خود دار اور جنگ جو تھے۔ اگر ان کے ساتھ کوئی بھلائی کرتا تو ممنون ہو جاتے اور بُرائی کرتا تو بدلہ ضرور لیتے۔ اگر کوئی مصیبت زدہ ان سے رحم طلب ہوتا تو اس کے لیے اپنی جان تک دے دیتے اور اگر کوئی ان کے ساتھ اہانت کا برتاؤ کرتا تو اس کی جان لیے بغیر نہ چھوڑتے۔ ان کے وہ سورما جو میدانِ جنگ میں صف اول میں رہتے وہ شراب پی کر جنگ کرتے تھے اور جنگ شروع ہونے سے پہلے وہ اپنے ہاتھیوں کو بھی شراب پلاتے تھے"[4]۔ اس دیش کا راجہ پولوکے شی (پلکیشن) تھا جو کشتریہ نسل سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا لشکر اعلیٰ درجے کا تھا جس کے بل پر وہ پڑوسی ریاستوں کو "حقیر و ذلیل" سمجھتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کی کریمانہ حکومت کے حدود "دور دور تک پھیلے ہوئے تھے اور اس کے تمام جاگیردار بڑی وفاداری کے ساتھ اس کی اطاعت کرتے تھے"[5]۔

---

[1] جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی، نیو سیریز، گیارھواں، (۱۸۷۹)، صفحہ ۱۶۵، ۱۲۶

[2] انڈین اینٹی کویٹریز، فروری ۱۹۰۸، صفحہ ۴۳

[3] بیل، دوسرا، صفحہ ۲۵۶

[4] واٹرس، دوسرا، صفحہ ۲۳۹ [5] ایضاً

افسوس ناک انجام

اس عظیم چالکیہ راجہ کی زندگی کے آخری ایام بڑی یاس و حسرت میں گزرے، کیونکہ پلووؤں نے نرسنگھ ورمن اول (تقریباً ۶۲۵-۶۴۵ء) کی قیادت میں اگلے پچھلے سب بدلے چکا لیے۔ کئی کامیاب مہموں کے بعد اس نے چالکیہ راجدھانی واتاپی پر اچانک حملہ کر دیا اور غالباً پلکیشن دوم کو قتل کر دیا۔ لیکن چالکیوں نے جو مقاومت کی اس کا سلسلہ جاری رہا اور انھیں جو عارضی نقصان پہنچا تھا اس کی بہت جلد انھوں نے تلافی کر لی۔

پلکیشن دوم کے جانشین

پلکیشن دوم کے بعد اس کا دوسرا لڑکا وکرما دتیہ اول جسے ستیا شریہ[1] بھی کہا جاتا ہے، راجہ ہوا۔ اس نے تقریباً ۶۵۴ء تک اپنے خاندانی دشمن یعنی پلووؤں سے اپنے آبائی علاقے واپس لے لیے۔ کہتے ہیں کہ اس نے تین پلو راجاؤں — نرسنگھ ورمن اول، مہیندر ورمن دوم اور پرمیشور ورمن کو شکست دی۔ اس کے برخلاف بعض دستاویزات سے ثابت ہوتا ہے کہ پرمیشور ورمن نے چالکیوں کو شکست دی۔ اگر ان دعووں میں کوئی سچائی ہے تو ماننا پڑے گا کہ دونوں طاقتوں میں کافی عرصے تک جنگ جاری رہی۔ اور جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے، قسمت کا فیصلہ دونوں کے حق میں کبھی مفید اور کبھی مضر ثابت ہوا۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وکرما دتیہ اول پلو راجدھانی کی غارت گری سے باز نہ آیا اور بڑھتا ہوا جنوب کی آخری حد تک پہنچ گیا اور اس کی فوجی قوت کے دباؤ کو چولوں، پانڈیوں اور کیرلوں نے بھی محسوس کیا۔ ان لڑائیوں میں اس کے بیٹے ونے آدتیہ اور پوتے وجے آدتیہ نے بڑی قابلیت کے ساتھ اس کی مدد کی۔ اول الذکر نے تقریباً ۶۸۰ء سے ۶۹۶ء تک اور آخر الذکر نے ۶۹۶ء سے ۷۳۳ء تک حکومت کی۔ ایک کتبے کی سند کے مطابق ونے آدتیہ ستیا شریہ نے "شمالی علاقے کے راجہ کو کچل کر اعلیٰ ترین فرمانروائی

---

[1] قیاس کیا جاتا ہے کہ وکرما دتیہ اول اپنے باپ کا چہیتا بیٹا (پریہ پتر) تھا، اس لیے گدی اسی نے حاصل کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بڑے بھائی چندر آدتیہ کو کسی دور کے صوبے کا نگران مقرر کیا گیا۔ وکرما دتیہ اول نے لاٹ کا صوبہ اور جنوبی گجرات کے علاقے اپنے دوسرے بھائی جے سنگھ کے سپرد کیے۔

کا امتیازی نشان حاصل کر لیا" (سَکَلُو تَرَپَتھ ناتھ ؔ[1]) ۔ اس بیان میں مبالغے کا عنصر شامل ہے، کیوں کہ اس عہد میں شمالی ہند پر کسی طاقت کے اقتدار اعلیٰ کا حال ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وِنے آدتیہ نے بعد والے گپت خاندان والے راجہ آدتیہ سین کے مقابلے میں فوجی کامیابی حاصل کی۔ وِنے آدتیہ کے لڑکے وکرمادتیہ دوم (تقریباً ۷۳۳ء - ۷۴۶ء) کے دورِ حکومت میں پلّوؤں کے ساتھ دشمنی کا سلسلہ جاری رہا۔ نندی ورمن کو شکست ہوئی اور چالکیہ فوج کانچی میں داخل ہو گئی۔ کانچی کے ایک مندر میں فاتح کی ایک شکستہ و دریدہ لوح محفوظ ہے جو آج تک اس کی فتح کی شہادت دے رہی ہے۔ اس کے علاوہ کہتے ہیں کہ وکرمادتیہ دوم کی فوجوں نے دوسرے موروثی دشمنوں — مثلاً چولوں، پانڈیوں، کل بھروں اور اہلِ مالابار کو شکست دی۔ وکرمادتیہ دوم برہمنوں کو انعام و اکرام دینے کے لیے مشہور ہے۔ اس کی دونوں بیویوں نے جو ہے ہیہ خاندان سے تعلق رکھتی تھیں شیو کے اعزاز میں شاندار معبد تعمیر کرائے۔ شک سمبت ۶۶۹ مطابق ۷۴۷ء - ۷۴۸ء میں وکرمادتیہ دوم کی جگہ اس کا لڑکا کیرتی ورمن دوم گدی پر بیٹھا جو اپنے باپ کی طرح پلّوؤں کے ساتھ جنگ میں مصروف رہا۔ لیکن پلّوؤں کی طرف داری اور تعصب کے باعث مہاراشٹر اس کے یا اس کے باپ کے ہاتھوں سے نکل کر تقریباً آٹھویں صدی عیسوی میں راشٹر کوٹ سردار دنتی دُرگ کے قبضے میں چلا گیا[2]۔ کیرتی ورمن کے عہد کے بعد اگرچہ خاندان کا نام و نشان نہیں مٹا، البتہ چالکیہ حکمرانوں کی اہمیت بالکل ختم ہو گئی۔ اور جیسا کہ ہم ذیل میں دیکھیں گے بعد میں خاندان کے بعض نو عمر لڑکوں نے اپنی حکومت از سرِ نو قائم کرنے کی کوشش کی۔

مذہب و فن کی سرپرستی

واتاپی کے چالکیہ سچے دل سے برہمن مت کو مانتے تھے، لیکن وہ رواداری کے سنہرے اصول کے بھی پابند تھے۔ ان کے عروج کے زمانے میں جین مت دکن میں خاص کر جنوبی علاقوں میں خوب سرسبز ہوا۔ ایہول کے کتبے کا جین مصنف رَوِی کیرتی کا جس نے جنیندر کا مندر تعمیر کرایا، دعویٰ ہے کہ اس نے پلکیشن دوم سے "بلند ترین اعزاز و اکرام" حاصل کیے۔ اس

ؔ[1] انڈین اینٹی کوئری، جلد ۱۹، ص ۱۲۹؛ ... ص ۱۰۱، ص ۱۰۲

ؔ[2] ملاحظہ کیجیے دنتی درگ کی سامان گڑھ تحریر سے جن پر شک سمبت ۶۷۵ - ۷۵۳ء - ۷۵۴ء کی تاریخ ثبت ہے (اپی گرافیا انڈیکا، جلد ..، ص ..، ص ..)

طرح وجے آدتیہ اور وکرما دتیہ دوم نے مشہور جین پنڈتوں کو گاؤں جاگیر میں دیے۔ یہ ثابت کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی شہادت نہیں ہے کہ چالکیہ راجاؤں نے بدھ مت کی کس انداز سے سرپرستی کی۔ یوآن چوانگ کی حسب ذیل شہادت سے اتنی بات ضرور واضح ہو جاتی ہے کہ بدھ مت اگرچہ معدوم نہیں ہوا تھا، لیکن شاید انحطاط پذیر ضرور ہو چکا تھا؛ "بدھ خانقاہیں وہاں ۱۰۰ سے اوپر تھیں اور برادرانِ مذہب کی تعداد جن میں دونوں فرقوں کے ماننے والے شامل تھے، ۵۰۰۰ سے زاید تھی۔ راجدھانی کے اندر اور باہر اشوک کے پانچ توپ تھے جن میں پچھلے چاروں بدھ ورزش کی غرض سے بیٹھا اور ٹہلا کرتے تھے۔ اور وہاں پتھر اور اینٹ کے لاتعداد اور توپ بھی تھے"[1] جہاں تک برہمن مت کا تعلق ہے، پُرانوں کے دیوتا اُبھر کر نمایاں ہو گئے تھے اور واتاپی (بادامی) اور پٹ ڈکل[2] (ضلع بیجاپور) میں تثلیث کے تینوں دیوتاؤں — برہما، وشنو اور شیو کے اعزاز میں اعلیٰ درجے کی عمارتیں تعمیر کرائی گئیں۔ ان دیوتاؤں کو دوسرے مختلف ناموں سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔ بعض اوقات مندر ٹھوس چٹانوں کو تراش کر بنوائے جاتے تھے۔ مثال کے طور پر منگلیش کے عہدِ حکومت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اسی نمونے کا ایک مندر تعمیر کرایا جو فنِ تعمیر کا ایک نادر شاہکار ہے۔ اس مندر کو اس نے وشنو سے منسوب کیا[3] یہ بھی قیاس کیا گیا ہے کہ اجنتا کے مشہور و معروف غاروں کی روغنی تصویریں شاید قدیم چالکیہ راجاؤں کے دور کی یادگار ہیں۔ آخری بات یہ کہ یگیہ کی رسمیں تمام جزوی تفصیلات کے ساتھ انجام دی جاتی تھیں۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی رسمیں تنہا پلکیشن اول نے انجام دیں، مثلاً اشومیدھ، واج پیہ پونڈریک، وغیرہ۔

---

[1] واٹرس، دوسرا، صفحہ ۲۳۹

[2] پٹ ڈکل کے مندر، خاص کر ان کے دِمان پلّو فنِ تعمیر کے نمونے پر تیار کرائے گئے تھے۔

[3] ملاحظہ ہو ایچ۔ کوزنس، دا چالوکیین آرکی ٹکچر (آرکیالاجیکل سروے آف انڈیا، جلد ۴۲، کلکتہ، ۱۹۲۶) چالکیہ مندر لیک بہت باقاعدہ آراستہ پیراستہ کرسی پر تعمیر ہوا ہے۔ اس کا نقشہ کثیرالاضلاع تارے کی شکل کا ہے، اس کی چھت پر نیچا گاؤدم مینار ہے جس پر آرائش کے لیے ظرف نما (ولز) حد بنایا گیا ہے۔

فصل (۲)

مانیہ کھیٹ (مال کھیڑ) کے راشٹرکوٹ

راشٹرکوٹوں کی اصل

راشٹرکوٹ دکن کی کس نسل سے تعلق رکھتے تھے؟ یہ ایک ٹیڑھا سوال اور عاجز کر دینے والا مسئلہ ہے۔ خاندان کے بعد کی دستاویزات ظاہر کرتی ہیں کہ وہ یدو کی نسل میں تھے اور ان کا مورث اعلیٰ رٹّ نامی راجہ تھا جس کے لڑکے راشٹرکوٹ کے نام پر خاندان کا نام راشٹرکوٹ پڑ گیا۔ سر رام کرشن بھنڈارکر[1] نے انھیں "تخیلی شخصیتیں" مانا ہے۔ وہ ان روایات پر کوئی اعتماد نہیں رکھتے اور ان کا خیال غالباً بالکل درست ہے۔ اسی طرح فلیٹ[2] کی یہ رائے کہ دکن کے راشٹرکوٹ شمالی ہند کے راٹھوروں (راشٹرکوٹوں) کی اولاد تھے، تنقید کی کسوٹی پر پوری نہیں اترے گی۔ اور برنل[3] کے اس نظریے میں کوئی وزن ہے کہ ان کا تعلق آندھر دیش کے دراوڑی رڈیوں سے تھا۔ سب سے زیادہ قرین قیاس رائے یہ ہے کہ مال کھیڑ کے راشٹرکوٹ رشٹکوں یا رٹھکوں کی اولاد تھے جنھوں نے تیسری صدی ق م میں اتنی اہمیت حاصل کر لی تھی کہ اشوک نے اپنے فرمانوں میں بھوجکوں اور دوسرے اپرانتوں (مغربی ہند کے باشندوں) کے ساتھ ان کا بھی ذکر کیا ہے۔

ان کا اصلی وطن

کتبے اور سکے ثابت کرتے ہیں کہ، جیسا کہ ڈاکٹر آلتیکر[4] نے ظاہر کیا ہے، کہ مہاراشٹر اور کرناٹک کے بعض علاقوں پر رٹھک اور مہارٹھی گھرانوں کا قبضہ جاگیردار حکمرانوں کی

---

[1] ارلی ہسٹری آف ڈکن (تیسرا اڈیشن، ۱۹۲۸) ص ۶۱

[2] بامبے گزیٹیر، جلد ایک، حصہ ۲، ص ۳۸۴

[3] ساؤتھ انڈین پلیوگرافی، ص ۱

[4] راشٹرکوٹاز اینڈ دیئر ٹائمس، ص ۱۹-۱۸۔ اس کتاب سے بہت استفادہ کیا ہے۔

حیثیت سے تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مانیہ کھیٹ کے بعد والے راشٹر کوٹ آخر کہاں کے باشندہ تھے۔ ڈاکٹر الٹیکر کے نزدیک ان کا اصلی وطن کرناٹک تھا اور مادری زبان کنڑی تھی کیوں کہ وہ خود یہی زبان اور یہی رسم خط استعمال کرتے تھے، اور اسی کی سرپرستی کرتے تھے[1] اس کے علاوہ ایک لوح میں انھیں "لٹ لوُر پُرَوَرا دھیش" یعنی "بہترین شہر، پُرَوَرادھیش کا راجہ" کہا گیا ہے۔ یہ لاتُور کے مماثل ہے جو نظام کی ریاست (اب اندھرا پردیش) کے ضلع بیدر میں کنڑی بولنے والا علاقہ ہے۔ یہ بلاشبہ وزنی دلائل ہیں جن سے بعض عالموں کے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ مل کھیڑ راشٹر کوٹ مہاراشٹر کے باشندے تھے۔

خاندان کا عروج

خاندان کے پہلے چند حکمراں — دنتی ورمن، اندر اول پرچھک راج، گووند اول کرک اول، اور اندر راج دوم — کوئی ممتاز مقام حاصل نہ کر سکے۔ دراصل ہم ٹھیک ٹھیک یہ بھی نہیں جانتے کہ ان کی ریاستیں کہاں واقع تھیں۔ ڈاکٹر الٹیکر[2] کی رائے ہے کہ خاندان نے اپنے اصلی وطن کرناٹک سے ہجرت کرنے کے بعد "کہیں برار میں" اپنی حکومت قائم کی۔ مزید برآں ان کا خیال ہے کہ وہ "راشٹر کوٹ راجہ نن راج یدھا سُر کی، جو ساتویں صدی عیسوی کے وسط میں ایلچ پور (برار) میں حکمرانی کر رہا تھا، یا تو براہ راست اولاد تھے، یا اس کے ہم جدی تھے[3]۔" ان رایوں سے کوئی صاحب متفق ہوں یا نہ ہوں، البتہ یہ بات طے ہے کہ راشٹر کوٹوں[4] نے دنتی درگ کے زمانے سے ترقی کرنی شروع کی۔ دنتی درگ چالکیہ راجکماری بھَوناگا کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ اسے اندر راج نے شادی کی رسموں کے دوران زبردستی اغوا کر لیا تھا۔ حال ہی میں الورا سے جو تختیاں دریافت ہوئی ہیں ان سے

---

[1] ایضاً ص ۲۱-۲۲

[2] راشٹر کوٹاز اینڈ دیئر ٹائمس، ص ۱۱-۲۲ وغیرہ۔

[3] ایضاً ص ۱۱

[4] مانیہ کھیٹ میں راشٹر کوٹ مہاجہ صافی اُترگمہ دیش اعلیٰ نے قائم کی۔ حالاں کہ بعد کمنٹر پئی (دمہ کمنتہ، ضلع ناسک) اور مسٹر لا جین مرتی (الورا کے قریب) کے نام بتائے جاتے ہیں، لیکن ان کا قدیم مستقر نامعلوم ہے۔

پتہ چلتا ہے کہ دَنتی دُرگ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے تقریباً ۷۵۰ء میں مہاراشٹر کی چالکیہ ریاست کا تختہ الٹ دیا[۱] راشٹرکوٹ حکمراں نے دوسری معاصر ریاستوں مثلاً کانچی (پلوراجہ)، کلنگ، کوشل (جنوبی کوشل)، مالو (اجین کا گرجر پرتی ہار حکمراں) لاٹ (جنوبی گجرات جہاں کا گورنر کرکؔ دوم تھا)، ٹنک (جس کی شناخت نہیں ہو سکی ہے) اور شری شَیل (ضلع کرنول) وغیرہ کے راجاؤں کو بھی زیر کیا۔ دَنتی دُرگ کے اولادِ نرینہ نہیں تھی، اس لیے اُس کے انتقال کے بعد ۷۵۸ء سے کچھ ہی پہلے اس کا چچا کرشن یا کرشن اول گدی پر بیٹھا۔ بعض عالموں کی رائے ہے کہ دَنتی دُرگ چوں کہ ظالم حکمراں تھا اس لیے اسے گدی سے اتار دیا گیا تھا۔ بعض فرمانوں میں اُس کا نام شامل نہیں ہے۔ اس بات سے مندرجہ بالا رائے کو تقویت پہنچتی ہے۔ قرینِ قیاس بات یہ ہے کہ ان میں چچا کے مقابلے میں بھتیجے کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ ایک کتبہ کی سمت کے مطابق کیرتی ورمن دوم چالکیہ کی حکومت کرناٹک اور اس کے ملحقہ علاقوں میں ۷۵۷ء تک باقی رہی۔ اس کی طاقت کو ختم کرنے کا کام کرشن اول نے مکمل کیا۔ کرشن راج[۲] نے مفتوحہ علاقوں میں انتظام و انصرام درست کیا اور سرکش راہوپ کو کچلنے کے بعد راجا دھراج پرمیشور "کا شاہانہ لقب اختیار کر لیا۔ لیکن جتنے ماٰخذ ہمارے پاس موجود ہیں ان کی روشنی میں اُسے صحیح طور پر شناخت کرنا مشکل ہے۔ اس کے بعد کرشن اول نے کونکن کو زیر کیا، گنگ واڈی (یعنی گنگوں کی ریاست) کو تاخت و تاراج کیا اور وینگی کے مشرقی چالکیہ حکمراں وشنو وردھن چہارم کو شکست دی۔ ان فوجی کامیابیوں کے ساتھ ساتھ کرشن اول کا عہد اس جہت سے بھی ممتاز ہے کہ اس نے اِلاپور (نظام کی ریاست میں الورا) میں شیو کا ایک عظیم الشان مندر تعمیر کرایا۔ اسے پہاڑ کو کاٹ کر تراشا گیا ہے اور اس میں شک نہیں کہ پوری عمارت، بقول ونسنٹ اسمتھ "ہندوستان میں فن تعمیر کا حیرت انگیز کرشمہ ہے"[۳]۔

---

[۱] ملاحظہ ہو ایپی گرافیہ انڈیکا، پچیس، صہ ۲۵، صہ ۳۱۔ الورا کی تختیاں جن پر شک سمبت ۶۶۳، مطابق ۷۴۱ - ۷۴۲ء پڑا ہوا ہے، دَنتی دُرگ کی سب سے پہلی تاریخ کا ہمیں پتہ دیتی ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ الورا کے علاقہ میں اس وقت دَنتی دُرگ کی حکومت تھی۔

[۲] کرشن اول کو عام طور پر شبھ تُنگ اور اکال وَرش بھی کہا گیا ہے۔

[۳] ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن، صہ ۴۲۵۔

راشٹر کوٹ شہنشاہیت کی ترقی:

(۱) گووند دوم

معلوم ہوتا ہے کرشن اول کا انتقال ۷۷۲ء کے کچھ ہی بعد ہوگیا اور اس کے بعد اس کا بڑا لڑکا گووند دوم پربھوت ورشن راجہ ہوا۔ یُووراج کی حیثیت سے اس نے دینگی کے وشنو وردھن کو شکست دی تھی۔ لیکن جب وہ راجہ ہوگیا تو سوائے ایک پاری جات کے کسی اور کے مقابلے میں کوئی اور قابل ذکر فتح حاصل نہ کرسکا۔ راشٹر کوٹ راجہ نے اپنی قوتوں کو بے روک ٹوک لہو ولعب اور عیاشی میں ضایع کرنا شروع کردیا۔ یہاں تک کہ امورِ سلطنت کی دیکھ بھال بھی اس کا چھوٹا بھائی دھرُوَو کرتا تھا۔ چھوٹے بھائی نے موقع سے فائدہ اٹھاکر بغاوت کردی اور نتیجے میں تقریباً ۷۷۹ء میں گدّی پر قبضہ کرلیا۔

(۲) دھرُوَو نروپم

دھرُوَو نروپم نے، جسے دھارا ورش، اور کلی یا شری وَلبھ بھی کہتے ہیں[1] سب سے پہلے اپنے بھائیوں کے حلیفوں پر شدید ضربیں لگائیں۔ گنگ راجہ، شیومار مُتّ رس کو نیچا دکھایا اُسے گرفتار کرلیا اور اس کے علاقوں کو اپنی ریاست میں شامل کرلیا اس کے بعد دھرُوَو نے کانچی کے پلّو حکمراں سے اپنا لوہا منوایا۔ پھر دھرُوَو شمال کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے اجین کے پرتی ہار حکمراں وتس راج کو "مرُو کے (ریگستانوں کے) بیچ میں ناکامی کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کردیا"[2] یہ فقرہ شاید یہ ظاہر کرتا ہے کہ دھرُوَو نے اپنے دشمن کو شکست دے کر اُسے راجپوتانہ کے بے آب وگیاہ میدانوں کی طرف بھگا دیا۔ دھرُوَو نے اندرایُدھ کے عہدِ حکومت میں گنگا کے دوآب پر بھی حملہ کیا۔ کہتے ہیں کہ اس نے "اپنے شاہی نشان امتیازی میں گنگا اور جمنا کے لیے ایک مخصوص علامت کا اضافہ کیا"۔ اسی حملہ کے دوران اس کی ملاقات دھرم پال سے ہوئی جس میں دھرُوَو کامیاب ہوا۔ اور جب گوڑ کا راجہ گنگا اور جمنا کے درمیان

---

[1] یہ لقب جینیوں کے سری ونش میں استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے یہی دھرُوَو کا سن شک سمبت ۷۰۵، مطابق ۷۸۳ء۔ ۷۸۴ء، دستیاب ہوتا ہے۔

[2] انڈین اینٹی کویریز، نواں، ص ۱۲۹؛ ایپی گرافیہ انڈیکا، چھٹا، ص ۲۴۳، ص ۲۴۸۔

بھاگ رہا تھا تو دھرو ودَ نے اس کی سفید چھتریاں اور اس کی لکشمی کے ہنستے ہوئے کنول چھین لیے۔[1] البتہ مدھیہ دیش میں دھرو ودَ کی مہم سے اس کی ریاست کی حدود میں کوئی اضافہ نہیں ہوا، لیکن ایک بات ضرور واضح ہو گئی، وہ یہ کہ راشٹرکوٹوں نے ملوکانہ شان کے ساتھ توسیع سلطنت کی روش اختیار کر لی۔

(۳) گووند سوم

دھرو ودَ نے اپنے جانشین کی حیثیت سے گووند سوم کا انتخاب کیا۔ بہر حال یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ وہ تقریباً ۷۹۴ء میں باپ کے تخت سے دست بردار ہونے کے بعد راجہ ہوا، یا باپ کے مرنے کے بعد۔ استمبھ (کھمبیہ)، جو گنگ واڑی کا گورنر اور گووند سوم کا بڑا بھائی تھا، اس کے مقابلے پر آیا۔ اس مقابلے میں بہت سے سرکش جاگیرداروں نے اس کی حمایت کی، یہاں تک کہ گنگ راجہ شیومار، جسے قید سے رہا کر دیا گیا تھا، اس نے بھی نئے راشٹرکوٹ حکمراں کے خلاف بغاوت کی۔ لیکن باغیوں کا کچھ بس نہ چلا اور انھیں بہت جلد مکمل طور پر بھگا دیا گیا۔ گنگ واڑی پھر فتح ہو گئی اور گووند سوم نے استمبھ کے ساتھ بڑی کشادہ دلی کا برتاؤ کیا اور اسی علاقے میں اپنے نمائندے کی حیثیت سے اس کا پھر تقرر کر دیا۔ اس کے بعد کانچی کے پلو راجہ دنتِگ (دنتی ورمن) پر قابو پانے کے بعد گووند سوم نے وینگی کے چالکیہ راجہ وجے آدتیہ دوم (۷۹۹-۸۴۳ء) سے شمشیر آزمائی کی اور اُسے نیچا دکھایا۔ گووند سوم نے باپ کی طرح شمالی ہند کی طاقتوں کو بھی فتح کیا۔ اس نے ناگ بھٹ دوم کو بھی شکست دی۔ اجین کے جو آبائی علاقے[2] ناگ بھٹ کے ہاتھ سے نکل گئے تھے اس نے انھیں حاصل کرنے کی لاکھ کوششیں کیں مگر گووند سوم نے ۸۰۶ اور ۸۰۸ء کے درمیان اس کی ان سب کوششوں کو خاک میں ملا دیا۔[3] بہر حال

---

[1] ایضاً، اٹھارہ، ص ۲۴۴، ص ۲۵۲؛ نیز ملاحظہ کریں ہسٹری آف قنوج، ص ۲۲۳

[2] سنجن کی تختیاں، ایپی گرافیہ انڈیکا، اٹھارہ، ص ۲۴۵، ص ۲۵۳؛ اشلوک ۲۳؛ نیز ملاحظہ ہو رادھن پور کا فرمان ایضاً ص ۲۴۲، ص ۲۴۵، اشلوک ۱۵

[3] ہسٹری آف قنوج، ص ۲۲۳

کرشن راج کی بڑودہ والی تختی سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ گووند سوم کو چوں کہ حملوں پرتی ہار راجہ سے خطرہ لاحق تھا اس لیے "اس نے مالوہ کی حفاظت کی غرض سے:..... کرشن راج کے بازو کے ذریعہ گرجروں کے دیش کا سدباب کر دیا۔"[1] گووند سوم پھر گنگا کے دوآب کی طرف متوجہ ہوا۔ سنجن کی تختیاں ہمیں بتاتی ہیں کہ کانیہ کبج کے چکرآیدھ اور گوڑ کے دھرم پال نے اس کے مقابلے میں "خود بخود ہتھیار ڈال دیے۔"[2] لیکن ان فتوحات سے اسے سکون میسر نہ ہوا۔ جب گووند سوم شمال میں مصروف کارزار تھا تو چولوں اور پانڈوں نے کانچی اور گنگ واڈی اور کیرل کے راجاؤں کے ساتھ مل کر اس کے خلاف جتھے بندی کر لی۔ گووند سوم کی فوجیں ایک بار پھر ظفریاب ہوئیں اور اس کے بعد اس نے اپنی زندگی کے باقی ماندہ سال ریاست کے داخلی حالات درست کرنے کے لیے وقف کر دیے۔

امو گھ ورش اول

۸۱۴ء کے شروع میں گووند سوم کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد راج گدی اس کے لڑکے کو ملی جو صرف اپنے لقب امو گھ ورش سے معروف ہے[3]۔ چوں کہ امو گھ ورش نو عمر تھا اس لیے معلوم ہوتا ہے گووند سوم نے مرنے سے پہلے کاروبارِ سلطنت کی نگرانی اپنے گجرات والی شاخ کے ہم جدی کرشن راج سوورن ورش کے سپرد کر دی تھی۔ لیکن مفسد قوتیں زیادہ دنوں خاموش نہ رہ سکیں۔ شاہی خاندان کے باہمی نزاعات سے وہ بھی متاثر ہوئے اور غداری پر اتر آئے۔ باجگزار راجاؤں نے بغاوت کر دی اور گنگ واڈی کا حکمراں خود مختار ہو گیا۔ یہاں تک کہ وینگی کے وجے آدتیہ نے گووند سوم کے ہاتھوں اپنی سابقہ شکست کا بدلہ لینے کے لیے رٹوں (راشٹرکوٹوں) پر حملہ کر دیا۔ اس طرح آہستہ آہستہ تمام ملک میں طوائف الملوکی پھیل گئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امو گھ ورش کو گدی سے اتار دیا گیا۔ بہرحال، سورت

---

[1] ایضاً، انڈین اینٹی کویریز، بابت ۱۲، ص ۱۶۰، ص ۱۶۴

[2] ایپی گرافیہ انڈیکا، شمارہ ۱۸، ص ۲۳۵، ص ۲۵۳، اشلوک ۲۳؛ نیز ملاحظہ ہو ایضاً، جلد ۱، ص ۱۰۲، ص ۱، اس سے موازنہ کریں۔ स्वयमेवोपनतौ च यस्य महतस्तौ धर्मचक्रायुधौ ।

[3] سر آر۔ جی۔ بھنڈارکر کا خیال ہے کہ اس کا اصلی نام سروَ تھا (ارلی ہسٹری آف دکن، ص ۱۱۹)

کے فرمان[1] سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے غالباً کرشن راج کی کوششوں سے اپریل ۸۲۱ء سے کچھ پہلے، راج گدی پھر حاصل کر لی[2]۔ نوخیز ہونے کے باعث اموگھ ورش کی حیثیت کافی عرصہ غیر محفوظ رہی، اور وہ کوئی فوجی مہم سر نہیں کر سکا۔ دراصل سرور (ضلع دھارواڑ) کے فرمان[3] مورخہ شک سمبت ۷۸۸، (۸۶۶ء) نیز دیگر لوحی شواہد سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ وینگی کے چالکیہ حکمران نے اس کا لوہا مان لیا تھا۔ لیکن یہ واقعہ یقیناً اموگھ ورش کے عہد کے آخری زمانے میں پیش آیا اور اغلب یہ ہے کہ اس کا حریف وجے آدتیہ سوم گنگ (تقریباً ۸۴۴ - ۸۸۸ء) تھا کیونکہ ہمارے پاس کافی اسناد موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وجے آدتیہ دوم (تقریباً ۷۹۹ - ۸۴۳ء) نے اپنے عہد کے آخر میں راشٹر کوٹوں کے خلاف کئی اور فتوحات حاصل کیں۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ اموگھ ورش نے انگ، ونگ اور مگدھ کے راجاؤں پر اپنے اثرات قائم کر لیے۔ بہر حال یہ دعویٰ معلوم ہوتا ہے شیخیاں ہیں اور حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اموگھ ورش کی فوجوں نے شمال کی طرح جنوب میں بھی کوئی کامیابی حاصل نہیں کی۔ دوسری طرف اس کے پرتی ہار معاصر مہر بھوج نے اجینی کے ارد گرد دریائے نربدا تک، بلکہ شاید اس کے ماورا علاقوں کو تاخت و تاراج کیا۔ لیکن اس حملے کو دفع کرنے کا سہرا اموگھ ورش کے نہیں بلکہ اس کے گجرات والے برادرِ نسبتی دھرو دوم کے سر ہے[4]۔ واقعہ یہ ہے کہ اموگھ ورش اس قدر کمزور ثابت ہوا کہ اس نے گنگ راجہ سے بھی کوئی مواخذہ نہیں کیا جس نے اس کے عہد کے شروع ہی میں

---

[1] ایپی گرافیہ انڈیکا، اکیس، ص ۱۳۳، ص ۱۴۷

[2] ایضاً

[3] انڈین اینٹی کوئریز، بارہ، ص ۲۱۹، حاشیہ

[4] انڈین اینٹی کوئریز، ص ۱۴۴، ص ۱۸۹۔ گجرات والے سلسلے کا بانی اندر تھا جسے اس کے بڑے بھائی گووند سوم نے نویں صدی عیسوی کے اوائل میں گجرات کا گورنر مقرر کیا تھا۔ اس شاخ کے ممتاز حکمران یہ تھے۔ کرک سوورن ورش، دھرو دھارا ورش، اکال ورش شبھ تنگ، دھرو دوم۔ ان میں سے آخری نے وللبھ نامی راجہ سے جنگ کی جسے ڈاکٹر الٹیکر نے اموگھ ورش کے مماثل قرار دیا ہے (راشٹر کوٹاز اینڈ دیئر ٹائمس ص ۷۴) نویں صدی کے لگ بھگ آخری عہد میں گجرات والا خاندان معدوم ہو گیا۔

ملوکانہ تعلقات اس سے منقطع کر لیے تھے۔ اموگھ ورش میں فوجی جوش و خروش کے نقصان کا سبب غالباً یہ تھا کہ اس کا رجحان مذہب اور ادب کی طرف زیادہ تھا۔ اس کے معلم خصوصی (پَرَم گُرُو) جِنَ سین نے جین مت کے جو اصول اُسے سمجھائے تھے ان کا اس کے دل و دماغ پر بڑا گہرا اثر ہوا تھا۔ اور اگر ویراچاریہ کی گنِتَ سار سنگرہ کا یقین کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اموگھ ورش اول کمل کر سیادواد عقیدے کا پیرو ہوگیا تھا۔ لیکن ہندو دھرم کے ساتھ روادارانہ ہمدردی سے وہ بالکل دست کش نہیں ہوا۔ سنجن کی تختیاں اُسے مہالکشمی دیوی کے سچے پجاری کی حیثیت سے پیش کرتی ہیں۔ علاوہ بریں، نیاض اور عالموں کی سرپرستی میں اس کا مقابلہ مشہور و معروف وکرمادتیہ سے کیا جاتا ہے۔ اموگھ ورش اول خود بھی کوی راج مارگ کا مصنف تھا جو کناڑی زبان میں شعریات کی تصنیف ہے۔ اس کے علاوہ سوال و جواب کی صورت میں اخلاقیات کی کتاب پرشنوتر مالیکا بھی اسی سے یادگار ہے جسے بعض لوگ بہرحال شنکر آچاریہ یا کسی دل سے منسوب کرتے ہیں۔

اموگھ ورش نے اپنی زندگی کے آخری سال عبادت و ریاضت میں بسر کیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کاروبار سلطنت اپنے یوراج یا مجلس وزرا کے سپرد کر کے تھوڑے تھوڑے وقفوں کے لیے مراقبے کی غرض سے گوشۂ تنہائی میں چلا جاتا تھا۔

آخر میں کہا جا سکتا ہے کہ اموگھ ورش اول نے مانیہ کھیٹ (نظام کی ریاست میں موجودہ مال کھیڑ) کو اپنی راجدھانی بنایا۔ ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ اس شہر کا اصلی بانی وہی تھا یا نہیں لیکن شہر کی نام ترخوش حالی اور شان و شوکت یقیناً اسی کی مرہون منت تھی۔

اموگھ ورش کے جانشین

اموگھ ورش کی آخری تاریخ جو ہمیں معلوم ہے ۸۷۸ء ہے[3] اس لیے ہم وقتی طور پر

---

[1] ایپی گرافیہ انڈیکا، اٹھارواں، ص۲۴۵، ۲۵۵، اشلوک ۴۷۔ اس اشلوک میں اموگھ ورش کو ویر نارائن کہا گیا ہے۔

[2] ایضاً، اشلوک ۴۸

[3] مہیال گن شدہ ۱۰ شک سمبت ۷۹۹، (یعنی مارچ ۸۷۸ء) جب ویرسین کی جے دھول ٹیکا ختم ہوئی۔ نیز ملاحظہ ہو سوانشنز کوئنڈ اینڈ ہربرٹ ملس، ص۴

فرض کر سکتے ہیں کہ ۴۴ سال کے طویل عرصے حکومت کرنے کے بعد تقریباً اسی سال (۸۷۸ء میں) اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا کرشن دوم راجہ ہوا جو اکال ورش یا شری وَلّبھ کے خاندانی ناموں سے بھی موسوم ہے۔ کرشن دوم نے تری پوری کے کلچوری کوکلّ اول کی لڑکی سے شادی کی۔ کوکلّ اول اپنے داماد کے لیے زبردست پشت پناہ ثابت ہوا[1] کرشن دوم ہی کے زمانے میں گجرات کی راشٹر کوٹ شاخ کا وہ اقتدار جو کبھی اُسے حاصل تھا، جاتا رہا۔ اس نے وینگی کے چالکیہ حکمراں وِجے آدتیہ سوم گنگ سے جو چند سال اس کا معاصر رہا، اور بھیم اول (تقریباً ۸۱۸ — ۹۱۸ء) سے روایتی دشمنی کا سلسلہ جاری رکھا لیکن چند کامیابیوں کے بعد راشٹر کوٹ فوجوں کو ہزیمتیں اٹھانی پڑیں۔ ایک اور شخصیت جس سے مہر بھوج تھا اور حالاں کہ بارٹن کے عجائب خانے میں ایک کتبے کے جو باقی ماندہ اجزا موجود ہیں[2] ان سے ثابت ہوتا ہے کہ کرشن دوم نے پسپائی اختیار کی اور بہت تیزی سے اپنے وطن لوٹ گیا، لیکن اس کے برخلاف بگُمرا کی تختیاں[3] شہادت دیتی ہیں کہ اجّین کے ارد گرد کے علاقے میں پرتی ہار راجہ کو اپنے دشمن کے مقابلے میں زیادہ کامیابی نہیں ہوئی۔ ان لڑائیوں کا نتیجہ غالباً کسی فریق کے حق میں مفید ثابت نہیں ہوا۔

کرشن دوم ۹۱۴ء میں فوت ہو گیا اور اس کے بعد اس کا پوتا اِندر سوم نِتیہ ورش راجہ ہوا۔ اِندر سوم جگت تنگ کا بیٹا تھا جس کا انتقال باپ کی زندگی ہی میں قبل از وقت ہو گیا تھا اور وہ اس کی کلچوری خاندان کی رانی لکشمی نامی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ اِندر سوم ایک بہادر سپاہی ثابت ہوا۔ کھمبات کی تختیاں[4] ثابت کرتی ہیں کہ اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس

---

[1] بلہری کا کتبہ اپی گرافیہ انڈکا، پہلا، ص ۲۵۶، ص ۲۶۳، اشلوک ۱۷؛ بنارس کا فرمان ایضاً، دوسرا، ص ۳۰۶، اشلوک ۔

[2] اپی گرافیہ انڈکا، انیسواں، ص ۱۴۲، ص ۱۴۴

[3] انڈین اینٹی کوئریز، تیرھواں، ص ۶۷-۶۹، اشلوک ۲۳؛ اپی گرافیہ انڈکا، نواں، ص ۳۱-۳۹، اشلوک ۱۵

[4] اپی گرافیہ انڈکا، ساتواں، ص ۳۸، ص ۴۳، اشلوک ؛

यन्माद्यद्द्विपदन्तघातविषमं कालप्रियप्राङ्गणम्।
तीर्णा यत्तुरगैरगाधयमुना सिन्धुप्रतिस्पर्धिनी ॥
येनेदं हि महोदयारिनगरं निर्मूलमुन्मीलितम् ।
नाम्नाद्यापि जनैः कुशस्थलमिति ख्यातिं परां नीयते

(باقی نوٹ اگلے صفحے پر)

نے ۹۱۶ یا ۹۱۷ء میں "مہودیہ" (قنوج) کے مخالف شہر کو بالکل تباہ و برباد کر دیا۔[1] وہ فاتحانہ انداز سے قنوج سے ہوکر گزرا جو حقیقت میں راشٹر کوٹوں اور پرتی ہاروں کے درمیان متنازع فیہ مقام تھا۔ اس نے چالکیہ جاگیردار نرسنگھ کو ساتھ لے کر[2] "اتھاہ یمنا" کی وادی کو پار کیا اور مہی پال پر قابو پایا جس نے کچھ ہی دیر پہلے ہرش دیو چندیل کی مدد سے بھوج دوم سے راج گدی چھین لی تھی۔[3] معلوم ہوتا ہے حملہ آوروں نے پریاگ تک تمام گنگا کے دوآب کو تاخت و تاراج کیا، لیکن نتائج کے اعتبار سے یہ مہم ایک زبردست حملے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھی، کیوں کہ اس کے بعد شمال میں راشٹر کوٹ حکومت کے کوئی مستقل اثرات قائم نہ ہو سکے۔

اندر سوم کا عہد مختصر رہا اور اس کے بعد، غالباً ۹۱۸ء کے شروع میں، امو گھ ورش دوم گدی پر بیٹھا۔[4] پھر گووند چہارم کو گدی ملی جو امور سلطنت کی دیکھ بھال کی بجائے شہوت پرستی کا شکار ہو گیا اور اس طرح اس نے "اپنی ذہانت سے عورتوں کی آنکھوں کے پھندے میں پھنس کر تمام لوگوں کو ناخوش کر دیا۔"[5] وینگی کے چالکیہ بھیم دوم نے اس کی زندگی کے بالکل آخری ایام میں اسے شکست دی (تقریباً ۹۳۴-۹۴۵ء) کناڑی کے شاعر پمپ کی وکرم ارجن وجے کے مطابق نوبت یہاں تک پہنچی کہ میگری کے اری کیشری دوم جیسے باجگزار

(بقیہ فٹ نوٹ پچھلے صفحے کا)

کھدائی کی تحقیقوں میں کالی پریہ کے جس مندر کا ذکر ہے وہ غالباً اجین کے مہاکال کے مماثل ہے۔ بہرحال بعض لوگ اسے کالپی میں کالی پریہ کی خانقاہ کے مماثل قرار دیتے ہیں۔

[1] ہسٹری آف قنوج، ص ۲۶

[2] ایضاً ص ۲۵۶ - ص ۲۵۷

[3] ڈاکٹر الٹیکر نے مجھے بتایا کہ اگر ایک کتبے کے مطابق اندر سوم نے چند سال اور حکومت کی تو اس تاریخ کو مسترد کرنا ہوگا۔ اس کا محکم حوالہ تلاش کرنے میں میں اب تک بہرحال ناکام رہا ہوں۔

[4] ایپی گرافیہ انڈیکا، چوتھا، ص ۲۸۳، ص ۲۸۸، اشلوک ۲۰۔ موازنہ کریں۔

सोप्यंगनानयनपाशनिरुद्ध बुद्धिरुन्मार्गसंगविमुखीकृतसर्वसत्वः ।

[5] ایضاً، تیرہ، ص ۳۲۸، ص ۳۲۹۔

سرداروں نے گووند چہارم کو خوب پریشان کیا۔

گووند چہارم کے بعد اس کا چچا امّوگھ ورش سوم بدّیگ تقریباً ۹۳۶ء میں تخت نشین ہوا۔ اس کے بارے میں ہمیں اس سے زیادہ نہیں معلوم کہ وہ ایک نیک آدمی تھا، نیز یہ کہ اس نے تری پوری کے کلچوری راجہ کیور ورش یووراج اوّل اور گنگ راجہ بوتگ دوم سے ازدواجی رشتے قائم کیے۔ تری پوری کے راجہ کا وہ داماد تھا اور گنگ راجہ کا خسر۔ امّوگھ ورش کا عہد تقریباً ۹۴۰ء کے شروع میں ختم ہو گیا۔

کرشن سوم

امّوگھ ورش سوم کا جانشین اس کا لڑکا کرشن سوم ہوا جو معلوم ہوتا ہے اپنی ولیعہدی کے زمانے ہی میں کافی با اختیار ہو گیا تھا۔ اس کے ابتدائی کارناموں میں سے ایک یہ تھا کہ اس نے مغرب کے گنگ حکمراں راج مَلّ کو بالکل فنا کر دیا اور اس کی جگہ بوتگ دوم کو گدّی پر بٹھا دیا۔ دیولی کی تختیوں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ شک سمبت ۸۶۲ مطابق ۹۴۰ء سے تقریباً کچھ پہلے (جو ان تختیوں کی تاریخ ہے) جب کرشن نے شمالی ہند میں مہم سر کی تو گورجر کے دل میں کالنجر اور چترکوٹ سے متعلق جو امید وابستہ تھی وہ خاک میں مل گئی ہوگی۔[1] اگر اس عبارت کا گرجر پرتی ہار فرماں روا مہی پال ہی ہے تو ہمیں کرشن سوم اور اس کے گھرانے کے موروثی دشمنوں کے درمیان تصادم کی محکم شہادت مل جاتی ہے۔ درحقیقت یہ رائے کہ راشٹرکوٹ حملہ آور نے اپنے شمالی حریف سے کالنجر اور چترکوٹ چھین لیے، ہو سکتا ہے درست ہو، لیکن لوحی شہادت سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ کرشن کی فاتحانہ آمد کی خبر سن کر گرجر راجہ اس قدر خوفزدہ ہوا کہ وہ اپنے دو فوجی گڑھوں کے دفاع اور حفاظت سے بالکل مایوس ہو گیا۔ کرشن سوم اپنی فوجیں شمال کی طرف بھی لے گیا اس کا انکشاف کناڑی کے ایک کتبے سے ہوتا ہے جس پر کوئی تاریخ نہیں ہے۔ یہ کتبہ ریاست میہر (بگھیل کھنڈ) میں ایک پتھر کی سِل پر کندہ ہے۔[2] یہ بات اہم ہے کہ

---

[1] ایضاً، پانچواں، صفحہ ۱۹۴، اشلوک۔ ۲۵، اس سے موازنہ کریں۔

दक्षिणदिग्दुर्गविजयमाकर्ण्य गलिता गूर्जरहृदयात् चित्रकूटाशा ।

[2] ایپی گرافیہ انڈکا، انیسواں، صفحہ ۲۸۷، نمبر ۴۹

وہ تمام شاہانہ القاب اختیار کرلیتا ہے مثلاً پرم بھٹارک، مہاراجہ دھراج، اور پرمیشور اور اس جہت سے یہ امکان خارج از بحث نہیں ہے کہ وسط ہند کے کسی علاقے پر بحیثیت راجہ کے کرشن سوم کا قبضہ اس کے کسی بعد کے حملے کے نتیجے میں اس وقت ہوا جب پرتی ہاروں کی حکومت چندیلوں اور دوسرے سابقہ جاگیرداروں کے عروج کے باعث واضح طور پر زوال پذیر ہو چکی تھی۔

کرشن سوم کی سب سے زیادہ قابل ذکر فتوحات بہرحال وہ تھیں جو اسے جنوب میں حاصل ہوئیں۔ اس نے کچی (کانچی) پر قبضہ کر لیا اور تنجور فتح کرنے کے بعد اس نے "تن کچے یم گونڈ" کا فاخرانہ لقب اختیار کر لیا[1] پران تک اول کے لڑکے چول راجہ راج آدتیہ کو تکولم (ارکونم کے قریب، ضلع شمالی ارکاٹ) کی مشہور جنگ میں سن ۹۴۹ء میں شکست ہوئی، جس میں اس کے برادر نسبتی گنگ سردار بوتنگ دوم نے اسے مدد پہنچائی[2] اس کی ان خدمات کے عوض جو اس نے جنگ میں انجام دیں اسے بن واسی اور دوسرے علاقے انعام کے طور پر مل گئے۔ اس طرح کرشن سوم تونڈ منڈ لم پر قابض و متصرف ہو گیا۔ لیکن چول ریاست کا جنوبی علاقہ وہ اپنی سلطنت میں شامل نہ کر سکا۔ اس نے پانڈیوں اور کیرلوں کے حوصلے پست کر دیے۔ کہتے ہیں کہ سنگھل (سیلون) کا راجہ بھی اس کا سلامی اور خراجی تھا۔ کرشن سوم کا ایک اور بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے امّم دوم کی کامیابی کے ساتھ مخالفت کی اور اپنے حلیف باڈپ پسر یدھ مل کو وینگی کی گدی پر بٹھا دیا۔

خاندان کا زوال

راشٹر کوٹ خاندان کے عظیم فرماں رواؤں میں کرشن سوم آخری تھا۔ ۹۶۸ء میں اس کے انتقال کے بعد خاندان کی عظمت خاک میں مل گئی۔ اس کے فرماں روا کھوٹنگ نتیہ ورش کے عہد میں جو کرشن سوم کا بھائی تھا راشٹر کوٹوں کے حالات اتنے ابتر ہو گئے کہ مالوے کے

---

[1] موازنہ کریں اس ترکیب لفظی سے "کچم جیم تن یے یم گنڈا"۔

[2] ملاحظہ ہو آتکور کا کتبہ، مورخہ شک سمبت ۸۷۲ مطابق ۹۴۹-۹۵۰ء (اپی گرافیہ انڈیکا، چھٹا، صفحہ ۵۰) جنگ کی روایت کے چول رُخ کے لیے ملاحظہ ہوں تریُ وا النگاڈو کی تختیاں (اے۔ ار۔ ای۔ پانچواں صفحہ ۲۲۔) نیز لیڈن کا فرمان (آرکیلا جیکل سروے آف ساؤتھ انڈیا، چوتھا، صفحہ ۱۹۹)۔

راجہ پرمارسی یک ہرش نے راشٹرکوٹ راجدھانی مانیہ کھیٹ کو خوب تاخت و تاراج کیا۔[1] کھوٹگ کا بھتیجا اور جانشین کرک دوم یا ککل حتمی طور پر ایک کمزور آدمی تھا، حالاں کہ ایک کتبہ بہت سے دشمنوں کو مغلوب کرنے کا سہرا اس کے سر رکھتا ہے۔ مغربی چالکیہ تیل دوم یا تیلپ کے حملوں کے مقابلے میں اس نے سن ۹۷۳ء میں ہتھیار ڈال دیے۔ اس طرح سوا دو صدی تک بڑی شان سے حکومت کرنے کے بعد راشٹرکوٹ راجاؤں کا نام پردۂ گمنامی میں چلا گیا۔

راشٹرکوٹ راجہ اور عرب

عرب سیاح اور مورخین راشٹرکوٹ راجاؤں کو طاقت ور حکمراں سمجھتے تھے۔ انھوں نے اس خاندان کو بلہرا کہا ہے جو سنسکرت اصطلاح وَلبھ راج کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ مثال کے طور پر سلیمان نے ۸۵۱ء میں ایک راجہ کا ذکر کرتے ہوئے اُسے "دراز عمر بلہرا" کہا ہے جو امورگھ ورش اول کے مماثل ہے۔ وہ اسے دنیا کے چار عظیم فرماں رواؤں میں تسلیم کرتا ہے۔ باقی تین یہ تھے۔ خلیفۂ بغداد، شاہانِ قسطنطنیہ، چین۔ راشٹرکوٹوں نے عربوں سے ہمیشہ دوستانہ تعلقات رکھے اور انھیں تجارتی آسانیاں بہم پہنچائیں۔ یہ پالیسی بلاشبہ سیاسی حالات کے ماتحت اختیار کی گئی تھی۔ کیوں کہ "بوؤرا" یا قنوج کے پرتی ہار حکمراں راشٹرکوٹوں اور عربوں کے یکساں دشمن تھے۔ اسی طرح المسعودی ۳۳۲ھ، مطابق ۹۴۳-۴۴ء میں لکھتا ہے— "یہ بوؤرا جو قنوج کا راجہ ہے، ہندوستان کے راجہ بلہرا کا دشمن ہے۔" آگے چل کر قنوج کے لشکر کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے "شمال کی فوج ملتان کے راجہ اور اس کی سرحد کی مسلمان رعایا کے خلاف لڑتی رہتی ہے۔ جنوب کی فوج منکر (یعنی مانیہ کھیٹ) کے راجہ بلہرا کے خلاف جنگ کرتی رہتی ہے۔"[2] عربوں

---

[1] ایپی گرافیہ انڈیکا، اول، ص ۲۳۵، ص ۲۳۷، اشلوک— ۱۲۔ موازنہ کریں

श्रीहर्षदेव इति खोट्टिगदेवलक्ष्मीं जग्राह यो युधि नगादसमप्रतापः ।

دھن پال نے اپنی پائیہ لچھی (اشلوک ۲۷۶) میں کہا ہے کہ اس نے اپنی کتاب اس وقت تصنیف کی جب وکرم سمبت کے ۱۰۲۹ سال گزر جانے کے بعد منّ کھیڑ یا مانیہ کھیٹ پر مالوے کے راجہ نے حملہ کیا اور اسے لوٹا کھسوٹا (ایپی گرافیہ انڈیکا، اول، ص ۲۲۶)

[2] ایلیٹ، ہسٹری آف انڈیا، جلد اول، ص ۲۱-۲۳۔

کے ساتھ راشٹرکوٹوں کی دوستی ان کی مذہبی وسیع النظری کا، لیکن اسی کے ساتھ ان کی سیاسی ناعاقبت اندیشی کا پتہ دیتی ہے۔

مذہبی حالات

راشٹرکوٹوں ہی کے زمانے میں پرانوں کا ہندومت، خاص کر وشنو اور شیو کی پوجا دکن میں مقبول ہوگئی۔ راشٹرکوٹوں کی تانبے کی تختیوں کے فرمان ان دونوں دیوتاؤں سے دعائیہ انداز میں خطاب سے شروع ہوتے ہیں اور ان کی مہر پر "گرڑ" یعنی وشنو کی واھن (گاڑی) بنی ہوئی ہے، یا شیو کو یوگی کے آسن میں بیٹھے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ برہمنی یگیہ انجام دینے کا حال بھی ہمارے علم میں آتا ہے (مثلاً دنتی درگ نے اجین میں ھرنیہ گربھ نام کا یگیہ کیا، نیز تلا دان کا ذکر بھی سننے میں آتا ہے، جس میں راجہ مہاراجہ اپنے وزن کی برابر تول کر سونا خیرات کرتے تھے۔ اس کے علاوہ مندر تعمیر کرائے گئے جن میں مورتیاں رکھ دی گئیں۔ ان مورتیوں کی پرستش تمام جزوی تفصیلات کے ساتھ روزانہ کی جاتی تھی۔ الورا میں ایک شیو مندر تو ضرور ہے جسے پہاڑ کاٹ کر بنایا گیا ہے اس کے علاوہ بدقسمتی سے اس دور کی کوئی اور اہم یادگار باقی نہیں ہے۔ یہ مندر فن تعمیر کے عجائبات سے ہے۔ اسے کرشن اول نے وقف کیا تھا۔ ہندو دھرم کے علاوہ دوسرے مذاہب بھی وہاں سرسبز ہو رہے تھے۔ راشٹرکوٹ حکمرانوں نے جین مت کی سرپرستی کی، مثلاً اموگھ ورش اول، اندر چہارم، یہاں تک کہ کرشن دوم اور اندر سوم نے بھی جین مت کو پروان چڑھایا۔ لیکن بدھ مت کا حتمی طور پر زوال ہو گیا تھا۔ اموگھ ورش اول کے کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دکن میں بدھ مذہب کا مرکز کنہیری تھا[1]

فصل (۳)

کلیان کے مغربی چالکیہ[2]

تیلپ کا نسب

خاندان کی زمانہ مابعد کی دستاویزات پتہ دیتی ہیں کہ تیلپ کا مورث اعلیٰ کیرتی ورمن

(۱ اس صفحہ کے نوٹ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

دوم کا کوئی چچا تھا جس کا نام معلوم نہیں ہے۔ کیرتی ورمن دوم سے راشٹرکوٹوں نے دکن کی حکومت چھین لی تھی۔ اس طرح تیلپ کی رگوں میں واتاپیوں کا خون موجزن تھا۔ بہرحال سر رام کرشن بھنڈارکر کو اس سلسلۂ نسب کی صحت پر شبہ ہے[3]۔ ان کی رائے ہے کہ تیلپ "کسی دوسری بالکل غیر اہم شاخ" سے تعلق رکھتا تھا۔ دلیل یہ ہے کہ تیلپ اور اس کے جانشین قدیم چالکیوں کی طرح ہرتیتی کو اپنا مورث تسلیم نہیں کرتے، اور نہ مانویہ گوتر سے اپنا تعلق ظاہر کرتے ہیں۔

اس کی زندگی

تیلپ کا عروج بڑے ڈرامائی انداز میں ہوا۔ اس سے پہلے وہ راشٹرکوٹ راجاؤں ہی کا ایک جاگیر دار تھا[4]۔ پرمار فوجوں کے ہاتھوں مانیہ کھیٹ کی بربادی کے بعد جب افراتفری پھیلی

(پچھلے صفحے کے فٹ نوٹ)

[1] انڈین اینٹی کوئریز، تیرہ، ص ۱۳۴، ص ۱۳۷

[2] ملاحظہ ہو آر۔ جی۔ بھنڈارکر، ارلی ہسٹری آف دکن، تیسرا ایڈیشن، فصل تیرہ، ص ۱۳۱۔ ص ۱۵۹؛ ایس۔ ایل۔ کٹاریے، "کلیانی کے چالکیہ"، انڈین کلچر، جلد ۴، نمبر ۱، ص ۴۳۔ ص ۵۲؛ انڈین ہسٹری کوارٹرلی، جلد سترہ، مارچ ۱۹۴۱، ص ۱۱۔ ص ۴۲؛ فلیٹ، ڈائنیسٹیز آف کنانیز ڈسٹرکٹس، شک سمبت ۹۱۵، مطابق ۹۹۳ء کا ایک کتبہ جو کاکھنڈکی سے دستیاب ہوا ہے، یہ دلچسپ معلومات بہم پہنچاتا ہے کہ تیلپ کا صدر مقام مانیہ کھیٹ تھا۔ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ کچھ عرصہ تک مغربی چالکیوں کے زمانے میں بھی مانیہ کھیٹ دارالسلطنت رہا (آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا، رپورٹ، ۱۹۳۰-۱۹۳۴ء، ص ۲۴۲)۔ کلیان کا بحیثیت راجدھانی کے سب سے پہلا ذکر ۱۰۳۳-۱۰۳۴ء کے ایک کتبے میں آتا ہے (ایضاً ۱۹۲۹-۱۹۳۰ء)۔ (فٹ نوٹ صفحہ ہذا)

[3] ارلی ہسٹری آف دکن، ص ۱۳۶۔ ڈاکٹر الٹیکر نے اس سوال کو کھلا ہوا چھوڑ دیا ہے (راشٹرکوٹاز اینڈ دیر ٹائمس، ص ۱۲۵)۔ نیز ملاحظہ ہو فلیٹ کی ڈائنیسٹیز آف دی کنانیز ڈسٹرکٹس، ص ۴۲۔

[4] ڈاکٹر الٹیکر کی رائے ہے کہ جاگیردار کی حیثیت سے تیلپ "ریاست حیدرآباد کے شمالی حصے میں کہیں رہتا تھا" (راشٹرکوٹاز اینڈ دیر ٹائمس، ص ۱۳۱)۔ بہرحال، ملاحظہ ہو آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا رپورٹ، ۱۹۳۰-۱۹۳۴ء، ص ۲۴۳۔ ص ۲۴۱۔ ۹۶۵ء کے ایک کتبے میں جو بیاگوارسی تعلقہ میں نرسنگی سے ملا ہے، ہمیں پتہ چلتا ہے کہ تیلپ کرشن سوم کے ماتحت ایک افسر تھا۔ اس سے بھی پہلے شک سمبت ۸۷۹، مطابق ۹۵۷ء میں تیلپ تاباٹی تار دیواڑی کا حاکم تھا۔

تو اس سے فائدہ اٹھا کر تیلپ نے بڑی جرأت کے ساتھ کرشن دوم پر حملہ کر دیا جو اس مجادلہ میں یا تو کام آیا، یا اپنی ریاست کے کسی محفوظ مقام پر پناہ گزیں ہو گیا۔ اس سے تیلپ کی طاقت اور وقار میں اضافہ ہو گیا۔ لیکن اندر چہارم اور راشٹرکوٹ تخت کے دوسرے دعوے داروں کا سر کچلنے سے پہلے وہ اطمینان کا سانس نہیں لے سکتا تھا۔ چند سال کے اندر اس نے انھیں بھی زیر کر لیا اور نتیجہ میں چالکیہ بادشاہت کا قیام از سر نو عمل میں آ گیا۔ تیلپ نے اس کے بعد لاٹ (جنوبی گجرات) فتح کیا اور بارپ کو وہاں کا گورنر مقرر کر دیا۔ لیکن یہ فتح بہر حال دیرپا ثابت نہیں ہوئی۔ انہل واڑ کے مول راج چالکیہ نے بارپ کو وہاں سے بے دخل کر دیا۔ تیلپ نے کنتل یا کناڑی دیش کو بھی زیر نگیں کر لیا۔ حالاں کہ چیدیوں اور چولوں پر اس کی فتوحات کا دعویٰ حقیقت پر مبنی معلوم نہیں ہوتا۔ اس کی شمالی سرحدوں کو واک پتی منج پرمار سے مستقل خطرہ لاحق رہا جس نے میروتنگ کی سند کے مطابق تیلپ کو کم از کم چھ بار شکست دی۔ اس کہانی میں جہاں تک بھی سچائی ہو، لیکن یہ بات درست ہے کہ اس دو بدو جنگ کے نتیجے میں تیلپ کا انجام بہت المیہ انداز میں ہوا۔ کہتے ہیں کہ اپنے دانش ور وزیر کے منع کرنے کے باوجود وہ گوداوری پار کر کے دشمن کے علاقے میں بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ اُسے گرفتار کر لیا گیا اور نتیجہ میں تہ تیغ کر دیا گیا[2] اس طرح چالکیوں اور پرماروں کے درمیان جنگ کا سلسلہ جو ایک عرصے سے ٹل رہا تھا، اب پھر جاری ہو گیا۔ تگ بھگ ۲۴ سال حکومت کرنے کے بعد تقریباً ۹۹۷ء میں تیلپ کا انتقال ہو گیا۔

تقریباً ۹۹۷ء تا ۱۰۴۲ء

تیلپ کے بعد اس کا لڑکا ستیا شریہ گدی پر بیٹھا۔ اس کے دورِ حکومت (تقریباً ۹۹۷ء ـ ۱۰۰۸ء) میں چول فوجوں نے راج راج اول کے ماتحت چالکیہ ریاست میں بڑی بے دردی سے قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ بہر حال، ستیا شریہ نے اس زبردست جھٹکے کو برداشت کیا اور بہت جلد اپنے کو سنبھال لیا۔ اس نے بھی جنوب میں چول ریاست کو

---

[1] یا، کیا یہ چھوٹے چھوٹے چیدی اور چول سرداروں کے خلاف مقامی جھڑپیں تھیں ؟

[2] ملاحظہ ہوں گزشتہ صفحات

تاخت وتاراج کرنے میں تھوڑی بہت کامیابی حاصل کی۔ اس کے بعد اس کے بھتیجے وکرمادتیہ پنجم[1] نے کچھ دنوں حکومت کی۔ اس کے عہد میں بھوج پرمار نے واک پتی منج کے قتل اور تذلیل کا بدلہ لینے کے لیے چالکیوں پر حملہ کردیا اور وکرمادتیہ پنجم کو شکست دی[2]۔ اس طرح تمام پرانے بدلے لینے کے بعد بھوج دکن میں اپنی وفاقی قیادت قائم کرنے کے لیے منصوبے بنانے لگا۔ اس مقصد کے پیش نظر اس نے انہل واڑ کے بھیم اول اور کلچوری[3] راجہ سے بڑی چابک دستی کے ساتھ صلح کرلی۔ لیکن ایک کتبہ ہمیں پتہ دیتا ہے کہ شک سمبت ۹۴۱ مطابق ۱۰۱۹ء سے کچھ ہی پہلے جب وکرمادتیہ پنجم کے جانشین جے سنگھ دوم جگ دیک مل (تقریباً ۱۰۱۶-۱۰۴۲ء) نے اسے شکست دے کر "مالوی ریاستی جتھے بندی" کے ٹکڑے اڑا دئے تو بھوج کے تمام حوصلے پست ہوگئے۔ کہا جاتا ہے کہ چالکیہ حکمراں نے راجیندر چول اول پر بھی غلبہ حاصل کرلیا، حالاں کہ چول لوحی شواہد سے اس کی تردید ہوتی ہے۔

سومیشورا اول آہو مل (۱۰۴۲-۱۰۶۸ء)

۱۰۴۲ء میں جے سنگھ دوم جگ دیک مل کی جگہ اس کا لڑکا سومیشور اول تخت نشین ہوا جس کے دوسرے "ورِ وُدَ" (القاب) "آہو مل" اور "ترے لوکیہ مل" بھی ہیں۔ اس کا باپ چالوکیہ طاقت کو مجتمع کر ہی چکا تھا، اس لیے سومیشورا اول کو اپنے گھرانے کے دیرینہ دشمنوں، چولوں اور پرماروں کے خلاف جنگ کرنے کا اچھا موقع ملا۔ مسلسل فوجی سرگرمیوں کے باعث بھوج کا خزانہ خالی ہوگیا تھا۔ سومیشور نے اس سے فائدہ اٹھا کر مالوہ پر حملہ کردیا اور مانڈو اور دھارا کو تاخت وتاراج کرڈالا۔ پرمار فرماں روا مقابلے کی تاب نہ لاسکا اور اجین کی طرف بھاگ گیا۔ چالکیہ فوجوں نے اجین کو بھی تسخیر کرلیا اور خوب غارت گری کی۔ بعد ازاں بھوج اپنی راجدھانی میں واپس آگیا اور اس پر پھر اپنا قبضہ جمالیا۔ بہرحال،

---

[1] سرکار جی بھنڈارکر نے اسے وکرمادتیہ اول کہا ہے (ارلی ہسٹری آف دکن، صفحہ ۱۴۳، حاشیہ-۱۵)

[2] بعض عالموں نے مغلوب چالکیہ راجہ کو جے سنگھ دوم کے مماثل قرار دیا ہے۔

[3] یہ بات قابل غور ہے کہ گانگیہ دیو کلچوری کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے کنتل کے راجہ کے مقابلے میں، جو غالباً چالکیہ حکمراں تھا، فتح حاصل کی۔

نحوست کے بادل تیزی سے پھر چھا گئے۔ انہل واڑ کے بھیم اول (تقریباً ۱۰۲۲-۱۰۶۴ء) اور لکشمی کرن کلچوری (تقریباً ۱۰۴۱-۱۰۷۲ء) دونوں بھوج کے خلاف متحد ہو گئے اور اس کی ریاست پر دو طرف سے حملہ کر دیا۔ جنگ کے دوران میں بھوج کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد دونوں حلیفوں میں بھی مال غنیمت کی تقسیم کے سوال پر اختلافات پیدا ہو گئے۔ اس موقع پر جے سنگھ نے جو بھوج کے بعد پرمار گدی کا دعوے دار تھا، اپنے گھرانے کے سابق دشمن سومیشور اول سے مدد مانگی۔ سومیشور نے فوراً لبیک کہی کیوں کہ وسط ہند کے سیاسی توازن میں معمولی سا انتشار بھی چالکیہ حکمراں کے لیے بھی خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ سومیشور اول نے متحدہ فاتح افواج کو مالوے سے باہر نکال دیا اور جے سنگھ کو مالوے کی گدی پر بٹھا دیا۔ اس طرح وقت کے بدلتے ہوئے سیاسی حالات میں یہ ایک نیا موڑ آیا کہ چالکیوں اور پرماروں کے درمیان تعلقات خوش گوار ہو گئے اور سومیشور اول کو اپنی فوجیں شمال کی جانب لے جانے کا موقع مل گیا۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم حملوں کا ذکر کریں، مناسب ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ اس نے اپنے دشمنوں کے ساتھ جنوب میں کیا سلوک کیا۔ چول کتبوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی فوجی نقل و حرکت کے نتیجے میں چالکیہ حکمراں کو کافی نقصانات اٹھانے پڑے۔ حقیقت کچھ بھی ہو، معلوم ہوتا ہے ۱۰۵۲ء میں کوپّم[1] کی جنگ کا نتیجہ جس میں راجہ دھراج کام آیا، بہر صورت چولوں کے حق میں برآمد نہیں ہوا۔ دراصل وکرمانک دیو چرت کا مشہور و معروف مصنف بلہن ہمیں مطلع کرتا ہے کہ ایک دفعہ سومیشور اول کانچی پر بھی ٹوٹ پڑا جو اس وقت چول ریاست کا ایک اہم گڑھ تھا۔ ان لڑائیوں میں اس کے بیٹے وکرما دتیہ (ششم) نے، جو ایک بہادر نوجوان تھا، بڑی قابلیت سے اس کا ساتھ دیا۔ جب سومیشور اول جنوب کے انکار سے آزاد ہو گیا تو اس نے گنگا کے رجھانے والے دوآب کی طرف توجہ مبذول کی جہاں، پرتی ہار سلطنت کا شیرازہ بکھرنے کے بعد حملہ آوروں کی پے در پے غارت گری کے باعث افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے لشکر نے کوچ کیا اور جب وہ وسط ہند سے گزرا تو چندیلوں اور کچھپ گھاتوں

---

[1] کوپّم کو کھدراپور کے ماثل بتایا گیا ہے جو کرسنا اور پنچ گنگا دریاؤں کے سنگم پر واقع تھا۔ ایپی گرافیہ انڈیکا جلد ۲۰ صفحات ۲۹۱، ۲۹۸۔ جنگ کے تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہوں ساؤتھ انڈین انسکرپشنز، تیسرا ، ص ۲۹، ص ۱۳، ص ۱۲ وغیرہ بہت دلچسپ بات یہ ہے کہ سومیشور اول کے زمانے کے چالکیوں کے کتبوں میں کوپّم کی جنگ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

نے اس کی کوئی مزاحمت نہیں کی۔ یوُ فذ کی تحقیق[1] سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کانیہ کبج کے راجہ نے جو اس ہنگامی دور میں وہاں حکومت کرنے والے راشٹرکوٹ راجاؤں میں سے کوئی تھا[2] سومیشور اول کی طاقت سے خوف زدہ ہو کر "بہت جلد غاروں کو اپنا مسکن بنا لیا۔" چالکیوں کی اس مہم سے، نیز مشرق میں اس کی ترقی کی رفتار سے لکشمی کرن کلچوری، جو اپنے عروج کے زمانے میں مدھیہ پردیش پر تھوڑا بہت قابو رکھتا تھا، قطعاً بے تعلق نہیں رہ سکتا تھا[3] چناں چہ اس نے ان کی بڑھتی ہوئی رفتار کو روکنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کی تمام کوششیں رائگاں گئیں اور اُسے شکست کھانی پڑی۔ سومیشور اول کے جوشیلے بیٹے وکرمادتیہ (ششم) نے بتھلا، مگدھ، انگ، ونگ اور گوڑ کو تاخت و تاراج کیا اور پال حکومت نے جو دم توڑ رہی تھی اس کی کوئی مزاحمت نہیں کی۔ کام روپ کے رتن پال نے بہرحال چالکیہ فوج کو پسپا کر دیا اور اس کے بعد یہ فتح جنوبی کوشل ہوتی ہوئی وطن واپس لوٹ آئی۔ اس طرح سومیشور اول کے عہد میں چالکیہ کافی مضبوط ہو گئے اور ان کے اثرات کو ہندوستان کے دور و دراز علاقوں میں محسوس کیا جانے لگا۔

سومیشور اول نے کلیان (نظام کی ریاست میں موجودہ کلیانی) میں ایک نئی راجدھانی کی بنیاد رکھی اور اُسے ایک خوش حال شہر بنا دیا۔ ۱۰۶۸ء میں اس کا انتقال کچھ عجیب حالات میں ہوا۔ کہتے ہیں کہ اسے نہایت شدید قسم کا بخار آیا اور جب مرض لا علاج ہو گیا تو وہ بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منتر پڑھتا ہوا تنگ بھدرا کے پانی میں اترا اور اسی میں ڈوب گیا[4]

سومیشور دوم بھوونیک مل

سومیشور اول آہومل کا جانشین اس کا بڑا لڑکا یوراج سومیشور دوم ہوا جسے بھوونیک مل بھی کہتے ہیں۔ تخت نشینی بالکل پُر امن طور پر ہو گئی۔ اس کا چھوٹا بھائی وکرمادتیہ،

---

[1] انڈین اینٹی کویریز۔ آٹھواں، ص۱۹۔ مولانہ کریں

कन्याकुब्जाधिराजो भजति च तरसा कन्दरस्थानमादेरुद्दामो यत् प्रतापप्रसरभरभयोद्भूतिवि- भ्रान्तचित्त: ।

[2] ہسٹری آف قنوج، ص۲۹۹، ص۳۰۰

[3] ایضاً ص۱۹۵

[4] اسے جل سمادھی کہتے ہیں (ارلی ہسٹری آف دکن، ص۳۲۲، حاشیہ ۳)

جس کے سر آہو مل کے بیشتر فوجی کارناموں کا سہرا ہے، اس وقت وینگی دیش میں چولوں کے خلاف مہم میں مصروف تھا۔ باپ کے انتقال کے بعد اندوہناک خبر سن کر وکرمادتیہ تیزی کے ساتھ راجدھانی کی طرف لوٹا اور نئے راجہ کی اطاعت قبول کر لی لیکن، جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے، زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ دونوں بھائیوں کے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سومیشور دوم کے ہاتھ سے گدی نکل گئی۔ کسی بات سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ سومیشور دوم نے کوئی خاص امتیاز حاصل کیا۔ آٹھ سال کے عہد میں اس کا واحد کارنامہ یہ تھا کہ اس نے مالوہ کے جے سنگھ پر، جو وکرمادتیہ کا حامی تھا، حملہ کیا جس میں اسے کامیابی حاصل ہوئی۔

وکرمادتیہ ششم تری بھون مل (۱۰۷۶-۱۱۲۶ء)[1]

بلہن کی وکرمانک دیو چرت ان واقعات پر بڑی دلچسپ روشنی ڈالتی ہے جو وکرمادتیہ یا وکرمانک کے راج گدی حاصل کرنے تک پیش آئے۔ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سومیشور دوم بھونیک مل بڑا ظالم اور شکی آدمی تھا، اس لیے رعایا میں بے اطمینانی پھیل گئی۔ وکرمادتیہ کو بھی اس سے کوئی ہمدردی نہیں رہی۔ چناں چہ وکرمادتیہ اپنے وفادار ساتھیوں اور چھوٹے بھائی جے سنگھ کو لے کر راجدھانی سے باہر آیا اور یہ سب تنگ بھدرا پر جمع ہو گئے پھر بنواسی دیش (شمالی کنارا) سے گزر کر وکرمادتیہ اپنی فوجی صلاحیتوں کو بروئے کار لایا اور کوکن کے حکمراں جے کیشن اور دوسری جنوبی طاقتوں کو زیر کیا۔ اس کے بعد وکرمادتیہ نے چول راجہ ویر راجیندر سے زور آزمائی کی جو نہ صرف اس سے صلح کرنے پر مجبور ہو گیا بلکہ اس نے اپنی لڑکی کی شادی بھی اس کے ساتھ کر دی۔ لیکن اس رشتے نے وکرمادتیہ کو تازہ مشکلات میں مبتلا کر دیا، کیوں کہ ویر راجیندر کے مرنے کے بعد جب چول ریاست میں ابتری پھیلی، تو اسے انتہائی سرعت کے ساتھ اپنے برادر نسبتی کی مدد کے لیے کانچی جانا پڑا۔ آخر الذکر کا رشتۂ حیات وینگی کے کلوتنگ نے منقطع کر دیا جس نے وکرمادتیہ کے متوقع حملے کی روک تھام کے لیے سومیشور دوم سے اعانت طلب کی۔ وکرمادتیہ نے فوراً مبارزت قبول کر لی اور دونوں حریفوں کو شکست دے دی۔ سومیشور دوم کو گرفتار کر لیا گیا اور نتیجہ میں اسے گدی سے اتار دیا گیا۔

---

[1] سر آر۔ جی۔ بھنڈارکر نے اسے وکرمادتیہ دوم کہا ہے (ارلی ہسٹری آف ڈکن ص ۱۴۵)

اسی طرح وکرما دتیہ ششم نے ۱۰۷۶ء میں کلیان کی عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی اور یہی چالکیہ وکرم سمبت کے آغاز کا سال ہے۔

وکرما دتیہ ششم بلا شبہ خاندان کی سب سے نمایاں شخصیت تھی۔ راجہ بننے کے بعد اس نے اپنی تمام تر قوتیں فوجی مہموں سے زیادہ امن کے کاموں پر صرف کیں۔ اس نے علم و فن کو فروغ دیا اور اس کا دربار نزدیک و دور کی ممتاز شخصیتوں کے لیے پُرکشش بن گیا۔ نامور کشمیری مصنف بلہن کا وہ مربی و محسن تھا جس نے اپنے ممدوح کی فوجی مہموں کو اپنی وِکرمانک دیو چرت کے ذریعہ غیر فانی بنا دیا۔ اس نے وگیانیشور کی بھی سرپرستی کی جس نے متاکشرا تصنیف کی جو ہندو قانون پر ایک مستند رسالہ ہے۔ اس سے بہر حال یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وکرما دتیہ ششم کا تقریباً نصف صدی کا طویل عہد محض "فتوحاتِ امن" کے لیے ہی ممتاز رہا بلکہ اسے وقتاً فوقتاً اپنی تلوار نیام سے باہر نکالنی پڑی۔ دراصل جب اس نے پرماروں سے دوستی کی تجدید کی تو وہ اَنہل واڑے کے چالکیوں سے دشمنی کے جنجال میں پھنس گیا۔ وکرما دتیہ ششم کو ایک اور شورش کا سامنا کرنا پڑا، یعنی اس کے چھوٹے بھائی جے سنگھ نے بغاوت کر دی جسے اس نے بنواسی کے صوبے کا وائسرائے مقرر کر دیا تھا۔ لیکن جے سنگھ کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے باوجود بغاوت ناکام ہوئی اور وکرما دتیہ نے اس پر قابو پالیا۔ اس کے علاوہ وکرما دتیہ نے چول راجہ اور ہوائے سل وشنو وردھن کے حملوں کا سدّ باب کیا جنھوں نے اس کی زندگی کے آخری ایام میں اس سے ٹکر لینے کی کوشش کی تھی۔

بعد کے حکمراں

وکرما دتیہ ششم کے بیٹے اور جانشین سومیشور سوم بھولوک مل نے ۱۱۲۶ء سے ۱۱۳۸ء تک حکومت کی۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ ٹھیک ٹھیک نہیں کہا جا سکتا کہ اس سے منسوب مہموں کی داستان قابلِ اعتبار ہے یا نہیں، لیکن یہ بات یقیناً درست ہے کہ اس نے علم و فن کی حوصلہ افزائی کی۔ اور خود مانس سولاس تصنیف کی جو مختلف موضوعات پر روشنی ڈالتی ہے۔ سومیشور سوم کا لڑکا جگ دیک مل دوم (تقریباً ۱۱۳۸ء تا ۱۱۵۱ء) معلوم ہوتا ہے قابلِ ذکر شخصیت کا مالک تھا۔ ہوائے سلوں کی بے جا مداخلت کی روک تھام کرنے کے بعد جگ دیک مل نے جے ودمن پرمار پر حملہ کر دیا اور اس سے مالوے کا کچھ حصہ چھین لیا۔

انہل واڑ کے کمار پال نے مالوے میں اس دست درازی کو سخت ناپسند کیا۔ اس لیے جگ دیک مل کی اگلی جھڑپ کمار پال سے ہوئی۔ اس کے بھائی تَرَمَڑی تیل کے زمانے میں کلچوری وزیر جنگ وجل یا وجن کی حریصانہ اور بافساد سرگرمیوں کے باعث مغربی چالکیہ ریاست میں کافی تخفیف ہوگئی تھی۔ بعض برہم وغیر سلطنت جاگیرداروں کی مدد سے وجل نے اپنے راجہ کو جنوب کی طرف بھگا دیا اور ۱۱۵۷ء میں خود راج گدی پر غاصبانہ قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد چالکیہ حکومت تقریباً ۲۵ سال تک تعطل کی حالت میں رہی لیکن ۱۱۸۲ء میں تَرَمَڑی تیل کے بیٹے وِیر سوم یا سومیشور چہارم نے اپنے آبائی علاقوں کا ایک حصہ پھر حاصل کرلیا اور اَنی گیری (ضلع دھارواڑ) کو اپنی راجدھانی بنایا۔ کم از کم ۱۱۸۹ء تک اس کی حکومت پھلی پھولی، لیکن اس کے بعد اس کے متعلق کوئی بات سننے میں نہیں آتی۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ دیوگری کے یادوؤں اور دوار سمدر کے ہوائے سلوں کے خلاف دو محاذوں پر اپنی باقی ماندہ ریاست کا دفاع کرتے ہوئے وہ ہلاک ہوگیا۔

کلچوری حکومت کا غاصبانہ دَور

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، وِجل یا وِجن نے ۱۱۵۷ء میں مغربی چالکیہ حکومت کا تختہ الٹ دیا تھا اور خاندان کے ایک نئے سلسلے کا آغاز کیا جس کا مختصر وجود ۱۱۸۲ء تک باقی رہا۔ اس کا تعلق کلچوری نسل سے تھا اور ابتدا میں تَرَمَڑی تیل کا وہ مہا منڈلیشور اور دَنڈ نایک رہ چکا تھا۔ وِجل نے رفتہ رفتہ اپنی طاقت بڑھانی شروع کردی اور ۱۱۶۲ء تک اس نے تمام شاہانہ القاب بھی اختیار کرلیے۔ اس کے عہدِ حکومت کو باسَو نے یادگار بنادیا ہے۔ باسَو نہ صرف اس کے وزیر خاص کے معزز عہدے پر فائز تھا، بلکہ اس نے اس عہد کی مذہبی تاریخ میں بھی کافی اہم رول ادا کیا۔ اس نے ایک نئے مذہبی فرقے کی بنیاد رکھی جس کے ماننے والے ویرشیو یا لنگایت کہلاتے ہیں۔ ان کی کافی تعداد آج بھی کنا ڑی ملک اور میسور میں پائی جاتی ہے۔ وہ لِنگ کی صورت میں شیو اور شیو کی واہن (گاڑی) نندن کے سچے پجاری ہیں مگر دو ویدوں کو الہامی مانتے ہیں اور نہ ان کی تقدس کے قائل ہیں۔ ان کی مقدس کتابیں بھی ہیں، جن میں سے ایک باسَو پران ہے۔ وہ ذات پات کے قائل نہیں ہیں اور ہندو دھرم کے مروجہ معتقدات سے دوسرے سماجی اور اصولی اختلافات رکھتے ہیں۔ باسَو کا مذہب

بہت تیزی سے پھیلنے لگا اور جین مت کے ماننے والوں کی تعداد خاص طور سے گھٹنے لگی۔ وِجّل جین مت کا پیرو تھا، اُسے یہ بات پسند نہیں آئی، چناں چہ ان کے باہمی تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو گئی۔ کہتے ہیں کہ باسَوَ نے بہت جلد وِجّل کا خاتمہ کر دیا۔ حقیقت کچھ بھی ہو، وِجّل کے بیٹے سووِی دیو یا سوَم نے باسَوَ پر قابو پانے کی کوشش کی اور غالباً کامیاب بھی ہوا، لیکن سووِی دیو کے جانشین محض برائے نام تھے اور ہم ان کے متعلق بہت کم جانتے ہیں۔ ۱۱۸۲ء میں سومیشور چہارم نے آخری کلچوری حکمراں کا خاتمہ کر دیا اور اس طرح مغربی چالکیوں نے ایک بار پھر کچھ عرصے کے لیے شہرت حاصل کر لی۔

فصل (۴)

دیوگری کے یادَو حکمراں[1]

اصل اور عروج

یادوؤں کو یدُو کی نسل سے بتایا جاتا ہے۔ مہابھارت کے ہیرو کرشن بھی اسی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ بدقسمتی سے ان کی ابتدائی تاریخ تاریکی میں ہے، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ جب مانیہ کھیٹ اور کلیان کے چالکیہ دکن میں حکومت کر رہے تھے تو وہ ایک جاگیردار خاندان کی حیثیت رکھتے تھے۔ چالکیوں کے زوال کے بعد یادو نمایاں ہونے لگے اور بہت جلد انھوں نے ایک وسیع سلطنت قائم کر لی۔ خاندان کی سب سے پہلی قابلِ ذکر شخصیت بِھلّم پنجم کی تھی۔ ہوائے سلوں کے حملوں نیز کلچوریوں کے غاصبانہ قبضے کے باعث چالکیہ راج دم توڑ رہا تھا۔ بِھلّم پنجم نے اس سے فائدہ اٹھا کر تقریباً ۱۱۸۷ء میں سومیشور چہارم کے کمزور ہاتھوں سے کرشنا سے شمال کے علاقے چھین لیے۔ بِھلّم پنجم نے دیوگری یعنی ریاست حیدرآباد میں موجودہ دولت آباد کو اپنی راجدھانی قرار دیا اور تمام شاہانہ القاب بھی اختیار کر لیے۔ اس کی شاہانہ فوجیں جنوب کی طرف بہرحال زیادہ نہ بڑھ سکیں کیوں کہ ۱۱۹۱ء میں یا اس کے قریب جوار

---

[1] آر۔ جی۔ بھنڈارکر، اَرلی ہسٹری آف دکن، تیسرا اڈیشن، فصل چودہ، پندرہ، سنہ ۱۹۲۸ء صفحہ ۲۰۹؛ بامبے گزیٹیر جلد ایک، حصہ دو۔

میں ہوائے سل راجہ ویر بلال نے نلکنڈی (ضلع دھارواڑ) کی جنگ میں اسے شکست دے دی اور غالباً قتل کر دیا۔ بھلم کا جانشین اس کا لڑکا جے تنگی یا جیتر پال اول (تقریباً ۱۱۹۱۔ ۱۲۱۰ء) ہوا جس نے ایک شدید مجادلہ کے دوران تیلنگوں (ترس کلنگوں) کے راجہ رُدر دیو کو قتل کر دیا۔ اور اس کے بھتیجے گن پتی کو کاک تیہ گدی پر بٹھا دیا۔ اس طرح یادووں نے رفتہ رفتہ اپنے معاصرین پر اثرات قائم کرنے شروع کر دیے۔

سنگھن

جے تنگی اول کا لڑکا سنگھن یادو سلسلہ کا سب سے زیادہ جوشیلا آدمی تھا۔ کہتے ہیں کہ تقریباً ۱۲۱۰ء سے ۱۲۴۷ء تک کے طویل دور حکومت میں اس نے بہت سے علاقے فتح کر ڈالے ۱۲۱۵ء میں اس نے ویر بھوج کو شکست دی اور پرنال یا پتہال کا قلعہ فتح کرنے کے بعد کولھاپور کی شلاہار ریاست کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ علاوہ بریں سنگھن نے اپنے دادا کی ہزیمت کا بدلہ لیا اور ویر بلال دوم ہوائے سل کو شکست دے کر اپنی حکومت کرشنا پار تک پھیلا لی۔ یادو حکمراں نے دوسرے مخالفین مثلاً مالوہ کے ارجن ورمن اور چیتیس گڑھ کے چیدی سردار جاجلّ سے بھی بڑی کامیابی کے ساتھ زور آزمائی کی اور وگھیل راجاؤں کے عہد میں گجرات پر کم از کم دو بار حملہ کیا۔ سنگھن کے ان فوجی کارناموں کے باعث یادو ریاست کے حدود اتنے ہی مرعوب کن ہو گئے جتنے مغربی چالکیوں کے تھے۔

سنگھن کے دربار کی رونق سارنگ دھر تھا جس کا خاص علمی کارنامہ موسیقی پر ایک تصنیف ہے جو سنگیت رتناکر کے نام سے موسوم ہے۔ اس کی ایک شرح آج تک باقی ہے اور شواہد اس کے حق میں ہیں کہ یہ شرح خود راجہ کی تصنیف ہے[1]۔ سنگھن کے دربار کی دوسری ممتاز شخصیت ہئیت داں چانگ دیو کی تھی جس نے بھاسکر آچاریہ کی سِدھانت شرومنی اور ہئیت پر اس کے دوسرے رسالوں کے مطالعے کے لیے پٹنہ (ضلع خاندیش) میں ایک مدرسہ (مٹھ) قائم کیا[2]۔

---

[1] یا یہ سمجھنا چاہیے کہ اس کے درباری شاعروں میں سے کسی نے یہ شرح تصنیف کر کے اس سے منسوب کر دی۔

[2] ارلی ہسٹری آف دکن، ص ۱۹۴، صفحہ ۱۹۵۔

بعد کے یادو راجہ

سِنگھنؔ کے بعد راج گدی اس کے پوتے کرشنؔ یا کنہرؔ کو ملی (تقریباً ۱۲۴۷ء — ۱۲۶۰ء) معلوم ہوتا ہے کہ مالوہ، گجرات اور کونکن کے راجاؤں سے اس نے بھی ٹکر لی۔ کرشنؔ برہمن مت کا مخلص پیرو تھا۔ جَلہنؔ کی نظموں کا مجموعہ سوکتی مکتاولی، اور اَملانندؔ کی ویدانتی شرح ویدانت کل پترؔو، اسی کے دور کی یادگار ہیں۔

کرشنؔ کے بعد اس کا بھائی مہادیو راجہ ہوا۔ (تقریباً ۱۲۶۰ — ۱۲۷۱ء) جس کے بارے میں شواہد یہ ہیں کہ اس نے کونکن کو شلاہاروں کے قبضے سے نکال کر اپنی ریاست میں شامل کر لیا۔ "کرناٹ اور لاٹ کے مغرور حکمرانوں کی حالت مضحکہ خیز بنا دی" اور کاک تیہ رانی رُدرآمبا پر اپنی ہیبت طاری کر دی۔ مہادیو اور رام چندر یا رام راج (تقریباً ۱۲۷۱ — ۱۳۰۹ء) کے زمانے میں عظیم برہمن وزیر (منتری) ہیمادری یا ہیماڈ پنتؔ موجود تھا جو ہندو دھرم شاستر پر کئی کتابوں کی تصنیف کے لیے مشہور ہے۔ اس کی سب سے اہم تصنیف چترؔ ورگ چنتامنی ہے جو چار حصوں اور ایک ضمیمہ پر مشتمل ہے۔ کہتے ہیں کہ اس نے مندر تعمیر کرنے کا ایک خاص طریقہ دکن میں رائج کیا اور غالباً موڑی رسم خط ایجاد کیا یا اس میں اصلاح کی۔ ہمیں مزید معلوم ہوتا ہے کہ رام چندر نے گیانیشورؔ نامی سادھو کی سرپرستی کی جس نے ۱۲۹۰ء میں بھگوت گیتا کی مراٹھی شرح لکھی۔

مسلم حملے

رام چندر ہی کے عہد میں مسلم فوج نے علاؤ الدین کی قیادت میں جو اس وقت کڑا کا گورنر تھا، جنوب کی طرف کوچ کیا اور ۱۲۹۴ء میں یکلخت دیوگری کا محاصرہ کر لیا۔ رام چندر نے قلعہ میں پناہ لی اور اس کا بیٹا شنکرؔ اس کی مدد کے لیے آگے بڑھا۔ لیکن اس سے کچھ کام نہ چلا اور رام چند کو بڑی شرمناک شرائط پر صلح کرنی پڑی جس کی رو سے اُسے "۶۰۰ من موتی، دو من جواہرات، ۱۰۰۰ من چاندی، ۴۰۰۰ ریشمی چادریں اور دیگر بیش قیمت اشیا" علاؤ الدین کو دینے کے لیے راضی ہونا پڑا۔ اس کے علاوہ اس نے ایلچ پور علاؤ الدین کے حوالے کر دیا اور دہلی کو سالانہ خراج ادا کرنے کا وعدہ کیا[1] بہرحال سالانہ خراج کی ادائیگی پابندی سے نہ ہو سکی

[1] برگس، دفشتہ، جلد ۱، ص ۳۰۴

اور جب علاؤالدین برسرِ حکومت آیا تو اس نے ۱۳۰۷ء میں اپنے ایک معتمد سپہ سالار ملک کافور کو دیوگری بھیجا۔ رام چندر کو گرفتار کر کے دہلی لایا گیا[1] لیکن علاؤالدین نے اسے رہا کر کے اس کی وفاداری حاصل کر لی۔ ۱۳۰۹ء میں رام چندر مر گیا اور اس کے فوراً بعد اس کے جانشین شنکر نے خراج ادا کرنا بند کر دیا۔ یہ عمل متقاضی ہوا کہ انتقامی کارروائی عمل میں لائی جائے۔ چناں چہ ۱۳۱۲ء میں ملک کافور نے شنکر کو شکست دی اور اسے قتل کر دیا۔ اس طرح یادو خاندان کا انجام نہایت شرمناک حالات میں ہوا۔ بعد ازاں رام چندر کے داماد ہرپال نے مسلمانوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ بہرحال اسے بھی کچل دیا گیا، اور سلطان مبارک کے حکم سے بڑی بربریت کے ساتھ اس کے زندہ جسم سے کھال کھنچوائی گئی۔

فصل (۵)

وارنگل کے کاک تیہ

اصل

کاک تیہ نام کا بالکل ٹھیک ماخذ غیر یقینی ہے۔ بعض اوقات لفظ "کاکت" سے اس کا تعلق ظاہر کیا گیا ہے جس کے معنی "کوا" ہوتے ہیں۔ یا مقامی روپ میں درگا دیوی کے نام سے جوڑ ملانے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن یہ قیاسات تنقید کی کسوٹی پر مشکل ہی سے پورے اتر سکیں گے۔ کاک تیوں کے حسب نسب کے بارے میں بھی ہماری معلومات قطعی نہیں ہے۔ ان کا روایتی سلسلۂ نسب، جس میں رگھو کے خاندان کے کئی نام شامل ہیں ظاہر کرتا ہے کہ وہ سورج ونشی کشتریہ تھے۔ دوسری طرف ضلع نلور کے متعدد کتبوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کاک تیہ شودر تھے۔

مختصر حالات

شروع میں کاک تیہ بعد والے چالکیوں کے جاگیردار تھے۔ چالکیوں کے زوال کے بعد

---

[1] رالینسن، ہسٹری آف انڈیا، تیسرا، ص۲۵، ص۲

انھوں نے تلنگانہ میں زور پکڑ لیا اور اپنی علیحدہ حکومت قائم کر لی جو اس وقت تک باقی رہی جب سلطان احمد شاہ بہمنی نے ۱۴۲۴-۱۴۲۵ء میں تلنگانہ فتح کیا۔ پہلے کاک تیہ حکومت کا صدر مقام اَنَم کونڈ (یا مَنہم کونڈ) تھا لیکن بعد میں وارنگل (یا اورنگلو) کو راجدھانی بنا دیا گیا۔ پہلا راجہ جس نے خاندان کا نام اونچا کیا پرول راج تھا جس کے ایک کتبہ پر چالکیہ وکرم سمبت ۴۲ مطابق ۱۱۱۷-۱۱۱۸ء مندرج ہے اس نے مغربی چالکیوں کے خلاف جنگ میں امتیاز حاصل کیا اور طویل عرصے تک حکومت کی۔ رُودَر (حساب لگانے کے بعد تقریباً ۱۱۶۰ء) اور اس کے چھوٹے بھائی مہادیو کے بعد مہادیو کا لڑکا گنپتی ۱۱۹۹ء میں کاک تیہ گدی پر بیٹھا وہ خاندان کا سب سے طاقت ور حکمراں ثابت ہوا۔ ایک کتبے کی سند کے مطابق اس نے ۶۲ سال حکومت کی۔ کہتے ہیں کہ اس نے چول، کلنگ، سیونَ (یعنی یادو حکمراں) کرناٹ، لاٹ، اور وَل ناڈو کے راجاؤں سے شمشیر آزمائی کی اور کامیابیاں حاصل کیں۔ گنپتی کو یہ کامیابیاں شاید چول راجہ کی کمزوری یا اس سیاسی ابتری کی وجہ سے حاصل ہوئیں جو تیرھویں صدی کے ربع دوم میں جنوبی ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھی۔ گنپتی کے کوئی اولادِ نرینہ نہ تھی، اس لیے اس کی جانشین اس کی بیٹی رُودرَ امبا ہوئی جو تقریباً ۱۲۶۱ء میں گدی پر بیٹھی اس نے بڑی قابلیت سے حکومت کی اور کہتے ہیں کہ اس نے رُودر دیو مہاراج کا مردانہ نام اختیار کر لیا تھا۔ لگ بھگ تیس سال حکومت کرنے کے بعد گدی اس کے پوتے پرتاپ رُودر دیو کو ملی جسے وِدیا ناتھ کی پرتاپ رُودریہ نے غیر فانی بنا دیا ہے۔ یہ شعریات کی تصنیف ہے جسے اس نے رُودر دیو کے نام معنون کیا ہے۔ رُودر دیو کاک تیہ خاندان کا آخری بڑا تاجدار تھا۔ ملک کافور کے تباہ کن جنوبی حملے کے دوران اُسے بھی مسلمانوں کی اطاعت قبول کرنی پڑی۔ بعد ازاں کاک تیہ حکومت کی اہمیت گھٹنے لگی یہاں تک کہ نتیجے میں ان کی ریاست دکن کے سلاطین بہمنی کے قبضے میں چلی گئی۔ قیاس ہے کہ خاندان کے لڑکے ہجرت کر گئے اور چھوٹی سی ریاست بستر نام کی قائم کر لی۔

فصل (٦)

شلاہار خاندان[1]

اصل

شِلاہاروں یا شلاروں کا دعویٰ تھا کہ وہ وِدّیادھروں کے تخیلی راجہ جموت وَاہَن کی اولاد ہیں۔ روایت میں ہے کہ اس نے گَرُوڑ کے سامنے آھار (غذا) کے طور پر اژدہے کی جگہ اپنے آپ کو پیش کر دیا تھا۔ اس حکایت کی قیمت کچھ بھی ہو، معلوم ہوتا ہے شلاہار گذشتہ نسل سے تعلق رکھتے تھے۔

تاریخ

تاریخ شِلاہار خاندان کی تین شاخوں کا پتہ دیتی ہے۔ ان کا قدیم وطن غالباً تگر، یا تیر تھا۔ وہ باری باری راشٹرکوٹوں، چالکیوں اور یادووں کے ماتحت رہے اور کبھی کوئی عظیم شاہی طاقت نہ بن سکے۔ قدیم ترین شلاہار گھرانے نے جنوبی کونکن پر آٹھویں صدی عیسوی کے ربع آخر سے لے کر گیارھویں صدی عیسوی کے ربع دوم تک حکومت کی۔ ان کا صدر مقام گوا تھا اور بعد میں غالباً کھرے پتن ہو گیا۔ دوسری شاخ نے شمالی کونکن پر نویں صدی عیسوی کی ابتدا سے اندازاً ساڑھے چار سو سال حکومت کی۔ ان کی ریاست میں تھانہ اور رتن گری کے اضلاع اور ضلع سورت کا کچھ حصہ، شامل تھے۔ ان کا خاص شہر تھانہ تھا اور پوری (مغربی) ایک قسم کا ثانوی دارالسلطنت تھا۔ شلاہاروں کی تیسری شاخ نے اپنی حکومت گیارھویں صدی عیسوی کی ابتدا کے قریب کولھاپور،[2] ستارا اور بلگاؤں کے اضلاع میں قائم کی۔ کچھ عرصے وہ جنوبی کونکن پر بھی قابض و متصرف رہے۔ اس شاخ کو نسبتاً زیادہ آزادی حاصل رہی۔ کہتے ہیں کہ اس کے ایک راجہ وِجے آرکت یا وجے آدتیہ نے آخری چالکیہ راجہ کے زوال میں وِجّن یا

---

[1] ڈاکٹر الٹیکر: "مغربی ہندوستان کے شلاہار" (انڈین کلچر، جلد ۲، نمبر ۳، ۱۹۳۶ء صفحہ ۳۹۳)

[2] کولھاپور، یا پَنہالہ ان کا دارالسلطنت تھا۔ وہ مہالکشمی دیوی کے پجاری تھے۔

بجّل سے کو مدد پہنچائی۔ اس سلسلے کا سب سے زیادہ مشہور راجہ، بہرحال بجوج (تقریباً ۱۱۷۵ — ۱۲۱۰ء) تھا، جس کے بعد ریاست کو یادو راجہ سنگھن نے فتح کر لیا۔

فصل (۷)

کدمب خاندان

اشتقاق

کدمبوں کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ وہ برہمن تھے اور مالوّیہ گوتر سے تعلق رکھتے تھے[1]۔ عجیب بات یہ ہے کہ ان کا خاندانی نام کدمب درخت سے مشتق ہے جو ان کے گھر کے سامنے کھڑا تھا۔

تاریخ

کدمب حکومت کے قیام کے حالات تاریکی میں ہیں۔ ایک روایت میں بڑے دعوے کے ساتھ کہا گیا ہے کہ میورشرمن نامی ایک برہمن جانباز نے ہتھیار بند کر دیے محض اس لیے کہ اُسے خیال تھا کہ پلّو راجدھانی کانچی میں اس کی توہین کر دی گئی تھی[2] اور ایک چھوٹی سی ریاست کرناٹک میں قائم کر لی جس کا صدر مقام بنواسی تھا۔ یہ واقعہ چوتھی صدی عیسوی کے وسط میں اس وقت پیش آیا جب پلّووں پر جنوب میں سمدرگپت کے حملوں کی دہشت طاری تھی۔ میورشرمن سے متصل اس کے سب جانشین بے وجود لوگ تھے۔ اس

---

[1] ملاحظہ ہو جی۔ ایم۔ موریز دا کدمب کُل ۱۹۳۱۰۔

[2] حالانکہ کدمب خاندان کے راجہ برہمن تھے، لیکن وہ جین مت کو ناپسند نہیں کرتے تھے بشیومت کے ساتھ ساتھ جین مت بھی ان کے دورِ حکومت میں خوب پھولا پھلا۔

[3] ملاحظہ ہو کاکستھ ورمن کا تال گنڈ کتبہ (ایپی گرافیہ انڈیکا، آٹھواں، ص ۲۴، ص ۳۶) اس سے موازنہ کریں۔ "وہاں ایک پلّو سردار سے اس کی خطرناک تکرار ہو گئی اور غضبناک ہو کر اس نے سوچا): "افسوس! کہ اس کل جگ میں برہمن، چھتریوں کے مقابلے میں اتنے کمزور ہو گئے ہیں۔" (ایضاً ص ۳۳، ص ۳۴، اشلوک ۱۱، ۲۱)

کے بعد ککُستھ ورمن آتا ہے جس کے عہد میں کدمب ریاست کے حدود و اثرات میں کافی اضافہ ہوگیا۔ اگلا قابلِ ذکر کدمب راجہ رَوِی ورمن تھا (چھٹی صدی عیسوی کا ابتدائی حصہ)۔ اس نے ہلسِی (ضلع بلگاؤں) کو اپنی راجدھانی بنایا اور گنگوں اور پلوؤں کے خلاف کامیاب جنگ کی۔ واتاپی میں چالکیوں کے عروج سے کدمبوں کے حوصلوں کو سخت دھکا لگا۔ ان کے شمالی علاقوں کو پلکیشن اول نے جیت لیا اور پلکیشن دوم نے انھیں غلام بنا کر بالکل بے حقیقت کردیا۔ گنگوں نے بھی کدمب ریاست کے جنوبی حصہ کو اپنی ریاست میں شامل کرلیا۔ بہرحال خاندان کلیتاً معدوم نہیں ہوا، کیوں کہ دسویں صدی عیسوی کے ربع آخر میں راشٹرکوٹوں کے زوال کے بعد کدمب راجہ پھر نمایاں ہوگئے۔ کدمب خاندان کی یہ شاخیں[1] تیرھویں صدی کے تقریباً آخر تک دکن اور کونکن کے مختلف حصّوں پر حکومت کرتی رہیں، لیکن ان کی سرگرمیوں کی اہمیت مقامی رہ گئی۔

فصل (۸)

تلکاڈ کے گنگ[2]

نسب

گنگوں کی اصل غیر یقینی ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ اِکشو واکو کی نسل سے تھے۔ اس کے برعکس دوسری روایات ان کا تعلق دریائے گنگا سے یا کنو رشی سے قائم کرتی ہیں۔

مختصر حالات

گنگوں کی ریاست میں میسور کا بیشتر حصّہ شامل تھا۔ ان کے نام کی رعایت سے اس علاقے کا نام گنگ واڑی پڑگیا۔ اس کی بنیاد دِدِگ (کونگنی ورمن) اور مادھو نے لگ بھگ چوتھی صدی عیسوی میں رکھی۔ شروع میں اس کا دارالسلطنت کلوول (کولر؟) تھا،

---

[1] ہنگل (ضلع دھارواڑ) اور گوا بعد والے کدمبوں کے خاص مرکز تھے۔

[2] ملاحظہ ہو "دا گنگاز آف تلکاڈ"، از ایم۔ وی۔ کرشنا راؤ (مدراس ۱۹۳۶ء)

لیکن پانچویں صدی عیسوی کے وسط کے قریب ہری ورما نے تبدیل کر کے اسے میسور کے ضلع میں دریائے کاویری پر تل وَنَ پور یا تل کاڈ کے مقام پر منتقل کر دیا۔ گنگ خاندان کے مشہور قدیم راجاؤں میں ایک دُروِی نیت تھا[1] جنے پلّوؤں کے خلاف جنگ میں امتیاز حاصل کیا۔ وہ مصنف بھی تھا۔ پیشاچی بِرہَت کتھا کا سنسکرت ترجمہ اور دوسری تصانیف اس سے منسوب ہیں۔ دوسرا اعظم گنگ راجہ شری پُرُشَ تھا (تقریباً ۷۲۶ - ۷۷۶ء) اس نے نہ صرف راشٹر کوٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، بلکہ وِلردی کے مقام پر پلّوؤں کو شکستِ فاش بھی دی۔ آٹھویں اور نویں صدیوں کے دوران وینگی کے مشرقی چالکیوں، مل کھیڑ کے راشٹر کوٹوں اور دوسرے پڑوسیوں کی جارحانہ سرگرمیوں نے گنگوں کو مستقل پریشان کیے رکھا۔ درحقیقت دُھرُو دَ نِرُو پمُ (تقریباً ۷۷۹ - ۷۹۴ء) نے گنگ راجہ شیو مار کو قید کر لیا اور اس کے تمام علاقوں کو اپنی ریاست میں شامل کر لیا۔ گووند سوم کی تخت نشینی کے وقت جب افراتفری پھیلی تو شیومار نے اپنی کھوئی ہوئی ریاست ایک بار پھر حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اسے بہرحال سختی سے دبا دیا گیا اور گنگ واڈی راشٹر کوٹ گورنر کے ماتحت رہی۔ راج مَل (حساب لگانے کے بعد تقریباً ۸۱۸ء) کے زمانے میں خاندان کی قسمت ذرا جاگی، لیکن اس کے باوجود گنگ قلمرو کے لیے راشٹر کوٹ مستقل خطرہ بنے رہے بعد ازاں گنگ راجہ چولوں کے ساتھ جنگ میں الجھ گئے اور ۱۰۰۴ء تک انھوں نے تل کاڈ کو تسخیر کر لیا، اور گنگ راج کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکا۔ لیکن گنگ خاندان بہرحال معدوم نہیں ہوا۔ کیوں کہ تاریخ میں گنگ خاندان کے سرداروں کا ذکر ہوائے سلوں اور چولوں کے باجگزار کی حیثیت سے باقی رہا۔

بہت سے گنگ راجہ جین مت کی طرف مائل تھے۔ مثال کے طور پر اوی نیت کی پرورش وجے کیرتی کی نگرانی میں ہوئی اور اوِی نیت کے بیٹے دُروِی نیت نے مشہور جین آچاریہ پُوجیہ پادَ کی سرپرستی کی۔ اسی طرح راج مَل چہارم (تقریباً ۹۷۷ - ۹۸۵ء) کے عہد میں اس کے وزیر اور سپہ سالار چامنڈ رائے نے جو ایک پکا جین تھا ۹۸۳ء میں شرون بیل گولا

---

[1] غالباً چھٹی صدی عیسوی کا نصف آخر۔ بہرحال ڈبرو تیل کی رائے ہے کہ دروی نیت کا سن تقریباً ۶۰۵ - ۶۵۰ء ہے (ملاحظہ ہوں گزشتہ صفحات)

کے مقام پر گومم تیشوَر کا مشہور و معروف مجسمہ نصب کروایا۔

فصل (۹)

دوار سمُدر کے ہوائے سَل

نام و نسب

ہوائے سَلوں (ہوائے سَلوں) نے اپنے کتبوں میں اپنے تئیں "یادو کُل تلک" یا "چندر ونشی کشتریہ" ظاہر کیا ہے۔ اس دعوے میں جتنی بھی سچائی ہو، خاندان کا تاریخی بانی سَال نامی شخص تھا جس نے ایک رِشی کے حکم سے ایک لوہے کی سلاخ سے چیتے پر وار کیا اور اُسے مار ڈالا۔ کہتے ہیں کہ اس واقعہ (ہوائے سال، یعنی سال کو مارو) کے بعد خاندان کا نام ہوائے سَل یا ہوائے سَل پڑ گیا۔

تاریخی جائزہ

ہوائے سَلوں نے تقریباً گیارہویں صدی کے اوائل میں ممتاز مقام حاصل کر لیا۔ قدیم راجہ میسور کے بہت تھوڑے رقبے پر تصرف رکھتے تھے اور یا تو چول حکمرانوں کے یا کلیان کے چالُکیوں کے مطیع تھے۔ رفتہ رفتہ وِنے آدتیہ (حساب لگانے کے بعد تقریباً ۱۰۴۵ء) اور اس کے بیٹے ارے ینگ نے اپنی طاقت کو بڑھانا شروع کر دیا۔ انھوں نے چالُکیہ فرماں روا کو بھی اس کی مہموں میں مدد پہنچائی لیکن بِٹگ وشنو وردھن (تقریباً ۱۱۱۰-۱۱۴۰ء) کے زمانے سے پہلے جنوبی ہند کی سیاسیات میں وہ کوئی اہم مقام حاصل نہ کر سکے۔ بٹگ وشنو وردھن نے اپنی راجدھانی ویلاپور (ضلع حسن میں موجودہ بلُوَر) سے تبدیل کر کے دوار سمُدر (ہلے بِد) میں منتقل کر دی اور حالاں کہ وشنو وردھن نے شاہانہ القاب باقاعدہ اختیار نہیں کیے، لیکن اس نے اپنے چالُکیہ فرماں روا وکرم آدتیہ ششم سے قریب قریب مکمل آزادی اختیار کر لی۔ اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس نے چولوں، مدورا کے پانڈیوں، اہلِ مالابار، جنوبی کنارا کے تلووؤں اور گوا کے کدمبوں کو نیچا دکھایا اور دریائے کرشنا اور کاویری کی طرف بھی وہ اپنی فوجیں لے گیا۔ اس طرح وشنو وردھن نے کافی وسیع علاقے پر اپنی حکومت قائم کر لی جس میں تمام

میسور اور اس سے ملحقہ علاقے شامل تھے۔ عقائد کے اعتبار سے وشنو وردھن پہلے جین تھا لیکن بعد میں جب اس کی ملاقات مشہور و معروف آچاریہ رآمانج سے ہوئی تو وہ وشنو دھرم کی طرف مائل ہو گیا۔

اس خاندان کا دوسرا قابلِ ذکر راجہ وشنو وردھن کا پوتا، ویر بلال اول (تقریباً ۱۱۷۲۔ ۱۲۱۵ء) تھا۔ یہ پہلا راجہ تھا جس نے مہاراجہ دھراج کا لقب اختیار کیا۔ اس کے دورِ حکومت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے چالکیہ راجہ سومیشور چہارم کے ایک سپہ سالار برہم کو شکست دی اور ۱۱۹۱ء میں لکنڈی (دھارواڑ ضلع) کی لڑائی میں بھلم پنجم یادو کی فوجوں کو پسپا کیا۔ یادو سنگھن نے اپنی قلمرو دریائے کرشنا سے آگے دور تک پھیلا لی تھی۔ ویر بلال اول کے بیٹے اور جانشین ویر بلال دوم یا نرسنگھ دوم کو یادو سنگھن کے ہاتھوں بہر حال ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑا۔ ہوائے سل خاندان کے بعد والے راجاؤں کا حال ہمیں زیادہ نہیں معلوم۔ بس اتنا معلوم ہے کہ وہ چولوں اور پانڈیوں سے جنگ میں مصروف رہے۔ ہوائے سل خاندان کا آخری تاجدار ویر بلال سوم تھا۔ ۱۳۱۰ء میں ملک کافور کے ماتحت اس کی ریاست کو مسلمانوں نے تباہ و برباد کیا۔ دیوگری کو لوٹنے کے بعد ملک کافور ہوائے سلوں کی راجدھانی کی طرف بڑھا۔ اس نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور راجہ گرفتار ہو گیا۔ دہلی میں کچھ عرصہ قید رہنے کے بعد جب ویر بلال سوم رہا ہوا تو اس نے مسلمان حملہ آوروں کے خلاف پھر ایک کوشش کی مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ اور چودھویں صدی عیسوی کے پانچویں دہے کے قریب و جوار میں بڑے المیہ انداز میں ہوائے سل خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

ہوائے سلوں نے بہت سے مندر تعمیر کرائے۔ ہلے بد اور دوسرے مقامات پر جو عمارتیں ان کے زمانے کی اب تک باقی ہیں، ان سے ان کے فنی کارناموں اور مذہب سے عقیدت کی تصدیق ہوتی ہے۔

اٹھارھواں باب

جزیرہ نمائے جنوب کی ریاستیں

فصل (۱)

ابتدائی تاریخ کا جائزہ

جنوبی ہندوستان کا اطلاق دریائے تُنگ بھدرا اور دریائے کرشنا سے جنوب کے جزیرہ نما پر ہوتا ہے۔ اس علاقے کی ابتدائی تاریخ کے بارے میں ہم بہت کم جانتے ہیں۔ وہاں کی آبادی دراوڑی نسلوں اور دراوڑوں سے پہلے کی نسلوں پر مشتمل ہے۔ آخرالذکر میں پنؔ وَرؔ ولؔ وَرُ اور دوسرے ہم عصر قبیلے شامل ہیں جو ملک کے قدیم ترین باشندوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ بہر حال، دراوڑوں کے متعلق خیال ہے کہ وہ "بعد کے مہاجرین" میں سے ہیں[1]۔ ان کی تہذیب کا معیار کافی بلند تھا۔ ان کی ایک شاخ تامل ہے جس نے قدیم زمانے میں اس قدر نمایاں مقام حاصل کر لیا کہ جنوبی ہند کے بیشتر حصہ ملک کا نام تامل کمؔ پڑ گیا[2]۔ اس کے بعد آریہ داخل ہوئے۔ روایات ویدک رشی اگستیہ کے زمانے میں آریوں کے جنوب کی طرف نقل و حرکت کا دھندلا سا خاکہ پیش کرتی ہیں۔ اگستیہ نے دکن کی دوسری بستیوں کے علاوہ دور دراز پوری پور پہاڑی (ضلع نینو) پر ایک برہمن بستی بسائی۔ آریوں کے انتقالِ آبادی کے باعث جنوبی ہندوستان

---

[1] ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن ص۴۲

[2] دوسری صدی عیسوی کے مطابق لکھتے ہوئے ٹالمی نے تامل کم کو بگاڑ کر دمریکے یا لمریکے کر دیا ہے۔

میں گویا ایک اہم اور طاقت ور عنصر شامل ہو گیا۔ لیکن آریہ اپنا مذہب اور کسی حد تک اپنے ادارے ان پر تھوپنے کے علاوہ دراوڑوں کے سماج، زبان اور رسم و رواج کے ڈھانچے میں کوئی خاص تبدیلی پیدا نہ کر سکے۔

جنوبی ہندوستان اس وقت تین ریاستوں میں منقسم تھا — (۱) ساحل مالابار کے چیر یا کیرل، جو اس علاقے پر حکومت کرتے تھے جہاں آج کوچن اور ٹراونکور کی ریاستیں واقع ہیں۔ (۲) پانڈیہ، جن کی ریاست میں موجودہ مدورا اور ٹینیولی کے اضلاع شامل تھے۔ (۳) چول، جن کی حکومت پانڈیہ ریاست کے شمالی علاقوں میں مشرقی ساحل سمندر کے متوازی دریائے پنر تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ ریاست چول منڈلم کہلاتی تھی۔ انگریزی نام کورومنڈل اسی سے مشتق ہے۔ خاندانی سازشوں اور خوں ریز لڑائیوں کے نتیجوں میں جب ان ریاستوں کی طاقت گھٹتی بڑھتی تو ان کے حدود میں بھی تبدیلیاں واقع ہوتی تھیں۔ ان کے علاوہ بے شمار دوسری چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی تھیں جن کی تفصیل ناقابلِ بیان ہے۔ اُن کے سرداروں کی حالت ہمیشہ ڈانوا ڈول رہتی اور ان پر طاقت ور پڑوسیوں کی مستقل دہشت طاری رہتی تھی۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ ویدی ادب میں کہیں ان جنوبی ریاستوں میں سے کسی کا ذکر نہیں آتا اور ان کا علم سنسکرت قواعد داں پانینی کو بھی نہیں تھا[1] لیکن اشٹادھیائی کا نامور شارح کاتیاین، جسے سر رام کرشن بھنڈارکر نے "چوتھی صدی ق م کے نصف اول کی شخصیت قرار دیا ہے"[2] پانڈیوں اور چولوں دونوں سے واقف تھا۔ اشوک کے دوسرے فرمان میں کیرل پتروں (یعنی کیرلوں) کے ساتھ ساتھ ان کا ذکر بھی آتا ہے۔ چندرگپت موریہ کے دربار میں سلیوکس کے سفیر میگستھنیز نے پانڈیہ ریاست، اس کی دولت، اور اس کی فوجی قوت کا ذکر کیا ہے۔ کوٹلیہ کے ارتھ شاستر میں جنوب سے واقفیت بہت واضح ہے۔ اس کے علاوہ رامائن میں پانڈیہ راجدھانی مدورا کی شان و شوکت کی طرف اشارا ملتا ہے۔ مزید برآں پتنجلی (تقریباً ۱۵۰ ق م)، کانچی (کنجی ورم) اور کیرل (مالابار) سے واقف تھا۔ نیز پیری پلس کے مصنف (تقریباً ۸۱ء) اور جغرافیہ داں ٹالمی (تقریباً ۱۴۰ء) نے جنوب کے خاص خاص بندرگاہوں اور تجارتی منڈیوں کی تفصیلات بیان

[1] سر آر۔ جی۔ بھنڈارکر نے پانینی کو ۷۰۰ ق م کی شخصیت قرار دیا ہے (ارلی ہسٹری آف انڈیا، تیسرا اڈیشن، ص ۲۹)

[2] ایضاً۔ ص ۱۵

کی ہیں۔ یہ تمام حوالے بلاشبہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان تینوں ریاستوں کا وجود بہت قدیم زمانہ میں پایا جاتا تھا۔

جنوبی ہندوستان کی خوش حالی کا دارومدار اس پر تھا کہ وہاں گرم مسالہ، سیاہ مرچ، ادرک، موتی، زمرد اور دوسرے قیمتی پتھر نیز دیگر اشیائے تعیش و تکلف دستیاب ہوتی تھیں جن کی دنیا کے تمام ملکوں میں اس وقت بڑی مانگ تھی۔ چناں چہ مغربی ممالک مثلاً عرب، کلدان (بابل)، مصر، نیز مشرق بعید کے ممالک اور جزائر ملایا کے ساتھ بہت قدیم زمانے سے ہندوستانی تجارت کا سلسلہ جاری تھا۔ بائبل سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ٹائر کے بادشاہ حرام کے حلیف سلیمان نے ایک معبد تعمیر کرایا تھا جس کے لیے انھوں نے اوفیر (موجودہ بمبئی میں موجودہ سوپارا) سے "ہاتھی دانت، بندر اور مور نیز کافی تعداد میں صندل کے درخت اور ہیرے "طرشیش کے جہازوں" میں منگوائے تھے[1]۔ ان میں بعض اشیا یقیناً جنوب سے دستیاب ہوئی ہوں گی۔ کیوں کہ مور کے لیے عبرانی لفظ تکی اِم' استعمال ہوا ہے جو تامل کے توکئی سے مماثلت رکھتا ہے۔ قدیم مصر بھی جنوبی ہندوستان سے تن زیب اور دارچینی وغیرہ منگواتا تھا۔ ہندوستان و مصر کے قدیم تعلقات کی ایک اہم یادگار "دوم کیبی نر ھکس ہیپی ساں" ہے جو پیپی رس کی یونانی نقل ہے۔ اس پر ایک یونانی خاتون کی کہانی مندرج ہے جس کا جہاز کناڑی ساحل کے قریب کہیں تباہ ہو گیا تھا۔ اسی طرح یونانی ادرک، سیاہ مرچ اور چاول وغیرہ جنوبی ہندوستان سے حاصل کرتے تھے کیوں کہ ان چیزوں کے لیے یونانی زبان میں جو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں وہ تامل ناموں سے مشتق ہیں۔ ۴۵ء کے قریب سکندریہ کے ایک سوداگر ہپّے لس نے مانسون کی حیرت انگیز دریافت پیش کی۔ پہلے، جہاز ساحل سمندر سے لگے لگے چلتے تھے، اس دریافت کے بعد جہازوں کے لیے بحیرۂ عرب کو نسبتاً بہت کم وقت میں پار کرنا ممکن ہو گیا۔ جنوبی ہندوستان اور سلطنت روم کے درمیان تجارت کے لیے یہ زبردست محرک ثابت ہوا۔ پلائینی ہمیں بتاتا ہے کہ روم کا سونا دس لاکھ سکوں کے بقدر مسالوں، سیاہ مرچ، موتیوں، زبرجد، کچھوے کے خول، عطریات،

---

[1] ملاحظہ ہو رالنسن (انڈیا ۱۹۳۷)، ص۱۸، ص۱۹۔ موازنہ کریں ــ ہاتھی دانت، سنسکرت ــ ابھ دنت، عبرانی ــ شن ہبّیم؛ بندر، سنسکرت ــ کپی، عبرانی، کوپھ۔

ریشمی کپڑے اور دوسرے مشرقی تکلفات کے عوض ہر سال ہندوستان چلا جاتا ہے۔ اس تخمینہ میں مبالغہ بالکل نہیں معلوم ہوتا کیوں کہ جنوبی ہندوستان کے متعدد مقامات پر پہلی اور دوسری صدی عیسوی کے بے شمار رومی سکے دریافت ہوتے ہیں۔ اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لیے کہتے ہیں کہ روم کے سوداگروں نے بعض بندرگاہوں مثلاً کاویری پٹم (پوہار) اور مزی رس (چرنگ نور) میں اپنی بستیاں بسالی تھیں اور وہاں آگسٹس کا گرجا بھی تعمیر کرلیا تھا[1]۔ تامل کے مصنفین نے بھی "یونی" جہازوں کے ہندوستانی بندرگاہوں پر شراب، فلوت اور سونا لانے اور اس کے عوض جنوبی ہندوستان کی مصنوعات لے جانے کا ذکر کیا ہے۔ دراصل ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض دراوڑ حکمرانوں نے اپنے باڈی گارڈ کے طور پر طاقتور یونی، گونگے ملیچھوں کو مقرر کررکھا تھا جو لمبے کوٹ اور زرہ بکتر پہنتے تھے[2] وہ ان کی چستی، جواں مردی اور ثابت قدمی سے بے حد متاثر تھے۔ اس طرح جنوبی ہندوستان کے روابط بیرونی دنیا سے بہت قدیم زمانے میں پیدا ہوگئے تھے اور جنوبی ہندوستان کے باشندے اپنی بحری اور تجارتی سرگرمیوں کی وجہ سے کافی طاقتور اور خوش حال ہوگئے تھے۔

فصل (۲)

کانچی کے پلو[3]

پلو کون تھے؟

پلووں کی اصل قدیم ہندوستان کی تاریخ کا ایک نہایت الجھا ہوا مسئلہ اور عاجز

---

[1] اِسمتھ ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن، ص۴۶۳، حاشیہ۔۱۔ تامل کے دوسرے تجارتی شہر یہ تھے۔ کورکی، توندی، بجسلی اور کایل وغیرہ

[2] انھیں گونگا اس لیے کہا گیا کہ ان کی بولی چونکہ سمجھ میں نہ آتی تھی اس لیے وہ اشاروں سے باتیں کرتے تھے۔

[3] آر۔ گوپالن، ہسٹری آف دی پلوز آف کانچی، مدراس ۱۹۲۸ء؛ جووبیو ڈبروئل، اینشنٹ ہسٹری آف دی ڈکن (۱۹۲۱)؛ دی پلوز، بدوبرندہ ہیراس دی پلو کنگسن؛ سی۔ میناکشی، ایڈمنسٹریشن اینڈ سوشل لائف انڈر دا پلوز (مدراس، ۱۹۳۸ء)

کردینے والا سوال ہے۔[1] جنوبی ہندوستان کی روایتی طاقتیں، جیسا کہ اوپر بیان ہوا تین تھیں ــــ چیر، پانڈیہ اور چول۔ پلّو[2] ان میں شامل نہیں ہیں۔ چناں چہ بعض عالموں کا گمان ہے کہ پلّو غیر ملکی لوگ تھے اور غالباً شمالی مغربی ہندوستان کی پہلوی یا پارتھی نسل کی کسی شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ ناموں کی ظاہری مماثلت سے قطع نظر، ہمارے پاس کوئی شہادت سوائے دکن تک پہنچنے کی شہادت کے، ایسی نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ وہ ہجرت کرکے جنوبی ہندوستان تک پہنچ گئے تھے۔ ایک دوسرا نظریہ یہ ہے کہ پلّو ہندوستان کے قدیم ترین باشندے تھے اور کرُمبوں، کلّروں، مرُوترں اور دیگر "ظالم لٹیرے" قبیلوں سے متعلق یا منسلک تھے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ جب پلّووں نے اپنے تئیں مستحکم کرلیا تو وہ ایک زبردست سیاسی قوت بن گئے لیکن مسٹری ایم۔ سی۔ رسّل نیگم[3] کی رائے ہے کہ پلّو چول ناگ کی نسل سے تھے اور جزیرہ نما کی آخری جنوبی حدود اور لنکا کے ساکن تھے کہتے ہیں کہ منی پلّوم (ساحل لنکا کے قریب ایک جزیرہ) کے راجہ وَلَے وَنَن کی لڑکی، یعنی ناگ راجکاری پلی ولائی اور کلّی وَلوَن کے ناجائز تعلق سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اِلَم تِرَئن تھا۔ باپ نے اس لڑکے کو توَنڈَ منڈلم کا حاکم مقرر کردیا۔ وہاں اس نے ایک نئے خاندان کی بنیاد ڈالی جو ماں کے آبائی وطن کے نام پر پلّو کہلایا۔ اس مقام پر ضروری ہے کہ ڈاکٹر کرشن سوامی آینگر[4] کے اس نظریہ کا بھی ذکر کیا جائے کہ سنگم ادب میں پلّوں کا ذکر "توَن ڈائی یرہ" کی حیثیت سے کیا گیا ہے، نیز یہ کہ وہ ان ناگ سرداروں کی اولاد تھے جو سات واہن فرماں رواؤں کے باجگزار تھے۔ اس کے برخلاف ڈاکٹر کے۔ پی۔ جیسوال کی رائے ہے کہ پلّو "نہ غیر ملکی تھے نہ دراوڑ، بلکہ شمال کے برہمن رؤسا تھے جنھوں نے سپہ گری کا پیشہ اختیار کرلیا تھا"، نیز یہ کہ وہ واکاٹکوں کی شاخ تھے۔ پلّوؤں کی شمال سے نسبت یا تعلق کے بارے میں جو رائے ظاہر کی گئی ہے اس میں غالباً کچھ جان ہے؛ کیوں کہ یہ بات اہم ہے کہ ان کے قدیم ترین فرمان پراکرت میں ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو آر گوپالن "ہسٹری آف دی پلّوز آف کانچی" ص۱، ص۲۷ ۔ یہ کتاب میرے لیے بہت مفید ثابت ہوئی

[2] انڈین اینٹی کوئریز، جلد ۵۲ (اپریل ۱۹۲۳) ص۷۷، ص۷۸

[3] جرنل آف انڈین ہسٹری، جلد ۲، حصہ اول (نومبر ۱۹۲۲) ص۳۰۔ ص۳۷ (کانچی کے پلّوؤں کی اصل اور قدیم تاریخ)

[4] جرنل آف بہار اینڈ اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی مارچ، جون ۱۹۲۳ ص۱۸۰۔ ص۱۹۳

نیز یہ کہ وہ سنسکرت علوم اور کلچر کے حامی تھے۔ ایسی روایات بھی موجود ہیں جن میں ان کا تعلق قنُدوناچاریہ اور اشوکت تھامن سے ظاہر کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کا نسباً برہمن ہونا حقیقت پر مبنی نہیں معلوم ہوتا۔ واقعہ یہ ہے کہ تال گنڈُ کے کتبے میں مُیور شرمن، کانچی میں" پلوٌ کشتریوں" کے اثرات پر اظہارِ افسوس کرتا ہے۔ یہ فقرا بلاشبہ پلووں کے نسلاً کشتری ہونے کی نشاندہی کرتا ہے[1]

پلوٌ حکومت کی ابتدا

پلوٌ تاریخ کے قدیم ترین مآخذ تین تانبے کی تختیوں کے فرمان پراکرت زبان میں ہیں[2] جنھیں کتبہ خوانوں نے "عیسوی سن کی تیسری اور چوتھی صدی"[3] سے منسوب کیا ہے۔ ان میں حکمرانوں کے ایک سلسلے کا ذکر کیا ہے جن کے نام یہ ہیں — بپّ دیو، شیو اسکند ورمن بُدّھی (آنکرُ)، اور ویرورمن۔ بپّ دیو پلوٌ حکومت کا بانی ہو یا نہ ہو، یہ بات طے ہے کہ اس کی حکومت تیلگو، آندھرا پتھ اور تامل تونڈ منڈلم پر تھی۔ ان دونوں علاقوں کے صدر مقام علی الترتیب، دھانیہ کٹ (امراوتی کے قریب دھرنی کوٹ) اور کانچی (موجودہ کنجی ورم) تھے۔ اس کا بیٹا شیو اسکند ورمن تھا جو "دھرم مہاراج" کے لقب سے بھی موسوم ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس نے اپنی ریاست کافی بڑھالی تھی، غالباً جنوب کی طرف، کیوں کہ کامیاب جنگ و جدال کے بغیر وہ اشومیدھ، واج پیئہ اور اگنِشٹ لوم وغیرہ یگیہ سرانجام دینے کا مستحق نہیں ہو سکتا تھا۔ ہیرہڈگلی (ضلع بیلاری) کی تختیوں سے جن میں ساتاہنی رٹ کے مقام پر اس کے ایک گاؤں دان کرنے کا ذکر کیا گیا ہے، ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی دکن میں بہرصورت اس کی حکومت تسلیم کی جاتی تھی۔ غالباً اسے وجے اسکند ورمن بھی کہتے تھے لیکن بعض عالموں

---

[1] ایپی گرافیہ انڈیکا، آٹھواں، ص۳۲، ۳۳، اشلوک ۱۱، سطر ۲۔ اس سے موازنہ کریں — तत्र पल्लवाऽ वसंस्थेन कलहेन तीव्रेण रोषितः कलियुगेऽस्मिन्नहो बत क्षत्रात् परिपेलवा विप्रता यतः। نیز ملاحظہ ہو سی۔ مِیناکشی ایڈمنسٹریشن اینڈ دی سوشل لائف انڈر دی پلوز، ص۱۳

[2] (۱) مَیڈ ڈوولُ (ضلع گنٹور) کی تختیاں (۲) ہیرہڈگلی کی تختیاں اور (۳) رانی چارودیوی کا فرمان جو ضلع گنٹور میں پایا گیا ہے

[3] آر۔ گوپالن۔ ہسٹری آف دی پلوز آف کانچی، ص۳۳۔ بہت سے مشوروں اور حوالوں کے لیے میں اس کتاب کا مرہونِ منت ہوں۔

نے اس شناخت پر شبہ ظاہر کیا ہے۔ پلّو تاریخ میں دوسری اہم شخصیت وشنوگوپ کی ہے جس کا نام کانچی کے راجہ کی حیثیت سے الٰہ آباد کے ستونی کتبے میں آیا ہے۔ وہ سمدر گپت کا معاصر تھا۔ چوتھی صدی عیسوی کے ربع دوم کے قریب سمدر گپت نے جب دکشنا پتھ پر حملہ کیا تو وشنوگوپ کی حکومت اس وقت پورے عروج پر تھی۔ بدقسمتی سے پلّو خاندان کے شجرے میں اس کا ٹھیک مقام، یا پراکرت کے فرمان والے حکمرانوں سے اس کا تعلق، بالکل غیر یقینی ہے۔ بہرحال یہ فرض کرتے ہوئے کہ فرمانوں والے راجہ اس کے باپ دادا تھے، اگر ہم پلّو خاندان کے عروج کی تاریخ تیسری صدی عیسوی کا وسط قرار دیں، یعنی وہ دور جس میں سات واہن سلطنت کا خاتمہ ہوا تو حقیقت سے زیادہ بعید نہیں ہوگا۔

سنسکرت فرمانوں والے پلّو

تانبے کی چھ مختلف قسم کی تختیوں سے، جن پر عبارتیں سنسکرت میں کندہ ہیں، بہت سے پلّو راجاؤں کے ناموں کا انکشاف ہوا ہے۔ ان میں سے بعض محض یو مہاراج تھے اور ایک درجن سے زاید ایسے راجہ تھے جن کی حکومت اندازاً چوتھی صدی کے وسط سے لے کر چھٹی صدی عیسوی کے ربع آخر تک رہی۔ ان پر معطی کا سن جلوس تو لکھا ہے لیکن کوئی معروف نظام سنوات درج نہیں ہے۔ کتبہ خوانوں نے بہرحال انھیں بجا طور پر پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی کی تحریر قرار دیا ہے ان کا مقصد برہمنوں اور مندروں یا مٹھوں کے نام عطیات کو قلم بند کرنا تھا۔ سیاسی واقعات پر ان سے کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ یہ بات قطعاً واضح نہیں ہے کہ پراکرت اور سنسکرت والے ان کتبوں والے فرماں روا مختلف شاخوں سے تعلق رکھتے تھے، یا براہ راست ایک دوسرے سے کوئی رشتہ رکھتے تھے۔ سنسکرت کے کتبوں میں جو نام آئے ہیں ان کی سلسلہ وار تاریخ یا سلسلہ وار جانشینی کا مسئلہ بھی کوئی طے شدہ بات نہیں ہے، نہ ہمیں کوئی محکم شہادت ان کے حدود سلطنت کے بارے میں ملتی ہے نہ یہ پتہ چلتا ہے کہ خاندان کا بانی کون تھا۔ البتہ ہم اتنا ضرور جانتے ہیں کہ ویر کورچ یا ویر کورچ ورمن نے ایک ناگ راج کماری سے شادی کے بعد سب سے پہلے شہرت حاصل کی۔ سنسکرت کے ان فرمانوں کے بارے میں ایک بات قابل غور یہ ہے کہ وہ سب کے سب لشکرگاہوں سے جاری کیے گئے تھے۔ چناں چہ یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ کری کال کے زمانہ میں چول

حملوں کے باعث کانچی پلوؤں کے ہاتھوں سے نکل چکا تھا اور وہ نیلور کے ضلع میں پناہ گزیں تھے[1] ویلور پالیم کے کتبے[2] سے یہ بھی تصدیق ہوتی ہے کہ کمار وشنو کے عہد میں کانچی پر پلوؤں کا پھر قبضہ ہوگیا۔ یہ نظریہ بھی کل نظر ہے کہ کانچی پر کچھ وقفے کے لیے چولوں کا قبضہ رہا، کیوں کہ سلسلہ وار تاریخ سے قطع نظر ایک یہی بات اہم ہے کہ پلووں کی اپنی دستاویزات اس کی کوئی نشان دہی نہیں کرتیں کہ کانچی ان کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔

عظیم پلو راجہ: سنگھ وشنو

چھٹی صدی عیسوی کے ربع آخر تک پہنچتے پہنچتے ہم پلو تاریخ کے عظیم الشان دور میں داخل ہوجاتے ہیں۔ خوش قسمتی سے ہمارے پاس جو مواد ہے اس سے ہمیں نسبتاً زیادہ معلومات بہم پہنچتی ہیں۔ سنگھ وشنو نے جسے سنگھ وشنو پوترائن اور اونی سنگھ بھی کہتے ہیں، ایک نئے پلو خاندان کی بنیاد رکھی۔ اس نے چولوں کو زک پہنچا کر اپنی ریاست کاویری تک بڑھالی کہتے ہیں کہ جنوبی مہموں کے دوران اس نے پانڈیوں، کل بھروں اور مالووں (مل ناڈوں کے باشندوں ؟) کو شکست دی۔ غالباً وہ وشنو کا پجاری تھا۔

مہیندر ورمن اول

سنگھ وشنو کی گدی تقریباً ساتویں صدی عیسوی کے اوائل میں اس کے لڑکے مہیندر ورمن اول یا مہیندر وکرم کو ملی۔ تخت نشینی کے چند ہی سال بعد پلووں اور چالکیوں کے درمیان جنوب میں اقتدار اعلیٰ کے لیے بڑی شدید جنگ چھڑ گئی جو عرصے سے تعویق میں پڑی ہوئی تھی۔ ایہول کے کتبے[3] میں پلکیشن دوم دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے پلووں کے راجہ کو شکست دی جو اس کی ترقی کی راہ میں حائل ہوا، جس نے اس کی شجاعت کو کانچی پور کے

---

[1] وینکیّا، آرکیلاجیکل سروے رپورٹ، ۱۹۰۶ - ۱۹۰۷، صد ۲۳۲

[2] ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، دوم، صد ۵۰۳، حاشیہ

[3] ایپی گرافیہ انڈیکا، چھٹا، صد ۶، صد ۱۰۔ اشلوک ۲۹۔ اس سے موازنہ کریں۔

त्रा क्रान्तात्मबलोन्नतिं बलरजः रञ्छन कञ्चीपुर प्राकारान्तरित प्रताप-मकरोद्यः पल्लवानां पतिम्।

دمدموں میں چھپا دیا، اور اسے اپنی فوجوں کی گرد میں لپیٹ لیا۔[13] پلکیشن دوم نے اپنے حریف سے وینگی کا صوبہ چھین لیا، اور اس کا انتظام اپنے چھوٹے بھائی کبج وشنو وردھن وشم سدھی کے سپرد کردیا۔ جیسا کہ کسی دوسرے مقام پر بیان کیا گیا، وشنو وردھن کے جانشینوں نے جنھیں وینگی کے مشرقی چالکیہ بھی کہا جاتا ہے، واتاپی (بادامی) کے شاہی گھرانے سے تعلق منقطع کرلیا اور خود مختار ہوگئے۔ دوسری طرف کسکڈی کی تختیاں[14] ظاہر کرتی ہیں کہ مہیندر ورمن اول پلّ لور (چنگلی پٹ کے ضلع میں موجودہ پلور) کے مقام پر فتحیاب ہوا۔ حالاں کہ اس میں دشمن کا نام نہیں ہے لیکن یہ حوالہ ہمیں ضرور ملتا ہے کہ چالکیہ حریف نے جب خاص کانچی پر حملہ کی کوشش کی تو پلو حکمراں اسے پیچھے ہٹانے میں کامیاب ہوگیا۔

مہیندر ورمن اول اصلاً جین مت کا پیرو تھا اور دوسرے مذہبوں کے بارے میں اچھا خیال نہیں رکھتا تھا۔ لیکن اپنے عہد کے درمیان میں، یا اس سے بھی پہلے، اس نے جین مت ترک کردیا اور اَپّر سادھو کے زیر اثر شیو مت قبول کرلیا اور سچے دل سے اسے ماننے لگا۔ مہیندر اول کی تبدیل مذہب کے بعد جینیوں پر اس کی نظر عنایت کم ہوگئی اور اَپّر اور ترو گیان سمبندر جیسے سادھوؤں کی تبلیغی سرگرمیوں کی وجہ سے شیو مت میں نئی جان پڑگئی اور وہ خوب پھلنے پھولنے لگا۔ مہیندر ورمن برہمن مت کے دوسرے فرقوں کے ساتھ بھی رواداری کا برتاؤ کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے وشنو کے اعزاز میں مہیندر واڈی (شمالی ارکاٹ کے ضلع) میں ایک تالاب کے کنارے چٹانی مندر تعمیر کرایا جس کا نام اسی کے نام پر رکھا گیا۔[15] منڈ گپتو کا کتبہ[16] ہمیں مزید بتاتا ہے کہ مہیندر اول نے ایک مندر برہما، ایشور اور وشنو سے منسوب کیا۔ اس مندر میں اینٹ مسالہ، لکڑی اور دھات استعمال نہیں کی گئی تھی۔ اس طرح مہیندر ورمن نے جنوبی ہندوستان میں ٹھوس چٹان سے مندر تراشنے کا طریقہ رائج کیا۔ درحقیقت اس کے بہت سے بیرودوں یا القاب میں سے ایک یہ بھی تھا — چیت کاری یا چیتیہ کاری، یعنی "چیتوں یا مندروں

---

[13] ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، جلد ۲، حصہ ۳، ص ۳۴۴
[14] ایپی گرافیہ انڈیکا جوتھا، ص ۳۴، ص ۱۵۲
[15] ایضاً، سترہ، ص ۲۸، ص ۱۷
[16] ملاحظہ ہو ہسٹری آف دی پلوز آف کانچی ص ۱۰۱

کا معمارتی یہ مندر اپنی بعض خصوصیات، خاص کر کھبی ستونوں کے لیے ممتاز تھے۔ چٹان سے تراشے گئے اس قسم کے مندر مختلف مقامات مثلاً دَل وَنُر (ضلع جنوبی ارکاٹ)، پلّ وَرَم، سِیپہ مَنگلم وَلم (چنگل پُٹ کا ضلع)، وغیرہ سے دریافت ہوئے ہیں۔

مہیندر اول نے فنونِ لطیفہ مثلاً مصوری، رقص اور موسیقی کی ترقی کی طرف بھی توجہ کی۔ پُڈوکوٹ ریاست میں کُڈو میا ملئی کے مقام پر جو موسیقی والا کتبہ ہے اس کے متعلق خیال ہے کہ اسی کے اشارے سے کندہ ہوا تھا۔ اس کے علاوہ مشہور و معروف مزاحیہ تصنیف مَتّ وِلاس پرھسَن اسی سے یادگار ہے، جو کاپالکوں، پاشوپتوں، شاکیہ بھکشوؤں اور دوسرے مذہبی فرقوں کی رنگ رلیوں اور مذہبی زندگی کی بڑی دلچسپ جھلک دکھاتی ہے۔

نرسنگھ ورمن اول

مہیندر ورمن اول کے مرنے کے بعد نرسنگھ ورمن اول ساتویں صدی عیسوی کی ربع دوم کی ابتدا میں، پلّو گدی پر بیٹھا۔ پلّو فرماں رواؤں میں وہ سب سے زیادہ نمایاں شخصیت کا مالک تھا۔ گرَم کی تحقیقوں[1] کے مطابق، اس نے بڑی کامیابی کے ساتھ پلکیشن دوم چالکیہ کے حملوں کو دفع کیا جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ بڑھتا ہوا قریب قریب کانچی کے شہر پناہ تک پہنچ گیا تھا۔ نرسنگھ ورمن اول اپنی اس کامیابی سے مطمئن نہیں ہوا اور ایک مضبوط لشکر اپنے سپہ سالار سِرو تونڈا نَمبی پرن جوتی کی سرکردگی میں واتاپی (بادامی) کے خلاف روانہ کیا۔ پرن جوتی نے ۶۴۲ء میں واتاپی کا محاصرہ کر لیا اور پلکیشن دوم بہادری سے اپنی راجدھانی کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا۔ اگلے تیرہ سال تک چالکیہ حکومت تعطل کی حالت میں رہی۔ اس عظیم الشان فتح کی یادگار منانے کے لیے نرسنگھ ورمن نے "واتاپی کونڈ" کا لقب اختیار کر لیا۔ اس کا ایک اور لقب "مہامل" بھی تھا، جو ایک دریدہ لوح میں آیا ہے۔ یہ لوح واتاپی سے دریافت ہوئی ہے اور اس پر جو تحریر ہے وہ تقریباً ساتویں صدی عیسوی کے وسط کی ہے[2]۔ ہمیں مزید معلوم ہوتا ہے کہ اس نے دو بحری مہمیں "مان وَرم" کی امداد کے لیے لنکا بھیجیں۔ مان ورم لنکا کے تخت کا دعوے دار تھا اور

---

[1] ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، جلد ا، ص۱۵۲

[2] انڈین اینٹی کوئریز، ۹، ص۹۹

پناہ گزین کی حیثیت سے نرسنگھ ورمن اول کے دربار میں مخلصانہ خدمات انجام دے چکا تھا۔ پہلی مہم کے نتائج دیرپا ثابت نہیں ہوئے، اس لیے پلو جہاز مہابلی پرم کی بندرگاہ سے دوبارہ روانہ ہوئے۔ اس مرتبہ مانؑ ورم کا مقام محفوظ ہو گیا۔ عوام کے دل و دماغ پر اس حملے کا اس قدر گہرا اثر ہوا کہ شری رام چندر کی فتح لنکا کی طرح عرصۂ دراز تک اسے لوگوں نے یاد رکھا۔ نرسنگھ ورمن اول نے نہ صرف میدانِ جنگ میں امتیاز حاصل کیا بلکہ اپنی تعمیری سرگرمیوں کے باعث بھی شہرت حاصل کی۔ ترچناپلی اور پُدو کوٹ میں چٹان سے تراشے ہوئے کئی مندر تعمیر کرانے کا سہرا اس کے سر ہے۔ ان مندروں کا عام نقشہ تو وہی ہے جو مہیندر ورمن کے کھدوائے ہوئے مندروں کا ہے، البتہ فرق اتنا ہے کہ ان کے سامنے کے رُخ پر نقش و نگار زیادہ بنائے گئے ہیں اور ستونوں میں بھی تناسب اور نفاست پائی جاتی ہے۔ نرسنگھ ورمن اول نے مہامَلّ ایک شہر کی بنیاد رکھی جس کا نام اس نے اپنے نام پر مہابلی پرم یا مہامَلّ پرم رکھا۔ اس نے دھرم راج رتھ جیسے مندر تعمیر کرا کے شہر میں رونق کر دی۔ یہ مندر چین کے سات مخروطی (پھگوڈا) مندروں جیسا ہے۔

نرسنگھ ورمن اول کے عہد میں نامور چینی زائر ہیوان چوانگ ۶۴۲ کے قرب و جوار میں کانچی پہنچا اور کچھ عرصہ وہاں قیام کیا۔ اس کا بیان ہے کہ اس ملک کو جس کی راجدھانی کن چی پُولو (کانچی پُرا) تھی، تالُو پی چھا (دراوڑ) کہتے تھے۔ یہ ۶۰۰۰ لائی کے دائرے میں پھیلا ہوا تھا۔[1] اس کی زمین زرخیز ہے اور اس میں پابندی سے کاشت ہوتی ہے اور بکثرت اناج پیدا ہوتا ہے۔ طرح طرح کے پھول اور پھل یہاں موجود ہیں اور بیش قیمت ہیرے اور دوسری چیزیں یہاں پائی جاتی ہیں۔ یہاں کی آب و ہوا گرم ہے اور لوگ بہادر ہیں۔ وہ ایمانداری اور سچائی کے اصولوں پر کاربند ہیں اور علم و دانش کی قدر کرتے ہیں۔ زبان اور رسمِ خط کے معاملے میں وسط ہند کے لوگوں سے زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ یہاں کم و بیش ۱۰۰ سنگھارام پائے جاتے ہیں جن میں ۱۰۰۰۰ پجاری رہتے ہیں۔ یہ سب کے سب مہایان فرقہ کے استھوِیر مسلک کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ یہاں تقریباً ۸۰ دیو مندر ہیں اور بہت سے بدعقیدہ لوگ ہیں جنھیں نِرگرنتھ کہتے ہیں۔[2] ہیوان چوانگ کہتا ہے کہ تتھاگت تبلیغ دین کے لیے اس ملک میں اکثر آتا رہتا تھا اور اشوک نے مقدس مقامات کی یادگار قائم کرنے کے لیے استوپ تعمیر کرائے۔ چینی زائر آگے چل کر لکھتا ہے کہ مشہور بدھ معلم

---

[1] بِیل، بُدھِسٹ رِکارڈس آف دا ویسٹرن ورلڈ، جلد ۲، ص ۲۲۸، ص ۲۲۹

دھرم پال کانچی کا رہنے والا تھا۔

پرمیشور ورمن اول

نرسنگھ ورمن اول کے بعد اس کا لڑکا مہیندر ورمن دوم ۶۶۵۵ء میں گدی پر بیٹھا۔ اس کا دور بہت مختصر اور غیر اہم رہا اور اس کے بعد پرمیشور ورمن اول تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں پلوؤں اور چالکیوں کی پرانی دشمنی عود کرآئی۔ جنگ میں دونوں فریق اپنی اپنی فتح کے دعوے دار ہیں جیسا کہ عام طور پر لڑائی میں ہوتا ہے۔ گدوال کی تختیوں سے پتہ چلتا ہے کہ وکرما دتیہ اول چالکیہ نے کانچی پر قبضہ کرلیا[۱] مہامل کے خاندان کو نیچا دکھایا[۲] اور اپنی فوجوں کو اُورگ پور (ترچنا پلی کے قریب اوڑے یُر) تک لے گیا جو دریائے کاویری پر واقع ہے۔ اس کے برخلاف پلو[۳] دستاویزات ظاہر کرتی ہیں کہ پرمیشور ورمن اول نے پیرو ڈول نلّور کی جنگ میں جو ترچنا پلی کے ضلع میں لال گڈی تعلقہ میں واقع ہے، وکرما دتیہ اول کی فوجوں کو مار بھگایا۔ اس کے پاس جسم ڈھکنے کے لیے صرف "ایک چیتھڑا" باقی رہ گیا تھا۔ چونکہ شواہد متضاد ہیں اس لیے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ فیصلہ کن نتیجہ کسی ایک فریق کے حق میں برآمد نہیں ہوا۔ پرمیشور ورمن اول شیو کا پجاری تھا اور اس نے اپنے محبوب دیوتا کے اعزاز میں متعدد مندر تعمیر کرائے۔

نرسنگھ ورمن دوم

ساتویں صدی عیسوی کے آخری دہے کے قرب و جوار میں پرمیشور ورمن کا انتقال ہوگیا، اور عصائے شاہی اس کے بیٹے نرسنگھ ورمن دوم راج سنگھ کے ہاتھ میں آیا۔ اس کا دور امن و امان اور خوش حالی کے لیے ممتاز ہے۔ اس کی شہرت کا دارومدار زیادہ تر کیلاش ناتھ مندر یا راج سنگھیشور مندر کی تعمیر پر ہے۔ کانچی کے ایراوتیشور مندر اور مہابلی پرم کے اس مندر کی تعمیر بھی

---

[۱] ایپی گرافیہ انڈکا، دہم، ص۱، ص۳۔ اس سے موازنہ کریں۔

[۲] कृतपल्लवावमर्द्दं दक्षिणादिग्युवतिमात्तकाञ्चीकः ।
मो भृशामभिरमयन्नपि सुतरां श्रीवल्लभत्वमितः ॥ ایضاً، ص۳، ص۴، شلوک ۳

[۳] मो राज मल्लशब्दं विहितमहामल्ल— ایضاً، ص۲، ص۴، اشلوک ۵۔ اس سے موازنہ کریں۔

جیسے "شور" (ساحلی) مندر کا نام دے دیا گیا ہے، اسی سے منسوب ہے۔ نرسنگھ ورمن دوم ادیبوں کا قدر دان تھا اور خیال کیا جاتا ہے کہ عظیم خطیب دنڈن نے اسی کے دربار میں عروج حاصل کیا۔

نرسنگھ ورمن دوم کے بعد پرمیشور ورمن دوم گدی پر بیٹھا جس کے متعلق ممکن الحصول مآخذ سے ہمیں زیادہ معلومات بہم نہیں پہنچتی۔

نندی ورمن اور اس کے جانشین

آٹھویں صدی عیسوی کے دوسرے دہے کے قریب جب پرمیشور ورمن کا انتقال ہوا تو ریاست خانہ جنگی میں مبتلا ہو گئی اور ہر دعوے دار گدی حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ کس کڈی کی تختیوں کے مندرجات سے نیز کانچی میں ویکنٹھ پیرومل کے مندر کے اندرونی مجسموں کے انداز سے ظاہر ہوتا ہے کہ نتیجہ میں رعایا نے راجہ کی حیثیت سے ہرنیہ ورمن کے بیٹے نندی ورمن نامی راج کمار کا انتخاب کر لیا جو سنگھ وشنو کے بھائی کی اولاد میں تھا۔ نندی ورمن کے عہد میں پلوؤں اور چالکیوں کے درمیان دشمنی پھر شروع ہو گئی۔ کہتے ہیں کہ وکرما دتیہ دوم چالکیہ نے ۷۳۳ء میں گدی پر بیٹھتے ہی پلو ریاست پر حملہ کر دیا اور ان کی راجدھانی کانچی پر قبضہ کر لیا۔ نندی ورمن نے بہر حال اپنے کو بہت جلد سنبھال کر میدان پھر جیت لیا اور دشمن کو نکال باہر کیا۔ پلو حکمراں کو دوسری طاقتوں، خاص کر جنوب کی طاقتوں کا سامنا کرنا پڑا مثلاً ورمبل (تامل)، پانڈیہ، اور گنگ سردار جو شری پُرش کے مماثل ہے (تقریباً ۷۲۶ - ۷۷۶ء) ان لڑائیوں میں نندی ورمن کو اس کے سپہ سالار اُدے چندر نے بڑی قابلیت سے اُسے مدد دی۔ اس کے علاوہ کہا جاتا ہے کہ نندی ورمن کو راشٹر کوٹ خاندان کے راجہ دنتی درگ کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانی پڑی جس نے آٹھویں صدی عیسوی کے وسط میں واتاپی (بادامی) کے چالکیوں کی جگہ لے لی تھی۔

مہابلی پرم کے آدی وراہ مندر میں ایک کتبہ دریافت ہوا ہے جس سے معلوم ہوا ہے کہ نندی ورمن نے کم ازکم ۶۵ سال حکومت کی۔ اس کا لقب پلو مل تھا اور وہ وشنو عقیدہ کا پیرو تھا۔ بہت سی مذہبی عمارتیں بنانے کا سہرا اس کے سر ہے۔

نندی ورمن کا جانشین اس کا بیٹا دنتی ورمن ہوا جو اس کی رانی ریوا کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ یہ رانی غالباً راشٹر کوٹ راجکماری تھی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ دنتی درگ کی بیٹی تھی جس کی شادی دنتی درگ نے دنتی ورمن کے ساتھ نندی ورمن پلو مل سے صلح ہونے کے بعد

کردی تھی۔ لیکن اس اتحاد کے باوجود گووند سوم کے متعلق لکھا ہے کہ ۸۰۴ء کے قریب اس نے کانچی پر حملہ کردیا اور اس کے راجہ دنتگ (دنتی ورمن) کو زیر کرلیا۔ دنتی ورمن نے، جس کا دورِ حکومت نصف صدی سے زائد رہا ہے (تقریباً ۷۷۶ سے ۸۲۸ء تک) پانڈیوں سے بھی شمشیر آزمائی کی جو اس کے خاندان کے دیرینہ دشمن تھے۔ یہی اس کے جانشینوں ـــ نندی (تقریباً ۸۲۸ ـ ۸۵۱ء) اور نرپ تنگ ورمن (تقریباً ۸۵۱ ـ ۸۷۶ء) نے بھی کیا۔ اس سلسلے کا آخری اہم تاجدار اپراجت ورمن (تقریباً ۸۷۶ ـ ۸۹۵ء) تھا جس نے گنگ راجہ پرتھوی پتی اول سے صلح کرکے ۸۸۰ء میں پانڈیہ حکمراں ورگن دوم کو کمبھ کنم کے قریب شری پورم بیم کی لڑائی میں شکست فاش دی۔ ان لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ چول راجہ آدتیہ اول نے پلو طاقت پر کاری ضرب لگائی۔ اس نے اپراجت ورمن پر قابو پالیا اور تونڈ منڈلم کو اپنی قلمرو میں شامل کرلیا۔ اس طرح پلو ریاست جس کا کبھی ڈنکا بجتا تھا، خاک میں مل گئی۔ کتبوں سے بے شک دوسرے چھوٹے چھوٹے راجاؤں کا حال بھی معلوم ہوتا ہے لیکن پلو سلسلۂ نسب میں ان کی حیثیت غیر یقینی ہے۔

انتظام حکومت

تقریباً ۷۰۰ سال کے دورِ حکومت میں پلووں نے تامل دیس کے انتظامِ حکومت، مذہب ادب اور فن پر اپنی ایسی چھاپ لگائی جو آسانی سے مٹنے والی نہیں تھی۔ آئیے اب مختصراً ہر شعبے کا الگ الگ جائزہ لیں۔

حکومت کا افسرِ اعلیٰ راجہ ہوتا تھا جسے کتبوں میں "مہاراج" اور "دھرم مہاراج" کہا گیا ہے امورِ سلطنت میں راجہ کو وزیروں یا مشیروں کی ایک مجلس (رہسیادکد) مدد دیتی تھی۔ راجہ کی مدد سے احکامات لکھنا اس کے پرائیویٹ سکریٹری کے ذمہ تھا۔ موریہ اور گپت انتظامِ حکومت کی طرح یہاں بھی عمالِ حکومت، فوجی اور غیر فوجی، مستقل اور باقاعدہ ہوتے تھے۔ چناں چہ ایک پلو کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ راجہ نے راج کماروں، ضلع کے حاکموں (رَٹِک)، اعلیٰ مددمبوں (کم افسروں) مقامی پری نکٹوں (دیشا دھکت) .... مختلف گاؤوں کے معافی داروں (گام گام بھوجک) ...... وزیروں (اَمَچَّہ)، محافظوں (اَرکہ دکت)، گوُ مِکُوں (کپتانوں یا جنگلات کے افسروں ؟)، دُوتکوں (پیام بروں ؟)، جاسوسوں (سن چرن تکوں)، سولدوں

(بھٹ منوشوں) کے نام تہنیت نامے بھیجے. تمام سلطنت صوبوں (راشٹروں یا منڈلوں) میں منقسم تھی جس پر شاہی خاندان کے راجکمار یا ممتاز گھرانوں کے نوجوان حاکم کی حیثیت سے مقرر کیے جاتے تھے۔ پھر ہر صوبے کی تقسیم در تقسیم ہوتی تھی جنھیں کوٹم یا ناڈو کہتے تھے اور ان کے اپنے علیٰحدہ حاکم ہوتے تھے۔ گاؤں (گرام یا گام) کے نظام کے بارے میں جو انتظام حکومت کی سب سے چھوٹی اور سب سے اہم اکائی تھی، قدیم پلّو دستاویزات سے کافی معلومات بہم نہیں پہنچتی لیکن بعد کے پلّوؤں کے عہد میں معلوم ہوتا ہے گاؤں سبھا کا وجود پایا جاتا تھا جس کی مختلف کمیٹیاں گاؤں کے باغوں، مندروں، اشنان گرہوں اور تالابوں وغیرہ کا انتظام اور دیکھ بھال کرتی تھیں۔ چول حکومت میں بھی دیہی انتظام کی یہی خصوصیت تھی۔ اس کے علاوہ گاؤں سبھا عدالت کے فرائض بھی انجام دیتی تھی۔ لوگوں کے عطیات بھی امانت میں اسی سبھا کے پاس محفوظ رہتے تھے۔ آبپاشی کا طریقہ بہت اچھا تھا اور زمین کی پیمائش باقاعدہ کرائی جاتی تھی۔ گاؤں کی حد بندی باقاعدہ کی جاتی تھی اور قابل کاشت اور بنجر زمینوں کی تفصیلات، لگان وصول ہونے کے مقصد سے یا نیک اور عالم برہمنوں کو جاگیریں دینے کے خیال سے باقاعدہ رکھی جاتی تھیں۔ محصول بہت واضح تھے۔ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ راجہ اٹھارہ قسم کے محصول (اَشٹا دَش پَرِی ھاذ) گاؤں والوں سے وصول کرنے کا مجاز تھا۔ بعض کتبوں میں کچھ محصول معاف کیے گئے ہیں۔ ان معافیوں سے محصولوں کا تھوڑا بہت اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ہیر بڑگلی کی تختیوں میں میٹھا کھٹا دودھ اور شکر.... محصول ..... بیگار..... گھاس اور لکڑی..... ترکاریاں اور پھول وغیرہ وصول کرنے سے معافی دی گئی ہے۔ تنڈن توتم کی تختیوں میں حسب ذیل ٹیکسوں سے معافی دی گئی ہے — کولھو اور کرگھوں پر محصول اُل وِیَہ کوُلی یعنی شادیوں کی فیس، کمہاروں پر اُبر پتّو نام کی فیس، تاڑی کھینچنے والوں اور گڈریوں پر محصول، دوکانوں اور دلالوں پر فیس، تیری مؤگنا نم، نمک سازی، اچھی گائیں اور اچھے بیل پیدا کرنے کا معاوضہ، وَتی ناڑی، اناج کی ٹوکریوں اور سُپاری پر فیس جو بازار میں دوکانوں پر لا بیچنے کے لیے لائی جائیں، وغیرہ وغیرہ[5]۔ اس طرح لوگوں کی آمدنی کے تمام ذرائع کا جائزہ لے کر انھیں انتظامی ضروریات پر صرف میں لایا جاتا تھا اور یہ سب بہت منظم طور پر ہوتا تھا۔

---

5 ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، جلد ۲، ص ۵۲۰، ۵۳۱۔

ادب

پلّوؤں کے دورِ حکومت میں کافی ادبی سرگرمیاں بھی رہیں اور پلّو راجاؤں نے سنسکرت زبان کی سرپرستی کی۔ چند کتبوں کو چھوڑ کر پلّو خاندان کے تمام قدیم کتبے اسی زبان میں ہیں۔ بعد کے کتبوں میں بھی جو تامل زبان میں ہیں، پرشستی (مدحیہ) حصہ بہت اعلیٰ معیار کی سنسکرت میں ہے۔ کانچی کی راجدھانی معلوم ہوتا ہے کافی قدیم زمانے سے علم و ادب اور کلچر کا مرکز تھی[1]۔ مشہور بدھ ماہرِ علم کلام، دِگ ناگ، اپنی علمی اور روحانی پیاس بجھانے یہیں آیا تھا۔ کہتے ہیں کہ برہمن عالم میورشرمن جس نے کدمب سلسلے کی بنیاد رکھی، چوتھی صدی عیسوی کے تقریباً وسط میں یہیں سے فارغ التحصیل ہوا۔ ویدی مدرسے اس وقت مندروں میں قائم تھے اور انھیں مال دار عقیدت مند اپنے عطیات سے نوازتے تھے۔ علاوہ بریں سِمہا وِشنو (چھٹی صدی کا ربع آخر) کے بارے میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اس نے عظیم شاعر بھارَوی کو اپنے دربار میں مدعو کیا۔ نیز خیال کیا جاتا ہے کہ شعریات کا نامور مصنف دنڈن نرسنگھ ورمن دوم راج سنگھ کے عہد کی شخصیت تھا (ساتویں صدی عیسوی کے اواخر) دنڈن کے دوسرے معاصرین میں ماتری دت کا نام لیا جا سکتا ہے۔ پلّو راجاؤں میں مہیندر ورمن اول خود ایک پایہ کا مصنف تھا۔ مزاحیہ تصنیف مَتّ وِلاس پرَہسن اسی سے منسوب ہے۔ بعض عالموں کی یہ رائے بھی ہے کہ "سنسکرت کے ناٹک جنھیں بھاسَ کی تصنیف کی حیثیت سے حال ہی میں تری وندرم سے شایع کیا گیا ہے، وہ دراصل بھاسَ اور شودرک کی قدیم تصانیف ہیں جنھیں اس دَور میں پلّو دربار میں پیش کرنے کے خیال سے مختصر کر لیا گیا تھا[2]۔" حقیقت کچھ بھی ہو، اس میں کوئی شک نہیں کہ پلّو حکمراں عالموں کے قدردان تھے۔

مذہب

یوآن چوانگ کی سند کے مطابق اس خطۂ ملک میں جس کی راجدھانی کانچی پور تھی،

---

[1] نیز ملاحظہ ہو وی۔ آر۔ رام چندر دکشتر، "کانچی کی ایک ہندو یونی ورسٹی"، ڈاکٹر کرشنا سوامی آینگر کمیموریشن والیوم، ۱۹۳۶ء۔ ص ۳۱۴ - ص ۳۱۷)

[2] آر۔ گوپالن، ہسٹری آف دی پلّوز آف کانچی، ص ۱۵۹

۲۰لگ بھگ ..اسنگھارام اور ۱۰۰۰۰ پجاری موجود تھے۔ وہ سب کے سب اِسْتھ وِیر (چینگ لسُو پوُ) عقیدے کی تعلیم حاصل کرتے تھے جو مہایان فرقہ سے تعلق رکھتا تھا[۵۵]۔ اس کا مزید بیان ہے کہ مشہور و معروف بدھ عالم دھرم پال کانچی پور کا رہنے والا تھا۔ اس طرح بُدھ مت پلّو ریاست میں زوال آمادہ نہیں تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ خاندان کے بعض ابتدائی راجہ اسی مذہب کے پیرو تھے۔ اسی طرح یوآن چوانگ نے بہت سے بزرگ ستونوں کے وجود کا ذکر کیا ہے۔ مہیندر ورمن اول خود ابتدا میں جین تھا اور بعد میں اَپَّر سادھو کے زیرِ اثر اس نے شیو مت قبول کر لیا۔ اپّر اور ترگیان سمبندر نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ جنوب میں تبلیغی کام کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بُدھ اور جین مت دونوں کا زوال ہونے لگا اور شیو مت کو حیاتِ تازہ مل گئی۔ پلّو راجاؤں میں بہت سے شیو بھگوان کے سچے پجاری تھے۔ لیکن وہ وشنو مت کے ساتھ بھی رواداری سے پیش آتے تھے۔ اَلوَروں (وِشنو سادھوؤں) کی کوشش سے وشنو مت بھی خوب پھلا پھولا۔

فن

یہ مذہبی احیا جو اس دور میں ہوا، پلّو راجاؤں کی تعمیری سرگرمیوں کے لیے زبردست محرک ثابت ہوا۔ اُن کی بنوائی ہوئی عالی شان عمارتیں جنوبی ہندوستان میں آج تک ان کی یاد تازہ کرتی ہیں۔ ان عمارتوں کی تین یا چار واضح قسمیں نظر آتی ہیں۔ دَلَوَنُر (جنوبی ارکاٹ کا ضلع) پَلّاوَرَم اور وَلَم (ضلع چنگل پٹ) میں جو مندر پائے جاتے ہیں وہ بالکل نئے طرز کی نمائندگی کرتے ہیں۔ جس کی ابتدا مہیندر ورمن اول نے جنوبی ہندوستان میں کی۔ یہ مندر ٹھوس چٹان کو کاٹ کر بنوائے گئے ہیں۔ ان کی امتیازی شان یہ ہے کہ ان میں مدوّر لِنگم، عجیب قسم کے دوارپال، برنھانورنڈ اور مکعبی ستون پائے جاتے ہیں[۵۶]۔ دوسری قسم ان مندروں کی ہے جو نرسنگھ ورمن اول مہامل نے تعمیر کرائے۔ اُس کے ابتدائی دور کے پُدوکوٹ اور ضلع ترچناپلی والے مٹھ مہیندر ورمن اول کے بنوائے ہوئے مندروں کی طرح ٹھوس پتھر سے تراشے گئے ہیں۔ لیکن فرق یہ ہے کہ ان کے سامنے کے رُخ پر نقش و نگار بکثرت بنائے گئے ہیں اور ستون نسبتاً زیادہ متناسب و موزوں ہیں۔

---

۵۵ ملاحظہ ہوں گزشتہ صفحات

۵۶ جیوبرو آف دی پلّوز آف کانچی، ص ۹۲

بعد میں نرسنگھ ورمن اول مہامل نے بحیثیت دھرم راج کے مہابلی پرم میں بڑی بھاری گول مٹول گھسی پٹی چٹان سے منقشہ تعمیر کروائے۔ اس کے بعد وہ دور آیا جس میں مندر اینٹ پتھر یا دونوں سے مل کر بننے لگے۔ ان مندروں کے مینار منزل بہ منزل تدریجاً بلند ہوتے چلے گئے ہیں۔ اس طرز کا بہترین نمونہ کانچی کا کیلاش ناتھ مندر نیز وہ مندر ہے جسے "شور" (ساحلی مندر) کا نام دیا گیا ہے۔ اسے سات پیگوڈا مندروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض مندروں کی خصوصیت یہ ہے کہ انھیں پلوّ راجاؤں اور ان کی رانیوں کے خوب صورت اور جیتے جاگتے مجسموں سے آراستہ کیا گیا ہے۔ پلوّ فنِ تعمیر کے نشوونما اور ارتقا کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ ایک نیا طرزِ تعمیر وجود میں آگیا جو چول راجاؤں کے نام سے موسوم ہے۔

فصل (۳)

چول خاندان کے راجہ

اشتقاق

بعض اوقات چول کے معنی "منڈلانے والا" کے لیے گئے ہیں جس کا مادہ تامل لفظ "چول" (بمعنی منڈلانا) ہے۔ اس کے برخلاف، دوسرے عالموں نے اسے سنسکرت لفظ "چور" (بمعنی چور) یا تامل کے "چولم" (بمعنی باجرہ) یا لفظ "کول" سے ربط دیا ہے جو عام طور پر قدیم زمانے میں جنوبی ہند کی کالے رنگ کی آبادی کے لیے استعمال ہوتا تھا۔[1] لفظ چول کی اصل کے سلسلے میں ان رایوں کی جو بھی اہمیت ہو، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پانڈیوں اور چیروں کی طرح چول جنوبی ہند کے دیسی لوگ تھے، حالاں کہ بعد کے ادب اور کتبوں میں انھیں سورج کی روایتی نسل سے منسوب کر دیا گیا ہے۔[2]

ان کا علاقہ اور شہر

روایتی چول منڈلم یا چولوں کی ریاست دو دریاؤں پنّار اور ولّرو (ویلّرو) کے درمیان

---

[1] کے۔ اے۔ نیل کنٹھ شاستری، دا چولاز، ص۱۹۔ میں نے اس کی دونوں جلدوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔

[2] ایضاً، ص۲۰۔ بعض کتبوں میں ایک چول راجہ کا نام آتا ہے جس سے خاندان منسوب ہے (ملاحظہ ہو ایضاً، ص۱۴۰)

میں شمال اور جنوب کی طرف واقع تھی، اور اس میں تخمیناً ریاست پدّوکوٹ کا کچھ حصہ اور تنجور اور ترچناپلی کے موجودہ اضلاع شامل تھے۔ خاندانی جھگڑوں کے نتیجے میں جب چول طاقت گھٹتی بڑھتی تو سلطنت کے حدود میں بھی کمی بیشی واقع ہوتی تھی۔ راجدھانیوں میں سے ہم اُورگ پور (ترچناپلی کے قریب اُورے یر)، تنجوؔ وُر (تنجور)، اور گنگئے کونڈ چول پورم کے بارے میں جانتے ہیں۔ ان کا مشہور ترین بندرگاہ کاویری پٹنم (پہار) تھا جو دریائے کاویری (شمالی شاخ) کے دہانے پر واقع تھا، جہاں سے چول بیرونی دنیا کے ساتھ بڑے پیمانے پر تجارت کرتے تھے۔

ابتدائی تاریخ

چوڑوں یا چولوں کا وجود، بحیثیت حکمراں کے، بہت بعید ماضی میں پایا جاتا تھا۔ قواعد داں کاتیاین (تقریباً چوتھی صدی ق.م) نے ان کا ذکر کیا ہے، اور مہابھارت میں بھی ان کا نام آیا ہے۔ اشوک کے دوسرے اور تیرھویں چٹانی فرمان سب سے پہلی تاریخی دستاویزات ہیں جن میں چوڑوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان فرمانوں کے مطابق چوڑ جنوبی ہند کی ایسی طاقت تھے جو موریہ حدود سلطنت کے باہر ہوتے ہوئے اس سے دوستانہ تعلقات رکھتی تھی۔ اس کے علاوہ مہاوَنش چول سرتنھ اور لنکا کے درمیان تعلقات پر روشنی ڈالتی ہے۔ اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ دوسری صدی ق.م. کے وسط میں ایلار نامی ایک چول راجہ نے اس جزیرہ کو فتح کرلیا اور وہاں کافی طویل عرصے تک حکومت کی۔ چول دیس اور اس کے شہروں اور بندرگاہوں کا مزید حال تھوڑا بہت پیری پلس (تقریباً ۸۱ ء) نیز ٹالمی کے جغرافیہ (تقریباً دوسری صدی عیسوی کا وسط) سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بعد سنگم ادب ہے جسے کافی معقولیت کے ساتھ " عیسوی سن کی پہلی پانچ صدیوں سے منسوب کیا گیا ہے۔" اس سے چند چول راجاؤں کی حکومت کی تصدیق ہوتی ہے جن میں سے بعض فیاضی اور انصاف کا روایتی نمونہ تھے۔ بہرحال جو باتی رہے ہو سکتا ہے وہ تاریخی شخصیت ہوں، لیکن ان کی سلسلہ وار تاریخ مرتب کرنا اور ان کی جانشینی کی ترتیب طے کرنا انتہائی زچ کرنے والا مسئلہ بنا ہوا ہے۔ ان میں سے ایک اُرَن جیت چنی کا بیٹا کری کال تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے چول ریاست کے حدود واثرات کو کافی بڑھا دیا تھا۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے پانڈیہ اور چیر راجاؤں، نیز ان کے حلیف چھوٹے چھوٹے سرداروں کو وِنّی (کوول وِنّی، تنجور کے قریب) کی جنگ میں

شکست دی۔ وقت کا دھارا جیسے جیسے گزرتا ہے ہمیں ایک اور راجہ پیرُوَنّزکلّی ملتا ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے مہاج سلویہ کی رسم ادا کی؛ اور اس کے بعد کوچن گنن دکھائی دیتا ہے جو کری کال کی طرح بہت سے قصوں کہانیوں کا موضوع بن گیا ہے۔ تیسری یا چوتھی صدی عیسوی کے قریب پلّووں کے عروج اور پانڈیوں اور چیروں کے حملوں کے باعث چول حکومت گہن میں آگئی۔ چولوں کا وجود بے شک باقی رہا لیکن اگلی چند صدیوں کے بعد وہ بالکل بے حقیقت ہوگئے اور ہر طاقت ور حریف کے مقابلے میں انھیں جھکنا پڑا۔ ساتویں صدی عیسوی کے چوتھے دہے کے ختم پر یوآن چوانگ ہمیں بتاتا ہے کہ "جولائی یی (چولیہ یا چول) کے ملک کا دائرہ ۲۴۰۰ یا ۲۵۰۰ لائی اور راجدھانی کا ۱۰ لائی ہے۔ یہ ایک ویران اور وحشی علاقہ ہے اور متواتر جنگلوں اور دلدلوں سے بھرا ہوا ہے۔ آبادی بہت مختصر ہے اور فوجی ٹولیاں اور لٹیرے یہاں کھلے عام گھومتے پھرتے ہیں۔ آب و ہوا گرم ہے، لوگ بدچلن، بدعقیدہ اور ظالم ہیں۔ ان کے مزاج میں درشتی پائی جاتی ہے۔ سنگھارام اجڑے ہوئے اور گندے ہیں اور ان میں جو پجاری رہتے ہیں وہ بھی اسی قسم کے ہیں۔ دیوں کی تعداد میں دیومندر ہیں اور بہت سے نرِدگرنتھ بدعقیدہ لوگ یہاں پائے جاتے ہیں۔[1] اس خطۂ ملک کا اطلاق جس کی تفصیلات چینی زائر نے بیان کیں ڈاکٹر ونسنٹ اسمتھ کی رائے میں "ان اضلاع پر جو کمپنی کو دیے گئے تھے، خاص کر ضلع کڈپہ پر، ہوتا ہے"۔[2] اس رائے سے ہم متفق ہوں یا نہ ہوں یہ بات بلاشبہ قابلِ لحاظ ہے کہ یوآن چوانگ اس علاقے کے حکمراں کے بارے میں بالکل خاموش ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ چول سردار کی طاقت اس وقت بہت کم تھی اور وہ شاید پلّو فرماں رواکے محض جاگیردار کی حیثیت رکھتا تھا۔ دراصل چولوں کی قسمت کا ستارہ اس وقت مکمل طور پر تاریکی کے غلاف میں لپٹ چکا تھا۔ لیکن نویں صدی عیسوی کے تقریباً وسط میں جب پلّو ریاست زوال پذیر ہوئی تو چول خاندان کا آفتابِ اقبال جنوبی ہند کے سیاسی افق پر پھر چمکنے لگا۔

چول خاندان کے شہنشاہ: وِجے آلیہ چولوں کی عظمت کا احیا جس خاندان نے

۱۔ بیل، بدھسٹ ریکارڈز آف دی ویسٹرن ورلڈ، جلد ۲، ص۲۲۷

۲۔ اَرلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا ایڈیشن، ص[illegible]

کیا اس کا نام وِجے آلیہ تھا۔ بد قسمتی سے قدیم چولؔ خاندان سے اس کے تعلق کا ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔ اس نے اپنی حکومت کی ابتدا ۸۵۰ء کے فوراً بعد غالباً پلوؔ راجہ کے باجگزار کی حیثیت سے اُڑئے یزو کے قریب کی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ وِجے آلیہ نے تن جاوُور یا تنجور[1] کو مُتّٹ تَرئے یر سرداروں سے چھین لیا جو پانڈیہ راجہ وِرگُن ورمن کے طرف دار تھے۔

آدِتیہ اوّل

وِجے آلیہ کے بعد اس کا قابل بیٹا آدتیہ اول تقریباً ۸۷۵ء میں تخت نشیں ہوا۔ اس نے خاندان کی طاقت اور عزت و وقار میں کافی اضافہ کیا، کیوں کہ اس نے پلوؔ راجہ اپرا جِت ورمن کو زیر کیا اور ۸۹۰ء میں تُونڈ منڈلم کو اپنے زیر نگیں کر لیا۔ آدتیہ اول کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے کونگو دیش کو فتح کر لیا اور تلکاڈ کو حاصل کر لیا جو مغربی گنگوں کا صدر مقام تھا۔ آدتیہ اول شیو کا پجاری تھا جس کے اعزاز میں اس نے کئی مندر تعمیر کرائے۔

پَرانِ تک اول

جب آدتیہ کا بیٹا پَرانتک اول تخت نشیں ہوا تو چول قلمرو شمال میں کلہستی اور مدراس سے لے کر جنوب میں کاویری تک کے تمام مشرقی علاقے پر مشتمل تھی اور ۹۰۷ء سے ۹۵۳ء تک کے طویل دورِ حکومت میں اس نے اور اضافہ کر دیا۔ پہلے اس نے پانڈیہ راجہ راج سنگھ کے علاقوں کو اپنی ریاست میں شامل کیا جو بھاگ کر لنکا میں جاکر پناہ گزیں ہو گیا۔ اپنی اس فتح کی یادگار قائم کرنے کے لیے پرانتک اول نے "مُدرے کونڈ" کا لقب اختیار کر لیا۔ چول فاتح نے پھر اپنی فوجوں کا رُخ لنکا کی طرف موڑ دیا، لیکن یہ حملہ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوا۔ اس کے بعد اس نے "دَو بان راجاؤں کا استیصال کیا اور دَیدَمبوُں کو فتح کر لیا"[2]۔ پرانتک اول نے آخر میں پلو طاقت کے آخری نشانات بھی مٹا دیے اور اپنی حکومت

---

[1] وِجے آلیہ نے تنجاوُور یا تنجاپوری (تنجور) کو چول قلمرو کا صدر مقام بنادیا۔ حالاں کہ پلو علاقوں کی فتح کے بعد کانچی ایک قسم کی ثانوی راجدھانی بن گیا تھا۔ بعد ازاں راجندر اول نے نیا دارالسلطنت گنگا پوری یا گنگائے کونڈ چول پورم کو بنایا۔ [2] ساؤتھ انڈین انسکرپشنس ۱۱، سرا نمبر ۷۶، اشلوک ۹، حاچولان صفحہ ۱۲۵

شمال میں نیلور تک پہنچادی۔ بہر حال اس تیزی کے ساتھ چول حکومت کی توسیع کے باوجود اُسے سکون نصیب نہ ہوا۔ اس کے عہد حکومت کے آخری دس سال کے اندر مفسد عناصر پھر بروئے کار آگئے اور پرانتک اول، کرشن سوم راشٹرکوٹ سے خوں ریز جنگ میں مبتلا ہوگیا۔ حالاں کہ بعض چول کتبے اس طاقت ور دشمن کو شکست دینے کا سہرا اسی کے سر رکھتے ہیں لیکن دوسرے شواہد و اسناد کے بغور مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ کرشن سوم نے گنگ راجہ بوٹنگ دوم کی مدد سے چول فوجوں پر فیصلہ کن فتح حاصل کی۔ دراصل، معلوم ہوتا ہے راشٹرکوٹ حملہ آور نے کانچی اور تنجور پر قبضہ کر لیا اور "تنَ جے یُن کونڈ" کا فاخرانہ لقب اختیار کر لیا۔ پرانتک اول کا بڑا بیٹا راجا دتیہ ۹۴۹ء میں تکولم (ضلع شمالی ارکاٹ) کی جنگ میں کام آیا[1] اور کہا جاتا ہے کہ کرشن سوم فتوحات کرتا ہوا رامیشورم تک پہنچ گیا۔ آخر الذکر دعویٰ درست ہو یا نہ ہو، اس میں بہر حال کوئی شک نہیں ہے کہ چولوں کو اس سے زبردست نقصان پہنچا جس کی تلافی کچھ عرصے تک ان کے لیے ممکن نہ ہو سکی۔

پرانتک اول نے دریا دلی کے ساتھ کئی یگیہ کیے اور چوں کہ وہ شیو کا سچا پجاری تھا اس لیے اس نے فنِ تعمیر کی ہمت افزائی کی اور اس کے عہد میں عالی شان مذہبی عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ چدمبرم کے شیو مندر پر سونا اسی نے منڈھوایا[2]

تاریک دور

۹۵۳ء میں پرانتک اول کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد تیس سال کی چول خاندان کی تاریخ بہت الجھی ہوئی ہے۔ واقعات کے سمجھنے میں عالموں کی رائے میں اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے پرانتک کے بعد اس کے دو بیٹوں گنڈرادتیہ اور اَرِنجیہ نے حکومت کی۔ نیز یہ کہ اَرِنجیہ کے بعد اس کا بیٹا سُندر چول راجہ ہوا، جس کی جگہ آدتیہ دوم کری کال اور اُتم چول گدی پر بیٹھے۔ یہ معمولی قسم کے لوگ تھے اور ان کے دور میں سوائے آئے دن کی خاندانی

---

[1] موازنہ کریں آت کوزر کے کتبہ مورخہ شک سمبت ۸۷۲ مطابق ۹۴۹–۹۵۰ء سے (ایپی گرافیہ انڈیکا — چوتھا صفحہ، صفحہ ۵)۔ تکولم شمالی ارکاٹ کے ضلعے میں ارکونم سے تقریباً چھ میل مشرق کی طرف واقع ہے (ایضاً، چوتھا، صفحہ ۲۲۱، حاشیہ ۳)

[2] راجا چولانہ، صفحہ ۱۶۴۔

ریشہ دوانیوں اور پڑوسیوں سے لڑائی جھگڑوں کے کوئی اہم واقعہ رونما نہیں ہوا۔

راجراج اول (تقریباً ۹۸۵-۱۰۱۴ء)

سندر چول کے بیٹے راجراج اول کی تخت نشینی کے ساتھ چول خاندان کے سب سے زیادہ پُرعظمت دور کا آغاز ہوا[1]۔ راجراج اول کو متعدد القاب سے یاد کیا جاتا ہے، مثلاً مُمّڈی چول دیو، جین گونڈ، چول مارتنڈ وغیرہ۔ اُسے ورثہ میں ایک غیر منظم اور تخفیف شدہ ریاست ملی تھی۔ لیکن اس نے اپنی قابلیت، شجاعت اور فوجی قابلیت سے بگڑے ہوئے حالات پر بہت جلد قابو پالیا اور اپنے مقام و حیثیت کو بلند کرکے تمام جنوب میں اقتدارِ اعلیٰ حاصل کرلیا۔

راجراج اول کی ابتدائی کامیابیوں میں سے ایک یہ تھی کہ اس نے چیروں کو تسخیر کرلیا اور ان کے جہازی بیڑے کو کنڈلُر کے مقام پر تباہ کردیا۔ پھر اس نے مدورا حاصل کرلیا اور پانڈیہ راجہ امر بھجنگ کی ریاست پر قبضہ کرلیا۔ راجراج اول نے کوئلم اور مغربی گھاٹ میں اُدگئی کے قلعہ کو، نیز ملئے ناڈو کو بھی فتح کرڈالا جو کُرگ کے مماثل ہے۔ ٹھیک اسی وقت لنکا میں گڑبڑی پھیل گئی، اس لیے اس نے لنکا پر حملہ کردیا اور اس کے شمالی حصّے کو اپنی ریاست میں شامل کرلیا جو چول ریاست کا ایک صوبہ بن گیا اور اس کا نام مُمّڈی چول منڈلم پڑگیا۔ اس کے بعد اس نے گنگ واڈی اور نولمب پاڈی کے علاقوں کو تسخیر کیا جو میسور کے بیشتر حصے پر مشتمل تھے۔ راجراج اول کے روز افزوں اقتدار سے اس کا مغربی چالکیہ معاصر بے تعلق نہیں رہ سکتا تھا، اس لیے دونوں میں زور آزمائی ناگزیر ہوگئی۔ تیلپ کے اس دعوے میں (جس کا ذکر ۹۶۲ء کے ایک کتبے میں آیا ہے) کہ اس نے چولوں کو شکست دی، جس قدر بھی سچائی ہو، لیکن اس کے جانشین ستیاشرے کو راجراج اول کے مقابلے میں ہزیمت اٹھانی پڑی۔ کہا جاتا ہے کہ راجراج اول نے رٹ پاڈی کو تسخیر کرلیا اور چالکیہ علاقہ کو تاخت و تاراج کرڈالا۔ اس کے زبردست حملے سے بلاشبہ ستیاشرے (تقریباً ۹۹۷-۱۰۰۸ء) کے چھکے چھوٹ گئے لیکن اُسے اپنے کو سنبھالنے اور چولوں کو پیچھے ہٹانے میں زیادہ وقت نہیں لگا۔ پھر راجراج اول نے وینگی کی مشرقی چالکیہ

---

[1] کیل ہارن کی رائے ہے کہ راجراج اول ۲۵ر جون اور ۲۵ر جولائی ۹۸۵ء کے درمیان گدی پر بیٹھا (اپی گرافیہ انڈیکا نواں، صفحہ ۲۱۵)

ریاست کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ شکتی ورمن (تقریباً ۹۹۹ - ۱۰۱۱ء) نے چول حملے کے اس سیلاب پر بند لگانے کی کوشش کی۔ لیکن اس کے چھوٹے بھائی اور جانشین وِملادِتیہ (۱۰۱۱ - ۱۰۱۸ء) نے راجراج اول کی سرداری قبول کی۔ راجراج اول نے دوستی کا ثبوت دینے کے لیے اپنی لڑکی کنندوَوے (کُندَوا) کی شادی اس کے ساتھ کر دی۔ ہمیں مزید معلوم ہوتا ہے کہ راجراج اول کی فتوحات میں کلنگ نیز "سمندر کے قدیم جزیرے" بھی شامل تھے" جن کی تعداد ۱۲۰۰۰ تھی" ان جزیروں کو لنکا دیپو اور مالدیپو کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔ اگر یہ بات درست ہے تو اس کے معنی بلاشبہ یہ ہیں کہ چول راجاؤں کا جہازی بیڑا کافی طاقت ور تھا۔ اس طرح راجراج اول قریب قریب تمام موجودہ ریاست مدراس، کرگ، میسور کے کچھ حصوں اور لنکا اور دوسرے جزیروں پر قابض و متصرف تھا۔ یہ واقعی عظیم الشان کارنامے تھے جن کے باعث راجراج اول کا شمار قدیم ہندوستان کے صف اول کے سورماؤں اور سلطنت کے معماروں میں کیا جاتا ہے

راجراج اول کی شہرت کا دار و مدار منجملہ اور باتوں کے خوب صورت شیو مندر کی تعمیر بھی ہے جو تنجور میں واقع ہے۔ اسی کے نام پر وہ راج راجیشور کہلاتا ہے اور اپنی عظیم الشان جسامت، سادگی، حسین مورتیوں اور نفیس آرائشی خصوصیات کے لیے مشہور ہے۔ مندر کی دیواروں پر راجراج کی مہموں کا حال کندہ ہے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے ورنہ راجراج کی زندگی اور کارناموں کی تفصیلات ہمیں ہرگز معلوم نہیں ہو سکتی تھیں۔

راجراج شیومت کو مانتا تھا، لیکن وہ دوسرے مذہبی فرقوں سے کوئی تعصب نہیں رکھتا تھا۔ اس نے دشنو کے بھی کئی مندر بنوائے اور انھیں جاگیریں دیں۔ اس کے علاوہ کہتے ہیں کہ اس نے نیگ پٹم میں ایک بُدھ وِہار کے لیے ایک گاؤں جاگیر میں دیا۔ یہ وِہار سمندر پار جزیرہ ملایا میں سِری وِجیہ اور کٹاہ کے شیلیندر راجہ شری مار وِجے اُتُّنگ ورمن نے تعمیر کرایا تھا۔

راجیندر اول گنگئی کونڈ (تقریباً ۱۰۱۴ - ۱۰۴۴ء)

راجراج اول کے انتقال کے بعد عصائے شاہی اس کے لائق فرزند راجیندر اول کے ہاتھ میں گیا جس نے باپ کی زندگی کے آخری ایام میں ہی حکومت کا بوجھ سنبھالنا شروع کر دیا تھا۔ راجیندر اول کے جلوس کا سن دراصل ۱۰۱۲ء سے شمار ہوتا ہے یعنی جس

سال اس کے باقاعدہ یُوَوَراج ہونے کا اعلان کیا گیا[5] وہ اپنے باپ کا بیٹا ثابت ہوا۔ وہ ایک بہادر سپاہی بھی تھا اور امورِ سلطنت میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ اس نے چول سلطنت کو معراجِ کمال پر پہنچا دیا۔ راجیندر اول اِڈی تُرئے ناڈو (ضلع رائچور)، بن واسی (شمالی کنارا) کُوتَپ پاکَ نے (کل پک) اور منیک کڈم (غالباً مانیہ کھیٹ یا مل کھیڈ) پر حملوں کے دوران ایک جنگ آزمودہ سپاہی کی حیثیت سے اپنے باپ کے زمانے ہی میں کافی شہرت حاصل کر چکا تھا۔ اس جہت سے اس کی فوجیں دریائے تنگ بھدرا کے اس پار چالکیہ علاقے کے ٹھیک بیچوں بیچ پہنچ چکی تھیں۔ لنکا کے شمالی حصے کو راجراج اول نے پہلے ہی فتح کر لیا تھا۔ راجیندر اول نے تخت پر بیٹھنے کے چند ہی سال بعد، غالباً ۱۰۱۷ء کے قریب تمام لنکا کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اگلے سال اس نے کیرل اور پانڈیہ دیش کے راجاؤں پر از سرِ نو چول اقتدار قائم کیا اور اپنے بیٹے جٹاورمن سُندر کو چول پانڈیہ کا خطاب دے کر اس علاقے کا وائسرائے مقرر کر دیا۔ علاوہ بریں، اس کا قبضہ بہت سے قدیم جزیروں"(غالباً لکا دیپ مالدیپ) پر بدستور قائم رہا، جنھیں اس کے باپ راجراج اول نے پہلے ہی فتح کر لیا تھا۔ راجیندر اول کی ایک جھڑپ مغربی چالکیہ راجہ جے سنگھ دوم جگ دیک مَل (تقریباً ۱۰۱۶ - ۱۰۴۲ء) سے بھی ہوئی۔ چالکیہ دستاویزات ظاہر کرتی ہیں کہ چولوں کے مقابلے میں چالکیوں کا پلّہ بھاری رہا۔ لیکن تامل کی پُرشکستی دعوے کے ساتھ کہتی ہے کہ جے سنگھ دوم نے مُوسنگی (موینگی) کی لڑائی میں پیٹھ دکھائی اور منہ چھپا لیا[6]۔ آخری فیصلہ جو کچھ بھی ہو، اس حد تک بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ جے سنگھ دوم تنگ بھدرا تک تمام ملک پر قابض و متصرف رہا۔ اس کے بعد راجیندر اول کی فوجوں نے شمال کا رُخ کیا۔ فتوحات کرتا ہوا وہ گنگا اور گوڑ حکمراں مہی پال کے علاقوں تک پہنچ گیا۔[7]

---

[5] یہ واقعہ تخمیناً ۲۶ مارچ اور ۷ جولائی ۱۰۱۲ء کے درمیان میں پیش آیا (اپی گرافیہ انڈیکا نواں، صفحہ ۲۱۷)

[6] ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، دوسرا، صفحہ ۹۴، صفحہ ۹۵۔ مُسنگی یا موینگی کو بلاری کے ضلع میں اُچنگی درگ کے مماثل قرار دیا گیا ہے (ایضاً صفحہ ۹۴، حاشیہ ۴؛ اپی گرافیہ انڈیکا، نواں، صفحہ ۲۳۳)

[7] ملاحظہ ہو آر۔ ڈی۔ بنرجی "راجیندر کی گنگا کی مہم"، جرنل آف بہار اینڈ اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی، جلد (۱۹۲۸ء) صفحہ ۵۱۲، صفحہ ۵۲۰۔

ترُوملےُ (شمالی ارکاٹ کے ضلع میں پُولور کے قریب) کے کتبے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ راجیندر اول نے اُودّ وِشیۂ (اڑیسہ)، کوسلے ناڈو (جنوبی کوسل)، تنڈبُتیّ (دنڈ بھکتی غالباً بلسور کے اضلاع اور مدنا پور کا کچھ حصہ) کے دھرم پال، تکّن لاڈم (جنوبی رادھا) کے رنشور، ونگال دیش (مشرقی بنگال) کے گووِند چندر، پال حکمراں مہی پال (تقریباً ۹۹۲-۱۰۴۰ء) اور اُتّیر لاڈم (شمالی رادھا) کو تسخیر کر لیا تھا۔ چونکہ راجیندر اول کی اس شمالی لشکر کشی کا ذکر ترُوملے کے کتبے میں تو ہے جو اس کے جلوس کے تیرھویں سال کا ہے[1] اور میر پاڈی کے کتبے میں نہیں ہے جو نویں سال کا ہے[2]، اس لیے ہمارا یہ قیاس قرینِ عقل ہے کہ یہ لشکر کشی ۱۰۲۱ء اور ۱۰۲۵ء کے درمیان کسی وقت عمل میں آئی[3]۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ایک نہایت جرأت آفریں مہم تھی اور اس کی یادگار قائم کرنے کے لیے راجیندر اول نے "گنگئے کونڈ" کا لقب بھی اختیار کر لیا[4]۔ لیکن اس حملے کے نتائج دیرپا مرتب نہ ہوسکے۔ سوائے اس کے کہ کچھ کرناٹ سردار مغربی بنگال میں جا بسے اور راجیندر اول نے بہت سے شیومت والوں کو دریائے گنگا کے کنارے سے لاکر اپنی سلطنت میں بسا لیا۔ چول فرماں رواکے کارنامے صرف خشکی تک ہی محدود نہیں تھے اس کے پاس ایک مضبوط جہازی بیڑا بھی تھا جس نے دور خلیج بنگال میں کامیابیاں حاصل کیں۔ کہتے ہیں کہ اس نے سنگرام وِجے اُوت تنگ ورمن کو زیر کیا اور ہندوستان کے دور و دراز علاقوں کَناءَ اور کَدارَم کو فتح کر لیا۔ قیاس ہے کہ یہ مہم راجیندر اول نے ہوسِ ملک گیری کی تسکین کے لیے نہیں سر کی تھی، بلکہ اس کا مقصد جنوبی ہندوستان اور ملایہ کے درمیان تجارتی تعلقات قائم کرنا تھا۔ توسیع سلطنت اور فتوحات کے مسلسل دور کے بعد راجیندر اول نے اپنی تلوار نیام میں رکھ لی۔ اس کا بعد کا دور بہرحال کلیتاً پُرامن نہیں تھا۔ کیرل اور پانڈیہ دیش میں بغاوتیں ہونے لگیں لیکن انھیں یُوراج راجادھراج نے کامیابی کے ساتھ فرو کر دیا۔ اس نے مغربی چالکیہ حکمراں سومیشور اول آہو مل کے مقابلے میں بھی کامیابی حاصل کی۔

---

[1] ایپی گرافیہ انڈیکا، نواں، ص ۲۲۹، ص ۲۳۳

[2] ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، جلد ۳، حصہ اول، ۱۸۹۹، ص ۲۷، ص ۲۹

[3] ڈائینسٹک ہسٹری آف ناردرن انڈیا، جلد ایک، ص ۳۱۳

[4] راجیندر اول کے دوسرے بیرودر (القاب) یہ تھے — وِکرم چول، پنڈت چول، پرکیشری ورمن وغیرہ۔

راجیندر اول نے ایک نئی راجدھانی کی بنیاد رکھی جو اسی کے نام پر "گنگئے چول کونڈ پرم" کہلاتی تھی۔ اسے موجودہ گنگا کُنڈ پرم کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔ اس راجدھانی کو یہ شرف حاصل تھا کہ اس میں ایک عالی شان محل بنوایا گیا جسے سالم پتھروں کے نادر مجسموں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے یہ تمام عمارتیں اور فن کے نمونے دست برد زمانہ کی نذر ہو چکے ہیں۔ شہر کے نزدیک راجیندر اول نے ایک بہت بڑا مصنوعی تالاب بھی کھدوایا جسے نالیوں کے ذریعے دریائے کولے رُن اور وِتر کے پانی سے بھرا جاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ جھیل اور اس کے تمام پشتے کسی مخالف فوج نے تباہ کر دیے اور یہ تمام تختۂ آب اب ایک گھنے بن میں تبدیل ہو گیا ہے۔

راجادِھراج اول (تقریباً ۱۰۴۴–۱۰۵۲ء)

راجیندر اول کے بعد گدی ۱۰۴۴ء میں راجادِھراج کو ملی۔ ۱۰۱۸ء میں وہ یووراج کی حیثیت سے باپ کے انتظامِ حکومت میں دخیل تھا۔ میدانِ جنگ میں بھی اس نے نام پیدا کیا۔ جب گدی پر بیٹھا تو اُسے بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن تمام مخالفتوں پر اس نے بہت جلد قابو پا لیا۔ اس نے کیرل اور پانڈیہ راجاؤں کو زیر کیا جو لنکا (سیلون) کے حکمرانوں کے ساتھ ایک اتحاد میں شامل ہو گئے تھے جن کے نام یہ تھے — وِکرم باہو، وِکرم پانڈو، ویرسال میگھ، اور شری ولبھ مدن راج۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ ان حریفوں کے مقابلے میں فتوحات کا جشن منانے کے لیے راجہ دھراج اول نے اشومیدھ یگیہ کیا۔ اس نے مغربی چالکیہ راجہ سومیشور اول آہومل (تقریباً ۱۰۴۲ – ۱۰۶۸ء) سے بھی جنگ کی۔ شروع شروع میں قسمت نے چول فرماں روا کا ساتھ دیا[1] لیکن آخر کار ۱۰۵۲ء میں کوپم کی مشہور لڑائی میں راجادھراج کام آیا۔[2]

راجیندر (دیو) دوم (تقریباً ۱۰۵۲ - ۱۰۶۳ء)

راجہ دھراج کے قتل ہو جانے کے بعد وہیں میدانِ جنگ میں اس کے چھوٹے بھائی

---

[1] کہتے ہیں کہ آہومل "خوف زدہ ہو گیا، ذلیل ہوا اور بھاگ گیا" ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، تیسرا، ص۱۲

[2] یہ تاریخ ہمیں منی منگلم کے کتبے سے حاصل ہوئی ہے جو راجیندر دوم کے جلوس کے چوتھے سال کا ہے (ایضاً، تیسرا، ۵۸)؛ نیز ملاحظہ ہو ہسٹاریکل انسکرپشنس آف سدرن انڈیا (مدراس ۱۹۳۲ء)، ص۲۰

راجیندر دوم پرکیشری کے راجہ ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔ اس کے عہد میں بھی چولوں اور چالکیوں کے درمیان جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ اس جنگ میں، جیسا کہ عام قاعدہ ہے، دونوں ہی فریق فتح کے دعوے دار ہیں۔ واقعی چولی کتبوں میں تو یہ لکھا ہے کہ راجیندر دوم نے کولاپور (کولا پورم) پر دباؤ ڈالا اور وہاں ایک جے استمبھ نصب کیا۔[1] اس کے برخلاف وکرمانک دیو چرت کا مصنف بلہن بیان کرتا ہے کہ سومیشور اول نے آندھی دھاندی کانچی پر حملہ کر دیا جو چولوں کا ایک اہم مرکز تھا۔ ان متضاد بیانات کے پیش نظر حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ لڑنے والے فریقوں میں سے کسی ایک کو بھی دوسرے کے مقابلے میں فیصلہ کن فتح نصیب نہیں ہوئی۔ ایک بات بہر حال صاف ہے اور وہ یہ کہ راجیندر دوم نے چولی سلطنت کو جوں کا توں سالم و ثابت رکھا۔

ویر راجیندر (تقریباً ۱۰۶۳-۱۰۷۰ء)

۱۰۶۳ء میں راجیندر دوم کے بعد اس کا چھوٹا بھائی ویر راجیندر راج کیشری راجہ ہوا، جس نے چالکیوں کے ساتھ روایتی جنگ کو جاری رکھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے کرشنا اور تنگ بھدرا دریاؤں کے سنگم کے قریب کُڈل سنگ مم (ضلع کرنول) کی لڑائی میں سومیشور اول آہومل کو شکست فاش دی۔[2] بعد ازاں، سومیشور اول نے ایک بار پھر فاتح کے ساتھ زور آزمائی کی کوشش کی لیکن معلوم نہیں کیا وجہ ہوئی کہ وہ میدانِ جنگ میں نہ آسکا۔ اس کے بعد ویر راجیندر نے بزدل رامیشور اول کا پتلا بنوایا اور اسے ذلیل کیا۔ چولی حکمراں نے اپنی توجہ پھر وینگی کی طرف منعطف کی جہاں اس کے حلیف وجے آدتیہ ہفتم کے حالات ناموافق ہو رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سومیشور اول کے چھوٹے بیٹے، مغربی چالکیہ راجہ وکرم آدتیہ (بعد ازاں وکرم آدتیہ ششم) نے وجے آدتیہ ہفتم کو پریشان کر رکھا تھا۔ ویر راجیندر موجودہ بازواڈہ کے قریب چالکیہ فوجوں سے برسرپیکار رہا اور ان پر غالب آنے کے بعد اس نے گوداوری کو پار کیا اور کلنگ اور چکر کوٹم

---

[1] ملاحظہ ہو بڑنگ کوئی لور (ضلع جنوبی ارکاٹ) کا کتبہ وی۔ رنگ آچاریہ انسکرپشنس آف مدراس پریسیڈنسی جلد ایک، صفحہ ۳۲۹، نمبر ۸۵۱)

[2] ملاحظہ ہو ترنگا ڈو کا کتبہ (ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، نمبر ۱، ۱۹۳)۔ ایک دوسرے نظریہ کی رو سے کوڈل سنگ مم دریائے تنگ اور دریائے بھدرا کے سنگم پر واقع تھا۔

کو تاخت و تاراج کیا۔ اس طرح دینگی پر پھر قبضہ ہو گیا اور وجے آدتیہ ہفتم کو اس کا سابقہ مقام پھر حاصل ہو گیا۔ علاوہ بریں، پانڈیہ اور کیرل کے راجاؤں نے سر اٹھایا تو ویرراجیندر نے انھیں بھی کچل دیا۔ اُدھر اس نے لنکا کے وجے باہو کے توسیع سلطنت کے منصوبوں، نیز چولوں کو سنگھل دوئپ سے بے دخل کرنے کی تمام کوششوں کو خاک میں ملا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ویرراجیندر نے ایک اہم کمارم یا شری توجے کے خلاف بھی بھیجی، لیکن اس کے اسباب کیا تھے؟ اس کی تفصیلات تاریکی میں ہیں۔ آخر میں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰۶۸ء میں سومیشور اول آہومل کی جگہ جب سومیشور دوم بھوونیک مل گدی پر بیٹھا تو ویرراجیندر نے مغربی چالکیہ علاقوں پر پھر یورشیں کیں۔ وہ وکرما دتیہ سے بھی ٹکرایا جو اپنے بڑے بھائی سومیشور دوم سے لڑنے کے بعد کلیان کی راجدھانی چھوڑ کر چلا گیا اور تنگ بھدرا کی طرف جا کر مقام کیا۔ آخر کار شرکائے جنگ میں مصالحت ہو گئی اور ویرراجیندر نے اپنی لڑکی کی شادی چالکیہ راجہ سے کر دی اور اس کے بعد وہ اس کی حمایت کرنے لگا۔

اَدِھی راجیندر (تقریباً ۱۰۷۰ء)

۱۰۷۰ء میں ویرراجیندر کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا، اَدِھی راجیندر تخت نشین ہوا۔ معلوم ہوتا ہے وہ یوراج کی حیثیت سے تین سال انتظام سلطنت کا تجربہ حاصل کر چکا تھا۔ لیکن اس کا اپنا دورِ حکومت بہت مختصر ہوا۔ سلطنت میں گڑبڑ پھیل گئی اور اس کے برادرِ نسبتی وکرمادتیہ (ششم) کی امداد کے باوجود وہ اپنی حیثیت برقرار نہ رکھ سکا اور اسے قتل کر دیا گیا۔

کُلوت تنگ اول (تقریباً ۱۰۷۰ - ۱۱۲۲ء)[1]

اَدِھی راجیندر کے کوئی اولاد نہ تھی اس لیے گدی راجیندر دوم کو ملی۔ چول خاندان میں ایک قریبی ازدواجی رشتے کے باعث گدی کا وہ حقدار ہو گیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ دینگی کے وِملادتیہ (تقریباً ۱۰۰۹ - ۱۰۱۸ء) نے راجراج اول چول کی لڑکی کُندوا یا کُندوَوے نام کی لڑکی سے شادی

---

[1] ملاحظہ ہو کے. اے. نیل کانت شاستری، دا چولاز، جلد دوسری (حصہ اول) مدراس ۱۹۳۷ء۔ آخری کتبہ جس سے ہم واقف ہیں کلوت تنگ کے عہد کے باون ویں سال کا ہے (ایضاً، ص۴۹، ص۹۱)

کی تھی۔ ان دونوں کے لڑکے راجراج وشنو وردھن نے راجیندر اول چول کی لڑکی امنگ دیوی کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ ان دونوں کے اتصال سے راجیندر دوم چالکیہ پیدا ہوا جو بعد میں کلوتنگ اول کہلایا۔ اس نے خود راجیندر دوم چول کی لڑکی مدھورانتکی سے شادی کی۔ اس طرح واقع ہوا کہ کلوتنگ کی رگوں میں چالکیہ خون سے زیادہ چول خون موجزن تھا؛ اور حالاں کہ ہمارے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ اسے چول خاندان میں باقاعدہ داخل کر لیا گیا تھا پھر بھی ایک تو خاندان کی اصل شاخ میں عقب کے نہ ہونے سے، دوسرے ادھی راجیندر کے مرنے کے وقت جو افراتفری پھیلی اس کی وجہ سے کلوتنگ کو چول راج گدی حاصل کرنے کا بہترین موقع مل گیا۔ قیاس ہے کہ کلوتنگ اول نے پہلے اپنے چچا وجے آدتیہ ہفتم سے وینگی میں معاملات طے کیے اور اس کے بعد ۹ جون ۱۰۷۰ء کو چول دیس کی راج گدی پر قبضہ کر لیا۔ؔ اس طرح کلوتنگ اول نے وینگی کی مشرقی چالکیہ ریاست اور تنجوور (تنجور) کی چول ریاست کو متحد کر دیا۔ مغربی چالکیہ راجہ وکرما دتیہ نے اس اختلاط کو کالعدم کرنے کی کوشش کی، غالباً سومیشور دوم بھوونیک مل کے اکسانے سے، جو کسی نہ کسی طرح اپنے لائق چھوٹے بھائی کو ہٹانا چاہتا تھا۔ لیکن یہ تمام کوشش ناکام ہو گئی۔ اپنے مقام کو مضبوط کرنے اور چول قلم رو میں امن و امان قائم کرنے کے بعد کلوتنگ اول نے اپنے بیٹے راجراج ممڈی چوڑ کو وینگی میں گورنر مقرر کر دیا۔ ممڈی چوڑ نے اپنے عہدہ کا کام ۲۷ جولائی ۱۰۷۶ء کو سنبھالا لیکن ایک سال بعد چھوڑ دیا۔ بعد ازاں اس کے دو بھائیوں، ویر چوڑ (۱۰۷۸ - ۱۰۸۴ء) اور راجراج چوڑ گنگ ۱۰۸۴ - ۱۰۸۹ء) کو یکے بعد دیگرے وینگی کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اور اس کے بعد وینگی راج کمار گورنروں کا صدر مقام بن گیا۔ کلوتنگ نے پھر پانڈیہ اور کیرل کے ضدی سرداروں اور جنوب کے دوسرے سرداروں سے مواخذہ کیا۔ کہتے ہیں کہ اس نے اپنے مالوہ کے پرمار معاصر سے بھی کامیاب زور آزمائی کی، اور کلنگ کو اس کی فوجوں نے دوبار لوٹا کھسوٹا۔ مغربی چالکیہ راجہ وکرمادتیہ ششم کے ارادوں کی روک تھام کے لیے کلوتنگ اول نے اپنے جلوس کے چھبیسویں سال میں پہلی مہم کی قیادت خود کی۔ دوسری مہم اس نے مشرقی گنگ راجہ، اننت ورمن چوڑ گنگ (تقریباً ۱۰۷۷ - ۱۱۴۷ء) کے خلاف اپنے آزمودہ سپہ سالار کرونا کر تونڈے مان کی سرکردگی میں

ؔ ایپی گرافیہ انڈیکا، ساتواں، صفحہ، حاشیہ ۔۵؛ "چول راجاؤں کی تاریخوں کے لیے ملاحظہ ہو ایضاً" ، صفحہ، صفحہ ؛ ایضاً، صفحہ ۲۶۰ - ۲۷۴ ؛ نواں، صفحہ ۲۷، صفحہ ۲۳۲

لگ بھگ ۱۱۱۲ء میں بھیجی۔ بہرحال، ہمارے پاس ایسے شواہد موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کلوُتّنگ کی حکومت سمندر پار کے کسی علاقے میں نہیں تھی۔ نیز یہ کہ آخر عہد حکومت میں گنگ وادی یا جنوبی میسور اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ اس کی وجہ ہوائے سَل سردار بِتّگ وِشنو وردھن (تقریباً ۱۱۱۰ - ۱۱۴۰ء) کا حملہ تھا جو اپنے بڑے چالکیہ فرماں روا وکرمادتیہ ششم کا محض برائے نام پابند تھا ورنہ ہر لحاظ سے خود مختار تھا۔

کلوُتّنگ اول نے ریاست کے داخلی انتظام میں بعض اہم اصلاحات کیں۔ ان میں سب سے اہم یہ تھی کہ اس نے محصول لگانے اور لگان وصول کرنے کے مقصد سے زمین کی ازسرِنو پیمائش کروائی۔

کلوُتّنگ اول کا دور مذہبی اور ادبی سرگرمیوں کے لیے بھی ممتاز رہا۔ وہ خود شیومت کا سچا پیرو تھا، لیکن اس نے نیگاپٹم میں بُدھ مٹھوں کے لیے بھی جاگیریں دیں۔ البتہ وہ عظیم وشنو معلم راماَنُج کا مخالف ہو گیا تھا۔ اس لیے یہ مہاتما ترچناپلی کے قریب سری رنگم کو خیرباد کہنے اور میسور میں ہوائے سَل راجہ بِتّگ وِشنو وردھن کے یہاں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔ ادبی شخصیتوں میں جنھوں نے کلوُتّنگ اول کے زمانے میں عروج پایا ایک جے گونڈن تھا جس نے کلنگتّ تُپّرنی تصنیف کی۔ دوسرا اَدِی یَرک کُنڈک تھا جس نے نِشلپّ دِھکارم کی شرح لکھی۔

کلوُتّنگ اول کے جانشین

تقریباً نصف صدی کے طویل دورِ حکومت کے بعد کلوُتّنگ اول ۱۱۲۲ء[1] میں فوت ہو گیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا وِکرم چول جسے تیاگ سَمُدر بھی کہتے ہیں گدی پر بیٹھا۔ وہ وینگی کا وائسرائے رہ چکا تھا۔ وہ غالباً وشنو مت کا پیرو تھا اور خیال کیا جاتا ہے کہ اس کے عہد میں راماَنُج میسور سے پھر چول دیس میں واپس آ گئے۔ وکرم چول (تقریباً ۱۱۱۸ - ۱۱۳۳ء[2]) اور اس کے بیٹے پوتے کلوُتّنگ دوم (تقریباً ۱۱۳۳ - ۱۱۴۷ء)، راجراج دوم (تقریباً ۱۱۴۷ - ۱۱۶۳ء) اور راجہ دھراج

ل کلوُتّنگ اول کے عہد کی آخری تاریخ جو ہمیں معلوم ہے وہ من باون (جلوس) ہے (داچرلانہ، جلد ۲، حصہ اول ۱۹۴۹ء، ص ۶۱)

ل وکرم چول کی تخت نشینی آخر جون ۱۱۱۸ء میں عمل میں آئی (ایپی گرافیہ انڈیکا، ساتواں ۱۹۰۲ء، ص ۵)۔ معلوم ہوتا ہے کہ چند سال اس نے اور اس کے باپ نے مل کر حکومت کی۔ (داچرلانہ، ص ۶۱)

دوم (تقریباً ۱۱۶۳ — ۱۱۷۸ء)، سب ناکارہ تھے اور ان کے عہد حکومت میں چول خاندان کا بڑی تیزی سے زوال ہونے لگا اور جنوبی ہند کی سیاسیات میں دوار سمدر کے ہولے سل ابھر کر ایک طاقت ور عنصر بن گئے۔ لنکا، کیرل اور پانڈیہ ریاستوں کے حکمرانوں نے بڑی دیدہ دلیری سے چول خاندان کی وفاداری سے روگردانی اختیار کرنی شروع کر دی۔ حقیقت یہ ہے کہ چول حکومت کا وقار اس قدر گر گیا کہ لنکا کے راجہ کو پانڈیہ ریاست کے معاملات میں دخل اندازی کی ہمت ہو گئی اور اس نے تخت کے دعوے داروں میں سے ایک کا ساتھ دینا شروع کر دیا۔ لیکن نتیجہ میں راجادھراج دوم نے تمام مخالفت پر پوری طرح قابو پالیا، اور تخت نشینی کا تصفیہ اپنے امیدوار کے حق میں طے کرادیا۔ اگلے حکمراں کلوتنگ سوم (تقریباً ۱۱۷۸ — ۱۲۱۶ء[1]) کو پانڈیہ ریاست میں ایک اندرونی بغاوت فرو کرنی پڑی۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فتوحات کرتا ہوا وہ مدورا تک پہنچ گیا، اور لنکا کے راجہ نے جو یورشیں جزیرہ نما میں کیں ان کا اس نے مقابلہ کیا اور اُسے پیچھے ہٹا دیا۔ لیکن ان معمولی کامیابیوں کے باوجود چول خاندان کا ستارۂ اقبال اب ڈوبتا جا رہا تھا۔ کلوتنگ سوم کے بیٹے اور جانشین راجراج سوم (تقریباً ۱۲۱۶ — ۱۲۵۲ء) کے عہد میں یہاں تک نوبت پہنچی کہ ماروَرمن سندر پانڈیہ نے تنجور کو تاخت و تاراج کر ڈالا اور راجراج سوم کو ایسی خطرناک مصیبت میں مبتلا کر دیا کہ اُسے مدد کے لیے اور قید سے رہائی دلانے کے لیے ویر بلاّل دوم یا نرسنگھ دوم ہوائے سل (حساب لگانے کے بعد ۱۲۱۵ء) کو بلانا پڑا۔ اسی اثنا میں پلّو نسل کے ایک اور کوپر پنجنگ نام کے سردار نے سینڈ منگلم میں کافی نام پیدا کر لیا۔ کہتے ہیں کہ اس نے بھی راجراج سوم کو قید کر لیا۔ ہوائے سل کے راجہ نے پھر مداخلت کی اور کوپر پنجنگ کو شکست دے کر راجراج سوم کو رہا کرایا چناں چہ چول خاندان کے حالات کافی ابتر ہو چکے تھے اور ۱۲۴۶ء میں جب راجراج سوم اور راجیندر سوم کے درمیان خانہ جنگی شروع ہو گئی تو چول بادشاہت کی زبوں حالی سے فائدہ اٹھا کر دوار سمدر کے ہوائے سلوں، گنپتی (تقریباً ۱۱۹۹ — ۱۲۶۱ء) کے دورِ حکومت میں وارنگل کے کاکتییوں اور مدورا کے پانڈیوں نے اپنی طاقت کو خوب خوب بڑھایا۔ واقعہ یہ ہے کہ راجیندر سوم ہی کے زمانے میں جس نے ۱۲۴۶ء سے ۱۲۵۲ء تک اپنے حریف راجراج سوم کے ساتھ مل کر حکومت

---

[1] ایپی گرافیہ انڈیکا، آٹھواں، ص ۲۶۰ کیل ہارن کہتا ہے کہ کلوتنگ سوم کا عہد (تخمیناً) ۶ جون اور ساتویں جولائی سن ۱۱۷۸ء کے درمیان اور راجراج سوم کا (اندازاً) ۲۷ جون اور ۱۰ جولائی ۱۲۱۶ء کے درمیان باقی رہا۔

کی اور بعدازاں ۱۲۶۷ء تک آزادانہ حکومت کی۔ چول خاندان کی سیادت پر جٹاورمن سندر پانڈیہ (تقریباً ۱۲۵۱ - ۱۲۷۲ء) نے آخری ضرب لگائی۔ وہ اس کا بھی مدعی ہے کہ اس نے چول علاقے کے ایک بڑے حصے کو تاخت و تاراج کیا اور کانچی پر قبضہ کر لیا۔ اس نے دوسرے معاصر سرداروں پر بھی ہیبت بٹھا دی اور اپنی برتری اور طاقت جتانے کے لیے اس نے "مہاراج دھراج" کا لقب اختیار کر لیا۔ راجیندر سوم بگڑے ہوئے حالات پر قابو پانے میں ناکام رہا۔ آخرکار کچھ تو اندرونی خلفشار کے سبب اور کچھ پانڈیوں اور دوسرے جاگیرداروں کے عروج کے باعث چول سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا اور چول خاندان تاریکی کے سمندر میں ڈوب گیا۔

چولوں کا انتظامِ حکومت[1]

راجہ اور اس کے افسر

چولوں کے کتبے ثابت کرتے ہیں کہ ان کا انتظامِ حکومت بہت منظم اور باقاعدہ تھا۔ راجہ حکومت کا محور ہوتا تھا جس پر کل ریاست کی مشین گردش کرتی تھی۔ وہ اپنے وزیروں اور دوسرے بڑے بڑے افسروں کی امداد و مشورہ سے انتہائی محنت کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتا اور اپنی ذمہ داریوں سے بہ احسن وجوہ سبکدوش ہوتا تھا۔ اس کے زبانی احکامات (ترو واکیہ کیلوی) کا مسودہ اس کا منشی خاص یا پرائیویٹ سکریٹری تیار کرتا تھا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ راجراج اول اور اس کے بیٹے کے عہد میں ان کا منشی خاص (اوٗلے نائکم) اور ایک دوسرا عہدے دار (پیرندرم) شاہی احکامات کی توثیق کرتے تھے تب منشی مراسلات (راڈٗلے یا دِھکاری) اُن احکامات کو متعلقہ فریقین کے پاس بھیجتا تھا۔ آخر میں، مقامی گورنر ان کی جانچ پڑتال کرتے تھے اور اس کے بعد انھیں محافظ خانہ میں بھیج دیا جاتا تھا تاکہ رجسٹر پر باقاعدہ ان کا اندراج کر لیا جائے۔

علاقائی تقسیم تمام ریاست (راجیم یا راشٹرم) متعدد صوبوں (منڈلم) میں

---

[1] ملاحظہ ہو ڈاکٹر ایس۔ کرشن سوامی آئینگر، اینشینٹ انڈیا، ص۱۵۸، ص۱۹۰؛ پروفیسر کے۔ اے۔ نیل کنٹھ شاستری کا اسٹڈیز ان چولا ہسٹری اینڈ ایڈمنسٹریشن، ص۷۳، ص۱۴۲؛ دا چولاز، جلد ۲، حصہ اول، ص۲۱۰، ص۲۶۳۔ میں اپنے بہت سے حوالوں کے لیے ان کتب کا رہینِ منت ہوں۔

منقسم ہوتی تھی۔ ان میں سے اہم ترین صوبوں میں نائب السلطنت (وائسرائے) تعینات کیے جاتے تھے۔ عام طور پر وائسرائے شاہی خاندان کے راجکماروں یا شریف گھرانے کے نوجوانوں کو بنالیا جاتا۔ بعض صوبے ان علاقوں پر مشتمل تھے جنھیں چول راجاؤں نے فتح کرکے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا تھا۔ اس کے علاوہ باجگزار سرداروں کے علاقے تھے جو خراج ادا کرتے تھے اور وقتِ ضرورت اپنے فرماں روا کا حکم بجالاتے تھے۔ صوبوں کی مزید تقسیم حلقوں (کوٹم یا وَل نَاڈُو) میں ہوتی تھی۔ ان سے چھوٹی انتظامی اکائیاں بھی ہوتی تھیں مثلاً ضلعے (ناڈو)، کئی کئی گاؤں کے جتّھے (کُرّم)، اور گاؤں (گرامَم)

مجالس

یہ ثابت کرنے کے لیے ہمارے پاس کافی شواہد موجود ہیں کہ چول اقتدار کے زمانے میں ان تمام چھوٹے چھوٹے حلقوں میں اپنی اپنی عوامی مجلسیں ہوتی تھیں۔ سب سے پہلے ہمیں تام مَنڈَلَم کی ایک عوامی مجلس کا حال معلوم ہوتا ہے جس کا نام اس سلسلے میں لیا گیا ہے کہ اس نے اپنے ماتحت اراضی پر کچھ محصول معاف کردیے تھے۔ اس کے بعد کتبوں میں ضلع (ناڈو) کی ایک عوامی مجلس ناٹر کا، نیز نگرتار یعنی "بیوپاریوں کی انجمن" کا ذکر آتا ہے جو عرفِ عام میں نگرم کہلاتی تھی۔ یہ دونوں اصطلاحیں علی الترتیب، جَن پَد اور پَوَر سے مطابقت رکھتی تھیں۔ بدقسمتی سے ان کے آئین اور طریقۂ کار کی تفصیلات ہمیں معلوم نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ، مقامی انتظام میں تجارتی انجمنوں یا شرینیوں، پُگوں، اور دیگر ایسی آزاد جماعتی تنظیموں کا وجود بڑی مدد دیتا تھا جو کسی خاص ترفہ یا پیشہ کی بنیاد پر جماعت بندی کرلیتی تھیں۔ دیہاتی مجلسوں کے متعلق یہ ہے کہ ان میں اُؤر ہوتے تھے۔ یعنی گاؤں کے باشندوں کے اجتماعات جن میں کسی خاص قاعدہ قانون کی پابندی کے بغیر معاملات پر تبادلۂ خیالات کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ سَبھا یا مہاسَبھا ہوتی تھی، یعنی ان دیہات کی مجلس جن میں برہمن آباد تھے (یعنی بَرہَمَم دِیو)۔ ان سبھاؤں یا مہاسبھاؤں کے بارے

---

[1] ملاحظہ ہو نیل کنٹھ شاستری۔ اسٹڈیز ان چولا ہسٹری اینڈ ایڈمنسٹریشن، ص

[2] ڈاکٹر آر۔ سی۔ مجمدار۔ کارپوریٹ لائف ان اینشینٹ انڈیا: ڈاکٹر آر۔ کے۔ مکرجی: لوکل گورنمنٹ ان اینشینٹ انڈیا۔

میں بے شک ہماری معلومات وافر ہے۔ لوحی دستاویزات سے خاص کر جو اُتر میرؤرسے دستیاب ہوئی ہیں، واضح ہوتا ہے کہ یہ دیہی مجلسیں، بشرطِ انتظامِ افسرانِ شاہی، جو اَدِھی کارن کہلاتے تھے، دیہات کے انتظامی معاملات میں قریب قریب کلیتاً با اختیار ہوتی تھیں۔ وہ گاؤں کی مزروعہ اور غیر مزروعہ دونوں قسم کی اراضیات کی مالک تھیں۔ چوں کہ زراعت کی وہی ذمہ دار تھیں اس لیے جنگلات کو وہ ہر سال صاف کرکے قابلِ کاشت بناتی تھیں اور وہ ہر قسم کی تکلیف و پریشانی سے کاشتکار کی حفاظت کی کوشش کرتی تھیں۔ مقررہ مطالبات وصول کرنے میں حد سے زیادہ سختی کرنے سے گریز کیا جاتا تھا۔ بسا اوقات یہ مجلسیں مذہبی اغراض کے لیے بغیر مرکزی حکومت یا مقامی نمائندۂ حکومت کے اطلاع کے زمین کو منتقل یا بیع کر دیتی تھیں۔ مزید برآں یہ مجلس نقد رقمیں وصول کرتی یا آراضی کے تحفے قبول کرتی تھی تاکہ انھیں وقف علی الخیر کے طور پر اپنے تصرف میں لاسکے۔ سبھا گاؤں کے اخلاقیات کے محافظ کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیتی تھی۔ اسے انصاف کرنے اور مجرمین کو سزائیں دینے کے بھی اختیارات حاصل تھے۔ یہی سبھا مٹھوں میں گاؤں کے بچوں کو سنسکرت یا تامل زبان میں تعلیم دینے کا انتظام کرتی تھی۔ سبھا کے اراکین کی تعداد کا تعین ابھی تک ٹھیک ٹھیک نہیں کیا جاسکا ہے۔ قیاس ہے کہ تعدادِ اراکین گاؤں کی اہمیت اور رقبے پر منحصر ہوتی تھی۔ اس کے جلسے مندر میں، یا اگر کوئی پبلک ہال ہوتا تو اس میں، یا کسی گھنے اور سایہ دار املی کے پیڑ کے نیچے منعقد ہوتے تھے۔ مفادِ عامہ کے کاموں کی دیکھ بھال کے لیے سبھا چھوٹی چھوٹی کمیٹیاں بنا دیتی تھی۔ چناں چہ ہم مختلف کمیٹیوں کا نام سنتے ہیں، جیسے عام انتظامات کی کمیٹی (پنچ وارُ واریَم)، تالابوں کا بندوبست کرنے والی کمیٹی (ایری واریَم)، باغوں، کھیتوں، مندرِ خیرات، انصاف اور سونے کی نگرانی اور دیکھ بھال کرنے والی کمیٹی (پوُنّ واریَم)۔ ان کمیٹیوں کے انتخاب کے لیے بڑے واضح قواعد مرتب کیے گئے تھے۔ ہر گاؤں، محلوں (کُڈمبوُں) میں منقسم ہوتا تھا اور رکنیت کے لیے کسی شخص کی اہلیت یا نااہلی جانچنے کے لیے کچھ قیود و شرائط مقرر تھے۔ جن کا تعین اس شخص کی عمر، علمی قابلیت، کردار، معیارِ زندگی اور سماجی حیثیت کی بنیاد پر کیا جاتا تھا ہر رکن صرف ایک سال کے لیے منتخب ہوتا تھا۔ انتخاب کا طریقہ بہت سادہ تھا۔ تمام امیدواروں کے نام کے ٹکٹ ایک گھڑے میں ڈال دیے جاتے تھے اور انھیں اچھی طرح گڈمڈ کر دیا جاتا تھا اور اس کے بعد کوئی لڑکا ایک ایک کرکے وہ ٹکٹ اس گھڑے میں سے نکالتا تھا۔ اس کے بعد پجاری جو سرپنچ کے فرائض بھی انجام دیتا تھا، انتخاب کے نتیجے کا اعلان کر دیتا

تھا۔ اگر کمیٹی کا کوئی رُکن کسی وقت بھی کسی جُرم کا مرتکب ہوتا تو اُسے رکنیت سے خارج کر دیا جاتا تھا۔ ہر شخص سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ کھل کر سامنے آئے اور اپنے چلن سے دوسروں کے لیے مثال قائم کرے۔ حسابات کے معاملے میں حد سے زیادہ احتیاط برتی جاتی تھی اور محاسب پابندی کے ساتھ ان کی جانچ پڑتال کرتے تھے۔ کسی قسم کا تصرف بیجا، غبن یا خیانت کرنے والے کو بڑی سخت سزا دی جاتی تھی[1]

پیمائش اراضی

سرکار وقتاً فوقتاً زمین کی پیمائش کرواتی تھی۔ یہ پیمائش آخری کسر تک درست ہوتی تھی۔ اراضیات کے تمام پٹوں کا اندراج کیا جاتا تھا۔ ابتدا میں ۱۶ سے ۱۸ بالشت تک لمبی سلاخیں پیمائش کے کام میں لائی جاتی تھیں، لیکن بعد میں کلوت تنگ اول کے نشان قدم کو معیاری پیمانہ قرار دے دیا گیا۔

ذرائع آمدنی (آیم)[2]

سرکار کی آمدنی کا خاص ذریعہ لگان تھا جو عام طور پر پیداوار کا چھٹا حصہ ہوتا تھا۔ قسم زمین اور آبپاشی کی سہولتوں کو مدنظر رکھ کر اس شرح میں بشرطِ ضرورت کبھی کبھی ردوبدل بھی کر دیا جاتا تھا[3] بعض اوقات جب سیلاب آتے یا قحط سالی ہوتی تو لگان معاف بھی کر دیا جاتا تھا۔ سرکار کی مطالبات گرام سبھا وصول کرتی تھی جو نقد کی صورت میں بھی ادا کیے جا سکتے تھے اور جنس کی صورت میں بھی۔ وزن کی اکائی کو اس وقت کلم (لگ بھگ تین من) کہتے تھے اور رائج الوقت سکہ کشنو کہلاتا تھا۔ ایک کتبہ میں حسب ذیل محصولوں کا ذکر آتا ہے۔ کرگھوں پر (تری ایری) کولھوؤں پر (تیک کیری)، تجارت پر (سیٹی مرئی)، سناروں پر (تتار پاٹم)، مویشیوں تالابوں اور دریاؤں پر (اُو لک کنیر پاٹم)، نمک پر (اُپّایم)، چنگی (وِلّی آیم)، باٹوں پر

---

[1] نیز دیکھیے داچولاز، جلد دوسری، حصہ اول، باب اٹھارہ

[2] ملاحظہ ہو داچولاز، جلد دوسری، حصہ اول، باب انیس

[3] ریاست کی آمدنی بڑھانے کے لیے جنگلوں کو کاٹا گیا اور بنجر زمینوں میں کاشت کا انتظام کیا گیا۔

(راڈے ڈریوی)، بازاروں پر (انگاڈی پاٹم)۔ ان کے علاوہ بھی کچھ محصول ہوتے تھے جن کا مطلب صاف نہیں ہے[1] اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ سرکار نے اپنا خزانہ بھرنے کے لیے قیاس میں آنے والے تمام ذرائع کو اچھی طرح کھنگال لیا تھا۔

خرچ

خرچ کی خاص خاص مدات یہ تھیں — خاندان شاہی اور محلسرائے کا خرچ، فوجی اور غیر فوجی نظم و نسق پر اخراجات، شہر آباد کرنے کا خرچ (مثال کے طور پر گنگئی کونڈ چول پورم)، مندر، سڑکیں، آبپاشی کی نالیاں، اور دوسرے رفاہ عام کے کاموں پر اخراجات۔

فوج اور جہازی بیڑا

چول حکمرانوں کے پاس ایک اعلیٰ تربیت یافتہ لشکر اور ایک مضبوط جہازی بیڑا رہتا تھا، جن کے باعث راجراج اول اور راجیندر اول کو اپنی پڑوسی طاقتوں کے مقابلے میں اور دور سمندر پار بحرِ ہند اور جزیرہ نمائے ملایا میں شاندار فتوحات نصیب ہوئیں۔ چول فوج کئی حصوں میں منقسم تھی۔ یہ تقسیم ہتھیاروں کے اعتبار سے بھی ہوتی تھی اور سواروں اور پیادوں کے لحاظ سے بھی۔ اس طرح اس کے حسب ذیل حصے تھے — ایک منتخب تیراندازوں کا دستہ (وِلی گُز)۔ دوسرے، باڈی گارڈ کے پیدل سپاہی (وَل پیرّ کیکّ کولر)۔ تیسرے، داہنے بازو کی پیدل فوج (ولنگئے کے وِلے لے کامہن)، چوتھے، منتخب سوار (کُدِری مَرَیّ چیوگر)، پانچویں، ہاتھیوں کا دستہ (آنئے یاٹ کلئے، کنجر مَلّر)، وغیرہ۔ فوج مختلف چھاؤنیوں میں تیار رہتی تھی جو کڈگم کہلاتی تھیں وہاں رہ کر فوج بڑے سخت نظم و ضبط کی پابندی کرتی تھی اور تربیت حاصل کرتی تھی۔ بعض سپہ سالار برہمن ہوتے تھے جو برھما دھراج کہلاتے تھے۔

چول خاندان بحیثیت معمار: (۱) آبپاشی کے کام

پلّووں کی طرح چولوں نے بھی آبپاشی کے بڑے بڑے منصوبے بنائے۔ کنوئیں اور تالاب

---

[1] ملاحظہ ہو ڈاکٹر ایس کرشن سوامی آینگر، اینشینٹ انڈیا، ص۱۸۸

بنوانے کے علاوہ انھوں نے کاویری اور دوسرے دریاؤں پر پتھر کے بڑے مضبوط ڈام تیار کروائے۱؎ اور وسیع علاقوں میں آبپاشی کے لیے نالیاں بنوائیں۔ ایک عظیم الشان کارنامہ جو راجیندر اول کے عہد سے تعلق رکھتا ہے یہ ہے کہ اس نے اپنی نئی راجدھانی گنگئی کونڈ چول پُرم کے قریب ایک مصنوعی جھیل کھدوائی جسے دریائے کولے رُن اور وِتّر کے پانی سے بھرنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ یہ بند ۱۶ میل لمبا تھا اور اس میں پانی کو نکالنے اور روکنے کے لیے پھاٹک اور نالیاں بھی رکھی گئی تھیں اس طرح ہم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ ذخیرۂ آب غریب کسانوں کے لیے کس قدر مفید ثابت ہوا ہوگا۔

(۲) سڑکیں

چولوں نے "لمبی چوڑی سڑکیں" بھی تعمیر کرائیں جنھوں نے تجارت میں آسانیاں اور رسل و رسائل میں سہولتیں پیدا کر دیں۔ ان سڑکوں نے فوجی مہموں کے دوران چول لشکروں کے نقل و حرکت میں ضرور مدد پہنچائی ہوگی۔ اہم سڑکوں پر مقررہ فاصلوں پر چھاؤنیاں قائم کیں اور کشتیوں کے ذریعہ دریا پار کرنے کا انتظام رہتا تھا۔

(۳) شہر اور مندر

چولوں نے شہر تعمیر کروائے اور عالی شان محلسراؤں اور مندروں سے ان کی رونق کو دوبالا کیا۔ اس عہد میں مندر شہری اور دیہی زندگی کے مرکزی حیثیت رکھتے تھے۔ مندروں میں لوگ مقدس کتابیں سنتے اور روحانی تسکین حاصل کرتے تھے۔ اس کے علاوہ مندر مدرسوں کا بھی کام دیتے تھے جہاں ویدوں، پُرانوں، رزمیہ نظموں، دھرم شاستروں، ہیئت، قواعد اور دوسرے علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ راجا، مہاراجا اور امرا وہاں مذہبی رسوم ادا کرتے تھے اور اپا ہجوں اور حاجت مندوں کو انعام و اکرام دیتے تھے۔ تیوہاروں اور رنگ رلیوں کے موقعوں پر ان مندروں میں ناٹک کھیلے جاتے تھے اور لوگ رقص اور موسیقی سے لطف اندوز ہوتے تھے۔

۱؎ اس طرح نری ٹی واٹس ٹرے کے کہتے ہیں (۱۹۲۵ کا ۱۱۰) حوالہ آتا ہے کہ پرکیسری کری کال چول نے کاویری کے کناروں کو اونچا کروایا۔

ان کا فن

چول مندروں کی خصوصیات ان کے عظیم الشان وِمان یا مینار اور وسیع و عریض صحن ہیں۔ بعد کی دراوڑی عمارتوں میں گوپورم یا پھاٹکوں پر منبت کاری نے میناروں کو پست کر دیا ہے۔ یہ پھاٹک چاروں طرف میلوں دور تک تمام منظر پر چھائے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ تنجور کا عظیم الشان شیو مندر راجراج اول نے بنوایا تھا اور اسی کے نام پر وہ راج راجیشور کہلاتا ہے۔ اس کا وِمان یا مینار تقریباً ۱۹۰ فٹ اونچا ہے اور ۸۲ مربع فٹ کی کرسی پر تیرہ سلسلہ وار منزلوں میں اہرامی انداز میں اوپر بلند ہوتا ہے۔ اس کا تاج ایک خاص قسم کے پتھر سے سالم ٹکڑے سے تراشا گیا ہے جس کی اونچائی ۲۵ فٹ اور وزن ۸۰ ٹن ہے۔ اسے وہاں پہنچانے اور نصب کرنے میں کس قدر محنتِ شاقہ برداشت کرنی پڑی ہوگی اور وہ انجینئر کتنے ماہر اور قابل ہوں گے! تنجور کا دوسرا خوب صورت مندر جو شان میں ذرا کم ہے، تقریباً دسویں یا گیارھویں صدی عیسوی کی یادگار ہے۔ اُسے سُبْرَمَنْیَہ دیوتا کے اعزاز میں تعمیر کرایا گیا تھا۔ اسی طرح راجراج اول کے بہادر بیٹے اور وارث راجیندر اول نے اپنی نئی راجدھانی گنگئی کونڈ چول پُرَم (ضلع ترچناپلی) میں ایک شان دار مندر تعمیر کرایا۔ اس کی غیر معمولی جسامت، ٹھوس پتھر کا بھاری بھرکم لنگم اور نازک منبت کاری نہایت دیدہ زیب ہے۔ چول راجاؤں نے ڈھلائی کے فن کی بھی ہمت افزائی کی۔ ان کے عہد میں فن کاروں نے دھات، اور پتھر کے بہت خوب صورت مجسمے تعمیر کیے جن میں حیرت انگیز طور پر زندگی، وجاہت اور وقار پایا جاتا ہے۔ اس مقام پر مناسب ہے کہ تنجور اور کالَہستی کے چول مندروں کا ذکر کیا جائے جن میں شاہی خاندان کے افراد مثلاً راجراج اول اور اس کی رانی لوک مہادیوی اور راجیندر اول اور اس کی رانی چول مہادیوی کے خوب صورت اور دیدہ زیب مجسمے اور شبیہیں موجود ہیں۔

مذہب

جیسا کہ ہم نے گذشتہ صفحات میں دیکھا، چول حکمراں شیو کے پجاری تھے[1]، لیکن وہ دوسرے

---

[1] راجراج اول اور راجیندر اول کے کتبوں میں اپشان، شیو اور شروتری کے جو نام آتے ہیں وہ پانڈیہ دربار کے شمالی ہند والے شیومت سے تعلق کا بہترین ثبوت ہے جیسا کہ پروفیسر نیل کنٹھ شاستری نے ظاہر کیا ہے (دا چولاس، جلد دوسری، حصہ اول، صفحہ ۲۲۱)

رائج الوقت عقائد کے ساتھ بھی کوئی تعصب نہیں رکھتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ راجراج اول خود شیومت کا گرم جوش معتقد تھا، لیکن اس نے وشنو کے مندروں کو بھی جاگیریں دیں اور نیگ پٹم میں بدھ وہاروں کو بھی عطیات سے نوازا[1] جینیوں نے بھی امن وآشتی کے ساتھ اپنی تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ البتہ کلوتنگ اول کے متعلق یہ ضرور ہے کہ اس نے شیومت کو مانتے ہوئے ایک بدھ وہار کو تو ایک گاؤں جاگیر میں دیا لیکن اس کے برخلاف وہ مشہور و معروف ویشنو مصلح راماننج کا مخالف ہو گیا۔ چناں چہ راماننج کو سری رنگم چھوڑ کر کچھ عرصے کے لیے ہوائے سل ریاست میں میسور جا کر رہنا پڑا۔ وکرم چول نے بعد میں جب اپنے باپ کی پالیسی کو بدلا تو وہ پھر چول ریاست میں لوٹ آئے۔ اس قسم کی ایذا رسانی کی مثالیں بہرحال بہت شاذ تھیں، اور عام طور پر ویشنو "الور" اور شیو نینمار اپنے اپنے عقائد کا پرچار کرنے میں آزاد تھے۔ علاوہ بریں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ چول راجاؤں کے یہاں ویدی قربانیوں کے حوالے (سوائے سنگم عہد کی نظموں کے) بہت کم ملتے ہیں۔ راجادھراج کی دستاویزات میں بے شک آشومیدھ کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ شاید اس عہد میں یگیہ (قربانی) کے مقابلے میں دان (تحفہ، نذر) پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ برہمنوں کو لوگ انعام واکرام دیتے تھے اور مندروں کو جاگیریں۔

فصل (۴)

مدورا کا پانڈیہ خاندان[2]

اصل

یہ ایک زچ کر دینے والا مسئلہ ہے کہ پانڈیہ کون تھے اور ان کے نام کی وجہ تسمیہ ٹھیک ٹھیک آخر کیا ہے؟ بدقسمتی سے روایات میں تضاد پایا جاتا ہے۔ بعض عالموں کی رائے میں پانڈیہ دیومالا والے کورکئی کے تین بھائیوں کی اولاد تھے جنھوں نے علی الترتیب پانڈیہ، چول اور چیر ریاستوں کی بنیاد رکھی تھی۔ دوسری روایات ان کا تعلق شمال کے پانڈوؤں یا چندر ونشی

---

[1] ملاحظہ ہو بیلن کا فرمان

[2] ملاحظہ ہو پروفیسر نیل کانت شاستری، دا پانڈین کنگ ڈم (لندن ۱۹۲۹ء) یہ کتاب میرے لیے بہت کارآمد ثابت ہوئی۔ پانڈیہ راجاؤں کی تاریخوں کے لیے ملاحظہ ہو ایپی گرافیہ انڈیکا، ساتواں، صفحہ ۱، صفحہ ۱۸؛ آٹھواں صفحہ ۱۴۴، صفحہ ۲۴۳؛ نواں صفحہ ۲۲۲، صفحہ ۲۴۹

سے ظاہر کرتی ہیں۔ کیا ان بظاہر متضاد کہانیوں کا مطلب یہ ہے کہ حالاں کہ پانڈیہ نسلاً دراوڑ تھے لیکن رزمیہ نظموں کے ویروں سے ان کا تعلق اس وقت پیدا کر دیا گیا جب آریوں نے جنوبی ہند میں بود و باش اختیار کر لی اور وہاں اپنے مذہب اور رسم و رواج کی توسیع و اشاعت کی ؟

پانڈیہ دیش

پانڈیہ خاندان جزیرہ نمائے ہند کے آخری سرے پر ساحل مشرق کے متوازی حکومت کرتا تھا۔ ان کی ریاست کی وسعت راجہ کے کمزور یا طاقت ور ہونے پر منحصر تھی اور گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ بہرحال پانڈیہ دیس معمولاً موجودہ مدورا، رَم نَد، اور ٹنیولی کے اضلاع پر مشتمل تھا۔ مدھورا (مدورا) یعنی "جنوب کا متھورا"، ان کی راجدھانی تھی؛ اور دریائے تامر پرنی کے دہانے پر کورکئے (ضلع ٹنیولی)، عہد قدیم میں ان کا خاص تجارتی بندرگاہ تھا۔ بعد ازاں ساحل کی بناوٹ میں رفتہ رفتہ تبدیلی واقع ہوئی تو اس کی اہمیت کم ہوگئی اور دریا سے چند میل کے فاصلے پر کیل واقع تھا جو تجارتی منڈی بن گیا۔

ابتدائی جھلکیاں

پانڈیہ ریاست بہت قدیم تھی۔ کاتیائن (تقریباً چوتھی صدی ق.م.) نے اپنی پانینی کی اَشٹا دِھیائی کی شرح میں غالباً اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور والمیکی کی رامائن میں پانڈیہ راجدھانی کی دولت کا ذکر آیا ہے۔ مہاونشَ کے ایک جملے سے بیان میں کہا گیا ہے کہ لنکا کے وِجَے نام کے راجہ نے بُدھ کے پری نِروان کے بعد ایک پانڈیہ راج کماری سے شادی کی۔ اس کے بعد کوٹلیہ کے اَرتھ شاستر میں ایک خاص قسم کے موتی کا ذکر آیا ہے جو پانڈیہ کاٹک کہلاتا تھا۔ یہ موتی پانڈیہ دیس کے ایک پہاڑ پانڈیہ کاوٹ پر دستیاب ہوتا تھا۔ میگستھنیز نے عجیب و غریب معلومات بہم پہنچائی ہے، یعنی یہ کہ پانڈیہ قوم پر عورتیں حکومت کرتی تھیں[1]، اور یہ کہ چھ سال کی عمر میں ان کے بچہ پیدا ہو جاتا تھا[2]۔ وہ مزید بیان کرتا ہے کہ ہیراکلیز کے صرف ایک لڑکی تھی جس کا نام پانڈیہ تھا وہ جس دیس میں پیدا ہوئی تھی اور جس کی حکومت اس نے (ہیراکلیز نے) اسے سونپ دی تھی وہ اسی کے نام پر پانڈیہ کہلاتا تھا۔ اسے اپنے باپ سے

---

[1] میک کرنڈل، اینشینٹ انڈیا ایز ڈسکرائبڈ بائی میگستھنیز اینڈ ایرین (۱۹۲۶)، جزو ۵۶ (ب)، صفحہ ۱۶۱

[2] ایضاً جزو ۱۵، ص ۱۱۱۔ یہ سب خرافات ہے۔

۵۰۰ ہاتھی، ۴۰۰۰ سوار اور ۲۰۰۰ پیادوں کا لشکر جرار ورثہ میں ملا تھا[1]۔ میگستھینز کی شہادت کی جو کچھ بھی اہمیت ہو، یہ بات یقینی ہے کہ اشوک کے دوسرے اور تیسرے چٹانی فرمان میں پانڈیوں کو اس کی سلطنت کی جنوبی سرحدوں کی ایک آزاد قوم بتایا گیا ہے۔ وقت کے دھارے کے ساتھ جب ہم آگے بڑھتے ہیں تو ہاتھی گمپھا کے کتبے میں ہمیں دکھائی دیتا ہے (سطر-۱۳) کہ کلنگ کے کھارویل نے پانڈیہ راجہ کو نیچا دکھایا اور اس سے "گھوڑے، ہاتھی، ہیرے، جواہرات اور رنگ برنگے موتی" حاصل کیے۔ پانڈیہ راجہ کا ایک حوالہ اسٹرابو کی تحریروں میں ملتا ہے[2]۔ وہ کہتا ہے کہ راجہ پانڈیون نے ایک سفارت روم کے شہنشاہِ اعظم، آگسٹس سیزر کے دربار میں تقریباً ۲۰ ق م میں بھیجی تھی۔ اس کے بعد پیری پلس اور ٹالمی کے جغرافیہ میں ہم پانڈوئی اور اس کی راجدھانی مودورا (مدورا) اور دوسرے شہروں اور تجارتی مرکزوں کا حال سنتے ہیں۔

تاریک صدیاں

پانڈیوں کی تاریخ کا مواد تقریباً ساتویں صدی کے اوائل تک، انتہائی نامکمل و ناقص ہے سنگم تصانیف — پتّو پاٹّو، کارکم، منی میکھلئی اور دوسرے شعری مجموعے — جنھیں معقول وجوہ سے "عیسوی سن کی ابتدائی صدیوں سے منسوب کیا گیا ہے"، ہمیں واقعتاً راجاؤں کے چند نام ضرور بہم پہنچاتی ہیں، لیکن ان کی سلسلہ وار تاریخ اور ان کے کارناموں پر کوئی روشنی نہیں ڈالتیں انھوں نے اس عہد کی مذہبی اور سماجی زندگی سے سروکار رکھا ہے اور بس۔ ان میں سے ایک حکمراں نیڈُن جیلین نے معلوم ہوتا ہے، تلئے یا لنگانم (تنجور کے ضلع میں موجودہ تلئے آلم کاڈو) کے مقام پر اپنے خوف ناک دشمنوں کی متحدہ افواج کو شکست دے کر پانڈیوں کے وقار کو دوبالا کر دیا۔ سنگم عہد کے بعد کم و بیش اگلی تین صدیاں کلیتاً تاریکی کے غلاف میں لپٹی ہوئی ہیں قیاس ہے کہ شروع میں پلووؤں کے عروج کی وجہ سے پانڈیوں کی اہمیت کم ہو گئی اور بعد میں یعنی چھٹی صدی عیسوی میں ان کے ملک پر کلبھروں نے قبضہ کر لیا[3]۔ حملہ آوروں کو بہر حال مغلوب

---

[1] ایضاً ایرین، ۸۰، ص۲۰۱
[2] کتاب ۱۵، باب ۴، ص۴
[3] دا پانڈین کنگ ڈم، ص۴۴، ص۱۴، حاشیہ-۱

کر دیا گیا، اور چھٹی صدی عیسوی کے اواخر یا ساتویں صدی عیسوی کے اوائل میں کڈُن گوُن نے پانڈیہ طاقت کو نئی زندگی بخش دی۔

ترقی کا دور

چناں چہ کڈُن گوُن نے ایک نئے دور کا آغاز کیا جسے "پانڈیہ سلطنت کے دورِ اول" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بد قسمتی سے کڈُن گوُن کے حالات ہمیں زیادہ نہیں معلوم۔ البتہ اس کا ثبوت ہمارے پاس ہے کہ اس نے یا اس کے بیٹے مارَ ورمن اَوَنی شولا مَنی نے سنگھو وشنو سے ٹکر لی جو اس وقت پلّو عظمت کی بنیاد رکھ رہا تھا۔ اگلا قابلِ ذکر پانڈیہ راجہ اَرِی کیشری مارُورمن (تقریباً ساتویں صدی عیسوی کا وسط) تھا جسے نیڈو مَرَن یا روایتی کُن پانڈیہ کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔ ابتدا میں وہ جین تھا، لیکن بعد میں سنت تِرُ گیان سمبندر کے زیرِ اثر شیومت کا پُرجوش حامی بن گیا۔ اَرِی کیشری مارُورمن اور اس کے جانشینوں —— کوچ ڈین رندھیر (تقریباً ساتویں صدی کے اواخر یا آٹھویں صدی عیسوی کے اوائل)، مارورمن راج سنگھ اول، اور نیڈنج ڈین ورگُن اول (تقریباً ۷۶۵ - ۸۱۵ء) —— کے عہد میں چولوں، کیرلوں اور دوسری پڑوسی ریاستوں میں تخفیف ہوتی رہی اور پانڈیہ ریاست کی چاروں طرف توسیع ہوئی۔ آخری دو کو نندی ورمن پلّومل کے مقابلے میں تھوڑی بہت کامیابی بھی ہوئی۔ مزید برآں نیڈنج ڈین کے باپ نے کونگو دیش (موجودہ کوئمبتور اور سالم کے اضلاع) کو فتح کر لیا تھا۔ نیڈنج ڈین نے اس فتح کو مکمل کیا اور وناڈ (جنوبی ٹراونکور) کو اپنی ریاست میں شامل کر لیا۔ اس کے بیٹے اور جانشین شری مار شری ولبھ (تقریباً ۸۱۵ - ۸۶۲ء) نے لنکا کے راجہ[1] نیز پلّووں، گنگوں اور چولوں کی متحدہ افواج کو کُڈ مکو (کُم بکونم) کے مقام پر شکست دے کر امتیاز حاصل کیا۔ پلّووں کے ساتھ کشمکش کا سلسلہ بہرحال اَپرا جیت ورمن کے وقت تک جاری رہا۔ اپراجیت ورمن نے گنگ سردار پرتھوی پتی اول اور شاید ادتیہ اول چول کی مدد سے پانڈیہ حکمراں ورگُن ورمن یا ورگُن دوم کے خلاف لگ بھگ ۸۸۰ء میں کُم بکونم کے قریب شری پُرم بیم (تِرُ پُرم بیم) کی جنگ میں فیصلہ کن فتح حاصل کی۔ اس زبردست جھٹکے کے علاوہ پانڈیہ راجہ کو چولوں کے عروج کے باعث جنوب میں ایک اور اہم سیاسی صورتِ حال کا مقابلہ کرنا پڑا۔ کہتے ہیں کہ مارُورمن

---

[1] اس کے برخلاف لنکا والے اپنے شواہد کی بنیاد پر اس کے برعکس دعوے پیش کرتے ہیں۔

راج سنگھ دوم نے لنکا کے راجہ سے اتحاد قائم کرکے چولوں کو کچلنے کے لیے پرانتک اول (تقریباً ۹۰۷-۹۵۳ء) پر حملہ کر دیا۔ لیکن اسے شکستِ فاش ہوئی اور کافی نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کے بعد فاتح نے پانڈیہ علاقوں پر قبضہ کر لیا اور اس فتح کی یادگار قائم کرنے کے لیے "مدورے کونڈ" کا لقب اختیار کر لیا۔ مار ورمن راج سنگھ دوم لنکا کی طرف بھاگ گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے اپنی کھوئی ہوئی طاقت پھر حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن اس کی تمام کوششیں بہرحال رائیگاں گئیں۔

چولوں کی سرداری

اس طرح پانڈیہ ریاست کی آزادی ختم ہوگئی اور اس پر ۹۲۰ء سے کر تیرھویں صدی کی شروعات تک چول خاندان کا راج رہا۔ یہ واقعہ ہے کہ چول خاندان بالکل نابود نہیں ہوگیا بلکہ وقتاً فوقتاً حکراں خاندان کے نوجوانوں نے چول راج کا جوا اتار پھینکنے کی کوششیں کیں۔ تکولم کی جنگ (۹۴۹ء) نے جس میں کرشن سوم راشٹرکوٹ نے چولوں کی بنیادیں ہلا دیں، اس قسم کا پہلا موقع فراہم کر دیا۔ لیکن ویر پانڈیہ کی اس بغاوت کو فرو کر دیا گیا۔ باغی راج کمار کو گرفتار کر لیا گیا اور بعد میں قتل کر دیا گیا۔ اسی طرح راجراج اول (تقریباً ۹۸۵-۱۰۱۴ء) کو امر بھجنگ کی مخالفت پر قابو پانا اور پانڈیہ دیس کو از سرِنو تسخیر کرنا پڑا۔ بہرحال گڑبڑ پھر شروع ہو گئی۔ چناں چہ راجیندر اول (تقریباً ۱۰۱۴-۱۰۴۴ء) نے اپنے بیٹے جٹا ورمن سندر کو "چول پانڈیہ" کا لقب دے کر وہاں کا وائسرائے مقرر کر دیا گیا۔ اس طرح پانڈیہ علاقے چول سلطنت کا ایک صوبہ بن گئے۔ لیکن اس براہِ راست اقتدار کے باوجود، پانڈیوں نے چیروں اور سنگھالیوں کو ساتھ ملا کر علمِ بغاوت پھر بلند کر دیا۔ اسے فرو کرنے میں چول حکمرانوں کو کافی مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ واقعہ یہ ہے کہ راجادھراج دوم (تقریباً ۱۱۶۳-۱۱۷۸ء) کے وقت تک چولوں کی گرفت اس قدر ڈھیلی ہوگئی کہ لنکا کے راجہ نے پراکرم اور اس کے بیٹے ویر کی طرف داری کی، جب کہ تخت کے دوسرے دعوے دار کل شیکھر کو چول فرماں روا کی ہمدردی اور امداد حاصل تھی۔ قضیہ آخر کار چول فرماں روا کے امیدوار کے حق میں طے ہو گیا۔ لیکن اس سے یہ واضح ہوگیا کہ چول راجاؤں کی اب یہ حیثیت باقی نہیں رہی تھی کہ جنوبی ہند کے سیاسی معاملات میں وہ تنہا چودھری بنے رہیں۔ چول طاقت کی آخری جھلک اس وقت دکھائی دی جب کلوتنگ سوم (تقریباً ۱۱۷۸-۱۲۱۶ء) نے لنکا کے راجہ کو پسپا کیا اور کل شیکھر کے جانشین وکرم پانڈیہ کے تحفظ کے لیے مدورا پر قبضہ کر لیا۔ اس واقعہ کے بعد چول خاندان بالکل بے حقیقت ہوگیا اور پانڈیوں نے اپنی

اگلی شان و شوکت ایک بار پھر حاصل کر لی۔

تازہ خوش حالی

۱۱۹۰ء میں جٹاورمن کل شیکھر کی تخت نشینی پانڈیہ خاندان کی تاریخ میں ایک نیا موڑ ثابت ہوئی۔ اس کے بعد خاندان کی نئی زندگی کا آغاز ہوا، اور ایک صدی تک، یا اس سے کچھ زیادہ، جنوبی ہندوستان کے سیاسی منظر پر وہی چھایا رہا۔ اس عہد کے، جسے عام طور پر "پانڈیہ سلطنت کے دوسرے دور" سے تعبیر کیا جاتا ہے، مآخذ وافر ہیں۔ لیکن چوں کہ وہی نام بار بار آتے ہیں اور ایک وقت میں کئی راجہ ریاست کے مختلف حصوں میں حکومت کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اس لیے سلسلے وار تاریخ اور سلسلۂ نصب کے تعین میں دشواریاں لاحق ہو جاتی ہیں۔ حقیقتاً بعض غیر ملکی مصنفین نے تو یہ رائے ظاہر کی ہے کہ "مابار کے عظیم صوبہ" میں "پانچ صاحب تاج راجہ" پائے جاتے تھے۔ ان راجاؤں کی "مخلوط ولایت" کا نظریہ حقائق پر مبنی نہیں ہے کیوں کہ حق بات یہ ہے کہ وہ مقامی سردار تھے اور بعض علاقوں میں محض جاگیردار کی حیثیت سے حکومت کرتے تھے۔

جٹاورمن کل شیکھر کے جانشین، ماروورمن سندر پانڈیہ اول (تقریباً ۱۲۱۶ - ۱۲۳۸ء) کے عہد میں چول خاندان پھر گوشۂ گمنامی میں چلا گیا۔ اس نے ان کی ریاست کو تاخت و تاراج کیا اور تنجور اور اُرے یُر کے شہروں کو خوب لوٹا کھسوٹا اور نذر آتش کر دیا۔ چول راجہ راجراج سوم (تقریباً ۱۲۱۶ - ۱۲۵۲ء) پہلے تو بھاگ گیا لیکن بعد میں جب اس نے اطاعت قبول کر لی تو اسے گدی پر بحال کر دیا گیا۔ اس نے ایک بار پھر بغاوت کی، لیکن بغاوت کو فوراً فرو کر دیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ماروورمن سندر پانڈیہ اول نے راجراج سوم کے خلاف دونوں مرتبہ کوئی سخت اقدامات اس لیے نہیں کیے کہ نرسنگھ دوم ہوائے سل نے مداخلت کی تھی جسے ایک لوح میں "پانڈیہ راجہ کو گدی سے اتارنے اور چول راج قائم کرنے والا" کہا گیا ہے۔ نرسنگھ دوم کی یہ عملی مداخلت جس نے سری رنگم پر خود چڑھائی کی، بالکل فطری بات تھی، کیوں کہ پانڈیوں کو کسی قسم کی قوت پہنچانا خود ہوائے سلوں کے لیے خطرناک تھا۔ ماروورمن سندر پانڈیہ دوم (تقریباً ۱۲۳۸ - ۱۲۵۱ء) کے زمانے میں چولوں، پانڈیوں اور ہوائے سلوں کے درمیان تعلقات جیوں کے تیوں رہے۔ اگلا حکمراں جٹاورمن سندر پانڈیہ

(تقریباً ۱۲۵۱ء - ۱۲۷۲ء) بہر حال دم خم کا آدمی تھا اور اس نے پانڈیہ طاقت کو عروج کمال پر پہنچا دیا۔ اس نے بالآخر چولی اقتدار کو جنوب میں بالکل کچل دیا، کانچی پر قبضہ کر لیا اور چیرا دیس کونگو دیس اور لنکا کو زیر کر لیا۔ اس کے علاوہ اس نے ہوائے سلوں کے راجہ، ویر سومیشور کا تعاقب کیا اور کنو، ر کوپم کا قلعہ فتح کر لیا۔ اس نے وارنگل اور کوپر پنجنگ کے کاک تیہ گن پتی (تقریباً ۱۱۹۹ء - ۱۲۶۱ء) اور سیندمنگلم کے پلو سردار کو بھی شکست دی۔ چناں چہ ان فتوحات کا نتیجہ یہ نکلا کہ جٹا ورمن سندر پانڈیہ کی حکومت بہت تیزی کے ساتھ جنوبی ہند کے بیشتر حصے میں پھیل گئی اور شمال میں چدپا اور نیلور تک پہنچ گئی۔ اپنے اقتدار اعلیٰ کو جتانے کے لیے اس نے "مہاراجا دھراج شری پرمیشور" کا بلند آہنگ لقب اختیار کر لیا۔[1] جٹا ورمن ویر پانڈیہ نام کا ایک اور راجہ لڑائیوں میں اور انتظام حکومت میں، جٹا ورمن سندر پانڈیہ کا ایک طویل عرصے تک شریک کار رہا۔ کہتے ہیں کہ ماروَرمن کل شیکھر نے جٹا ورمن سندر پانڈیہ کی موت سے چند سال پیشتر یعنی ۱۲۶۸ء سے حکومت شروع کی۔ اسی طرح ماروَرمن کل شیکھر کے زمانے میں بھی ہم دوسرے راجاؤں کا نام سنتے ہیں۔ غیر ملکی مبصرین نے غلط طور پر یہ سمجھ لیا کہ وہ الگ الگ آزادانہ حکومت کر رہے تھے، لیکن جیسا کہ اوپر کہا گیا وہ غالباً مدورا کے مہاراجہ کے ماتحت جاگیردار کی حیثیت رکھتے تھے ماتحت حکمرانوں کا یہ وجود انتظام حکومت کی منفرد خصوصیت تھی۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ سلطنت میں غیر معمولی وسعت کے باعث پانڈیہ راجاؤں نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا۔ جٹا ورمن سندر پانڈیہ کی موت کے بعد جب ۱۲۷۱ء میں ماروَرمن کل شیکھر مہاراجہ ہو گیا تو اس نے جنگ میں کئی فتوحات حاصل کر لئے ناڈو (ٹراونکور دیس) اور لنکا میں حاصل کیں۔ اس نے بین گوندشول پرم میں ایک محل تعمیر کرایا۔ اس سے پوری طرح ثابت ہوتا ہے کہ چولی خاندان پوری طرح معدوم ہو گیا تھا۔ تیرھویں صدی کے اختتام کے قریب (۱۲۹۳ء)، وینس کا سیاح مارکو پولو جنوب پہنچا اس نے وہاں کے راجہ، اس کے دربار اور عوام کی زندگی کے بارے میں دل چسپ معلومات بہم پہنچائی ہے۔ اس نے یہاں کی بے شمار دولت، موتیوں اور اعلیٰ پیمانے پر قیمتی پتھروں اور دوسری پر تکلف اشیا کی تجارت کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کیا ہے۔ مارکو پولو کے بیشتر

---

[1] جٹا ورمن کے بارے میں کتبوں میں کہا گیا ہے کہ وہ یگیہ بہت کرتا تھا اور ان میں دان بہت دیتا تھا۔ اس نے چدمبرم اور سری رنگم کے مندروں کو جاگیریں دیں اور خوب آراستہ کیا۔

مشاہدات کی تصدیق مسلم مورّخ وصّاف کے بیانات سے ہوتی ہے۔ وصّاف کہتا ہے کہ "مابار کے حاکم کلیس دیور نے ۴۳ سال تک بڑے عیش کی زندگی بسر کی"۔ کلیس دیور، مارورمن کل شیکھر کے مماثل ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس کی عمر کے آخری ایام الیہ انداز میں گزرے۔ اس کے ناجائز بیٹے ویر پانڈیہ اور جائز وارث سُندر کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ یہ دونوں "مخلوط حکمراں" کی حیثیت سے باپ کے شریک کار تھے۔ ویر پانڈیہ ۱۲۹۶ء سے اور سُندر ۱۳۰۳ء سے۔ کہا جاتا ہے کہ مارورمن کل شیکھر کو قتل کر دیا گیا اور سُندر نے علاء الدین خلجی سے امداد طلب کی۔ حقیقت کچھ بھی ہو، یہ بات صاف ہے کہ سلطان کے بہادر سپہ سالار ملک کافور کے ہاتھ ایک سنہری موقع آ گیا اور اس نے ۱۳۱۰ء میں دلیری کے ساتھ مدورا پر چڑھائی کر دی۔ اسے خوب تاخت و تاراج کیا اور اس کی تمام دولت لوٹ لی۔ مسلمانوں کے حملے نے جنوبی ہند کی سیاسیات میں ایک نئی پیچیدگی پیدا کر دی، لیکن دونوں لڑنے والے بھائیوں کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ انھوں نے شکستہ حالی میں کچھ دن اور جیسے تیسے زندگی گزار دی۔ علاء الدین خلجی نے چند سال بعد پھر ایک لشکرِ جرار خسرو خاں کی سرکردگی میں بھیجا۔ اب جوگڑبڑ پھیلی اس سے چیر راجہ رَوِیُ ورمن کل شیکھر اور وارنگل کے کاکتیہ راجہ نے بھی اپنی طاقت بڑھانے کے لیے خوب خوب فائدہ اٹھایا۔ اس طرح، چاروں طرف کے حملوں سے پس کر، "دوسری پانڈیہ سلطنت" ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور بہت جلد قصّہ پارینہ بن گئی۔ پھر بھی پانڈیہ سلطنت کے راج کماروں کا نام کچھ عرصے بعد تک سننے میں آتا رہا۔ مدورا کے مسلم گورنر نے ۱۳۳۰ء کے قریب دہلی سے قطع تعلق کر لیا، لیکن اس کی خود مختاری بہر حال چند روزہ ثابت ہوئی اور نتیجہ میں وجے نگر کی ہندو ریاست نے جنوبی ہند پر قبضہ کر لیا۔

ضمیمہ

یوآن چوانگ کی شہادت

چینی زائر یوآن چوانگ نے جو اپنی انتھک یاترا کے دوران ۶۴۰ء میں جنوبی ہند پہنچا، "ٹولوکیہ چھ یائی کوٹ" کا حال بیان کیا ہے جسے پانڈیہ دیس کے مماثل ٹھہرایا گیا ہے۔ وہ لکھتا ہے — "یہاں کا موسم بہت گرم ہے، لوگ کالے رنگ کے ہیں اور مستقل مزاج اور تند خو ہیں۔ کچھ مذہب حقہ کے پیرو ہیں، باقی بد عقیدہ ہیں۔ علم و فن کے زیادہ قدر دان

نہیں ہیں بلکہ تجارت سے نفع کمانے میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ پرانی خانقاہوں کے بہت سے کھنڈر دکھائی دیتے ہیں، جن کی صرف دیواریں باقی رہ گئی ہیں۔ مذہب کو ماننے والوں کی تعداد یہاں بہت کم ہے۔ کئی سو کی تعداد میں یہاں دیو مندر ہیں اور بے شمار بدعقیدہ لوگ پائے جاتے ہیں جن میں اکثریت بز گرنتوں کی ہے[1]۔ اس طرح ہمیں ساتویں صدی عیسوی میں ملک کا، عوام کے کردار کا، ان کے مذہبی رجحانات کا حال معلوم ہوجاتا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس وقت برہمن مت کافی عروج پر تھا اور جینیوں کی تعداد بھی کافی تھی، لیکن بدھ مت کی مقبولیت میں کمی آگئی تھی۔

فصل (۵)

چیر خاندان

ان کی اصل اور ان کا علاقہ

چیر یا کیرل دراوڑ نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی ریاست جو جنوبی ہند کی روایتی تقسیم کا ایک جزو تھی، تخمیناً موجودہ مالابار اور تراونکور اور کوچین کی ریاستوں پر مشتمل تھی۔ بعض اوقات اس میں کانگو کا علاقہ، کوئمبٹور کا ضلع اور سالم کا جنوبی حصہ بھی شامل ہو جاتے تھے۔ چیر ریاست کے مغربی ساحل پر کئی قدرتی بندرگاہ واقع تھے، مثلاً مزیرس (موجودہ کرنگ نور) جو دریائے پیری یر کے دہانے پر واقع تھا۔ دوسرا ٹنڈیک کرے تھا جہاں سے عہد قدیم میں بہت بڑے پیمانے پر تجارت ہوتی تھی اور مسالے اور قیمتی اشیا بیرونی ممالک کو بھیجی جاتی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مزیرس میں کچھ ایسی کشش تھی کہ رومی سوداگر اور بیوپاری اتنی بڑی تعداد میں یہاں پہنچ گئے کہ انھوں نے آگسٹس کا ایک گرجا بھی یہاں تعمیر کرلیا۔ معلوم ہوتا ہے یہاں یہودیوں کی بھی ایک نوآبادی تھی۔ کتبوں سے پتہ چلتا ہے کہ چیر راجہ بھاسکر روی ورمن نے تقریباً دسویں صدی کے اوائل میں یہودیوں کے نام ایک فرمان جاری کیا۔

---

[1] بیل، بدھسٹ ریکارڈز آف دی ویسٹرن ورلڈ، جلد دوسری، ص۲۳۱

تاریخ

چیر خاندان کی تاریخ ہمیں زیادہ نہیں معلوم۔ سب سے پہلے ان کا ذکر اشوک کے دوسرے چٹانی فرمان میں آتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ کیرل پُت یا کیرل پُتر، چوڑوں (چولوں) اور پانڈیوں کی طرح جنوب کی ایک سرحدی طاقت تھے۔ چیروں کا دوسرا حتمی تاریخی حوالہ پیری پلس اور جغرافیہ داں ٹالمی کے یہاں ملتا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ان کی سیاسی تاریخ کے بارے میں ہماری معلومات بہت ناقص ہے یہاں تک کہ ہم سینگُٹ توُن کے عہد تک پہنچ جاتے ہیں جس کے حملوں کو تامل کی مشہور و معروف کلاسیکی تصنیف سِلپّاڈِکارَم نے زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ اس کا مصنف اس کا بھائی النگ وَدِی گل تھا جو بھکشو بن گیا تھا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ سینگُٹ توُن، نیڈُنجیلین پانڈیہ اور کری کال چول کے پوتے کا معاصر تھا۔ یہ ایک دوسرے کے ہم عصر ہوں یا نہ ہوں، اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ سینگُٹ توُن ایک طاقت ور حکمران تھا اور اس نے اپنے پڑوسیوں کے مقابلے میں کئی فتوحات حاصل کیں۔ یہ دعویٰ کہ وہ فتوحات کرتا ہوا ہمالیہ تک پہنچ گیا حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ اس کے جانشین کو چولوں اور پانڈیوں سے جنگ کرنی پڑی۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ انھوں نے اُسے گرفتار کر لیا لیکن نتیجہ میں وہ کسی نہ کسی طرح بچ کر نکل گیا۔ اس واقعے کے بعد چند سال کے لیے چیر خاندان ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور آٹھویں صدی کے شروع میں جب پردہ پھر اٹھتا ہے تو ہم چیر راجہ کو پلّو پر میشور ورمن سے مصروف جنگ دیکھتے ہیں۔ آٹھویں صدی کے اواخر میں چیر حکمرانوں کو پانڈیوں خاص کر مارورمن راج سنگھ اول اور نیڈُنجَ ڈَین وَرگُن اول (تقریباً ۷۶۵-۸۱۵ء) کے حملوں کا مقابلہ کرنا پڑا، جنھوں نے کونگودیش اور وِناڈ (جنوبی ٹراونکور) کو فتح کر لیا۔ چیروں کے تعلقات چولوں کے ساتھ بہرحال خوش گوار رہے۔ کہتے ہیں کہ پَرانتک اول (تقریباً ۹۰۷-۹۵۲ء) اور اس کے ہم نام نے چیر راجکماریوں سے شادیاں کیں۔ دسویں صدی کے آخر تک پہنچتے پہنچتے چیروں اور چولوں کے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو گئی۔ راجراج اول (تقریباً ۹۸۵-۱۰۱۴ء) نے چیر حکمراں کو زیر کر لیا اور کندلور کے مقام پر ان کے بیڑے کو تباہ کر دیا۔ راجیندر اول گنگئے کونڈ (تقریباً ۱۰۱۲-۱۰۴۴ء) نے چول اقتدار اعلیٰ از سر نو قائم کر لیا۔ واقعہ یہ ہے کہ چول حکمراں چیر دیس پر اس وقت تک حاوی رہے جب بارھویں صدی عیسوی میں ان کا خود زوال شروع ہو گیا اور پھر کیرل خود مختار

ہو گیا۔ تیرھویں صدی عیسوی میں پانڈیہ طاقت کے احیا کے بعد، خاص کر جٹاورمن سندر پانڈیہ کے عہد میں (تقریباً ۱۲۵۱ - ۱۲۷۲ء) چیر خاندان پھر محکوم بن گیا۔ لیکن جب ۱۳۱۰ء میں علاء الدین خلجی کے فاتح سپہ سالار ملک کافور نے مدورا کو تاخت و تاراج کیا، تو پانڈیہ حکومت بالکل مفلوج ہو گئی۔ روی ورمن کل شیکھر نے جو چیر گدی پر ۱۲۹۹ء میں بیٹھا تھا، فوراً اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور پانڈیوں اور نااہل چولوں کو نقصان پہنچا کر آزادی کے ساتھ اپنی طاقت بڑھالی۔ اس کی جارحانہ سرگرمیوں کو بہرحال کاکٹیہ راجہ رودر اول نے روکا۔ روی ورمن کل شیکھر کے جانشینوں میں کسی نے امتیاز حاصل نہ کیا؛ اور اس طرح چیر خاندان، طاقت کی حیثیت سے مورخ کی نظروں سے ہمیشہ کے لیے اوجھل ہو گیا اور اس کے بعد جنوبی ہندوستان میں شاذ و نادر ہی کبھی حاصل کر سکا۔

انیسواں باب

ہندوستان قرونِ وسطیٰ کے اوائل میں

فصل (۱)

شمالی ہندوستان کی سیاسی حالت

اگرچہ سن ۷۱۱ء میں نہ کسی حکومت کا قیام عمل میں آیا، نہ کسی حکومت کا زوال رونما ہوا پھر بھی ہندوستان کی تاریخ میں اسے سنگ میل سمجھا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس سن میں شیر دل محمد ابن قاسم کی سپہ سالاری میں سرزمین سندھ پر مسلمانوں کا نزول شروع ہوگیا جنھوں نے دیبل پر قبضہ کر لیا اور برہمن چچ خاندان کو تباہ و برباد کر دیا۔ حالاں کہ عربوں نے ہندوستان کی سرحدوں اور ساحلی علاقوں پر غارت گری کا سلسلہ ۱۵ھ مطابق ۶۳۶ء یعنی عہد خلافت عمرؓ ہی سے شروع کر دیا تھا، لیکن ۷۱۱ - ۷۱۲ء میں انھیں ہندوستان کے ایک گوشے 'یعنی سندھ' پاؤں ٹیکنے کا باقاعدہ سہارا مل گیا۔ عرب کے مسلمان اس وقت ہندوستان کے سیاسی افق پر بادل کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کی مانند نمودار ہوئے، لیکن تین صدی بعد محمود غزنوی کے ساتھ آنے والے افغان اور ترک گروہوں کی صورت میں یہ کالے بادل گاڑھے ہوگئے اور ہندوستان کے زرخیز میدانوں پر برس پڑے۔ کچھ عرصہ طوفانی آندھیاں بہت تند و تیز چلیں، پھر ان کا زور کم ہوگیا لیکن وہ اپنے پیچھے بڑی تباہ کاریاں چھوڑ گئیں۔ بارہویں صدی عیسوی کے آخری دہوں کے قریب ہندوستان کے آسمان سیاست پر بادل پھر چھا گئے؛ اندھیرا گمبھیر ہوگیا: اور شہاب الدین غوری کے حملے کے ساتھ جو سیلاب آیا اس نے تمام شمالی ہند کو غرقاب کر دیا۔ اس کا ریلا اس بلا کا شدید تھا کہ ۱۲۰۶ء تک جب قطب الدین باقاعدہ سلطانِ دہلی ہوگیا، شمالی ہند کی تمام ریاستیں برباد ی

کے عام بھنور میں پھنس چکی تھیں۔ لیکن جنوبی ہند ۱۰۰ سال سے کچھ زیادہ عرصے تک مسلمانوں کے حملوں کی زد سے بچا رہا۔ ملک کافور نے ۱۳۱۰ء میں جب مدورا پر چڑھائی کی، تو جنوبی ہند بھی اس کی لپیٹ میں آگیا۔ اس طرح مسلم حکومت جس نے سندھ میں معمولی ابتدا کی تھی، سرزمینِ ہند پر کم سے کم ۶۰۰ سال میں اپنے قدم جما سکی۔ بہرحال اس تمام عرصے میں مسلم حملہ آوروں کی گرج کی آواز تواتر کے ساتھ سننے میں نہیں آئی۔ عربوں کی فتحِ سندھ اور محمود غزنوی کی تباہ کاریوں کے درمیان ۳۰۰ سال کا طویل فصل رہا۔ اور آخرالذکر اور شہاب الدین غوری کے حملوں کے درمیان ۱۷۰ سال کا۔ لیکن شہاب الدین کی کامیابی کے بعد بھی جنوبی ہندوستان تقریباً ایک صدی تک اور محفوظ رہا۔ اس طرح حالاں کہ مسلم حملوں کی لہریں کافی طویل وقفوں کے ساتھ آئیں، پھر بھی ان کی توسیعِ سلطنت کا مسئلہ اس دور کی سب سے زیادہ دلچسپ خصوصیت ہے۔ سندھ اور مغربی ہندوستان میں آنے کے بعد، چاہے تجارت کے مقصد سے، چاہے فتوحات کے خیال سے مسلمان اول دن سے ہندوستان کے سیاسی ماحول میں ایک اہم عنصر بن گئے۔ وہ ایک ایسے مذہب کے پیرو تھے جو جہاد کی تلقین کرتا تھا اور توحید اور مساوات کے مسئلے میں کسی سمجھوتے کے لیے تیار نہیں تھا۔ یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ان عرب فاتحین کا ہندوستان کے ان دیسی لوگوں کے ساتھ کیا رویّہ رہا جو بہت سے دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے، بت پرستی کرتے تھے اور ذات پات کے بندھنوں میں گرفتار تھے۔ بقولِ البلاذری[1] سندھ کے عرب حکمرانوں نے شروع ہی سے رواداری کی دور اندیشانہ پالیسی پر عمل درآمد کیا۔ انھوں نے ہندوؤں کے بُت کو اسی طرح محفوظ و مستحکم رکھا، جس طرح "عیسائیوں کے گرجوں کو، یہودیوں کے معبدوں کو، اور مغوں کی قربان گاہوں کو"۔ یہی نہیں بلکہ بعض اوقات عرب حکمرانوں نے برہمنوں کو اپنے شکستہ مندروں کی ازسرِنو تعمیر کی اجازت بھی دی۔ اسی طرح ہندو حکمرانوں نے بھی، خاص طور سے مَنکِر کے بلہرا یعنی مانیہ کھیٹ کے راشٹر کوٹ راجہ نے مسلم تاجروں کو اپنے حفظ و امان میں رکھا[2] اور اپنے طریقے پر عبادت کی پوری آزادی دے دی۔ المسعودی کہتا ہے[3]: "سندھ اور ہند کے تمام بادشاہوں میں بلہرا سے زیادہ مسلمانوں

---

[1] کتاب فتوح البلدان، حصہ دوم، ص۲۲۱

[2] ایلیٹ، ہسٹری آف انڈیا، جلد اول، ص۳

[3] ایضاً، ص۲۴

کی کوئی عزت نہیں کرتا۔ اس کی سلطنت میں اسلام کا احترام کیا جاتا ہے اور مسلمان محفوظ ہیں۔"
اسی طرح الاصطخری[6] اور ابن حوقل[7] نے بعض شہروں میں جامع مسجدوں کے وجود کی تصدیق کی ہے جہاں اسلامی احکامات کھلم کھلا بجا لائے جاتے تھے۔ چناں چہ مسلم نوواردوں اور ہندوؤں کے درمیان ابتدائی روابط رواداری اور وسیع النظری کی بنیادوں پر قائم ہوئے۔ بدقسمتی سے آگے چل کر آئے دن کی جنگوں، اقتصادی تقاضوں اور کبھی کبھی ظاہر ہونے والے مذہبی تعصب اور جذبۂ بت شکنی نے ان خوش گوار تعلقات کو بہرحال بڑا شدید نقصان پہنچایا۔ اس کے بعد یہ ایک پیچیدہ مسئلہ بن گیا۔ لیکن یہ بحث کہ مسلمان حکمرانوں نے اس مسئلے کو حل کرنے میں کس حد تک دور اندیشی اور آزاد خیالی کا ثبوت دیا یہاں ہمارے احاطۂ تنقید سے باہر ہے۔

اس عہد کی اگلی اہم خصوصیت یہ ہے کہ کانیہ کبج (قنوج) کا اقتدار بدستور باقی رہا۔ قنوج کو ہم حقیقتاً اپنی اس دور کی تاریخ کا محور کہہ سکتے ہیں اس کی اہمیت سب سے پہلے چھٹی صدی عیسوی میں موکھاریوں کے زمانے میں بڑھی جنھوں نے پاٹلی پتر کے زوال کے بعد قنوج کو اپنا صدر مقام بنا دیا۔ ہرش کے عہد میں قنوج عہد کمال پر پہنچ گیا۔ اس نے اپنی سلطنت کو بڑھا کر مغرب میں مشرقی پنجاب تک اور مشرق میں بنگال اور اڑیسہ تک پہنچا دیا۔ ۶۴۷ء میں ہرش کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد ۷۵ سال تک قنوج کی تاریخ تاریکی میں رہی۔ ۷۲۵ء میں جب پردہ پھر اٹھا تو میدانِ سیاست میں ہمیں ایک اور اہم شخصیت دکھائی دی، یعنی یشوورمن، جسے گوڑ وَدھو میں "دگ وِجیئی" کہا گیا ہے۔ اس میں مبالغے کے بے حد بھی رعایت رکھی جائے یہ بات بہرانہج حقیقت پر مبنی معلوم ہوتی ہے کہ اس نے گوڑ اور مگدھ کے راجہ کے مقابلے میں کامیابی حاصل کی۔ اس کے جانشین کمزور ثابت ہوئے۔ آیدھوں نے بھی کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہیں کی۔ لیکن جب نویں صدی کے شروع میں منظرِ سیاست پر پرتی ہار نمودار ہوئے تو قنوج کی ہرش کے عہد والی عظمتوں کی یاد تازہ ہوگئی اور مہر بھوج اعظم اور مہیندر پال اول کے عہد میں پرتی ہار خاندان کی حکومت ایسے دور دراز علاقوں تک پھیل گئی جو ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر واقع تھے، مثلاً مشرقی پنجاب، گورکھپور کا علاقہ، مگدھ، شمالی بنگال، بندیلکھنڈ

---

[6] ایضاً، ص۴۸

[7] ایضاً، ص۳۴

اجین اور سوراشٹر۔ قنوج کے یہ پرتی ہار جو پہلے اجین کے پرتی ہار کہلاتے تھے، آٹھویں اور نویں صدی عیسوی میں عربوں کی دست درازیوں کے خلاف زبردست پشت پناہ ثابت ہوئے۔ پرتی ہار سلطنت کا شیرازہ بکھرنے کے بعد قنوج کی تاریخ میں طوائف الملوکی کا دور آیا جو محمود غزنوی کے تباہ کن حملوں سے شروع ہو کر گیارہویں صدی کے آخری دہوں، یعنی گاہڑوالوں کے عروج حاصل کرنے کے وقت تک جاری رہا۔ گاہڑوالوں نے قنوج کی کھوئی ہوئی عظمت پھر حاصل کرنے کی کوشش کی اور اپنی حکومت مگدھ اور اس کے ملحقہ علاقوں پر قائم کر لی لیکن ۵۹۰ھ مطابق ۱۱۹۴ء میں جب جے چندر کو شہاب الدین غوری کے ہاتھوں شکستِ فاش ہوئی تو قنوج کی رہی سہی شان و شوکت بھی خاک میں مل گئی۔

جو کچھ اوپر بیان کیا گیا، اس کا بہرحال یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ قنوج ہمارے اس زیرِ نظر عہد میں مسلسل و متواتر پرامن و پرسکون رہا۔ وقتاً فوقتاً طبلِ جنگ کی آواز کانوں میں آتی رہی اور اقتدارِ اعلیٰ اور فوجی شہرت حاصل کرنے والی حریص نگاہیں مَہوُدِیہ شری پر بار بار اٹھیں۔ پہلے کشمیر کے فرماں رواؤں نے اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ کہتے ہیں کہ یشوورمن کو للتادتیہ مکتا پیڈ کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانی پڑی (تقریباً ۷۲۴ - ۷۶۰ء)، اور وجرایدھ کو یا اندرایدھ کو جیاپیڈ ونیادتیہ کا لوہا ماننا پڑا (تقریباً ۷۷۹ - ۸۱۰ء)۔ اس کے بعد دھرو دراشٹرکوٹ اور گوڑ کے راجہ دھرم پال کے حملے شروع ہو گئے۔ (تقریباً ۷۷۹ - ۷۹۴ء) راجہ دھرم پال نے اندرایدھ کو گدی سے اتار دیا، اور معاصر ریاستوں مثلاً بھوج، متسیہ، مدر، کرو، یدو، اونتی، گندھار اور کیر کے راجاؤں کے مشورے سے اس کی جگہ چکرایدھ کو گدی پر بٹھا دیا۔ ان سب کی خواہش تھی کہ شمالی ہندوستان کی سب سے اہم ریاست کے معاملات میں یک گونہ یکسوئی پیدا ہو جائے لیکن دھرم پال کی خواہش تھی کہ قنوج پر اقتدارِ اعلیٰ اس کا رہے اس لیے گووند سوم راشٹرکوٹ سے اس کی جنگ چھڑ گئی (تقریباً ۷۹۴ - ۸۱۴ء) گووند سوم نے اس پر فتح پائی اور اس کے آدرد و چکرایدھ پر فتح پائی۔ جب گووند سوم اس اندرونی الجھن میں گرفتار ہو گیا تو ناگ بھٹ دوم

۱۔ ایپی گرافیہ انڈیکا، چوتھا، ص ۲۴۸، ص ۲۵۲

۲۔ انڈین اینٹی کوئریز، پندرھواں، ص ۱۰۵، ص ۳۰۷

۳۔ ایپی گرافیہ انڈیکا، اٹھارہ، ص ۲۴۵، ص ۲۵۰

راشٹرکوٹ نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور یکایک کانیہ کبج پر ٹوٹ پڑا؛ اور چکرآیدھ سے بڑی دلیری کے ساتھ اُسے چھین لیا[1]۔ بہرحال، فاتح مگدھ اور گوڑ کے دھرم پال سے شمشیر آزمائی بغیر اپنے نئے مقبوضات کو محفوظ نہیں رکھ سکتا تھا۔ چناں چہ ناگ بھٹ دوم نے مُدگری (مونگیر[2]) کے مقام پر دھرم پال کا مقابلہ کیا۔ بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں دھرم پال بھاگ گیا[3]۔ یہ تھیں وہ ڈرامائی تبدیلیاں جو قنوج کی تاریخ میں رونما ہوئیں جسے اب سلطنت کے صدر مقام کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا تھا۔ اس طرح آٹھویں صدی کے بیشتر حصے میں اور نویں صدی کے شروع میں قنوج بلاشبہ تمام سورماؤں اور حوصلہ مند راجاؤں کا مرجع نظر بن گیا۔ ان کی ہوس پرستی کا انجام یہ ہوا کہ ریاست کو بار بار تاخت و تاراج کیا گیا۔ اس لوٹ کھسوٹ سے عام لوگوں کو شدید مصائب برداشت کرنے پڑے۔ لیکن قنوج نے مشہور خیالی پرند ققنس[4] کی طرح اپنی چتا کی راکھ پر ہی ایک بار نیا جنم لیا۔ حالاں کہ پرتی ہاروں کی فتح قنوج کے بعد وہاں ایک مضبوط حکومت قائم ہوگئی تھی، اور ریاست شہنشاہیت کی شاہراہ پر چل نکلی تھی، لیکن گوڑ اور دکن سے خوں ریز لڑائیوں کا سلسلہ بھی تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد متواتر جاری رہا۔ درحقیقت کانیہ کبج کے راجاؤں، بنگال کے پالوں، اور دکن کے راشٹرکوٹوں کی سہ طرفہ لڑائی اس عہد کی سب سے نمایاں خصوصیت ہے۔ یہ خوں آشام جنگ نسلاً بعد نسلٍ چلتی رہی۔ چنانچہ ہمارے علم میں یہ بھی آتا ہے کہ راشٹرکوٹ حکمرانوں نے شمالی ہندوستان پر حملہ کیا۔ ان حکمرانوں کے نام یہ ہیں — دھرو دُھرو دُرِیم (تقریباً ۷۷۹ - ۷۹۴ء)، گووند سوم (تقریباً ۷۹۴ - ۸۱۴ء)، کرشن دوم (تقریباً ۸۷۸ - ۹۱۵ء)، اندر سوم (تقریباً ۹۱۵ - ۹۱۸ء)، اور کرشن سوم (تقریباً ۹۴۰ - ۹۶۸ء) اسی طرح ہر عظیم پرتی ہار فرماں روا مثلاً — ناگ بھٹ دوم (تقریباً ۸۰۵ - ۸۳۳ء)، مہر بھوج (تقریباً ۸۳۶ - ۸۸۵ء)، مہیندر پال اول (تقریباً ۸۸۵ - ۹۱۰ء)، اور مہی پال

[1] ایضاً، ص۱۰۲، ص۱۱۲، اشلوک ۹

[2] ہسٹری آف قنوج ص۲۳۳

[3] ایپی گرافیہ انڈیکا، چوتھا، ص۲۴۸، ص۲۵۴، اشلوک ۱۰

[4] ایک فرضی پرند جو اپنی جنس میں واحد ہے۔ پانچ چھ سو برس صحرائے عرب میں زندہ رہا، اس کے بعد لکڑی کی چتا بنائی اور اس میں جل کر مرگیا اور اس کے بعد ازسرِ نو زندہ ہوگیا۔ اسے فِنِکس کہتے ہیں (مترجم)

(تقریباً ۹۱۲-۹۴۴ء) نے فرداً فرداً اپنے ہم عصر حکمراں سے زور آزمائی کی جو حسب ذیل تھے — دھرم پال (تقریباً ۷۷۰-۸۱۵ء)، دیوپال (تقریباً ۸۱۵-۸۵۵ء)، نارائن پال (تقریباً ۸۵۸-۹۱۲ء) اور راجیہ پال (تقریباً ۹۱۲-۹۳۶ء)۔ مہیندر پال اول ہی کے وقت میں غالباً قنوج کی حدودِ سلطنت بڑھکر شمالی بنگال تک پہنچ گئیں، لیکن پالوں نے ہمت نہ ہاری اور انھوں نے پرتی ہاروں سے اپنے بنگال اور مگدھ کے کھوئے ہوئے علاقے پھر حاصل کرنے کی جی توڑ کوشش کی۔ گاہڑ والوں نے بھی اپنے مقام پر مشرق کی طرف گھور کر دیکھا۔ لیکن وہ حدودِ مگدھ سے آگے بہرحال کبھی نہ بڑھ سکے۔ گوڑ اور کانیہ کبج کی دشمنی اب روایتی ہو چکی تھی۔ وقت کے دھارے کے ساتھ اگر ہم لیشوورمن اور ہرش کے زمانے سے چلیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ایشان ورمن موکھری (تقریباً چھٹی صدی عیسوی کا وسط) پہلا راجہ تھا جس نے "ساحل سمندر پر رہنے والے" گوڑوں کا مقابلہ کیا[1] کانیہ کبج کے راجاؤں نے فطری طور پر دریائے گنگا کی جنوبی بندرگاہ پر قبضہ کرنا چاہا، کیوں کہ اس زمانے میں تجارت اور آمد و رفت کے لیے یہ وہ شاہراہ تھی جو مدھیہ دیش اور بنگال کے سب سے زیادہ زرخیز علاقوں کو ایک دوسرے سے ملاتی تھی۔ اس لیے ریاست کی اقتصادی خوش حالی کے نقطۂ نظر سے ان کے لیے دریائے گنگا کے اس وسیع و عریض علاقہ پر اقتدار حاصل کرنا از بس ضروری تھا۔ اسی طرح محض سیاسی اسباب کی بنا پر ہی نہیں بلکہ جنوب مغربی تجارتی راستوں اور بحری تجارت پر قابو پانے کے لیے بھی مندرجہ بالا پرتی ہار حکمرانوں نے اپنی حکومت سوراشٹر تک بڑھالی، اور مالوہ اور اجین کے علاقے پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کی غرض سے انھیں کئی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔

دسویں صدی عیسوی کے وسط میں (نہ کہ ۹۱۲-۹۱۷ء میں، جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے)، پرتی ہار سلطنت کی مضبوط عمارت مسلسل لڑائیوں، راشٹرکوٹ کرشن سوم کے حملوں اور چندیلوں کے عروج کے باعث جواب دینے لگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سوئے ہوئے فتنے جاگ اٹھے اور مرکزی حکومت کی گرفت ڈھیلی دیکھ کر فوراً حرکت میں آگئے۔ مرکز سے ٹوٹ ٹوٹ کر الگ ہونے کا سلسلہ بہت تیزی سے شروع ہو گیا یہاں تک کہ سلطنتِ قنوج کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم ہو گئی جو حسب ذیل تھیں — (۱) جیجاک بھکتی کے چندیل (۲) گوالیار

---

[1] ہسٹری آف قنوج، چودہ، ص۱۱۱، ص۱۳۱، اشلوک-۱۳

کے کچھپ گھاٹ، (۳) ڈاہل کے چیدی، (۴) مالوہ کے پرمار، (۵) ساکم بھری کے چاہ مان، (۶) جنوبی راجپوتانہ کے گوہل، اور (۷) انہل واڑہ کے چالکیہ۔

شمال و مغرب میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں پہلے ہی سے موجود تھیں۔ کابل اور ادبھانڈ پور کے ترکی شاہیوں کی حکومت نویں صدی کے درمیان تک باقی رہی۔ اس خاندان کے آخری تاجدار لگ تورمان کو اس کے برہمن وزیر کلر نے تخت سے اتار دیا۔ کلر نے حکومت پر غاصبانہ قبضہ کرنے کے بعد ایک نئے خاندان کی بنیاد رکھی جو "ہندو شاہی" کہلایا۔ اس میں جے پال اور آنند پال بہت مشہور ہیں۔ انھوں نے سلطان سبکتگین اور محمود کے حملوں سے بڑی بہادری سے ہندوستان کی سرحدوں کی حفاظت کی۔ خاندان کا آخری رکن بھیم پال ۱۰۲۶ء میں غزنوی حملہ آور کا مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا۔ "شاہی" خاندان کے باقی ماندہ افراد نے اس کے بعد کشمیر کے لوہر دربار میں پناہ لی اور پنجاب مسلم فاتحین کے قبضے میں چلا گیا۔ ایک کشمیر تھا جو زیر نظر دور میں غیر ملکی اقتدار سے محفوظ رہا۔ اور کشمیر کے حکمراں اپنے ذاتی منصوبوں اور ارادوں میں بالکل آزاد رہے۔ کشمیر کے حکمراں خاندان حسب ذیل تھے۔ کرکوٹک (تقریباً ۶۳۱ - ۸۵۵ء)، اُتپل (تقریباً ۸۵۵ - ۹۳۹ء) اُتپلوں کے جانشین (تقریباً ۹۳۹ - ۱۰۰۳ء)، لوہر (تقریباً ۱۱۷۱ - ۱۳۳۹ء)۔ ۱۳۳۹ء تک دیسی راجاؤں نے کشمیر پر حکومت کی۔ اسی سال میں میر شاہ نام کے ایک مسلم جانباز نے تخت پر قبضہ کر لیا اور شری شمس دین یا شمس الدین کے لقب سے حکومت کرنے لگا۔ مشرق میں پال خاندان کا وجود کافی نشیب و فراز سے گزر کر لگ بھگ ۷۶۵ء سے تقریباً بارھویں صدی عیسوی تک باقی رہا۔ پال خاندان کے ایک بے حقیقت سے راجہ گووند پال کا حال ہمیں ایک کتبہ سے معلوم ہوتا ہے جس پر "گت راجیہ چتر دش سمو ت سرے" یعنی وکرم سمبت ۱۲۳۲ مطابق ۱۱۷۵ء پڑا ہوا ہے۔ لیکن جب سینوں نے مدن پال کو شمالی بنگال سے بالکل بے دخل کر دیا تو پالوں کی ریاست جو بہار میں پٹنہ اور مونگھیر کے علاقوں میں محدود تھی، بڑی حد تک سینوں کے قبضے میں آگئی۔ ابتداً سینوں نے گیارھویں صدی کے وسط میں ممتاز مقام حاصل کیا، لیکن وجے سین (تقریباً ۱۰۹۵ - ۱۱۵۸ء) کے عہد میں انھوں نے بنگال پر پورا اقتدار حاصل کر لیا۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ انھوں نے کامروپ (آسام) اور کلنگ (اڑیسہ) جیسی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو نقصان پہنچا کر خوب خوب اپنی طاقت کو بڑھایا۔ بہرحال ۱۱۹۹ء میں محمد ابن بختیار خلجی کے ندیہ پر حملے نے لکشمن سین کے دل پر ہیبت بٹھا دی اور وہ بھاگ

منہاج الدین نے لکھا ہے، لکشمن سین گنگا پار کر کے بڑی تیزی سے مشرقی بنگال کی طرف بھاگ گیا، جہاں ۱۲۰۶ء تک اس نے حکومت کی۔ اس قصے میں جس قدر بھی سچائی ہو، یہ طے ہے کہ لکشمن سین کے سرحدی انتظامات نہایت درجہ خراب و خستہ تھے، ورنہ حملہ آور کی یہ مجال ہرگز نہیں ہو سکتی تھی کہ اتنی آسانی سے راجدھانی تک پہنچ جاتے۔ مسلمانوں کی حکومت کا جُوا اس کے بعد مغربی بنگال پر رکھا گیا۔ اگلے پچاس سال یا اس سے کچھ زیادہ میں بنگ یا مشرقی بنگال کا بھی جہاں سین خاندان پناہ گزیں تھا یہی انجام ہوا۔ اس سے اور آگے مشرق کی جانب آسام تھا جو نہ کبھی ہندوستانی سیاسیات کی لپیٹ میں آیا، نہ مسلمانوں ہی نے اس پر قبضہ کرنے کی طرف توجہ کی۔ البتہ محمد ابن بختیار خلجی نے ۶۰۱ھ مطابق ۱۲۰۵ء میں، اور بعد ازاں، اورنگ زیب کے مشہور سپہ سالار میر جملہ نے ۱۶۶۲ء میں کئی کوششیں کیں۔ جنوب مشرقی ساحل پر کلنگ کو لیجیے۔ آٹھویں صدی کے تقریباً اوائل میں وہاں مشرقی گنگ خاندان حکومت کر رہا تھا۔ اس خاندان کی مشہور شخصیت اننت ورمن چوڑ گنگ (تقریباً ۱۰۷۷۔۱۱۴۷ء) کی تھی۔ مسلمانوں کے حملوں کی ابتدا اڑیسہ میں تیرھویں صدی کے شروع میں ہو گئی تھی، لیکن سولھویں صدی تک وہ ان کے قبضے میں نہیں پہنچا۔

ہمارے زیرِ نظر دور میں جو ریاستیں ہندوستان کی آخری سرحدوں پر پائی جاتی تھیں ان کا ہم نے سرسری جائزہ لیا۔ اب ہمیں ان ریاستوں کی طرف نظر ڈالنی چاہیے جنھوں نے پرتی ہار سلطنت کے زوال کے بعد عروج حاصل کیا۔ سب سے پہلے جو خاندان ہمیں نویں صدی میں سب سے پہلے اپنی طرف متوجہ کرتا ہے وہ جیجاک بھکتی (بندیل کھنڈ) کے چندیل تھے۔ دسویں صدی کے دوران یشو ورمن اور دھنگ ۹۹۰ء میں اس اتحاد میں شامل ہو گیا تھا جو جے پال شاہی نے سبکتگین کے حملوں کے خلاف قائم کیا تھا۔ اسی طرح اس کے بیٹے گنڈ نے بھی محمود غزنوی کے حملے کے مقابلے کے لیے ۱۰۰۸ء میں آنند پال شاہی کی دعوت پر فوراً لبیک کہا تھا۔ گنڈ نے یہ بھی کیا کہ جب راجیہ پال پرتی ہار نے ۱۰۱۸ء میں محمود کی اطاعت قبول کر لی تو اسے سزا دینے کے لیے اس نے ایک فوج اپنے یُوراج وِدیا دھر دیو کی سپہ سالاری میں بھیجی۔ لیکن جب سلطان سے اس کے [redacted]بلے کی باری آئی تو اس نے دو مرتبہ پیٹھ دکھائی۔ پہلے ۱۰۱۹ء میں اور دوسری بار ۱۰۲۲-۱۰۲۳ء میں۔ بہرحال ۱۲۰۲ء میں قطب الدین ایبک نے ماردی یا پرمل پر قابو پا لیا۔ ہمارے اس دور کی تاریخ میں کچھپ گھاتوں اور گہیلوں نے کوئی قابلِ ذکر کام انجام نہیں دیا اس لیے ہم ان کو نظر انداز کر کے ڈاہل کے چیدیوں کی

طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ چیدیوں نے نویں صدی کے اواخر اور دسویں صدی کے اوائل میں عروج پایا۔ گانگیہ دیو (تقریباً ۱۰۱۹–۱۰۴۱ء)، اور لکشمی کرن (تقریباً ۱۰۴۱–۱۰۷۲ء) کے عہد میں چیدی خاندان اپنی عظمت کی معراج پر پہنچ گیا۔ انھوں نے مدھیہ دیش اور دوسرے دیشوں پر چڑھائیاں بھی کیں۔ بہرحال بارھویں صدی کے ربع آخر تک چیدیوں کی اہمیت بالکل ختم ہوگئی۔ اگلا مشہور حکمراں خاندان مالوہ کے پرماروں کا تھا جس میں بھوج (تقریباً ۱۰۱۰–۱۰۵۵ء) ایک ہمہ گیر و بلند مرتبہ شخصیت کا مالک تھا۔ اس کی فوجی قابلیت اور اختراعی قوت کے باعث اس کا اثر دور و دراز علاقوں میں پایا جاتا تھا اور اس کی راجدھانی دھارا قنوج کی اگلی شان و شوکت کا مقابلہ کرتی تھی۔ بعد کے پرمار حکمراں کمزور تھے، چناں چہ گیارھویں صدی کے آخری حصے میں ان کی اہمیت کافی گھٹ گئی۔ اگلی دو صدیوں میں انحطاط کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ علاء الدین خلجی کے سپہ سالار عین الملک نے ۱۳۰۵ء میں مالوہ فتح کرلیا۔ جہاں تک چاہمان کا تعلق ہے، کہتے ہیں کہ اس قبیلے کی کئی شاخوں نے طویل عرصے تک حکومت کی۔ ان میں سب سے اہم سامبھری (سمبھر) تھا جسے پرتھوی راج سوم یا مسلم مورخین کے رائے پتھورا کی فتوحات نے غیر فانی بنا دیا ہے۔ شہاب الدین غوری سے معرکے اور سنیوگتا سے اس کے عشق کی داستان بہت سے مشہور گیتوں اور روایتوں کا موضوع بن گئی ہے۔ سنیوگتا قنوج کے راجہ جے چندر کی بیٹی تھی، جو شمالی ہند میں اقتدار حاصل کرنے میں پرتھوی راج کا حریف تھا۔ شہاب الدین غوری کے مقابلے میں پرتھوی راج کو شکست ہوئی۔ پرتھوی راج کو گرفتار کرلیا گیا اور بعد ازاں قتل کردیا گیا۔ کچھ عرصے بعد قطب الدین نے چاہمان علاقوں کو اپنی سلطنت میں شامل کرلیا، البتہ خاندان کا وجود رنتھمبور کے مقام پر ۱۳۰۱ء تک باقی رہا۔ اور اسی سال اس نے علاء الدین خلجی کی اطاعت قبول کرلی۔ جے چندر کا نام اس مقام پر متقاضی ہے کہ گاہڑوال خاندان کا ذکر کیا جائے جس نے محمود کے حملوں سے پیدا ہونے والی طوائف الملوکی پر قابو پانے کے بعد ۱۰۸۰ء اور ۱۰۸۵ء کے درمیان کانیہ کبج اور بنارس پر قبضہ کرلیا۔ گاہڑوال مدھیہ دیش پر ۱۱۹۴ء تک قابض رہے اسی سال شہاب الدین غوری نے ایک خوں ریز جنگ کے بعد جے چندر کو شکست دی اور اسے قتل کردیا۔ آخر میں انہل واڑ کا چالکیہ خاندان تھا جس کی بنیاد مول راج اول نے رکھی تھی۔ اس کی پہلی تاریخ جو ہمیں معلوم ہے ۹۴۱ء ہے۔ ۱۰۲۵ء میں بھیم (تقریباً ۱۰۲۱–۱۰۶۳ء) کے عہد میں محمود نے گجرات پر زبردست چڑھائی کی اور سومناتھ کے مندر کو جو اپنی بے شمار دولت کے

لیے مشہور تھا خوب لوٹا۔ لیکن جے سنگھ سدھ راج (تقریباً ۱۰۹۳-۱۱۴۳ء) اور کمار پال (تقریباً ۱۱۴۳-۱۱۷۲ء) جیسے [illegible] فرماں رواؤں کے عہد میں ریاست پھر سنبھل گئی۔ مسلمانوں نے انہل واڑ پر قبضہ کرنے کی کئی کوششیں کیں۔ ۱۱۷۸ء میں سلطان شہاب الدین غوری نے اس پر حملہ کیا۔ لیکن بھیم دیو دوم نے اسے ناکام کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۲۹۷ء میں علاء الدین خلجی کے سپہ سالاروں اُلغ خاں اور نصرت خاں نے اس کا استیصال کیا۔ انھوں نے گجرات کے دوسرے فوجی اہمیت کے مقامات کو بھی فتح کیا۔

مندرجہ بالا بیان سے نویں صدی سے لے کر بارھویں صدی کے اختتام تک شمالی ہندوستان کی سیاسی حالت کا ایک سادہ سا خاکہ سامنے آگیا، نیز یہ معلوم ہو گیا کہ مسلم حملوں کے تیز و تند شعلوں نے رفتہ رفتہ مختلف ریاستوں کو کس طرح جلا کر خاکستر کر دیا۔ ظاہر ہے کہ ۱۲۰۶ء تک ان کی ترقی بالکل ختم نہیں ہو گئی، اور دہلی میں سلطنت کے قیام کے باوجود ان میں سے بعض کا وجود بہرصورت کافی عرصے بعد تک باقی رہا۔ حملہ آوروں کے لیے بھی یہ فتوحات کوئی کھیل نہیں تھیں۔ جے پال، آنند پال اور بھیم پال نے، جو شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، ہندوستان کی سرحدوں پر سبکتگین اور محمود کا مقابلہ کیا۔ جب شہاب الدین غوری انہل واڑ پر حملہ آور ہوا تو بھیم دیو دوم نے اُسے پیچھے ہٹا دیا۔ پرتھوی راج سوم چاہان اور جے چندر نے بھی بہادری سے غوری سلطان کا مقابلہ کیا؛ اور واقعہ یہ ہے کہ پرتھوی راج چاہان نے ایک مرتبہ ۵۸۷ھ مطابق ۱۱۹۱ء میں دشمن کو شکست بھی دی۔ بھوج پرمار، گووند چندر اور وجے چندر گاہڑوال کی لوحی دستاویزات سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے علی الترتیب تُرشکوں اور ہمیر کے مقابلے میں فتوحات حاصل کیں۔ حقیقت میں ایسے بزدل حکمراں بھی موجود تھے جیسے قنوج کا راجیہ پال پرتی ہار، گنڈ چندیل اور لکشمن سین جنھوں نے ذلت کے ساتھ حملہ آوروں کی اطاعت قبول کرنے میں عافیت سمجھی ہندو راجاؤں نے مشترکہ خطرے کو دفع کرنے کے لیے متحد ہونے کی کوئی کوشش نہ کی۔ فرشتہ نے بے شک دہلی، اجمیر، کالنجر اور قنوج کے راجاؤں کی جتھے بندیوں کا ذکر کیا ہے جو جے پال اور آنند پال نے قائم کی تھیں۔ لیکن فرشتہ کی شہادت کو آنکھیں بند کر کے نہیں تسلیم کیا جا سکتا، کیونکہ ہم عصر مورخ العتبی نے اپنی تاریخ یمینی میں اس جتھے بندی کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ ہر ریاست نے اپنا جداگانہ طریقہ کار اختیار کیا اور یہ مطلق نہ سوچا کہ دوسروں پر کیا گزر رہی ہے۔ دشمن ان کے دروازوں پر دستک دیتا رہا اور وہ اپنی معمولی رقابتوں میں الجھے رہے۔ شمال کے طور پر جس وقت

پرتھوی راج سوم شہاب الدین غوری کے ساتھ خوں ریز مجادلہ میں مصروف تھا تو جے چند بڑی شان کے ساتھ علیحدہ کھڑا اس کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ بعض راجاؤں نے غیر ملکی حملہ آوروں کی بہ نسبت اپنے ہم وطن حکمرانوں کے خلاف زیادہ اکڑ دکھائی۔ وہ کسی مشترکہ بندھن میں بندھے ہوئے نہیں تھے۔ اپنے ذاتی مفادات کے علاوہ، اور اپنے محدود حلقے سے باہر، گویا ان کے کوئی فرائض اور ذمہ داریاں تھی ہی نہیں۔ اس طرح، حالاں کہ ملک میں، بارھویں صدی کے اختتام تک دیسی حکومت باقی رہی لیکن یہ سب ایک دوسرے سے نفرت کرنے والی ہندو ریاستیں ایک مشترکہ جذبۂ قومیت کی نشو و نما کی مزاحم بنی رہیں۔

فصل (۲)

جنوبی ہندوستان میں ریاستوں کا عروج و زوال

ہم اب تک شمالی ہند کی تاریخ کی بھول بھلیوں میں چکر لگاتے رہے۔ آئیے اب ذرا جنوبی ہند کی تاریخ کا جائزہ لیں۔ زیر نظر دور میں شمالی ہند کی طرح جنوبی ہند میں بھی متعدد خاندان وہاں کے سیاسی اسٹیج پر اپنا پارٹ ادا کر رہے تھے۔ ان کی تفصیل یہ ہے ——— (۱) واتاپی (بادامی) کے قدیم چالکیہ خاندان کے چند آخری حکمراں؛ (۲) وینگی کے مشرقی چالکیہ (تقریباً ۶۱۵ — ۱۰۷۰ء)؛ (۳) مانیہ کھیٹ یا موجودہ ملکھیڑ کے راشٹرکوٹ (تقریباً ۷۴۰ — ۹۷۳ء)؛ (۴) کلیان کے مغربی چالکیہ (تقریباً ۹۷۳ — ۱۱۸۹ء)؛ (۵) دیوگری کے یادو (تقریباً آٹھویں صدی کے اختتام سے ۱۳۱۸ء تک)۔ ان کے علاوہ حکومت کرنے والے ایسے چھوٹے چھوٹے گھرانے بھی ہیں دکھائی دیتے ہیں جیسے کھرے پٹن اور تھانہ کے سلاہار، ہنگل اور گولکے بعد والے کدمب، وارنگل کے کاکتیہ، تلکاڈ کے گنگ (تقریباً چوتھی صدی تا ۱۰۰۴ء) اور دوار سمدر کے ہوائسل (تقریباً گیارھویں صدی سے چودھویں صدی کے وسط تک)۔ جنوب بعید میں حکومت کرنے والے خاندان یہ تھے ——— کانچی کے پلو (تقریباً تیسری صدی کے وسط سے ۸۹۰ء تک)، تنجور کے چول (تقریباً نویں صدی کے وسط سے ۱۲۶۷ء تک) مدورا کے پانڈیہ اور مالابار کے چیر۔ اتنی بہت سی ریاستوں کا وجود صاحب حوصلہ افراد کے لیے کمزور ریاستوں کو ہڑپ کرنے کا محرک ثابت ہوا۔ چناں چہ ان کی فوجیں ہمیشہ حرکت میں

رہتی تھیں اور ریاستوں کے حدود گھٹتے بڑھتے رہتے تھے۔ لیسا اوقات تو یہ ہوتا تھا کہ صرف حملہ ہو کر رہ جاتا تھا اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا تھا، البتہ خونی لڑائیوں کی ہولناک تلخیاں باقی رہ جاتی تھیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ واتاپی کے قدیم چالکیہ اور کانچی کے پلّو مسلسل جنگ و جدال میں مصروف رہے جس کے نتائج مختلف ہوسکتے تھے لیکن سنگ دلی اور سفاکی میں کوئی کمی نہیں آتی تھی۔ راشٹرکوٹوں نے بھی جنگ کو جاری رکھا اور انھوں نے قدیم چالکیوں کی جگہ لے لی۔ دنتی درگ راشٹرکوٹ نے نندی ورمن پلّو کے دھرو نروپم (تقریباً ۷۷۹–۷۹۴ء) کے خلاف فتوحات حاصل کیں؛ اور بعد ازاں ۸۰۴ء میں اس کے بیٹے گووند سوم (تقریباً ۷۹۴–۸۱۴ء) نے دنتی ورمن پلّو کو نیچا دکھایا۔ لیکن ان شکستوں کے باوجود پلّووں نے ۸۹۰ء تک اپنی حکومت کو باقی رکھا۔ ۸۹۰ء ہی میں آدتیہ اول چول (تقریباً ۸۷۵–۹۰۷ء) نے اس پر کاری ضرب لگائی۔ آٹھویں صدی کے ربع آخر اور نویں صدی کے بیشتر حصے میں پے در پے کئی پلّو حکمراں، مثلاً دنتی ورمن (تقریباً ۷۷۶–۸۲۸ء)، نندی (تقریباً ۸۲۸–۸۵۱ء)، نرپ تنگ ورمن (تقریباً ۸۵۱–۸۷۶ء)، پانڈیہ فرماں رواؤں — نیدنج دین ورگن (تقریباً ۷۶۵–۸۱۵ء) اور شری مارشری ولبھ کے ساتھ دیرینہ جنگ و جدال میں مصروف رہے؛ اور اپراجیت ورمن پلّو (۸۷۶–۸۹۵ء) نے ورگن دوم پانڈیہ کو ۸۸۰ء میں کنبھ کنم کے قریب شری پرم بیم کی جنگ میں شکست دینے کا فخر حاصل کیا۔ دکشنا پتھ میں آٹھویں صدی کے وسط سے لے کر دسویں صدی کے ربع آخر تک مانیہ کھیٹ کے راشٹرکوٹ سیاسی اسٹیج پر چھائے رہے۔ شمالی ہند پر راشٹرکوٹوں نے جو یورشیں کیں جن کا ذکر آگے چل کر ابھی ہوگا، وہ تو علیحدہ رہیں، وہ اپنے جنوبی پڑوسیوں سے، بالخصوص تلکاڈ کے گنگوں اور وینگی کے مشرقی چالکیوں سے برابر جنگ میں مصروف رہے۔ چناں چہ کرشن اول راشٹرکوٹ (تقریباً ۷۵۶–۷۷۲ء) اور دھرو نروپم (تقریباً ۷۷۹–۷۹۴ء)، دونوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انھوں نے مشرقی چالکیہ حکمراں وشنو وردھن چہارم (تقریباً ۷۶۴–۷۹۹ء) کو شکست دی؛ نیز گووند سوم (تقریباً ۷۹۴–۸۱۴ء) اور اموگھ ورش اول (تقریباً ۸۱۴–۸۷۸ء) نے کامیابی کے ساتھ وینگی کے وجے آدتیہ (تقریباً ۷۹۹–۸۴۳ء) سے شمشیر آزمائی کی۔ اموگھ ورش اول نے وجے آدتیہ سوم گنگ (تقریباً ۸۴۴–۸۸۸ء) سے بھی جنگ کی جیسے وینگی کے بھیم اول (تقریباً ۸۸۸–۹۱۸ء) کی طرح کرشن راشٹرکوٹ (تقریباً ۸۷۸–۹۱۴ء) کا

لوہا ماننا پڑا۔ فتوحات کا یہ ریکارڈ بہرحال شہوت پرست گووند چہارم نے توڑ دیا، کیوں کہ وینگی کے بھیم دوم (تقریباً ۹۳۴ء - ۹۴۵ء) نے اس پر غلبہ حاصل کر لیا۔ کرشن سوم (تقریباً ۹۴۰ — ۹۶۸ء) کے زمانے میں راشٹرکوٹ طاقت اوج کمال پر پہنچ گئی۔ جنوب میں اس کا سب سے مشہور کارنامہ یہ تھا کہ اس نے کانچی اور تنجور پر قبضہ کر لیا اور ۹۴۹ء میں چول راجہ راجادتیہ کو تکولم کی مشہور لڑائی میں (شمالی ارکاٹ کے ضلع میں ارکونم کے قریب) شکست دی۔ اس نے تونڈ منڈلم کو اپنی ریاست میں شامل کر لیا، لیکن چول قلمرو کے جنوبی حصے کو وہ شامل نہ کرسکا۔ اس نے پانڈیوں، کیرلوں اور سنگھل کے راجاؤں کے حوصلے پست کر دیے۔ کرشن سوم کے مرنے کے بعد راشٹرکوٹوں کا زوال شروع ہو گیا۔ سی یک ہرش پرمار نے کھوٹگ نتیہ ورش کے عہد میں مانیہ کھیٹ کی راجدھانی کو تاخت و تاراج کیا۔ آخرکار کرک دوم نے مغربی چالکیہ تیلپ کے شدید حملوں کے مقابلے میں ۹۷۳ء میں ہتھیار ڈال دیے۔ یہ نیا خاندان جس کا بانی تیلپ تھا اور جسے مورخوں نے مغربی چالکیوں کے نام سے یاد کیا ہے، گیارھویں اور بارھویں صدی میں کافی اہم طاقت بن گیا۔ اس لیے ان کے لیے تنج ور کے چولوں اور مالوہ کے پرماروں سے جو جنوبی ہند کے سیاسی توازن میں کوئی اہم تبدیلی گوارا نہیں کرسکتے تھے، ٹکر لینا ازبس ضروری ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ واک پتی منج پرمار (تقریباً ۹۷۴ - ۹۹۵ء) نے تیلپ (تقریباً ۹۷۳ - ۹۹۷ء) کو کم از کم چھ بار شکست دی۔ ان کامیابیوں سے اس میں اس قدر زیادہ اعتماد پیدا ہو گیا کہ ساتویں بار وہ گوداوری پار کر کے چالکیہ دیش میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ یہ اقدام تیلپ کے حق میں مفید ثابت ہوا اور واک پتی منج کو گرفتار کر کے تہ تیغ کر دیا گیا۔ ستیا شریہ کے عہد میں (تقریباً ۹۹۷ - ۱۰۰۸ء) چالکیہ مقبوضات کو راجراج اول (تقریباً ۹۸۵ - ۱۰۱۴ء) کے ماتحت چول افواہوں نے تاخت و تاراج کیا۔ حالاں کہ کچھ وقت کے لیے ستیا شریہ اس صدمہ کے بوجھ سے بالکل دب گیا، مگر بہت جلد اس نے اپنے کو سنبھال لیا۔ لیکن اس کے بھتیجے اور جانشین وکرما دتیہ پنجم (تقریباً ۱۰۰۸- ۱۰۱۴ء) کو بھوج دیو پرمار (تقریباً ۱۰۱۰ — ۱۰۵۵ء) کے ہاتھوں ایک اور صدمہ پہنچا۔ اگلے فرماں روا جے سنگھ دوم جگ دیک مل (تقریباً ۱۰۱۶ — ۱۰۴۲ء) نے بہرحال بھوج کو بھگا دیا اور "مالوے کی جتھے بندی" کے ٹکڑے اڑ گئے۔ مزید یہ بھی کہا جاتا ہے کہ راجیندر چول اول (تقریباً ۱۰۱۴ — ۱۰۴۴ء) کے مقابلے میں مغربی چالکیہ حکمراں کا پلہ بھاری رہا۔ دوسری طرف چول دستاویزات میں دعوے اس کے برعکس ملتے ہیں۔ سومیشور اول آہومل کے عہد میں

(تقریباً ۱۰۴۲ – ۱۰۶۸ء) مغربی چالکیہ خاندان نے طاقت کی معراج حاصل کرلی۔ شمالی ہندوستان میں فتوحات حاصل کرنے کے علاوہ، جن کا ذکر ابھی آگے آئے گا، اس نے مالوہ کو تاخت و تاراج کیا اور بھوج پرمار کو فرار اختیار کرنے پر مجبور کردیا۔ لیکن جب بھوج کے جانشین جے سنگھ اول (۱۰۵۵–۱۰۶۰ء) نے انہل واڑ کے بھیم اول (تقریباً ۱۰۲۲–۱۰۶۴ء) اور داہل کے لکشمی کرن کلچوری (تقریباً ۱۰۴۱–۱۰۷۲ء) کے متحدہ حملے کے مقابلے کے لیے سومیشور اول سے امداد طلب کی تو وہ تمام پرانی رقابتوں کو بھول کر پرمار راجہ کو مدد دینے کے لیے فوراً تیار ہوگیا۔ متحدہ افواج جو مالوہ پر قابض تھیں انھیں نکال دیا گیا اور دو حریفوں یعنی مغربی چالکیوں اور پرماروں کی دیرینہ دشمنی دوستی میں تبدیل ہوگئی۔ ۱۰۵۲ء میں کوپم کے مقام پر چولوں سے جو لڑائی ہوئی اس میں معلوم ہوتا ہے راجادھراج اول کے مقابلے میں سومیشور اول کا پلہ بھاری رہا، حالاں کہ چول شواہد سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ اس کے بعد وکرمادتیہ (ششم) ۱۰۷۶ء میں گدی حاصل کرنے سے پہلے اپنی دلیرانہ مہموں کے دوران چول حکمراں ویر راجیندر (تقریباً ۱۰۶۳–۱۰۷۰ء) سے ٹکرایا جس سے اس نے صلح کرلی اور اس صلح کو استوار کرنے کے لیے اس کی لڑکی سے شادی کرلی۔ وکرمادتیہ ششم کے دورِ حکومت کے اختتام کے قریب دوار سمدر کے ہوائسلوں نے بٹگ وشنو وردھن (تقریباً ۱۱۱۰–۱۱۴۰ء) کے عہدِ حکومت میں اپنی طاقت بڑھانی شروع کردی۔ لیکن جگ دیک مل دوم (تقریباً ۱۱۳۸–۱۱۵۱ء) نے انھیں دبا دیا۔ جگ دیک مل نے جے ورمن پرمار اور انہل واڑ کے کمار پال (تقریباً ۱۱۴۳–۱۱۷۲ء) کا بھی کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اس طرح وقت کے بدلتے ہوئے سیاسی حالات میں مغربی چالکیہ طاقت ۱۱۵۷ء میں گہن میں آگئی۔ کل چوریوں نے وجل یا وجن پر غاصبانہ قبضہ کرلیا۔ لیکن تھوڑی دیر ٹمٹمانے کے بعد دیوگری کے یادووں اور دوار سمدر کے ہوائسلوں کے حملوں کے باعث یہ چراغ ۱۱۸۹ء میں پھر گل ہوگیا۔ یادووں نے کافی اہمیت حاصل کرلی اور انھوں نے مغربی چالکیہ سومیشور چہارم کے کمزور ہاتھوں سے کرشنا سے شمال کی طرف کے علاقے جھپٹ لیے۔ لیکن یادووں کو ابھی ہوائسلوں سے نمٹنا تھا، کیوں کہ بٹگ وشنو وردھن (تقریباً ۱۱۱۰–۱۱۴۰ء) کے وقت سے جس نے چولوں، پانڈیوں، کیرلوں، جنوبی کنڑ کے تلوؤں، اور کدمبوں وغیرہ کو نیچا دکھایا تھا۔ وہ کافی طاقت ور ہوگئے تھے۔ ۱۱۹۱ء میں جنگ چھڑ گئی جس میں لکنڈی کے مقام پر بلال ہوائسل (تقریباً ۱۱۷۲–۱۲۱۵ء) کے ہاتھوں بھلم پنجم یادو مارا گیا۔ اس شکست کا بدلہ بہرحال بعد میں سنگھن یادو (تقریباً ۱۲۱۰–۱۲۴۷ء)

نے لیا۔ اُس نے ویر بلاّل ہوائسل کو چوٹ دے کر اپنی حکومت کرشنا کے اس پار پہنچا دی۔ بارہویں صدی کے ختم کے قریب جے تنگی یادو (تقریباً ۱۱۹۱ – ۱۲۱۰ء) نے رودر دیو کو مار ڈالا اور گنپتی کو کاکتیہ گدی پر بٹھا دیا۔ گنپتی کے عہد میں (تقریباً ۱۱۹۹ – ۱۲۶۱ء) وارنگل کے کاکتیوں کو بھی انتہائی عروج حاصل ہوا۔ اس کا دعویٰ ہے کہ اس نے کلنگ کے چول، سیونا (یادو)، کرناٹ، لاٹ اور ول ناڈو کے راجاؤں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ یادووں، ہوائسلوں، کاکتیوں، چولوں اور پانڈیوں کے درمیان خوں ریز اور مہلک لڑائیوں کا سلسلہ تیرھویں صدی میں جاری رہا۔ سوائے چولوں کے جن کی سلطنت کا خاتمہ ۱۲۶۷ء میں ہو گیا، باقی سب خاندان ملک کافور کی جنوبی مہموں کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کی نذر ہو گئے۔ ان کمزور اور آپس میں لڑنے والی ریاستوں نے جو تھوڑی بہت مقاومت کی وہ بیکار ثابت ہوئی اور ملک کافور فتوحات کرتا ہوا جزیرہ نمائے جنوب کی آخری صدحد تک پہنچ گیا۔ ۱۳۱۰ء میں اس نے پانڈیوں کی راجدھانی مدورا پر قبضہ کر لیا۔ مدورا کی تباہی نے پانڈیوں کی وفاقی قیادت کو بالکل مفلوج کر دیا۔ چیر حکمراں روی ورمن کل شیکھر (حساب لگا کر ۱۲۹۹ء) اور دوسرے اراکینِ وفاق نے پانڈیوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر زور پکڑنا شروع کر دیا۔ پانڈیہ ریاست قدیم تو تھی لیکن اس کی اصل ترقی کوچ ڈینگ رندھیر (تقریباً ابتدائے آٹھویں صدی عیسوی)، مارورمن راج سنگھ اول، اور نیدنج ڈینگ ورگن اول (تقریباً ۶۶۵ – ۸۱۵ء) کی چولوں اور کیرلوں (چیروں) کے ساتھ لڑائیوں کے نتیجے میں آٹھویں صدی عیسوی میں شروع ہوئی۔ نویں صدی کے بیشتر حصہ میں پانڈیہ، پلووں کے ساتھ مسلسل جنگ و جدال میں مصروف رہے جنہوں نے اپراجیت ورمن کے ماتحت ورگن دوم پانڈیہ کے خلاف، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، ۸۸۰ء میں شری پرم بیم کی لڑائی میں فیصلہ کن فتح حاصل کی۔ تک بھگ اسی زمانے میں چولوں نے بھی اہمیت حاصل کر لی اور مارورمن راج سنگھ دوم پانڈیہ نے انہیں دبانے کی کوشش کی، لیکن پران تک اول چول (تقریباً ۹۰۷ – ۹۵۳ء) نے اُسے شکستِ فاش دی۔ چولوں کے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کر لیا گیا اور اس کے بعد ۹۲۰ء سے تیرھویں صدی کے اوائل تک وہ پانڈیہ دیش پر قابض و متصرف رہے۔ پانڈیوں نے چول غلامی سے آزاد ہونے کی بے شک کوششیں کیں، خاص کر ۹۴۹ء میں تکولم کی جنگ میں، جس میں کرشن سوم راشٹرکوٹ کی فوجوں نے چولوں کو بری طرح جھنجوڑا، لیکن انہیں کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ دراصل راجیندر اول چول کے عہد میں پانڈیہ دیش نے چول سلطنت کے ایک صوبے کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ ۱۱۹۰ء میں جٹاورمن کل شیکھر کی

تخت نشینی بہرحال پانڈیوں کی تاریخ میں ایک نیا موڑ ثابت ہوئی۔ چناں چہ اس کے عہد (تقریباً ۱۱۹۰ — ۱۲۱۶ء) کو "پانڈیہ سلطنت کے دورِ ثانی" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تیرھویں صدی میں پانڈیہ خاندان کی عظمت منتہائے کمال پر پہنچ چکی تھی۔ ماروَرمن سندر پانڈیہ (تقریباً ۱۲۱۶ — ۱۲۳۸ء) نے راجراج سوم چول کے عہد میں (تقریباً ۱۲۱۶ — ۱۲۵۶ء) تنجور اور اُرئیے پُر کو جلایا اور لوٹا کھسوٹا؛ اور جٹاورمن سندر پانڈیہ (۱۲۵۱ — ۱۲۷۲ء) نے چول حکومت پر آخری ضرب لگادی۔ جٹاورمن نے ویر سومیشور ہوائسل، گنپتی کاکتیہ (تقریباً ۱۱۹۹ — ۱۲۶۱ء) اور چیروں کے ساتھ مقابلے میں بھی فتوحات حاصل کیں۔ اس طرح جٹاورمن نے اپنا اقتدار بڑھا کر شمال میں کڈپہ اور نیلور تک پہنچا دیا۔ آخری مشہور پانڈیہ فرماں روا ماروَرمن کل شیکھر کے وقت جس نے جین گونڈ سول پُرم میں ایک محل تعمیر کرایا، جس چول حکومت کا کبھی ڈنکا بجتا تھا، اب اس کا کچھ بھی باقی نہ رہا۔ ۴۰۰ سال کی طویل اور خاصی کامیاب حکومت کے بعد چول خاندان کا وہی حشر ہوا جو دنیا میں ہر ذی روح کا ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ چولوں کا وجود بحیثیت حکمراں کے بہت ماضی بعید سے پایا جاتا تھا، لیکن ان کی شاہانہ عظمت کا آغاز آدتیہ اول چول (تقریباً ۸۷۵ — ۹۰۷ء) کے عہد سے ہوا جس نے کونگو دیش اور تلکاڈ کو فتح کر لیا، اور ۸۹۰ء میں اپراجیت ورمن پلو کو شکست دے کر تونڈ منڈلم کو اپنی ریاست میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد پران تک اول (تقریباً ۹۰۷ — ۹۵۲ء) نے پلو طاقت کے تمام نشانات کو بالکل ہی دھو ڈالا، اور ماروَرمن راج سنگھ دوم کے لنکا بھاگ جانے کے بعد پانڈیہ علاقوں پر بالادستی حاصل کرلی۔ لیکن پران تک اول کو جب کرشن سوم راشٹرکوٹ نے ۹۴۹ء میں تکولم کی مشہور لڑائی میں فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تو اس کے تمام حوصلے پست ہوگئے۔ راجراج اول (تقریباً ۹۸۵ — ۱۰۱۴ء) نے چول شہنشاہیت کو بڑا اکساوا دیا۔ اس نے چیروں کو تسخیر کر لیا، کنڈلور کے مقام پر ان کے جہازی بیڑے کو تباہ کر دیا، اور اَمَر بھجنگ پانڈیہ کا مزاج درست کر دیا۔ راجراج اول نے ملئی ناڈو (کورگ)، نولمبپاڈی اور گنگ وادی یعنی میسور کے بیشتر حصے پر قبضہ کر لیا۔ مغربی گنگوں کی ریاست چوتھی صدی عیسوی میں قائم ہوئی۔ آٹھویں اور نویں صدی میں وینگی کے مشرقی چالکیوں اور مانکھید کے راشٹرکوٹوں نے انھیں خوب ناک چنے چبوائے۔ اور ۱۰۴۲ء میں جب تلکاڈ ان کے ہاتھ سے نکل گیا تو وہ ہمیشہ کے لیے اپنی حکومت کھو بیٹھے۔ چولوں کا زور بڑھا تو مغربی چالکیوں سے ان کا تصادم ضروری ہوگیا اور حالاں کہ تیلپ (۹۷۳ — ۹۹۷ء) ان پر فتح حاصل کرنے کا دعوے دار ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے

اس کے بیٹے ستیہ شریہ (تقریباً ۹۹۷-۱۰۰۸ء) کو راجراج اول کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانی پڑی راجراج اول نے شکتی ورمن کے عہد میں تقریباً (۹۹۹-۱۰۱۱ء) مشرقی چالوکیوں کے علاقہ کو تاخت وتاراج کیا۔ شکتی ورمن کے جانشین وملادتیہ (تقریباً ۱۰۱۱-۱۰۱۸ء) نے بہرحال چولوں کی اطاعت قبول کرلی۔ اس طرح راجراج اول تمام صوبہ مدراس، کرگ اور میسور کے بیشتر حصے کا مالک ہوگیا۔ اس کی فوجیں بحر ہند کے جزیروں تک بھی پہنچ گئیں۔ پانڈیہ علاقہ پر اس نے اپنا وائسرائے مقرر کردیا اور چیروں پر بھی اس نے اپنا اقتدار از سر نو قائم کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کے بعد چولوں کا اقتدار چیر دیش پر اس وقت تک باقی رہا جب بارھویں صدی میں ان کا زوال شروع ہوگیا اور ویرکیرلی نے خودمختاری اختیار کرلی۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے، راجیندر اول نے شمالی ہند پر بھی چڑھائی کی اور سمندر پار فتوحات کا شرف حاصل کیا۔۔ راجیندر اول اور اس کے جانشینوں کے عہد میں چولوں اور مغربی چالکیوں کے درمیان پرانی دشمنی قائم رہی۔ دونوں ہی فریق اپنی دستاویزات میں حسب معمول اپنی اپنی فتح کے دعوے دار ہیں۔ چنانچہ راجیندر اول کا جے سنگھ دوم جگ دیک مل (تقریباً ۱۰۱۶-۱۰۴۲ء) سے تصادم ہوا اور راجادھراج اول (تقریباً ۱۰۴۴-۱۰۵۲ء)، راجیندر دیو دوم (تقریباً ۱۰۵۲-۱۰۶۳ء) اور ویر راجیندر (تقریباً ۱۰۶۳-۱۰۷۰ء) نے سومیشور اول آہومل (تقریباً ۱۰۴۲-۱۰۶۸ء) کے خلاف جنگ کی۔ کہتے ہیں کہ کندل سنگم (ضلع کرنول) کی لڑائی میں مغربی چالکیوں کو ویر راجیندر کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانی پڑی جس نے دینگی کو از سر نو فتح کرکے وجے آدتیہ ہفتم (تقریباً ۱۰۶۱-۱۰۷۶ء) کے حوالہ کردیا۔ ۱۰۷۰ء میں ادھی راجندر کا انتقال ہوگیا۔ اس کے کوئی عقب نہیں تھا۔ اس لیے دینگی کا راجیندر دوم جو راجیندر اول گنگئے کونڈ کی بیٹی امنگ دیوی کے بطن سے پیدا ہوا تھا، گدی پر بیٹھا اور کلوت تنگ کا لقب اختیار کیا۔ اس طرح اس نے مشرقی چالکیہ اور چول گدیوں کو ایک جگہ متحد کردیا۔ ۱۰۷۶ء تک اس نے اپنے چچا وجے آدتیہ ہفتم کو دینگی سے نکال باہر کیا اور وہاں راجکماروں کو بحیثیت وائسرائے مقرر کردیا۔ کلوت تنگ اول (تقریباً ۱۰۷۰-۱۱۲۲ء) نے سرکش کیرل اور پانڈیہ سرداروں کو کچل دیا۔ مالوہ کے پرمار راجہ سے کامیاب جنگ کی اور مشرقی گنگ راجہ اننت ورمن چوڈ گنگ (تقریباً ۱۰۷۷-۱۱۴۷ء) کے خلاف دو مہمیں بھیجیں۔ پہلی مہم کی قیادت اپنے جلوس کے چھبیسویں سال سے پہلے اس نے خود کی۔ دوسری مہم ۱۱۱۲ء میں بھیجی گئی۔ کلوت تنگ اول کے جانشین ناکارہ ثابت ہوئے۔ ان کے عہد حکومت میں چولوں کے حالات بہت تیزی سے بگڑنے لگے۔ دوار سمدر کے ہوائسلوں نے ترقی کرکے جنوبی ہندوستان کی سیاسیات میں نمایاں مقام حاصل کرلیا اور

لنکا، کیرلی اور پانڈیہ دیش کے حکمرانوں نے جرأت کے ساتھ چول غلامی سے آزاد ہونے کی کوشش کی۔ مارورمن سندر پانڈیہ (تقریباً ۱۲۱۶ - ۱۲۳۸ء) اور جٹاورمن سندر پانڈیہ (تقریباً ۱۲۵۱ - ۱۲۷۲ء) کے عہد میں پانڈیہ ریاست نے بھی توسیع سلطنت کی پالسی پر عمل درآمد شروع کردیا۔ اس طرح داخلی کمزوری، بغاوتوں اور پڑوسی ریاست کے حملوں نے چول سلطنت کی بالکل جان نکال دی، چول سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا اور نتیجہ میں ۱۲۶۷ء تک وہ بالکل معدوم ہو گئی۔

کہا جاتا ہے کہ قدیم ہندوستان میں جنوب کی تاریخ پر تاریکی کا پردہ اس وقت تک پڑا رہا جب تک چندر گپت موریہ، سمدر گپت یا ہرش وردھن جیسے عالی حوصلہ فرماں رواؤں نے اُسے چاک نہ کردیا۔ قرونِ اولیٰ میں حقیقت کچھ بھی رہی ہو، لیکن زیرِ نظر دور میں جنوبی ہندوستان بہرحال بند پانی کی طرح نہیں رہا، بلکہ جنوبی ہند کے واقعات شمالی ہند کے خاص خاص دھاروں سے ہمیشہ وابستہ رہے۔ یہ بھی ہوا کہ جنوب کے راجاؤں نے شمال کے خلاف پانسے پلٹ دیے اور ان کے ناقابلِ تسخیر لشکروں نے شمالی ہند کو کئی بار تاخت و تاراج کیا۔ چناں چہ دھروُ نروپم (تقریباً ۷۷۹ - ۷۹۴ء) نے اجین کے وتس راج پرتی ہار کو شکست دینے کے بعد اندرایدھ کے عہد میں گنگا کے دوآبہ کو تاخت و تاراج کیا اور اپنے "شاہی نشان" میں گنگا جمنا کی علامت کا اضافہ کیا۔ اسی مہم میں غالباً یہ بھی ہوا کہ "جب گوڑ راجہ (دھرم پال) گنگا اور جمنا کے درمیان بھاگ رہا تھا تو دھروُ نے اس کی لکشمی کے ہنستے کھیلتے کنول اور سفید چھتریاں چھین لیں"[۵۵] اسی طرح گووند سوم (تقریباً ۷۹۴ - ۸۱۴ء) فتوحات کرتا ہوا ہمالیہ تک پہنچ گیا اور دھرم (دھرم پال) اور چکرایدھ نے اس کی اطاعت قبول کرلی[۵۶] اور کہتے ہیں کہ امُوگھ ورشن (تقریباً ۸۱۴ - ۸۷۸ء) نے انگ، ونگ اور مگدھ کے راجاؤں پر اپنے اثرات قائم کر لیے۔ اُتر پران کے جین مصنف گن بھدر نے ایک مقام پر اشارہ کیا ہے کہ کرشن دوم (تقریباً ۸۷۸ - ۹۱۵ء) کے (جنگی) ہاتھیوں نے گنگا کا پانی پیا۔ اس شہادت سے معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ ڈاکٹر اپن۔ تریپاٹھی نے بھی لکھا ہے[۵۷] کہ غالباً بھوج کے زمانے میں اُس راشٹرکوٹ حکمران نے اپنے عہد کے آخری ایام میں شمالی ہند

---

[۵۵] اپی گرافیہ انڈکا، اٹھارہ، ص۲۴۴، ص۲۵۳
[۵۶] ایضاً، ص۶، ص۲۵۳
[۵۷] پروسیڈنگس انڈین ہسٹری کانگرس، چھٹا اجلاس (۱۹۴۳)، ص۲۴۳، ص۱۲۰

میں اپنی طاقت کافی بڑھالی تھی۔ مدھیہ دیش پر اگلا بہت خوف ناک حملہ اندر سوم نتیہ ورش (تقریباً ۹۱۵-۹۱۸ء) نے کیا جو اجین[1] سے ہوتا ہوا آگے بڑھا۔ اجین اس وقت پرتی ہاروں اور راشٹرکوٹوں کے درمیان جھگڑے کی جو پنڑی بنا ہوا تھا۔ اس نے "اس دشمن شہر، یعنی مہودیہ کو ۹۱۶ء یا ۹۱۷ء میں مکمل طور پر تباہ کر دیا[2]۔ شک سمبت ۸۶۲ مطابق ۹۴۰ء سے کچھ قبل کرشن سوم (تقریباً ۹۴۰-۹۶۸ء) نے کمار یا یووراج کی حیثیت سے شمالی ہند میں ایک مہم کی قیادت کی۔ اس کی آمد کی خبر پاکر گرجر پرتی ہار حکمراں اس قدر دہشت زدہ ہوا کہ اپنے گڑھوں یعنی کالنجر اور چترکوٹ کی حفاظت سے بالکل مایوس ہو گیا۔ سومیشور اول آہومل وکرما تیہ کا دوسرا فرماں روا تھا جو اپنے جنوبی پڑوسیوں سے نمٹنے کے بعد شمال کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کا لشکر چندیلوں اور کچھپ گھاٹوں کی طرف سے کسی قسم کی مداخلت کے بغیر وسطِ ہند سے بہ آسانی گزر گیا۔ کہتے ہیں کہ کانیہ کبج کے راجہ نے اس کی طاقت سے ڈر کر بہت جلد غاروں کو اپنا مسکن قرار دیا[3]۔ سومیشور اول آہومل نے لکشمی کرن کلچوری کے خلاف بھی بالادستی حاصل کی۔ ہمیں مزید معلوم ہوتا ہے کہ مغربی چالکیہ راجہ، وکرما دتیہ نے بغیر کسی مزاحمت کے بھتلا، مگدھ، انگ، ونگ اور گوڑ کو خوب لوٹا کھسوٹا۔ شمال پر آخری بڑا حملہ راجیندر اول گنگئے کونڈ (تقریباً ۱۰۱۴-۱۰۴۴ء) نے کیا جو ۱۰۲۱ء اور ۱۰۲۵ء کے مابین، کسی وقت بڑھتا ہوا گنگا تک پہنچ گیا اور اس نے اوڈ وشیہ (اڑیسہ) کو سلے ناڈو (جنوبی کوسل)، تنڈبھکتی کے دھرم پال (ونڈ بھکتی، بلسور اور ضلع مدنا پور کا کچھ حصہ)، تکن لاڈم کے رنشور (جنوبی رادھا)، ونگال دیش کے گووند چند (مشرقی بنگال)، پال حکمراں مہی پال (تقریباً ۹۹۲-۱۰۴۰ء) اور اتر لاڈم (شمالی رادھا) کو تسخیر کر لیا[4]۔ اس طرح اگرچہ جنوبی ہند کے یہ راجہ شمال کے لہلہاتے ہوئے میدانوں کو تباہ کر رہے تھے، تعجب کی بات یہ ہے کہ زیرِ نظر دور میں شمالی ہند میں ایک طاقت بھی ایسی نہ تھی جو جم کر ان کا مقابلہ کر سکتی ہمارے اس دور میں جنوبی ہند کی تاریخ کی دوسری قابلِ ذکر خصوصیت یہ ہے کہ بعض حکمراں

---

[1] ایضاً، ساتواں، ص۲۶، ص۳۴، اشلوک ۱۹
[2] انڈین اینٹی کوئریز، آٹھواں، ص۱۶
[3] ملاحظہ ہو ڈائنیسٹک ہسٹری آف ناردرن انڈیا، جلد ایک، ص۳۱۶
[4] تنڈمنی کے کتبے سے موازنہ کریں، ایپی گرافیہ انڈیکا، نواں، ص۲۲۹، ص۲۳۳

مضبوط بحری فوجیں رکھتے تھے اور ان کی فتوحات ملک کے اندر ہی محدود نہ تھیں بلکہ ملک کے باہر دور سمندر پار تک پھیلی ہوئی تھیں۔ نرسنگھ ورمن کے دو بحری حملوں کے علاوہ جو اس نے ساتویں صدی عیسوی کے وسط میں لنکا پر کیے، ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ پرانتک اوّل (تقریباً ۹۰۷-۹۵۳ء) نے لنکا پر چڑھائی کی جہاں مازورمن راج سنگھ دوم پانڈیہ نے شکست کھانے کے بعد پناہ لے رکھی تھی۔ یہ حملہ بہرحال نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوا۔ راجراج اول (تقریباً ۹۸۵-۱۰۱۴ء) نے اس کے بعد لنکا پر حملہ کیا اور لنکا کے شمالی حصے کو اپنی سلطنت میں شامل کرکے اُسے چول سلطنت کا صوبہ بنا دیا۔ بعد ازاں اس نے "۱۲۰۰۰" کی تعداد میں سمندر کے پرانے جزیرے" فتح کیے۔ ان جزیروں کو لنکا دیپ اور مالدیپ کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔ نتیجہ میں تمام لنکا کو راجیندر اول گنگئی کونڈ (تقریباً ۱۰۱۴-۱۰۴۴ء) نے ۱۰۱۷ء کے قریب اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس کے مضبوط جہازی بیڑے نے خلیج بنگال کے اس پار بھی فتوحات حاصل کیں، کیوں کہ کہا جاتا ہے کہ اس نے سنگرام وجے اوتنگ ورمن کو شکست دی، اور کٹہ کدارم اور ہند بعید میں دوسرے مقامات فتح کیے۔ ممکن ہے کہ یہ مہم راجیندر اول کی ہوس ملک گیری کی تسکین کے لیے ہی نہیں بلکہ جنوبی ہندوستان اور جزیرہ نمائے ملایا کے درمیان تجارتی تعلقات کو بہتر اور مضبوط بنانے کے لیے سر کی گئی ہو۔ آخری بات یہ کہ ویر راجیندر (تقریباً ۱۰۶۳-۱۰۷۰ء) نے کدارم اور شری وجیہ پر چڑھائی کرکے راجیندر اول کے حملوں کی یاد تازہ کر دی؛ اس مہم کی تفصیلات بہرحال تاریکی میں ہیں۔

فصل (۳)

مذہب اور سماج

ہم نے قرون وسطیٰ کے ابتدائی دور میں پیش آنے والے واقعات کی ایک جھلک تاریخ کی دلکش سیر بین میں دیکھی۔ واقعہ یہ ہے کہ شخصیتوں کی کثرت اور ان کی نقل و حرکت میں سُرعت کے باعث ہمارا منظر ذرا دھندلا پڑ گیا۔ مناظر بہت تیزی سے بدلے؛ سلطنتیں ابھریں اور فنا ہو گئیں؛ خاندانوں نے عروج پایا اور پھر تاریکی کے پردے میں فنا ہو گئے۔ فوجوں اور حملوں کا تصادم پریشان کن ہو گیا۔ اس لیے مناسب ہے کہ ہم اپنی تاریخ کی عظمتوں اور پستیوں کے

بیان کو چھوڑ کر اب ذرا اس وقت کی مذہبی، سماجی، سیاسی، اقتصادی، ادبی اور فنی کیفیت کا جائزہ لیں۔ کیا یہ ہر میدان میں جمود و انحطاط کا دور تھا؟ یا ہمیں ترقی کی بھی کوئی کرن کہیں دکھائی دیتی ہے؟ بہتر ہوگا کہ ان سوالوں کا جواب حقائق کی روشنی میں دیا جائے۔ پہلی بات جو ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتی ہے یہ ہے کہ بدھ مت اب ہندوستان میں کوئی متحرک قوت نہیں رہا تھا، البتہ بعض مقامات پر اس کا وجود ضرور پایا جاتا تھا۔ یوآن چوانگ (تقریباً ۶۲۹-۶۴۵ء) کے سفرنامے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے سفر کے دوران کانچی میں "کوئی ۱۰۰ سنگھرام اور ۱۰۰۰۰ سادھو" دیکھے۔ وہ استھویر عقیدہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور مہایان فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لیے ہم بجا طور پر قیاس کر سکتے ہیں کہ پلّو ریاست میں بدھ مذہب یوآن چوانگ کی آمد کے بہت بعد تک باقی رہا۔ راجراج اول چول نے جو شیومت کا سچا پیرو تھا، نیگ پٹم کے بدھ وہار کو ندیں بھینٹ کیں اور کلوتنگ اول نے بھی علی ہذا ایک دوسرے وہار کی امداد کی۔ یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ بدھ مت کا وجود جنوب میں پایا جاتا تھا دکن میں بدھ مذہب کے حسب ذیل مرکز تھے کھم پلّی (ضلع شولاپور)، ڈمبل (ضلع دھارواڑ) اور کنھیری (ضلع تھانہ)۔[1] آٹھویں صدی کے شروع میں جب مسلمان سندھ پہنچے تو انھوں نے بدھ مذہب کے ماننے والوں کی وہاں خاصی بڑی آبادی دیکھی۔ پال خاندان کے راجاؤں نے بدھ مذہب کی باقاعدہ سرپرستی کی۔ انھوں نے بنگال اور مگدھ میں بدھ خانقاہوں کو فیاضی کے ساتھ عطیات دیے۔ بنگال اور مگدھ میں بدھ مذہب کے آثار بختیار خلجی کے حملے کے وقت تک باقی رہے۔ لیکن یہاں بدھ مذہب کی صورت کافی بدل گئی تھی۔ بدھ مت نے جو نئے تنتری طریقے اپنائے تھے ان سے اس کا پہچان میں آنا مشکل ہو گیا تھا۔ بھکشوؤں میں بہرحال تبلیغی جوش اب بھی موجود تھا۔ مثال کے طور پر اس مقام پر مشہور و معروف دیپانکر شری گیان کا ذکر کیا جا سکتا ہے جسے تبتیوں نے "اتیش" کا نام دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اتیش گیارھویں صدی کے وسط میں ہندوستان کی سرحدوں کے ماورا اپنے مذہب کی روشنی پھیلانے تبت گیا تھا۔ بدھ مذہب کے برعکس جین مذہب نے معلوم ہوتا ہے ہندوستان کے بعض علاقوں میں کافی زور پکڑ لیا تھا۔ دکن میں بعض شروع کے چالکیہ راجاؤں اور اموگھ ورش اول جیسا

---

[1] انڈین اینٹی کوئیری، بارھواں، ۱۸۸۳، ص ۱۳۶

کرشن دوم اور اندر سوم جیسے راشٹر کوٹ حکمرانوں نے اسے پروان چڑھایا۔ بہت سے مغربی گنگ راجہ بھی اس کی طرف مائل تھے۔ اَوِی نیت اور دُرویِ نیت نے علی الترتیب جین آچاریوں وجے کیرتی اور پوجیہ پادَ کی سرپرستی کی۔ یہ دونوں ہمارے زیرِ نظر دور سے پہلے کی شخصیتیں ہیں اس لیے انھیں چھوڑ دیجیے۔ لیکن راج مَل (تقریباً ۹۷۷-۹۸۵ء) کے عہد میں ہمیں معلوم ہے کہ اس کے وزیر اور سپہ سالار چامنڈ رائے نے جو جین مت کا سچا پیرو تھا، ۹۸۳ء میں شراون بیلگول کے مقام پر گومتیشور کا مشہور و معروف مجسمہ تیار کرایا۔ عظیم ہوئسل وِشنو وردھن ہوائسل (تقریباً ۱۱۱۱-۱۱۴۰ء) پہلے جین عقائد کو مانتا تھا لیکن آچاریہ رامانج کے زیرِ اثر بعد میں وِیشنو مت کا پیرو ہو گیا۔ چولوں کے عہد میں، جو شیو مت کے پکے ماننے والے تھے، جینی اطمینان و سکون کے ساتھ اپنے مذہبی عقاید پر قائم رہے۔ ۶۴۰ء میں "مُولُو کیوُچ آ (مل کوٹ) یا پانڈیہ دیش کا حال بیان کرتے ہوئے ہوان چوانگ نے "نِرگرنتھوں سے تعلق رکھنے والے بے شمار بدعقیدہ لوگوں" کا ذکر کیا ہے[1]۔ اسی طرح اس نے کانچی کی ریاست میں رہنے والے "بہت سے نِرگرنتھوں" کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس جہت سے ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ پلّو اور پانڈیہ ریاستوں میں آنے والی کئی صدیوں تک جینیوں کی کافی آبادی رہی ہوگی۔ لیکن جین مت نے کمارپال چالکیہ (تقریباً ۱۱۴۳-۱۱۷۲ء) کے عہد میں سب سے زیادہ مقبولیت حاصل کرلی۔ کمارپال نے عظیم آچاریہ ہیم چندر سے درس آگہی لیا۔ یقین کیا جاتا ہے کہ ہیم چندر کی تبلیغ اور تبحرِ علمی کی بدولت جین مت گجرات، کاٹھیاواڑ، کچھ، راجپوتانہ اور مالوہ میں خوب پھیل گیا۔ شمال میں بہر حال چونکہ اسے شاہی سرپرستی حاصل نہ ہو سکی اس لیے وہاں اس کا اثر بہت محدود رہا۔ کیا شمالی ہند میں اور کیا جنوبی ہند میں، برہمن مت یا پورانی ہندو مت کا زور سب سے زیادہ رہا۔ راجہ اور پرجا دونوں برہمنی دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔ ان دیوتاؤں میں سرِ فہرست وِشنو اور شیو تھے جنھیں بہت سے دوسرے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا تھا[2]۔ دیوتاؤں کی اس فہرست میں آگے چل کر برہما، سوریہ، ونایک یا گنپتی (گنیش) کمار اسکند، سوامی مہاسین یا کارتکیہ، اِندر، اگنی، یم، ورن، مَرت وغیرہ

---

[1] بیل، بدھسٹ رکارڈس آف دا ویسٹرن ورلڈ، جلد دوم، صفحہ ۲۳۱

[2] چنانچہ وشنو کے حسب ذیل نام تھے۔ واسودیو، چکردھر، گووند، نارائن، گداھر، مادھو، جناردن وغیرہ۔ شیو کے دوسرے نام یہ تھے شمبھو، ترپورانتک، مہادیو، بھوتپتی، پشوپتی، شول پانی، مہیشور، پناکن، تری پورانتک وغیرہ۔

دیوتاؤں اور ماتا دیویوں (ماترِکوں) بھگوتی یا درگا، شری لکشمی) اور بہت سے چھوٹے چھوٹے دیوتاؤں کے نام شامل کر لیے گئے۔ ان میں سے بہت سے آج بھی مقبول ہیں اور اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جدید ہندو مت نے اسی عہد میں جنم لیا۔ پرستش کے معاملے میں دیوتاؤں کی کوئی تخصیص نہیں تھی۔ مثال کے طور پر، راشٹرکوٹ کتبے شیو اور وشنو کے نام کے منتروں سے شروع ہوتے ہیں۔ گاہڑوال راجہ سوریہ شیو، واسو دیو (وشنو) کی پرستش کرتے اور اگنی کی قربانی کے بعد دان دیا کرتے تھے۔ ایک ہی حکمراں خاندان کے افراد مختلف دیوتاؤں سے اظہارِ عقیدت کرتے تھے۔ پرتی ہار راجاؤں کی خاص طور پر یہی صورت تھی[1]۔ راجاؤں کے عقائد کسی ایک دائرے میں محدود نہیں تھے۔ ان میں وسعت پائی جاتی تھی کیوں کہ ایک کتبے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جے چندر، "برضا و رغبت اور بے انتہا شوق کے ساتھ" شری متر، نامی بدھ بھکشو کا چیلا بن گیا تھا[2]۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گووند چندر گاہڑوال اور راجراج اول چول اور کلوتنگ اول نے بدھ وہاروں کے نام گاؤں وقف کیے۔ اس طریقۂ کار نے یقیناً مختلف متقابل فرقوں کے درمیان رواداری اور ہم آہنگی پیدا کر دی۔ چناں چہ مذہبی جبر و تشدد اور فرقہ وارانہ منافرت اس وقت بہت کم پائی جاتی تھی۔ متذکرہ بالا کلوتنگ کی تو ایک مثال ضرور اس کے برعکس دکھائی دیتی ہے، جس کی ناراضگی نے عظیم ویشنو مصلح رامانج کو شری رنگم چھوڑ کر ہوائسل ریاست میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ رامانج کی واپسی اسی وقت ممکن ہو سکی جب وکرم چول نے اپنے باپ کے برعکس طریقہ اپنایا۔ بہر حال چول خاندان کے راجا اور جنوب کے حکمراں تمام مذہبی فرقوں کے ساتھ عام طور پر رواداری کا برتاؤ کرتے تھے؛ اور ویشنو الوہر اور شیو نین مار اپنے اپنے مذہبی عقائد کی تبلیغ میں پوری طرح آزاد تھے۔ ان مذہبی معلمین نے اپنے قول و فعل کے ذریعہ رائج الوقت مذہبی عقائد میں نئی زندگی اور تازہ روح پھونک دی۔ اس عہد میں شمالی ہند نے کمارل بھٹ، شنکر آچاریہ، رامانج، اور مدھو آچاریہ جیسی عظیم شخصیتیں پیدا کیں جنھوں نے ہندو مذہب اور فلسفہ پر اپنے اخلاقِ حسنہ اور تبحرِ علمی کی نہ مٹنے والی چھاپ چھوڑی ہے۔ آخر میں یہ بات بھی قابل

---

1. پرتی ہار، صفحہ ۲۹۰
2. انڈین ہسٹاریکل کوارٹرلی، پانچواں (۱۹۲۹)، صفحہ ۱۲۶، اشلوک - ۱۰

غور ہے کہ اس وقت معلوم ہوتا ہے ویدک یگیوں کا رواج نہیں رہا تھا۔ راشٹرکوٹ راجاؤں کے کتبوں میں بہرحال اس قسم کے حوالے ملتے ہیں کہ انھوں نے ہِرَنیہ گربھ اور تلادان کی رسوم انجام دیں۔ راجا دھراج اول (تقریباً ۱۰۴۴ — ۱۰۵۲ء) کے عہد کے ایک چول کتبے میں آشومیدھ کی طرف صرف ایک اشارہ ملتا ہے۔ غالباً یگیوں کے مقابلے میں، جنھیں تمام تر جزویات کے ساتھ انجام دینے میں دقت بھی تھی اور طوالت بھی، اب دان (نذر) پر زیادہ زور دیا جانے لگا۔ دوسری طرف عظیم مسلم عالم البیرونی (تقریباً ۹۷۰ — ۱۰۳۹ء) نے ۱۰۳۰ء میں لکھتے ہوئے ان رسموں کے متروک ہونے کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے: "رسموں کی مدت میں فرق رہتا ہے، اس طرح کہ وہ شخص جو طویل عمر پاتا ہے، ان میں سے صرف بعض انجام دے پاتا ہے؛ اور اتنی طویل عمریں ہمارے اس دور میں بہت کم ہوتی ہیں، اس لیے بہت سی رسمیں متروک ہوگئی ہیں، صرف چند باقی رہ گئی ہیں جنھیں لوگ آج کل انجام دیتے ہیں[1]"

سماج ذات پات (وَرن) کے بندھنوں میں اس وقت بھی اتنا ہی جکڑا ہوا تھا جتنا آج ہے۔ ابن خردازبہ جس کی وفات ۳۰۰ھ مطابق ۹۱۲ء میں ہوئی، لکھتا ہے کہ سات ذاتیں پائی جاتی تھیں — (۱) سَب کُفریہ یا سَبک فَریہ، (۲) برہمُ، (۳) کترِیہ، (۴) سُدَریہ، (۵) بےسورۂ، (۶) سَنڈلیۂ، (۷) لاہود۔ الادریسی نے بھی ان سب کا ذکر کیا ہے (آخرِ گیارھویں صدی)، لیکن آخرالذکر ذات کو اس نے "زکیہ" کہا ہے۔ اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ نمبر (۲)، (۳)، (۴)، (۵) اور (۶) سے علی الترتیب برہمن، چھتری، شودر، ویش، اور چانڈال مراد ہیں، اور نمبر (۱) سے شاید ست کشتریہ مراد ہیں[2] نمبر (۷) کی شناخت مشتبہ ہے۔ بہرحال، البیرونی کہتا ہے کہ شروع میں ہندو چار ذاتوں میں منقسم تھے (۱) — (۱) برہمن، (۲) کشتریہ، (۳) ویشیہ، اور (۴) شودر۔ ظاہر ہے کہ البیرونی کے اس قول کی بنیاد وہ معلومات ہے جو اس نے سمرتیوں سے حاصل کی کیوں کہ یہ بات طے ہے کہ اس وقت تک ذاتوں کی تقسیم در تقسیم ہو چکی تھی اور مخلوط ذاتیں وجود میں آچکی تھیں۔ یہ بات بعد کی سمرتیوں سے بھی ثابت ہوتی ہے اور کلہن نے ۶۴ چھوٹی چھوٹی ذاتوں کا ذکر

---

[1] ساؤ البیرونیز انڈیا، جلد دوسری، ص۱۳۹

[2] راشٹرکوٹاز اینڈ دیر ٹائمس، ص۳۱۸، ص۳۱۹

کیا ہے۔ چھوٹی چھوٹی ذاتیں ناجائز شادیوں، موروثی پیشوں کو چھوڑنے یا نئے پیشے اختیار کرنے کے باعث وجود میں آئیں۔ ان چار خاص ذاتوں کے علاوہ البیرونی نے انتجوں کے آٹھ طبقوں نیز ہاڑی، ڈوم (ڈومب)، چانڈال، اور "بدھتاؤ" (ہو بہو جیسے مصنف نے لکھا ہے) کا ذکر کیا ہے۔ آخرالذکر کا شمار کسی ذات میں نہیں کیا جاتا تھا۔ ان کے سپرد گندے کام کیے گئے تھے، اور انھیں شہر یا گاؤں کے باہر رہنا پڑتا تھا۔ ہمارے اس زیر نظر دور میں یہی گویا اچھوت تھے جنھیں سماج باہر کی کوئی چیز سمجھا جاتا تھا۔ البیرونی کہتا ہے کہ چاروں ذاتوں کے لوگ شہروں اور گاؤوں میں اور اپنے رہائشی مکانات میں ایک دوسرے کے ساتھ خوب گھلے ملے رہتے تھے[1] لیکن مختلف ذات کے لوگوں کے لیے ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھانا ممنوع تھا[2] اس قسم کے قیود اس کی سمجھ سے باہر تھے اور وہ بڑے افسوس کے ساتھ لکھتا ہے کہ ذات پات کے بندھن "ہندو مسلمانوں میں میل جول اور یگانگت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بنے ہوئے ہیں[3]" اس لیے سماجی اعتبار سے ہندو اور مسلمان کم از کم البیرونی کے وقت تک ایک دوسرے کے قریب نہ آسکے۔ یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ نومسلم اپنا مذہب چھوڑ کر پھر ہندو مذہب اختیار کر سکتے تھے۔ دیول جو مسلمانوں کی فتح سندھ کے بعد لکھ رہا ہے، ان لوگوں کو معافی دیتا ہے جنھوں نے گزشتہ بیس سال میں زبردستی اسلام قبول کر لیا تھا۔ اسی طرح برہمؔ دیامؔ نے اس مقصد سے ایسے لوگوں کے لیے کچھ پرائشچت مقرر کر دیے تھے۔ البلاذری (وفات، ۸۹۲ - ۸۹۳ء) بھی متاسف ہے کہ "اہل ہند، سوائے اہل کشمیر کے سب بت پرستی کی طرف مائل ہیں[4]" العطبی نے بھی ایک ہندوستانی راجہ نواسہ شاہ کا ذکر کیا ہے جس نے اسلام قبول کر لیا تھا اور بعد میں "اپنے گلے سے مذہب کی رسّی کا مضبوط پھندا نکال کر پھینک دینے کے بارے میں اس نے بُت پرستی کے سربراہوں سے تبادلۂ خیال کیا[5]"

---

[1] سخاؤ البیرونیز انڈیا، جلد ۱۔ ص۱۰۱

[2] ایضاً، ص۱۰۲

[3] ایضاً، ص۱۰۰

[4] ایلیٹ، ہسٹری آف انڈیا، جلد ایک، ص۱۱۶

[5] ایلیٹ، ہسٹری آف انڈیا، جلد ۲، ص۳۲، ص۳۳

ہندوؤں میں برہمنوں کا اقتدار مکمل طور پر تسلیم کیا جا چکا تھا۔ وہ اپنے گوتروں اور پروروں سے پہچانے جاتے تھے، حالاں کہ آج کل کی طرح خاندانی ناموں کا استعمال بھی رفتہ رفتہ رواج پاتا جا رہا تھا۔ ناموں پر صوبائی چھاپ ابھی نہیں لگی تھی۔ بہر حال ایک کتبہ میں وقف نامہ کا مصنف اپنے کو "ناگر گیا تیہ براہمن" کہتا ہے[1]۔ دوسری ذاتوں کے لوگ بھی برہمنوں کی عزت کرتے تھے اور انھیں دان دیتے اور ان کا احترام کرتے تھے۔ المسعودی اور الادریسی نے لکھا ہے کہ برہمن گوشت سے پرہیز کرتے اور نیکی اور جفاکشی کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ ابن خرداذبہ کا بھی یہی بیان ہے کہ برہمن شراب نہیں پیتے تھے اور مسکرات سے پرہیز کرتے تھے۔ وہ یوگ کی مشق کرتے تھے[2] اور ویدوں کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ویدوں کو وہ قلم بند نہیں کرنے دیتے تھے، بلکہ انھیں زبانی یاد کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ اٹھارہ پرانوں، سمرتیوں اور سانکھیہ، نیائے ویشیشک، می مانسا وغیرہ فلسفیانہ رسالوں، رزمیہ نظموں اور دوسرے باقاعدہ علوم مثلاً قواعد، عروض، ہیئت، جیوتش، ریاضیات اور طب وغیرہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے[3]۔ المختصر انھیں علم و فضل کا مخزن مانا جاتا تھا۔ برہمن ویدوں کی تعلیم چھتریوں کو دیتے تھے۔ "چھتری ویدوں کو خود پڑھ سکتے تھے، لیکن کسی کو پڑھا نہیں سکتے تھے، یہاں تک کہ برہمنوں کو بھی نہیں۔" ویشیوں اور شودروں کے متعلق البیرونی کہتا ہے کہ "خود پڑھنے پڑھانے کا تو ذکر ہی کیا انھیں ویدوں کو سننے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ اگر کسی ایک کے خلاف بھی یہ بات ثابت ہو جاتی تو برہمن اُسے عدالت میں پیش کر دیتے اور اُسے سزا دی جاتی اور اس کی زبان قطع کر لی جاتی تھی[4]۔" یہ سب تکلیف دہ امتیازات اور پابندیاں اس وقت کے سماج پر ایک بدنما داغ تھیں۔ اس وقت کے مخصوص عوام میں عوام کا جوش و خروش یقیناً سرد پڑ گیا ہوگا، اس لیے کوئی تعجب نہیں کہ مسلم حملہ آور جو آفاقی برادری کا پیغام اپنے ساتھ لائے تھے، ہندوؤں کی کثرت تعداد کے باوجود ہندوستان میں اپنے جھنڈے گاڑنے میں کامیاب ہو گئے۔

---

1. اپی گرافیہ انڈیکا، تیسرا، ص ۱۳۲
2. انڈین اینٹی کویریز، چودھواں، ص ۱۴۵، ص ۱۶۵
3. زخاؤ البیرونیز انڈیا، جلد ایک، ص ۱۳۰، ص ۱۳۹
4. ایضاً ایک، ص ۱۲۵، دوسرا، ص ۱۳۶

ذات پات کے انتشار کو ازدواجی رشتوں میں بھی دخل تھا اور مختلف ذاتوں میں باہمی شادیوں کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔ البیرونی لکھتا ہے کہ حالاں کہ انولوم[1] شادیوں کی اجازت تھی، پھر بھی برہمن اس کے زمانے میں اپنی ذات کے باہر کسی عورت سے کبھی شادی نہیں کرتے تھے[2]۔ اس کے برخلاف ابن خرداذبہ مغربی ہندوستان کے بارے میں ہمیں بتاتا ہے کہ برہمن (برہمن) کشتریوں (کشتریوں) کی لڑکیوں کو زوجیت میں لے لیتے ہیں۔ تاریخ نے اس قسم کی بعض شادیوں کو اپنے دامن میں محفوظ کر لیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ راج شیکھر نے (نویں صدی کے اواخر اور دسویں صدی کے ربع اول میں) اونتی سندری نام کی ایک کشتری خاتون سے شادی کی جو چاہ مان قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی۔ اسی طرح کشمیر کے ایک راجہ سنگرام راج نے اپنی بہن کو ایک برہمن کے ساتھ بیاہ دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاہی خاندانوں میں دوسری ذات میں شادیاں ممنوع نہیں تھیں، کیوں کہ گووند چندر گاہڑوال کے متعلق ہم جانتے ہیں کہ اس نے کمار دیوی کو اپنی زوجیت میں لے لیا جو بدھ مذہب کی جوشیلی پیرو تھی۔ اس دور میں کمسنی کی شادی کا بھی رواج تھا۔ چناں چہ البیرونی کہتا ہے، "ہندو بہت کم عمر میں شادی کرتے ہیں، چناں چہ اولاد کی شادی والدین ہی کرتے ہیں[3]۔" بالائی درس، بہر پنچ کئی کئی بیویاں رکھتے تھے اور طلاق کو ناپسند کیا جاتا تھا۔ اگر کسی عورت کا شوہر مر جاتا تو وہ دوسری شادی نہیں کر سکتی تھی۔ اسے یا تو عمر بھر بیوہ رہنا پڑتا تھا یا ستی ہونا پڑتا تھا۔ کشمیر میں یہ رسم عام تھی۔ دکن میں اس کا رواج نہیں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ستی کی رسم اس وقت صرف شاہی خاندانوں تک محدود تھی اور عوام میں نہیں پھیلی تھی۔ بعد میں عوام نے بھی اسے اختیار کر لیا۔ اس قیاس کے لیے بھی کافی گنجائش موجود ہے کہ پردہ کا رواج عام نہیں ہوا تھا۔ ابوزید لکھتا ہے — ہندوستان کے بہت سے راجہ جب دربار کرتے ہیں تو اپنی عورتوں کو باہر آنے دیتے ہیں۔ دیسی لوگ ہوں یا غیر ملکی، سب انھیں دیکھ سکتے ہیں اور وہ دربار میں شرکت کرتی ہیں۔ غیروں سے منہ چھپانے کے لیے وہ برقع وغیرہ استعمال نہیں کرتیں[4]۔ عورتوں کی سماجی حیثیت

---

[1] اونچی ذات والے کی نیچی ذات والے کے ساتھ شادی (مترجم)

[2] زخاؤ، البیرونیز انڈیا، جلد دو، ص۱۵۴

[3] زخاؤ، البیرونیز انڈیا، جلد دو، ص۱۵۴

[4] الیٹ، ہسٹری آف انڈیا، اول، ص۱۱

عام طور پر پست نہیں تھی۔ بعض عورتیں اپنی علمی صلاحیتوں کی وجہ سے ممتاز مقام حاصل کرلیتی تھیں۔ راج شیکھر نے شاعرہ عورتوں کا ذکر کیا ہے۔ اس کی اپنی بیوی اونتی سندری بڑی صلاحیتوں والی عورت تھی۔ کہتے ہیں کہ مَنڈن مِشر کی بیوی نے اپنی غیر معمولی قابلیت سے شنکر آچاریہ جیسی عظیم شخصیت کے چھکے چھڑا دیے تھے۔ لیلاوتی ریاضیات میں زبردست مہارت رکھتی تھی۔ ہمارے اس دور کو کشمیر کی دِدّا (تقریباً ۹۸۰-۱۰۰۳ء) اور کاکتیہ رانی، رودرآمبا (تقریباً ۱۲۶۱-۱۲۹۰ء) جیسی عظیم حکمراں خواتین کو جنم دینے کا بھی افتخار حاصل ہے۔ مغربی چالکیوں کے کتبوں میں گورنر رانیوں کے حوالے بھی ملتے ہیں۔ چناں چہ سومیشور اول آہومل کی ایک بیوی، میلا دیوی ۱۰۵۳ء میں بناسی کے صوبے کی حاکم تھی۔ اسی طرح وکرمادتیہ ششم کی اگرمہشی لکشمی دیوی کے ذمے ۱۰۹۵ء میں ۱۸ اگرہ ہروں کی نگرانی تھی۔ اگر ہم وکرمادتیہ ششم تقریباً ۱۰۷۶-۱۱۲۶ء) کے ایک متوسل اور متاکشرا کے مصنف وِگیا نیشور کی شہادت کو تسلیم کریں تو ماننا پڑے گا کہ سماج کے ایک ناپسندیدہ پہلو یعنی غلامی کا وجود بھی پایا جاتا تھا۔ وِگیا نیشور نے پندرہ قسم کے غلاموں کا ذکر کیا ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ اپنی آزادی کس طرح خرید سکتے تھے۔ ہندوؤں میں وارانسی (بنارس)، متھرا، پُکر (پُشکر) وغیرہ جیسے مقدس مقامات (تیرتھوں) کی یاترائیں کرنے کا رواج اس وقت عام تھا۔ سال کے بعض مقررہ دنوں میں تیوہار منائے جاتے تھے اور ثواب حاصل کرنے کے خیال سے روزے (وَرت) رکھے جاتے تھے اس طرح ہمارے اس دور میں بعض ایسے رواج پائے جاتے تھے جنھوں نے ہندو سماج میں آگے چل کر کافی زور پکڑ لیا۔

فصل (۴)

انتظامِ حکومت اور اقتصادی حالت

عوام کی مذہبی اور سماجی زندگی کی ایک دھندلی سی تصویر دیکھنے کے بعد اب ہمیں اس طرزِ حکومت کا جائزہ لینا چاہیے جس کے ماتحت وہ زندگی گزارتے تھے۔ پہلی قابلِ ذکر بات اس سلسلے میں یہ ہے کہ اس دور میں جتنی حکومتیں قائم ہوئیں وہ سب کی سب خاصی منظم تھیں۔ یہ حقیقت اس بات سے واضح ہو جاتی ہے کہ گدّی کے لیے جھگڑوں یا

تھوڑے وقفوں کے بعد پے در پے لڑائیوں کے باوجود پالوں، چولوں اور مشرقی چالکیوں کا راج لگ بھگ چار صدی تک اور پرتی ہاروں، راشٹر کوٹوں، اور مغربی چالکیوں کا راج دو صدی سے کچھ زیادہ مدت تک باقی رہا۔ اس زمانے میں آمد و رفت کے وسائل کم بھی تھے اور سست بھی، لیکن اس کے باوجود یہ بات حیرت انگیز ہے کہ ان خاندانوں نے اتنے طویل عرصے تک اس قدر دور دراز علاقوں پر اپنی حکومت جمائے رکھی۔ نظام حکومت کے تمام کل پرزے تمام حکومتوں کے ایک ہی جیسے تھے، سوائے اس کے کہ زمانے کے اعتبار سے، نیز مقامی حالات کے مطابق کہیں کہیں ان کل پرزوں کی ساخت میں تھوڑا بہت فرق آجاتا تھا۔ عہدہ داروں کے نام تو ضرور بدل جاتے تھے لیکن ان کے اختیارات و فرائض میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی تھی۔ انتظامی سہولت کے لیے ریاست (ساجیہ) کو پہلے کی طرح متعدد صوبوں (بھکتی، بھومی، منڈل، یا جیسے جنوب میں منڈلم کہتے تھے) میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ صوبوں کی تقسیم در تقسیم اپنی جگہ علیحدہ ہوتی تھی جو وشیہ یا بھوگ، یا جنوبی ہند میں کوٹم یا ولی ناڈو کہلاتے تھے۔ دوسری اس سے چھوٹی انتظامی اکائی ضلع ہوتا تھا (ادھشٹھان یا پتن، جسے جنوب میں ناڈو کہتے تھے) جس میں کئی کئی گاؤں (پتلی یا اگرھار، یعنی موجودہ تحصیل جس کے لیے جنوبی ہند کے کتبوں میں کرٹم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے) شامل ہوتے تھے۔ سب سے چھوٹی انتظامی اکائی گاؤں (گرام یا گرامم) ہوتا تھا۔ حکومت کا انتظام چلانے کے لیے بہت سے اعلیٰ یا ادنیٰ قسم کے صوبائی اور مقامی عہدے دار ہوتے تھے۔ بعض اوقات فوجی اور غیر فوجی افسروں میں امتیاز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس مقام پر ان تمام افسروں کی تفصیل بیان کرنا مناسب نہیں ہے اس لیے ہم صرف اس عہد کے طرز حکومت کی خاص خاص باتوں کی طرف اشارہ کریں گے۔ پہلی قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس دور میں غیر شخصی حکومتوں کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں پایا جاتا تھا۔ اس قسم کے خود اختیاری یا چند سری نظام رکھنے والے قبیلوں کی آخری جھلک ہمیں سمدر گپت کے الٰہ آباد والے ستونی کتبے میں دکھائی دیتی ہے۔ اب یہ چیزیں قصۂ پارینہ بن گئی تھیں اور شخصی حکومتوں کے سیلاب میں غرقاب ہو چکی تھیں[1]۔ شخصی حکومت موروثی ہوتی تھی، اس میں حکمراں

---

[1] یہ بات قابل غور ہے کہ جنوبی ہندوستان کی عہد قدیم کی دستاویزات میں بھی اس قسم کی غیر شخصی حکومتوں کے حوالے کہیں نہیں ملتے۔

کے انتخاب کا سوال نہیں تھا۔ واقعتاً ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ آٹھویں صدی کے وسط میں اہل بنگال نے تمام دیش میں پھیلی ہوئی طوائف الملوکی سے تنگ آ کر گوپال کو راجہ چُن لیا۔ اسی طرح ۹۳۹ء میں شوُر وَرمن کے انتقال کے بعد برہمنوں کی ایک جماعت نے یشسکر کو کشمیر کا راجہ منتخب کر لیا۔ لیکن یہ مستثنیات ہیں اور ان سے اصول باطل نہیں ہو جاتا۔ عام طور پر سب سے بڑا بیٹا باپ کی گدی پر بیٹھتا تھا۔ باپ اپنی زندگی ہی میں بیٹے کو یُووراج نامزد کرنے کی رسوم باقاعدہ انجام دیتا تھا۔ بہر حال اگر چھوٹا بیٹا زیادہ اہل ہوتا تو بڑے بیٹے کو اس کے حق سے محروم کر دیا جاتا تھا، جیسا کہ اس وقت ہوا جب ڈھرلوٗ وَزدوِم نے اِستَمبھ (کمبھ) کی بجائے گووِند سوم کو گدی کے لیے نامزد کیا۔ اس قسم کی ترجیحات کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ بھائیوں کے درمیان جنگ چھڑ جاتی تھی۔ بعض اوقات سوتیلے بھائی، مثلاً بھوج دوم اور مہی پال گدی کے لیے ایک دوسرے سے لڑنے لگتے تھے۔ اگر راجہ نابالغ ہوتا تو کوئی قریبی رشتہ دار ولی کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ ایسے حالات میں اکثر و بیشتر درباری ریشہ دوانیاں شروع ہو جاتی تھیں اور ملک میں گڑ بڑ پھیل جاتی تھی۔ اس عہد میں شاہی خاندان کے افراد شان و شوکت کی زندگی گزارتے تھے اور ان کی استبدادیت ایک مسلم حقیقت تھی؛ اور اگرچہ کہیں کہیں منتریوں اور اماتیوں (وزیروں اور مشیروں) کا ذکر سننے میں آتا ہے، لیکن راجہ کو مشورہ دینے اور اس کی مطلق العنانی پر پابندی لگانے کے لیے اگلے وقتوں کی طرح کوئی باقاعدہ منتری پریشد نہیں ہوتا تھا۔ دراصل ہمارے اس دور کی دستاویزات میں راجہ کے کسی نئی مہم کا آغاز کرنے سے پہلے اپنے وزیروں سے مشورہ کرنے کا ذکر بہت کم ملتا ہے۔ وزرا اپنے عہدے کو برقرار رکھنے کے لیے جو انھیں اعلیٰ نسبی کی بنیاد پر تفویض ہوتا تھا، نیز اپنے کلیتاً بااختیار آقاؤں کی خوشنودیٔ مزاج حاصل کرنے کی غرض سے ان کی ہاں میں ہاں ملانے کو عین مصلحت سمجھتے تھے۔ کلہن نے تاریخ کشمیر میں ایسی ایسی بہت سی کٹھ پتلیوں کا حوالہ دیا ہے۔ لیکن ایسے وزرا کی مثالیں بھی ناپید نہیں ہیں جن کی دانشوری دیانت داری اور جاں نثاری کی بدولت راجہ ان کی عزت کرتے تھے۔ چناں چہ ایک کتبے میں یادو حکمراں اکرشن نے اپنے وزرا کو اپنی زبان اور اپنا دستِ راست کہا ہے[1]۔

نظام حکومت کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس میں جاگیردار (سامنت یا مہا سامنت)

---

[1] انڈین اینٹی کوئریز، چودھواں، ص ۶۹

ہوتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ان کا وجود بہت پرانے زمانے سے پایا جاتا تھا کیوں کہ فاتحین اکثر منو یا کوٹلیہ کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق مفتوحہ علاقوں کو سلطنت میں شامل نہ کرنے کی پالیسی پر عمل کرتے تھے۔ نویں صدی کے وسط میں سلیمان لکھتا ہے — "ہندوستان میں جب کوئی راجہ کسی پڑوسی ریاست کو فتح کرتا ہے تو اس کے انتظام کے لیے وہ ہارے ہوئے راجہ کے خاندان میں سے کسی کو تعینات کر دیتا ہے جو فاتح کی طرف سے وہاں کی حکومت کا کام چلاتا ہے۔ اہلِ ریاست خود اس کے علاوہ کوئی بات گوارا نہیں کرتے۔"[1] یہ بھی واقعہ ہے کہ توسیع سلطنت کی خواہش مند طاقتوں نے وقتاً فوقتاً مفتوحہ علاقوں کو سلطنت میں شامل کرنے اور ان کا انتظام شاہی خاندان کے افراد کے ساتھ کرنے کی کوششیں کیں۔ چناں چہ راشٹرکوٹوں نے گنگ واڑی کو، اور کرشن سوم کے عہد میں تونڈ منڈلم کو ضم کرنے کی کوشش کی۔ اسی طرح کیرل نے بھی کیرل اور پانڈیہ دیش کے معاملے میں یہی پالسی اختیار کی۔ لیکن ان تمام کوششوں میں کامیابی ناپائیدار ثابت ہوئی۔ تمام جاگیر دار اپنے فرماں رواکے حاضر باش تھے اور فوجی مہموں میں راجہ کی امداد کیا کرتے تھے۔ کناری کا شاعر پمپ ہمیں بتاتا ہے کہ نرسنگھ چالکیہ شمالی مہموں میں اپنے سردار اعلیٰ اندر سوم کے ہمرکاب تھا۔ اسی طرح پالوں، پرتی ہاروں اور دوسرے حکمراں خاندانوں کے کتبوں میں ایسے بے شمار جاگیر داروں کا ذکر موجود ہے جنھوں نے اپنے آقاؤں کی طرف سے ان کی لڑائیوں میں شرکت کی۔ اس مقصد کے لیے وہ اپنے یہاں تھوڑی بہت فوج بھی رکھتے تھے۔ چولوں کے پاس تو ایک بہت اچھا بری اور بحری لشکر تھا۔ لیکن دوسری بڑی بڑی طاقتیں، خاص کر شمالی ہند کی طاقتیں، خود اپنی باقاعدہ فوجوں کی طرف سے غافل ہو جاتیں اور ان کی قوت اور صلاحیت میں کمی آ جاتی۔ چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس وقت ایک قسم کے جاگیر دارانہ نظام کی تشکیل ہو رہی تھی جو آگے چل کر ایک لعنت بن گیا۔ اس نظام نے اقتدارِ اعلیٰ کو کمزور کر دیا یا کہیں بالکل ختم کر کے رکھ دیا۔

جنوبی ہندوستان کے کتبے ہمارے اس دور میں پائی جانے والی گرام سبھاؤں کے وجود اور کارکردگی پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔ پلو کتبوں میں اگرچہ ان سبھاؤں کا ذکر ذرا بعد کے زمانے

---

[1] نئے علاقوں کو سلطنت میں شامل کرنے کی پالیسی سے مرکزی حکومت میں کمزوری آتی تھی، کیوں کہ سرکش جاگیردار ہمیشہ علمِ بغاوت بلند کرنے کی خواہش میں رہتے تھے۔

میں آتا ہے، لیکن چولوں کے یہاں یہ سبھائیں انفرادی خصوصیت رکھتی تھیں۔ بدقسمتی سے شمالی ہند کے کتبوں میں بہرحال ان کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس مقام پر ضروری نہیں کہ جنوبی ہندوستان کی ان گرام سبھاؤں یا مہا سبھاؤں کے اختیارات و فرائض کی تفصیلات بیان کی جائیں، بس اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اگر چہ عام نگرانی شاہی افسران کی رہتی تھی، پھر بھی گاؤں کے تمام انتظامی معاملات میں یہ سبھائیں پوری طرح بااختیار ہوتی تھیں۔ انتظام میں باقاعدگی پیدا کرنے کی غرض سے سبھا کو چھوٹی چھوٹی کمیٹیوں میں تقسیم کردیا جاتا تھا۔ اپنے مقام پر الگ الگ مندروں، تالابوں، اشنان گرہوں، باغوں یا کھیتوں وغیرہ کی دیکھ بھال اور اصلاح کی ذمہ دار ہوتی تھیں۔ ان جماعتوں کے چناؤ کے لیے بڑے واضح اصول مقرر تھے۔ اراکین کا انتخاب صرف ایک سال کے لیے عمل میں آتا تھا۔ رکنیت کے لیے کسی شخص کی اہلیت یا نااہلی کا تعین کرنے کی غرض سے کچھ مخصوص صلاحیتوں — مثلاً کردار، علم وفضل، سماجی حیثیت وغیرہ — کو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔

امن وامان قائم رکھنا ریاست کا بنیادی فرض ہوتا ہے۔ چناں چہ اس قیاس کے لیے ہمارے پاس کافی گنجائش موجود ہے کہ حکمراں اپنے خارجی تعلقات میں کتنے ہی جارحانہ اقدامات کرتے ہوں، لیکن وہ اپنی ریاست کے اندر امن وامان قائم رکھنے کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔ راجہ بھوج پرتی ہار کی سلطنت کے بارے میں سلیمان (۸۵۱ء) لکھتا ہے — "ہندوستان میں کوئی علاقہ ڈاکوؤں سے اس سے زیادہ محفوظ نہیں ہے۔" یہ گویا پرتی ہار راجہ کے انتظام حکومت کی انتہائی تعریف ہے کیوں کہ دو صدی پہلے جب یوآن چوانگ، ہرش کے زمانے میں اس علاقے سے گزرا تھا تو ڈاکوؤں نے اسے کافی پریشان کیا تھا۔

ریاست عوام کی خوش حالی کا بھی خیال رکھتی تھی اور رفاہِ عام کے کام انجام دیتی تھی۔ چولوں نے لمبی چوڑی شاہراہیں تعمیر کرائیں جنھوں نے فوجوں کی نقل و حرکت میں آسانیوں کے علاوہ تجارت اور رسل ورسائل میں بے پناہ سہولتیں بہم پہنچا دیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے کنوئیں کھدوائے، تالاب بنوائے اور کاویری پر عظیم الشان ڈام تعمیر کرائے۔ نیز کاشتکاروں کی آبپاشی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے نہریں کھدوائیں۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے راجیندرا اول نے بھی اپنی راجدھانی گنگئے کونڈ چول پرم کے قریب ایک مصنوعی جھیل کھدوائی جو دریائے کولیرن اور ویلر کے پانی سے بھری جاتی تھی۔ اسی طرح چندیلوں اور

پرماروں نے متعدد جھیلیں ایسی تعمیر کرائیں جن پر پشتے بنائے گئے تھے جیسے مہوبا میں مَدن ساگر اور دھر میں مُنج ساگر۔ کشمیر میں اونتی وَرمن کے وزیر شُیّہ (تقریباً ۸۵۵-۸۸۳ء) نے آبپاشی کے لیے نہریں کھدوائیں، یہاں تک کہ اس نے سیلابوں کی روک تھام کے لیے دریائے وِتَستہ (جہلم) کے بہاؤ کا رُخ بدل دیا اور اس طرح بڑے بڑے دلدلی علاقوں کو قابلِ کاشت بنا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کشمیر میں لوگ اقتصادی طور پر زیادہ خوش حال ہوگئے کیوں کہ چاول کی ایک کھاری جس کی قیمت پہلے ۲۰۰ دینار ہوا کرتی تھی، اب ۳۶ دینار میں ملنے لگی۔ یہ تمام رفاہِ عامہ کے کام ظاہر کرتے ہیں کہ اس دور میں حکمراں فوجی ترنگ میں محض اپنی من مانی ہی نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی بھولی بھالی رعایا کی فلاح و بہبود بھی ہمیشہ پیشِ نظر رکھتے تھے۔

حکومت کا استحکام اور افادیت ایک باقاعدہ نظامِ محصولات پر منحصر تھی۔ شمالی ہندوستان اور جنوبی ہندوستان دونوں جگہ کے کتبوں میں ہم کئی طرح کے محصولوں کا ذکر دیکھتے ہیں جن میں سے کچھ پابندی کے ساتھ، اور کچھ کبھی کبھار اتفاقیہ طور پر وصول کیے جاتے تھے۔ ان محاصل کی جامعیت غمازی کرتی ہے کہ حکومت نے آمدنی کے تصوّر میں آنے والے قریب قریب تمام ذرائع کو اچھی طرح کھکھوڑ لیا تھا۔ ان بے شمار ٹیکسوں، چندوں اور جرمانوں کو ادا کرنے کی صلاحیت لوگوں کی اقتصادی حالت پر بالواسطہ روشنی ڈالتی ہے۔ درحقیقت مالیات کا سب سے بڑا سہارا زمین پر لگان تھا، جس میں غالباً قسمِ زمین، آبپاشی کی سہولتوں اور ریاست کی مخصوص ضروریات کے اعتبار سے کمی بیشی پائی جاتی تھی۔[1] لگان عام طور سے جنس میں ادا کیا جاتا تھا، لیکن بعض اوقات جزوی طور پر نقدی کی صورت میں بھی وصول کیا جاسکتا تھا، اور اس کے لیے قسطیں مقرر کردی جاتی تھیں۔ راجراجیشور مندر کے کتبوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تامِلکم میں لگان چاول کی صورت میں وصول کیا جاتا تھا۔ وقتاً فوقتاً بڑی احتیاط کے ساتھ زمین کی پیمائش کرائی جاتی تھی اور زمین کے تمام پٹوں کا اندراج کرلیا جاتا تھا۔ چولِ ریاست میں یہ اہتمام خاص طور پر ہوتا تھا۔ ریاست کی آمدنی کا ایک ذریعہ تجارت بھی تھا۔ دور سمندر پار کے تجارتی تعلقات

---

[1] لگان کے سلسلے میں جو لفظ भाग استعمال کیا گیا ہے اس کے لغوی معنی ہرگز نہیں لینے چاہئیں۔ "عملاً یہ ہوتا تھا کہ راجا اپنی رعایا کی خواہ مخواہ ستائے بغیر اتنا لگان وصول کرلیتا تھا جتنی اس کو ضرورت ہوتی"

کے سلسلے میں چولوں کا جہازی بیڑا بہت مدد دیتا تھا۔ ریاست کی آمدنی کے دیگر ذرائع بھی تھے مثلاً ۔۔۔ بنجر زمینیں، درخت، کانیں، نمک، زمین سے برآمد شدہ دفینے وغیرہ ۔۔۔ ریاست کے نزدیک بیگار لینا جائز تھا۔ اقتصادی زندگی کی تنظیم، پیشوں کی بنیاد پر ہوتی تھی۔ ایک ہی پیشہ اختیار کرنے والے لوگ اپنے کاروبار میں باقاعدگی پیدا کرنے کے لیے اپنی الگ الگ تجارتی انجمنیں بنا لیتے تھے۔ ہمارے اس عہد کے کتبوں میں اس قسم کی انجمنوں کے جا بجا حوالے آتے ہیں۔ ہر انجمن کا ایک چودھری ہوتا تھا اور انجمن کے اراکین مجموعی طور پر مندروں وغیرہ کو عطیات دیتے تھے۔ یہی انجمنیں بعض اوقات بنک کا کام بھی انجام دیتی تھیں اور ان کے پاس روپیہ جمع کر دیا جاتا جس پر تھوڑا بہت سود بھی ادا کیا جاتا تھا۔ اپنے اندرونی انتظام میں وہ آزاد تھیں اور ریاست ان کے معاملات میں بہت کم دخل دیتی تھیں۔ ان کے ذریعہ سماجی تنظیم تو ہوتی ہی تھی، لیکن اس کے علاوہ چوں کہ وہ قانونی پابندی کا جذبہ پیدا کرتی تھیں اس لیے ریاست کے لیے ان کا وجود انتہائی مفید تھا۔

فصل (۵)

ادب اور فن

ہمارے اس دور میں ادب کے میدان میں بھی کافی ترقی ہوئی۔ یہ ادب بہرحال معیاری نہیں تھا۔ بے شمار حکمراں ایسے تھے جو شائستہ ادب کے نہ صرف سرپرست تھے، بلکہ شعر و شاعری میں خود بھی مہارتِ تام رکھتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ صاحبِ قلم بھی تھے اور صاحبِ سیف بھی چناں چہ ہرکیلی ناٹک جس کے بعض اجزا اجمیر میں پائی گئی ایک پتھر کی سل پر کندہ دستیاب ہوئے ہیں، وگرہ راج وِسل دیو چاہمان سے منسوب ہے۔ ولال سین نے دان ساگر اور ادبھوت ساگر کی تدوین کی اور اس کا جو نا تمام حصہ تھا اُسے لکشمن سین نے مکمل کیا۔ واک پتی مُنج کو اعلیٰ درجے کے شاعر کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے اور بھوج پرمار اعظم مختلف موضوعات ۔۔۔ مثلاً طب، ہیئت، مذہب، قواعد تعمیرات، شعریات، فرہنگ نویسی، فنون وغیرہ پر تقریباً دو درجن کتابوں کا نام نہاد مصنف ہے۔ اس سے منسوب چند کتابوں کے نام ہم ذیل میں درج کرتے ہیں ۔۔۔ آیوروید سروسو

راج مرگانک، ویدھار، سنچیہ، شبد انوشاسن، سمرانگن سوتردھار، سرس وتی کنٹھابھرن، نام مالکا، یکتی کل پترو، وغیرہ۔ اموگھ ورش اول راشٹرکوٹ نے کوی راج مارگ، جو کناڑی زبان میں شعریات کے موضوع پر تصنیف ہے، اور پرشنوتر مالکا لکھیں۔ آخرالذکر کو بہرحال بعض لوگوں نے شنکر آچاریہ یا وِمل نامی شخص سے منسوب کیا ہے۔ مان سولاس جس میں مختلف قسم کے موضوعات سے بحث کی گئی ہے، اسا مغربی چالکیہ سومیشور سوم (تقریباً ۱۱۲۶–۱۱۳۸ء) کی تالیف ہے۔ مشرقی چالکیہ وِنے آدتیہ سوم گند نے ریاضیات کی توسیع وترقی میں کدوکاوش کی۔ گنگ اور پلّو فرماں رواؤں میں بھی کئی راجہ صاحب تصنیف ہوئے۔ بہرحال یہ بھی ممکن ہے کہ بعض راجاؤں کو جن کے نام اوپر لیے گئے، ان تصنیفات کے سلسلے میں ان کے درباری ادیبوں اور عالموں نے مدد دی ہو۔ راجہ، دانش وروں اور ادیبوں کی ہمت افزائی کرتے تھے جنھوں نے اپنی محنت وجاں فشانی سے اپنے زمانے کے علم وادب کو مالامال کر دیا۔ ذیل میں نمونے کے لیے ایک گوشوارے کے ذریعہ ان تمام تصنیفات کی فہرست پیش کی جاتی ہے۔

سنسکرت

شاعری	نام صاحب تصنیف	نام تصنیف
	کوی راج	راگھو پانڈویہ
	جن سین	پارشوا بھیودیہ کاویہ
	شری ہرش	نیشدھ چرت
	منکھ	شری کنٹھ چرت
	جے دیو	گیت گووند
	دھوئیک	پون دوت
	سندھیاکرنندی	رام چرت
	بلہن	وکرمانک دیو چرت
	پدم گپت	نوساہ سانک چرت
	ہیم چند	دواشریہ کاویہ
	سوم دیو	کیرتی کومدی

شاعری	نام صاحبِ تصنیف	نام تصنیف
	جیانک	پرتھوی راج وجے
	کلہن	راج ترنگنی

یہ بات قابلِ غور ہے کہ ان میں سے آخرالذکر سات کتابیں تاریخی اہمیت بھی رکھتی ہیں
۱۰۳۷ء میں کشیمندر نے برھت کتھا منجری پیش کی۔ یہ گناڈھیہ کی پیشاچی برھت کتھا کا سنسکرت نثر میں ترجمہ تھا۔ اسی کو سوم دیو نے گیارھویں صدی کے ربع سوم میں کتھا سرت ساگر کا روپ دیا۔

شعریات	نام صاحبِ تصنیف	نام تصنیف
	راج شیکھر	کاویہ می مانسا
	آنند وردھن	دھون والوک
	ممٹ	کاویہ پرکاش
	دھننجیہ	دش روپ
	دھنک	دش روپاولوک
	بھوج	سرس وتی کنٹھ بھرن
	ہیم چندر	کاویانو شاسن
	ودیہ ناتھ	پرتاپ رودریہ
ناٹک	بھوبھوتی	مالتی مادھو، مہاویر چرت، اُتر رام چرت
	راج شیکھر	بال رامائن، بال بھارت، ودھ سال بھانجکا
	دمودر	ہنومن ناٹک
	کرشن مشر	پر بودھ چندرودیہ
	سوم دیو	للت وگرہ راج
لغت	ہلایدھ	ابھی دھان رتن مالا
	ہیم چندر	ابھی دھان چنتامنی

لغت	نام صاحب تصنیف	نام تصنیف
	یادو بھٹ	ویجینتی کوش
	مہیشور	وِشو پرکاش
فلسفہ	کماریل	تین حصوں میں شرح ـــ شلوک وارتِک، تنتر وارتِک، اور ٹُپ ٹیکا
	منڈن مِشر	وِی مان سا لو، کرنی، وِدِھی وِویک
	واچس پتی مِشر	نیائے کنِک، تتو بندو، سانکھیہ تتو کومدی
	شنکر آچاریہ	اُپنشدوں کی شرحیں ـــ گیتا بھاشیہ، برہم سوتر بھاشیہ اُپدیش سہستری، آتم بودھ
	رامانج	برہم سوتر پر شری بھاشیہ، گیتا بھاشیہ، ویدانت سار
	اُدین	کسمانجلی
	مدھو آچاریہ	تتوسنکھیان، اشار سنگرہ
	ہیم چندر	پرملن می مانسا

مندرجہ بالا کتب کے علاوہ اور بہت سی شرحیں لکھی گئیں اور مذہبی فرقوں کے ادب کی علیحدہ تخلیق ہوئی۔

ہیئت	آریہ بھٹ دوم	آریہ سدھانت
	بھوج	راج مرگانک
	بھاسکر آچاریہ (۱۱۵۰ء)	سدھانت شرومنی

پرتھوڈک سوامی نے برہم گپت کی برھم (سپھٹ سدھانت) کی شرح لکھی اور چانگ دیو نے جو سنگھن یادو کے عہد کی شخصیت تھا، پٹنہ (ضلع خاندیش) میں بھاسکر آچاریہ کی سدھانت شرومنی کی تعلیم کے لیے ایک مٹھ قائم کیا۔

	نام صاحب تصنیف	نام تصنیف
جیوتش	بھٹوتپل	وراہ مہر کی تصانیف پر شرحیں ہورا شاستر
	ہرش کیرتی سوری	جیوتش سارودھار
	شری پتی (۱۰۳۹ء)	رتن مالا
ریاضیات	مہاویر آچاریہ (نویں صدی)	گنت سار سنگرہ
	شری دھر (ولادت ۹۹۱ء)	تری شتی
	بھاسکر آچاریہ	لیلاوتی، بیج گنت
قانون	میدھا تیتھی (نویں صدی)	منوسمرتی کی شرح
	گووند راج (گیارھویں صدی)	
	وگیانیشور (گیارھویں صدی)	متاکشرا (یاگیہ ولکیہ سمرتی کی شرح)
	لکشمی دھر	سمرتی کلپترو
	ہیمادری یا ہیمادری پنت	چترورگ چنتامنی
	ہلایدھ (بارھویں صدی)	براہمن سروسو
سیاسیات	سومدیو	نیتی واکیامرت
	ہیم چندر	لگھو ارہن نیتی
	بھوج	یکتی کلپترو
	چندیشور	نیتی رتناکر
آیوروید	واگ بھٹ	اشٹانگ سنگرہ، اشٹانگ ہردیہ سنگرہ
	مادھوکر	رگ ونشچے
	ورند	سدھ یوگ
	چکرپانی دت (۱۰۶۰ء)	چکتسا سار سنگرہ
	شارنگ دھر	شارنگ دھر سنہتا
موسیقی	شارنگ دھر	سنگیت رتناکر
قواعد	شکتاین (نویں صدی)	شکتاین ویاکرن
	ہیم چندر	ہیم ویاکرن

قواعد	نام صاحبِ تصنیف	نام تصنیف
	بِکرم دیشور (بارھویں صدی)	سنکشپت سار

پراکرت

واک پتی راج	گوڑ وہو
راج شیکھر	کرپور منجری
بھوج	کورم شتک
ہیم چندر	کمار پال چرت (پراکرت دواشریہ کاویہ)
	کماکاچاریہ کتھا، پربندھ چنتامنی
سوم پربھا	کمار پال پربودھ
دھن پال	بھیس دت کہا، پائیے لچھی (کوش)

کناڑی

اموگھ ورش	کوی راج مارگ
پمپ	پمپ بھارت

تامل

جے گوندن	کلنگت تپرنی
ادی یرک کنلر	شلپت دھکارم کی شرح

مندرجہ بالا فہرست محض نمونے کے لیے پیش کی گئی ہے۔ اسے مکمل ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن اس سے یہ ضرور واضح ہو گیا کہ اگرچہ اس ادب کا عہد ضخامت میں زیادہ تھا اور اس کا دائرہ بھی کافی وسیع تھا، پھر بھی زیادہ تر وہ شرحوں اور تلخیصوں وغیرہ پر مشتمل تھا اور اس میں طبع زاد عنصر کا فقدان تھا۔

اس عہد کے جو بے شمار مندر آج باقی رہ گئے ہیں ان سے ظاہر ہے کہ جہاں تک فن کا تعلق ہے، یہ عہد کافی زرخیز و شاداب تھا۔ ہندوستان میں جتنی عمارتیں بھی اس وقت تک

تعمیر ہوئیں یہ مندر ان میں سب سے زیادہ نفیس و خوش نما ہیں اور ان کی تعمیر میں تنوع پایا جاتا ہے۔ اڑیسہ کے مشہور مندر، خاص کر بھوبنیشور (ضلع پوری) کے مندر "ہند آریائی" طرز کا، جو اس وقت معراجِ کمال پر پہنچ چکا تھا، بہترین نمونہ پیش کرتے ہیں۔ ہر مندر میں ایک وِمان (مینار والا سٹھ)، ایک جگ موہن (جلسہ گاہ)، اور اس کے علاوہ نٹ منڈپ (ناچ گھر)، اور بھوگ منڈپ (رسوئی) ہوتے تھے۔ آخرالذکر دو کا اضافہ غالباً بعد کے زمانے میں کیا گیا۔ اڑیسہ کے مندروں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں آرائش کا بہت خیال رکھا گیا ہے۔ آرائش میں انسانی حیوانی اور نباتی زندگی کے گوناگوں مناظر پیش کیے گئے ہیں۔ بھوبنیشور میں لنگ راج کا سٹھ (گیارھویں صدی) اس خصوصیت کا بہترین نمونہ ہے۔ ان مندروں کی ایک خصوصیت ان کے سر بہ فلک گاؤدُم کلس ہیں جن کے اکثر میلوں دور تک تمام مناظر پر چھائے نظر آتے ہیں۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ کونارک کے سوریہ مندر میں غیر ثقہ مناظر کی بھرمار ہے۔ یہ ایک دل چسپ بات ضرور ہے، لیکن اس الوکھی خصوصیت کا اصل محرک کیا تھا یہ ایک زچ کرنے والا مسئلہ ہے۔ ایک دوسرا مقام جہاں اب بھی چند عظیم الشان مندر باقی ہیں بندیلکھنڈ میں کھجوراہو ہے۔ اس کے حسن کو چندیلوں نے چار چاند لگائے۔ کھجوراہو کا کندریہ مہادیو مندر (دسویں اور گیارھویں صدی) "ہند آریائی" طرز کا دوسرا بہترین نمونہ ہے۔ اس کے مجسموں اور زیب و زینت کو دیکھ کر انسان انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ اس عہد میں سرزمینِ کشمیر پر تعمیر کا ایک جداگانہ طرز نشو و نما پا رہا تھا جو اپنی علیحدہ خصوصیات کا حامل تھا۔ اس کا بہترین نمونہ مارتنڈ مندر ہے جسے للتا دِتیہ مکتا پیڈ نے آٹھویں صدی کے ربع دوم کے قرب و جوار میں تعمیر کرایا۔ جین مت کے پیرو بھی عظیم معمار تھے۔ جین مندروں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کا گنبد عام طور پر ہشت پہل ہوتا ہے اور ان کے نقش و نگار میں جین دیو مالا کے مناظر پیش کیے گئے ہیں۔ شمالی ہند کے جین مندروں کا طرز "ہند آریائی" ہے اور جنوبی ہند کے مندروں کا دراوڑی۔ جینیوں کی تعمیری سرگرمیوں کا بہترین نمونہ دِل وَڑا (آبو پہاڑ) اور شتروُنجیہ (پالتانہ) کے مشہور و معروف مندر ہیں۔ آبو پہاڑ پر تیجہ پال، اور وستو پال، وِمل اور اس کے بھائیوں کے بنوائے ہوئے جو مندر ہیں وہ خوب صورت منبت کاری اور خوش نما نقش و نگار کے لیے ممتاز ہیں۔ واتاپی (بادامی) اور پَتّ دَکل (ضلع بیجاپور) کے مندر چالکیہ یا دکنی طرز کے ہیں اور صحیح معنوں میں اس عہد سے تعلق نہیں رکھتے۔ اس طرز کے مندروں میں بڑی آراستہ پیراستہ کرسی ہوتی ہے جس میں پانچ پہلو

ہوتے ہیں اور اس کا نقشہ اکثر ستارہ جیسا ہوتا ہے۔ دکنی طرز غالباً دراوڑی طرز کا مرہونِ منت ہے، لیکن جیسے جیسے زمانہ گزرا، اس کی اپنی انفرادیت مسلم ہو گئی۔ اس طرز کے بہترین نمونے میسور میں بٹگ وشنو وردھن (تقریباً ۱۱۱۰ - ۱۱۴۰ء) کے بنوائے ہوئے بیلور کے مندروں میں اور ہوائسل ایشور کے بنوائے ہوئے ہیلی بِد کے (بارھویں صدی کا آخر) مندروں میں پائے جاتے ہیں۔ آخر الذکر اگرچہ نا تمام ہے لیکن "شان و شوکت اور آرائش میں ہندوستان کا کوئی دوسرا مندر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"[51] دکن کے بعض مندر پہاڑ کو کاٹ کر بنائے گئے ہیں۔ مثال کے لیے اس مقام پر ایلا پور (ایلورا) کے عظیم الشان شیو مندر کا ذکر کیا جا سکتا ہے جسے کرشن اول راشٹر کوٹ (تقریباً ۷۵۶ - ۷۷۲ء) نے کھدوایا۔ اسے "ہندوستان کے تعمیری دماغ کی حیرت انگیز ترنگ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پلووں نے فن کی زبردست حوصلہ افزائی کی۔ دلونور (جنوبی ارکاٹ کا ضلع)، پلاورم، ولم (ضلع چنگل پٹ) کے مندر، نیز مالا پرم کا دھرم راج رتھ، کانچی کا کیلاش ناتھ رتھ اور سات پگوڈا مندروں کے نمونے کا "شور" (ساحلی) مندر ان کے تعمیری ذوق اور فنی صلاحیتوں کی بہترین یادگار ہے۔ لیکن یہ مندر ہمارے زیرِ نظر دور سے ذرا پہلے کی تعمیر ہیں۔ پلووں کی تعمیری روایات کو چولوں نے بھی برقرار رکھا اور جنوب میں متعدد عمارتیں تعمیر کرائیں۔ دراوڑی مندروں کی پہچان یہ ہے کہ ان میں چوکھونٹے ومان، منڈپ اور گوپرم پائے جاتے ہیں، ہالوں میں بڑے بڑے ستون ہیں، اور آرائش کے لیے روایتی شیر (یالی)، کھنیاں (بریکٹ) اور مرکب ستون استعمال کیے گئے ہیں۔[52] بعد کے زمانے کی عمارتوں میں درمیانی مینار بہت بلندی پر بنے ہوئے منقش گوپورم (پھاٹکوں) کے مقابلے میں ماند پڑ گئے ہیں۔ تنجور کا شیو مندر دراوڑی فنِ تعمیر کی بہترین مثال ہے۔ اسے راجراج اول (تقریباً ۹۸۵ - ۱۰۱۴ء) نے تعمیر کرایا تھا، جو اسی کے نام پر آج تک "راج راجیشور" کہلاتا ہے۔ اس کا بلند ومان یا مینار ۸۲ مربع فٹ کی کرسی سے پے در پے تیرہ منزلوں میں اوپر اٹھتا ہے۔ اس پر بہت بڑے ٹھوس پتھر کا تاج ہے جس کی اونچائی ۲۵ فٹ اور وزن ۸۰ ٹن ہے۔ ظاہر ہے اسے اپنی جگہ نصب کرنے میں کس قدر محنت کی گئی ہوگی اور انجینیروں نے کتنی قابلیت

---

[51] امپیریل گزیٹیر آف انڈیا، ج ۲، ص ۲۴۵

[52] ایضاً، ص ۲۴۲

صرف کی ہوگی ۔ اس کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے ۔ دیگر قابلِ ذکر چول مندروں میں تنجور، کل ہستی اور گنگئے کونڈ چول پرم کے مندر ہیں ۔ چولوں نے سانچے میں ڈھالنے کے فن کی بھی حوصلہ افزائی کی ۔ ان کے زمانے میں پتھر اور دھات کے مجسموں میں شان ، لطافت اور وقار پایا جاتا ہے ۔ اس طرح ہمارے ملک کی سب سے خوب صورت یادگاریں جو دستبردِ زمانہ سے محفوظ رہ گئی ہیں ہمارے اسی دور سے تعلق رکھتی ہیں ۔ ان کے معماروں کی کاری گری واقعی قابلِ داد ہے ۔

فرہنگ مصطلحات

Abacus.	سنگ تراش
Absolutism.	مطلق العنانیت
Alderman.	میر بلدہ
Alexandrum.	سکندری
Allegory.	مجازی تمثیل
Ally.	حلیف
Anarchy.	طوائف الملوکی
Anthropology.	بشریات
Archaeological	اثری
Archives.	محافظ خانہ
Astronomy.	ہیئت
Autonomous	خود اختیار
Bardic poetry.	مغنیانہ شاعری
Bureaucracy.	عمال حکومت
Capital.	تاج
Canonical Sanction.	شرعاً جواز
Ceramic.	خزفی (کوزہ گری)
Chalcolithic.	معدنیاتی عہد
Chronology.	ترتیب وار تاریخ
Coalition	ائتلاف
Colophon.	تتمہ
Column.	کھمبہ
Confederacy.	اتحادِ سیاسی سیاسی جتھے بندی
Conterminous.	ہم سرحد
Cosmopolitan.	وسیع المشرب
Despatch Clerk.	منشی مراسلات
Despotism.	استبدادیت
Diplomacy.	حکمتِ عملی
Epigraphic.	لوحی
Era.	نظام سنوات سمبت
feudal.	جاگیری
feudatory.	جاگیر دار
fresco.	روغنی تصویر
Genius.	نابغہ
Guild.	ہم پیشہ لوگوں کی انجمن
Hegemony.	وفاقی قیادت

Hetrodoxy.	آزاد خیالی
Historicity.	تاریخیت
Investiture.	سندِ تقرری
Kingdom.	ریاست
Lingua franca.	مشترک زبان
Lyrical Poetry.	غنائی شاعری
Mathematics.	ریاضیات
Metallurgy.	خام دھات کی صفائی
Neolithic.	نو حجری عہد
Nomenclature.	نظامِ تسمیہ
Numismatic.	مسکوکاتی
Oligarchy.	چند سری
Orthodoxy.	قدامت پرستی
Palaeolithic.	قدیم حجری عہد
Palaeography.	کتبہ خوانی
Parochial.	فرقہ پرستانہ
Parricide.	پدر کُش
Pillar Edict.	ستونی فرمان
Polyandry.	چند شوئی
Poetics.	شعریات
Posthumous.	پسِ مرگ
Protege.	آوردہ
Queen Consort.	بادشاہ بیگم
Reaction.	ردِّ عمل
Relics.	تبرکات
Remains.	باقیات
Rock Edicts.	چٹانی فرمان
Shaft.	ڈانڈا
Strategy.	فوجی مصلحت
Stratification.	طبقاتی اجزائے ترکیبی
Tripartite.	سہ طرفہ
Vassal.	باجگزار
Versatile.	ہمہ داں
Viceroy.	نائب السلطنت وائسرائے
Vitality.	قوتِ حیات

فہرست کتب بزبان انگریزی

(جنھیں حاشیوں میں اردو رسم خط میں لکھا گیا ہے)

Aiyangar, Dr. S. K. — Studies in Gupta History.
— Ancient India.
ڈاکٹر ایس. کے. آینگر — اسٹڈیز ان گپتا ہسٹری
— اینشینٹ انڈیا

Aiyangar, P.T.S. — The Stone Age in Ancient India.
— Bhoj Raj.
پی. ٹی. ایس. آینگر — دا اسٹون ایج ان اینشینٹ انڈیا
— بھوج راج

Allan

Allan — Cambridge Short History of India.
ایلن — کیمبرج شارٹ ہسٹری آف انڈیا
— Catalogue and Coins of the Gupta Dynasty.
— کیٹلاگ اینڈ کوائنس آف دا گپتا ڈائینسٹی

Altekar, Dr. A.S. — The Position of Women in Hindu Civilization.
ڈاکٹر اے. ایس. الٹیکر — دی پوزیشن آف وی مین ان ہندو سیویلائزیشن
— Rashakutas and thelr Times.
— راشٹراکوٹاز اینڈ دیر ٹائمس

Bader, C — Women in Ancient India.
سی بیڈر — دی ویمن ان اینشینٹ انڈیا

Badge, E. A. W. — Life and Exploits of Alexander (Trans.)
ای۔ اے۔ ڈبلو۔ بج — لائف اینڈ اکسپولائٹس آف الگزانڈر (ترجمہ)
Banerjee, R. D. — The Palas of Bangal.
آر۔ ڈی۔ بنرجی — دی پالاز آف بنگال
— History of Orissa
— ہسٹری آف اڑیسہ
— The Haihayas of Tripura and their Monuments.
— دی ہے ہیاز آف تری پورا اینڈ دیر مانومنٹس
Barodia — History and Literature of Jainism.
بڑودیہ — ہسٹری اینڈ لٹریچر آف جینزم
Barua, K. L. — History of Assam.
کے۔ ال۔ بروا — ہسٹری آف آسام
Basak, R. G. — History of North-Eastern of India.
آر۔ جی بساک — ہسٹری آف نارتھ ایسٹرن انڈیا
Bayley — A History of Gujrat.
بیلی — اے ہسٹری آف گجرات
— A History of Fine Arts in India and Cylone.
— اے ہسٹری آف فائن آرٹس ان انڈیا اینڈ سیلون
Beal. — Life of Yuan Chwang.
بیل — لائف آف یوآن چوانگ
— Budhist Records of the Western World.
— بدھسٹ ریکارڈس آف دی ویسٹرن ورلڈ
— Travels of Fahian (Fo-Kwo-Ki)
— ٹریولس آف فاہیان (فوکوؤکی)
Bhandarkar, D. R. — Carmichael Lectures on Ancient History of India.

ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر ۔ کارمائیکل لکچرس آن اینشینٹ ہسٹری آف انڈیا

— Ashoka.

— اشوکا

— Early History of Dekhan.

— ارلی ہسٹری آف ڈکن

Brigg's Farishta — History of the Rise of Mohammadan Power.

برگس فرشتہ ۔ ہسٹری آف دی رائز آف محمڈن پاور

Chakravarti. M.M. — Chronology of the Eastern Ganga Kings of Orissa.

ایم۔ ایم۔ چکرورتی ۔ کرانولاجی آف دی ایسٹرن گنگا کنگس آف اڑیسہ

Chatterji, Dr. B.R — Indian Cultural Influence in Cambodia, India and Jawa.

ڈاکٹر بی۔ آر۔ چٹرجی ۔ انڈین کلچرل انفلوئنس ان کمبوڈیا، انڈیا اینڈ جاوا

Childe, G. — The Aryans.

جی۔ چائلڈ ۔ دا ایرینس

Cowell & Thomas — Harsa Charita (Transl.)

کاول اینڈ ٹامس ۔ ہرش چرتر (ترجمہ)

Cunningham — Book of Indian Eras.

کننگھم ۔ بک آف انڈین ایراز

Das. A.C. — Rig Vedic India.

اے۔ سی داس ۔ رگ ویدک انڈیا

— Rig Vedic Culture.

— رگ ویدک کلچر

Davids, Rhys — Budhist India.

رھس ڈے وڈس ۔ بدھسٹ انڈیا

Buddhism. بدھزم

Deb, H.K. — Udyam Vatsraj.

ایچ ۔کے۔ دیب ــ اُدیم وتس راج

Dikshit, N.K. — Pre-Historic civilization of Indus Valley.

ان۔ کے۔ ڈکشت ــ پری ہسٹارک سویلائزیشن آف دی انڈس ویلی

Dubreuil — Ancient History of the Dekkan.

ڈبریوئیل ــ اینشینٹ ہسٹری آف دی دکن

— Town Planning in Ancient India.

ــ ٹاؤن پلاننگ ان اینشینٹ انڈیا

— The Aryanization of India.

ــ دا ایریانائزیشن آف انڈیا

Dutta, B.C. Town Planning in Ancient India.

بی۔ سی۔ دتّ ــ ٹاؤن پلاننگ ان اینشینٹ انڈیا

Dutta, N.K. The Aryanization of India.

این۔ کے۔ دتّ ــ دا ایریانائزیشن آف انڈیا

Elliot and Dowson — History of India.

ایلیٹ اینڈ ڈوسن ــ ہسٹری آف انڈیا

Fleet — Corpus Inscriptionum Indicarum.

فلیٹ ــ کارپس انسکرپشنم انڈیکارم

Gaitu, Sir E. — History of Assam.

سر ای۔ گیٹ ــ ہسٹری آف آسام

Ganguly, M.M. — Orissa and her Remains.

ایم۔ ایم۔ گنگولی ــ اڑیسہ اینڈ ہر ریمینس

— History of the Parmara Dynasty.

— ہسٹری آف دی پرمار ڈائنسٹی

Geiger — Mahavansa.

گیگر — مہاونش

Gopalan, R. — History of the Pallavas of Kanci.

آر۔ گوپالن — ہسٹری آف دی پلّاوز آف کانچی

Govinda Pai — Geneology and Chronology of the Vakatakas.

گووند پی — جینالاجی اینڈ کرانالاجی آف دی واکاٹکاز

— Pre-Historic Ancient and Hindu India.

— پری ہسٹارک اینشینٹ اینڈ ہندو انڈیا

Grant, H—ot — Epigraphia Indica.

ہینیاٹ گرانٹ — ایپی گرافیہ انڈکا

Griffiths — The Paintings of the Buddhist Caves of Ajanta.

گریفتھس — دا پینٹنگس آف دی بدھسٹ کیوز آف اجنتا۔

Griswold — Religion of the Rig Veda.

گرسوَلڈ — ریلیجن آف دی رگ ویدا

Heras, Rev. H. — The Pallava Kings.

ریورنڈ ایچ۔ ہیراس — دی پلوا کنگس

Hira Lal — Kalchuris of Tripuri.

ہیرالال — کل چوریز آف تری پوری

Hopkins — Cambridge History of India.

ہاپ کنس — کیمبرج ہسٹری آف انڈیا

Hunter, Dr. G.R. — Script of Harappa and Mohanjodaro.

ڈاکٹر جی۔ آر۔ ہنٹر — اسکرپٹ آف ہڑپا اینڈ موہنجوڈارو

Indra — Status of Women in Ancient India.

اندر — اسٹیٹس آف وی مین ان اینشینٹ انڈیا۔

Jaini, Jagmandar Lal — Outlines of Jainism.
جینی جگمندرلال — آوٹ لائنس آف جینزم
Jayaswal, K.P. — Hindu Polity.
کے۔ پی۔ جیسوال — ہندو پالٹی
Keith, A.B. — Buddhist Philosophy in India and Ceylon
اے۔ بی۔ کیتھ — بُدھسٹ فلاسوفی ان انڈیا اینڈ سیلون
— A History of Sanskrit Literature.
— اے ہسٹری آف سنسکرت لٹریچر
Kern, J.H.C. — Manual of Indian Buddhism.
جے۔ ایچ۔ سی۔ کرن — مینول آف انڈین بُدھزم
Konow, S. — Corpus Inscriptionum Indicarum.
ایس۔ کونوٹ — کارپس انسکرپشنم انڈکارم
Lachmidhar — The Home of the Aryans.
لچھمی دھر — دا ہوم آف دی ایرینس
Landan, P. — Nepal.
پی۔ لینڈن — نیپال
Law. B.C — Ancient Mid Indian Ksatriya Tribes.
بی۔ سی۔ لا — اینشینٹ مڈ انڈین کشاتریہ ٹرائبس
— Ksatriya Clans in Buddhist India.
— کشاتریہ کلانس بدھسٹ انڈیا
Logam, A.C. — Old Chipped Stones of India.
اے۔ سی لوگم — اولڈ چپڈ اسٹونس آف انڈیا
Luard, C.E. and Lele, K.K. — Parmaras of Dhar and Malwa.
سی۔ ای۔ لورڈ اینڈ کے۔ کے لی — پرمارز آف دھر اینڈ مالوہ
Macdonell, A.A. — A History of Sanskrit Literature.

اے۔اے۔میکڈونل ـــ اے ہسٹری آف سنسکرت لٹریچر

Mackey, Dr. — The Indus Civilization.

ڈاکٹر میکے ـــ دا انڈس سویلائزیشن

Marphail — Asoka.

مارفیل ـــ اشوکا

Majumdar, R.C. — Early History of Bengal.

آر۔سی۔مجمدار ـــ ارلی ہسٹری آف بنگال

— Corporate Life in Ancient India.

ـــ کارپوریٹ لائف ان اینشینٹ انڈیا

— Ancient Indian Colonies In the Far East.

ـــ اینشینٹ انڈین کالونیز ان دا فار ایسٹ

Marshal, Sir John. — Mohenjodaro.

سر جان مارشل ـــ موہنجوڈارو

— Mohenjodaro and Indus Civilization.

ـــ موہنجوڈارو اینڈ انڈس سویلائزیشن

Mazumdar, B.C. — Orissa in The Making.

بی۔سی۔مزمدار ـــ اڑیسہ ان دا میکنگ

M'Crindle — Ancient India, Its Invasion by Alexander the Great.

ایم۔کرنڈل ـــ اینشینٹ انڈیا، اِٹس اِن ویژن بائی الیگزانڈر دا گریٹ

— Megasthenes and Arrian.

ـــ میگستھنیز اینڈ ایرین

— Ancient India as Described by Megasthenes & Arrian.

ـــ اینشینٹ انڈیا ایز ڈسکرائبڈ بائی میگستھنیز اینڈ ایرین

— Ancient India as Described in Classical Literature.

ـــ اینشینٹ انڈیا ایز ڈسکرائبڈ ان کلاسیکل لٹریچر

Minakshi, C.—Administration and Social Life under the Pallavas.
سی مناکشی۔ ایڈمنسٹریشن اینڈ سوشل لائف انڈر دی پلواز

Mitra, Panchanan — Pre-Historic India.
پنچانن مترا — پری ہسٹارک انڈیا

Mitra, R. L. — The Antiquities of Orissa.
آر۔ ایل۔ مترا — دا اینٹی کوئیٹیز آف اڑیسہ

Mookerji, Dr. R.K. — Hindu Civilization.
ڈاکٹر آر۔ کے۔ مکرجی — ہندو سویلائزیشن

— Local Government in Ancient India.
— لوکل گورنمنٹ ان اینشینٹ انڈیا

— Ashoka.
— اشوکا

— The Fundamental Unity of India
— دا فنڈامینٹل یونٹی آف انڈیا

Moraes, G.M. — The Kadamba Kula.
جی۔ ایم۔ موریز — دا کدمبا کل

Ojha, G.H. — M.M. Prachina Lipi.
جی۔ ایچ۔ اوجھا (قلمی مسودہ) پراچین لپی

Oldenburg, H. — Buddha.
ایچ۔ اولڈن برگ — بدھا

Radhakrishnan, Sir S. — Indian Philosophy.
سر ایس۔ رادھاکرشنن — انڈین فلاسفی

Rangacharya, V. — Pre-Musalman India.
وی۔ رنگاچاریہ — پری مسلمان انڈیا

Rao, M.V.K. — The Gangas of Talkad.

ایم۔ وی۔ کے راؤ — دا گنگاز آف تلکاڈ

Rapson, E. J. — Catalogue of the Coins of the Andhra Dynasty, the Western Ksatraps.

ای۔ جے۔ ریپسن — کیٹلاگ آف دا کوائنس آف دی آندھرا ڈائینسٹی، دا ویسٹرن شترپس

— The Cambridge History of India.

— دا کیمبرج ہسٹری آف انڈیا

Raverty — Notes on Afghanistan.

ریورٹی — نوٹس آن افغانستان

Rawlinson — Bactria.

راولنسن — بیکٹریا

Raychaudhri — Political History of Ancient India.

رائے چودھری — پولٹیکل ہسٹری آف اینشینٹ انڈیا

Ray, H. C. — Dynastic History of North India.

ایچ۔ سی۔ رے — ڈائنیسٹک ہسٹری آف نارتھ انڈیا

Ray, N. — The Maitrakas of Valabhi.

این۔ رے — دا میترکاز آف ولبھی

Rau, B. N. — Raja Bhoj.

بی۔ این۔ ریو — راجہ بھوج

Rice, Lewis — Epigraphia Carnatica.

لیوس رائس — ایپی گرافیہ کرناٹکا

Sachau — Alberuni's India.

سچاؤ (زخاؤ) — البیرونی ز انڈیا

Sankalia, M. D. — The University of Nalanda.

ایم۔ ڈی۔ سنکلیا — دا یونیورسٹی آف نالندا

Sarkar, G. M. — Early History of Bengal.

جی۔ایم۔سرکار — ارلی ہسٹری آف بنگال
Shah — Jainism in Northern India.
شاہ — جینزم اِن ناردرن انڈیا
Shashi, K.A. Nilkanta. — The Cholas.
کے۔اے۔نیل کانتا شاستری — دا چولاز
— Studies in Chola History and Administration.
— اسٹڈیز ان چولا ہسٹری اینڈ منسٹریشن
— The Pandayan Kingdom.
— دی پانڈین کنگڈم
Shashi, Shama. — Kautilya's Arthshastra.
شاما شاستری — کوٹلیاز ارتھ شاستر
Smith, V. — Ashoka.
وی۔اسمتھ — اشوکا
— Pala Dynasity of Bengal.
— پالا ڈائنیسٹی آف بنگال
— Early History of India.
— ارلی ہسٹری آف انڈیا
Stein, Sir Aurel — Kalhana's Rajatarangini.
سرآریل اسٹین — کلہنس راج ترنگنی
Stevenson, Mrs. S. — The Heart of Jainism.
مسز ایس۔اسٹونسن — دا ہارٹ آف جینزم
Subramaniam, K.R. — Buddhist Remains in Andhra and the History of Andhra between 225 and 610 A.D.
کے۔آر۔سبرامانیم — بدھسٹ ریمنس اِن آندھرا اینڈ دی ہسٹری آف آندھرا بٹوین ۲۲۵ اینڈ ۶۱۰ اے۔ڈی۔

Tarn — The Greeks in Bachia and India.

ٹارن — دا گریکس ان بیکٹریا اینڈ انڈیا

Taylor, Dr. Isaac — The Origin of the Aryans.

ڈاکٹر آئزک ٹیلر — دا اورجن آف دی ایرینس

Thomas, E. — The Life of Buddha.

ای. ٹامس — دی لائف آف بُدّھا

Tilak, B. G. — Arctic Homes in the Vedas.

بی۔ جی۔ تلک — آرکٹک ہوم اِن دا ویداز

Tripathi, R. S. — History of Kannauj.

آر۔ ایس۔ ترپاٹھی — ہسٹری آف قنوج

Tod — Annals and Antiquities of Rajasthan.

ٹاڈ — اینلس اینڈ اینٹی کوئیٹیز آف راجستھان

Upadhyaya — Women in Rig Veda.

اُپادھیائے — دی مین ان رگ ویدا

Vats, M. S. — Excavations at Harappa.

ایم۔ ایس۔ وَیٹس — اکسکیویشنس ایٹ ہڑپا

Woddel, L. A. — The Indo Sumerian Seals Desiphered.

ایل۔ اے۔ واڈل — دا انڈو سُمیرین سیلس ڈی سائیفرڈ

Wales, H. G. Q. — Towards Angkor

ایچ۔ جی۔ کیو۔ ویلیز — ٹوورڈس انگ کور

Watters, Thomas — Yuan Chwang Travels (Si-Yu-Ki)

ٹامس ویٹرس — یوآن چوآنگ ٹریولس (سی یو کی)

Wilson, H. H. — Hindu Theatre (Trans.)

ایچ۔ ایچ۔ ولسن — ہندو تھیٹر (ترجمہ)

Wright, D. — History of Nepal. ڈی۔ رائٹ — ہسٹری آف نیپال

کتابیات

Annals of the Bhandarkar Research Institute.
اینلس آف دی بھنڈارکر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

Antiquities of India. اینٹی کوئیٹیز آف انڈیا

Bombay Gazeteer بامبے گزیٹیر

Catalogue of Pre-Historic Antiquities in the Govt. Museum.
کٹیلاگ آف پری ہسٹارک اینٹی کوئیٹیز ان دی گورنمنٹ میوزیم

Historical Inscriptions of Southern India.
ہسٹاریکل انسکرپشنس آف سدرن انڈیا

Imperial Gazeteer of India. امپیریل گزیٹیر آف انڈیا

Malvyaji Commemoration Volume. مالویہ جی کمیموریشن والیوم

Maxims میکزمس

New India Antiquaries نیو انڈیا اینٹی کوئیریز

Notes on the Ages Distribution of Pre-Historic Antiquities
نوٹس آن دا ایجز، ڈسٹری بیوشن آف انڈین پری ہسٹارک اینٹی کوئیٹیز

Numismatic Society.
نیومسمیٹک سوسائٹی

Oxford History of India.
آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا

Publication of the Greater Indian Society.
پبلیکشنس آف دا گریٹر انڈین سوسائٹی

Proceedings of the Indian History Congress.

پروسیڈنگس آف دا انڈین ہسٹری کانگریس
Proceedings of the First Oriental Conference.
پروسیڈنگس آف دی فرسٹ اورینٹل کانفرنس
Proceedings of the Asiatic Society of Bengal.
پروسیڈنگس آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال
Sir Ausotosh Mookerji Silver Jubilee Volume.
سرآشوتوش مکرجی سلور جبلی والیوم
South Indian Paleography
ساؤتھ انڈین پیلوگریفی
South Indian Inscriptions.
ساؤتھ انڈین انسکرپشنز
The Age of Maha Bharata.
دا ایج آف مہابھارت

رپورٹیں

Archaelogical Survey of Annual Report.
آرکیلاجیکل سروے آف اینول رپورٹ
Archaelogical Survey of India.
آرکیلا جکل سروے آف انڈیا
Archaelogical Survey of India Report.
آرکیلا جکل سروے آف انڈیا رپورٹ
Archaelogical Survey of South India.
آرکیلاجیکل سروے آف ساؤتھ انڈیا
Progress Report of the Archaelogial Survey Eastern Circle.
پراگرس رپورٹ آف دی آرکیلا جکل سروے، ایسٹرن سرکل

Report of the Archaelogial Survey of Western India.
رپورٹ آف دی آرکیالاجکل سروے آف ویسٹرن انڈیا۔

مجلے

Asiatic Journal and Monthly Register for British and Foreign India, China and Australia.
ایشیاٹک جرنل اینڈ منتھلی رجسٹر فار برٹش اینڈ فارن انڈیا، چائنا اینڈ آسٹریلیا۔
Journal Asiatique.
جرنل ایشیاٹیک
Journal of Asiatic Society of Bengal.
جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال
Journal of Bihar and Orissa Research Society.
جرنل آف بہار اینڈ اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی
Journal of Department of Letters, Calcutta University.
جرنل آف ڈپارٹمنٹ آف لٹرس، کلکتہ یونیورسٹی
Journal of Indian History.
جرنل آف انڈین ہسٹری
Journal of Numismatic Society of India.
جرنل آف نیومس میٹک سوسائٹی آف انڈیا
Journal of Royal Asiatic Society.
جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی
Journal of U.P. Historical Society
جرنل آف یوپی ہسٹارکل سوسائٹی
Indian History Quarterly.
انڈین ہسٹری کوارٹرلی

ناگپور یونیورسٹی جرنل

Nagpur University Journal.

دا اورین پونا

The Orien Poona

ہماری مطبوعات

آندھی میں چراغ	خواجہ غلام السیدین	73/-
ابوالکلام آزاد۔ شخصیت، سیاست، پیغام	پروفیسر رشید الدین خاں	21/-
ابوالکلام آزاد۔ ایک ہمہ گیر شخصیت	پروفیسر رشید الدین خاں	58/-
اترپردیش کے لوک گیت	اظہر علی فاروقی	120/-
اردو ادب کی تنقیدی تاریخ (دوسری طباعت)	احتشام حسین	70/-
اردو کے ابتدائی ادبی معرکے (ابتدا سے عہد مرزا و میر تک)	ڈاکٹر محمد یعقوب عامر	22/-
اردو کے ادبی معرکے (انشاء سے غالب تک) ترمیم و اضافے کے ساتھ (دوسرا ایڈیشن)	ڈاکٹر محمد یعقوب عامر	30/-
اردو کی کہانی	احتشام حسین	21/-
اردو لغت نگاری کا تنقیدی جائزہ	ڈاکٹر مسعود ہاشمی	30/-
ارنیسٹ ہمنگوے (حیات و فن کا تنقیدی مطالعہ) (دوسری طباعت)	ڈاکٹر سلامت اللہ خاں	8/40
امریکی ادب کا مختصر جائزہ	ڈاکٹر سلامت اللہ خاں	زیر طبع
انتخاب غزلیات میر	ڈاکٹر حامدی کاشمیری	15/-
انتخاب کلام حسرت	ڈاکٹر فضل امام	9/-
اردو زبان کی تدریس	معین الدین	40/-
انشاء کا ترکی روزنامچہ	سید محمد نعیم الدین	4/50

انیس کے سلام	علی جواد زیدی	60/-
انیس کے مرثیے اوّل (دوسری طباعت)	صالحہ عابد حسین	36/-
انیس کے مرثیے دوم (دوسری طباعت)	صالحہ عابد حسین	40/-
برنارڈ شا	عبدالمغنی	35/-
بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقاء	پروفیسر اختر اورینوی	18/-
بیسویں صدی میں اردو ناول	ڈاکٹر یوسف سرمست	58/-
پشکن (دوسری طباعت)	ظ۔انصاری	زیر طبع
پھول بن	ابن نشاطی	زیر طبع
تذکرہ علمائے بلخ	صفی الدین واعظ / مترجم پروفیسر نذیر احمد	12/-
تالستائے	ڈاکٹر محمد یٰسین	زیر طبع
جنت سنگار	پروفیسر سیدہ جعفر	180/-
جوش ملیح آبادی شخصیت اور فن	ظفر محمود	38/-
چکبست	رام لال نابھوی	18/-
چخف (دوسری طباعت)	ظ۔انصاری	10/-
حیات جاوید (تیسری طباعت)	الطاف حسین حالی	48/-
خسرو شناسی (دوسری طباعت)	ظ۔انصاری / ابوالفیض سحر	24/-
دانتے	زیڈ۔اے۔عثمانی	8/25
دستنبو (غالب)	(مترجم) پروفیسر خواجہ احمد فاروقی	12/-
درس بلاغت (تیسری طباعت)	قومی اردو کونسل	47/-
قدیم اردو نظم (حصہ اول)	ڈاکٹر فہمیدہ بیگم	40/-
دکن میں اردو	پروفیسر نصیر الدین ہاشمی	42/-
دکنی ہندو اور اردو	پروفیسر نصیر الدین ہاشمی	15/50
دکنی نثر کا انتخاب	پروفیسر سیدہ جعفر	45/-

دکن میں مرثیہ اور اعزاداری	ڈاکٹر رشید موسوی	17/-
دیوان آبرو	پروفیسر محمد حسن	25/-
دیوان حسرت عظیم آبادی	ڈاکٹر اسماء سعیدی	زیر طبع
ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا حیات اور کارنامے	ڈاکٹر کبیر احمد جائسی	12/-
ڈاکٹر ذاکر حسین شخصیت و معمار	مرتبہ: ڈاکٹر فہمیدہ بیگم	70/-
ذوق و جستجو	پروفیسر خواجہ احمد فاروقی	34/-
رہبر اخبار نویسی	سید اقبال قادری	62/-
رباعیات انیس	مرتب: علی جواد زیدی	85/-
زندگانی بے نظیر	سید محمد عبدالغفور شہباز / سید محمد حسنین	19/-
سب رس کے حروف (صرفی مطالعہ)	آصفہ بیگم	9/50
سخنوران گجرات	سید ظہیر الدین مدنی	17/-
شعریات (دوسری طباعت)	ارسطو / شمس الرحمٰن فاروقی	62/-
شعر شور انگیز (اوّل)	شمس الرحمٰن فاروقی	150/-
شعر شور انگیز (دوم)	شمس الرحمٰن فاروقی	130/-
شعر شور انگیز (سوم)	شمس الرحمٰن فاروقی	150/-
شعر شور انگیز (چہارم)	شمس الرحمٰن فاروقی	170/-
صحیفہ خوش نویساں	مولوی احترام الدین احمد شاغل عثمانی	12/-
عربی ادب کی تاریخ (اوّل) (تیسری طباعت)	ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی	20/-
عربی ادب کی تاریخ (دوم)	ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی	26/-
عربی ادب کی تاریخ (سوم)	ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی	55/-
غزل اور غزل کی تعلیم (دوسری طباعت)	ڈاکٹر اختر انصاری	18/-
فسانۂ آزاد (جلد اوّل)	رتن ناتھ سرشار / امیر حسن نورانی	100/-
فسانۂ آزاد (جلد دوم)	رتن ناتھ سرشار / امیر حسن نورانی	65/-